ادوار تاریخ اسلامی (۲)

دور رشد و رشادت

کاوش:

علی شرف الدین



دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

نام کتاب................. دور رشد و رشادت

کاوش..................... علی شرف الدین

ناشر..................... دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

زیر طباعت..................... علی شرف الدین

http://www.sibghtulislam.com/

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ
كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ
اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ
وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ
حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۸:۲۲)

حرف آغاز:

مدخل الدراسات تاریخ الاسلامی میں پیش کردہ تاریخ شناسی کے اصول وموازین کو سامنے رکھتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ نبی کریمؐ کی قیادت و رہبری کے خلاء کو اس برگزیدہ امت نے کیسے پُر کیا اور وہ کیسے ایک مثالی قیادت پیش کرنے میں کامیابی و کامرانی سے سرخرو ہوئی نیز منتخب خلفاء کس حد تک امیدوں پر پورے اترے اور کس حد تک اشتباہات ولغزشات سے دوچار ہوئے اور اسی طرح یہ لغزشات کیوں اور کیسے پیش آئیں اس کا بھی تجزیہ پیش کریں گے۔

حاضر کتاب میں ہماری کوشش ہوگی کہ ہم دیکھیں کہ ان چار خلفاء نے کونسے ایسے مثالی اور معیاری کارنامے انجام دیئے جو ان کے بعد آنے والوں کے لئے باعث رشک بنے جبکہ ان کے بعد اقتدار پر آنے والے ان خلفاء کی سیرت پر نہ چلنے کی وجہ سے ملک عضوض یعنی چیرنے اور چبانے والے کے نام سے متعارف ہوئے۔زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب معاویہ بن یزید کو کہنا پڑا میرے پاس حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی جیسی کوئی ہستی نہیں ہے۔میرے پاس حضرت عمر کی وفات کے موقع پر نامزد ہونے والے افراد جیسی شخصیات نہیں ہیں میرے پاس قتل حضرت عثمان کے بعد والی ہستیاں بھی نہیں ہیں۔ان کے بقول یہ ہستیاں قہرمانان ماضی یعنی ماضی کے پہلوان یا ماضی کی بہترین مثالیں بن کر گزر گئی ہیں۔الغرض یہ خلفاء اپنے دور میں ایک دوسرے کے معاون، مشاور اور ناصح تھے جبکہ ان کے بعد امت نے ان کے حوالے سے ختم نہ ہونے والی داحس وغبراء سے بدتر جنگیں پیش کی ہیں۔خلفائے اسلام کی تاریخ کے صفحات ضد ونقض کے کانٹوں بلکہ آج کل کی اصطلاح کے مطابق بارودی سرنگوں کے راستوں سے گزرنے کی مانند ہیں۔خلفاء کے بارے میں لکھی گئی کتب تاریخ پڑھنے اور نئی تاریخ لکھنے والوں کو حسب تعبیر قرآن "عقبة کرود" یعنی پیچ وخم والے دشوار گزار راستے سے گزرنا پڑتا ہے ان کی تاریخ جو اس وقت ہماری دسترس میں ہے وہ ضد ونقض سے پُر ہے۔

خلفائے راشدین کے صفحات کو صاف ستھرا پیش کرنا اس لئے بھی ناممکن ہے کہ ان کی روئیداد لکھنے والے مؤرخین کے تین گروہوں نے اس روئیداد کو اپنے عقائد وعواطف سے مرکب کرکے تاریخ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا اس کی روشنی میں قضاوت کرنا بہت دشوار ہے۔

۱)۔پہلے گروہ میں سنی مسلک کے مؤرخین ہیں جنہوں نے سارا ملبہ دوسرے فریق پر ڈالنے کی کوشش کی ہے، جیسے کتب ابن تیمیہ، ابن عربی اور صلابی ہیں خاص کر صلابی کی کتابوں کو پڑھنے کے بعد اشعث بن قیس، عمرو عاص، عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد اور اس فتنہ کو برپا کرنے والوں اور قاتلین عثمان کے بھی نام بغیر احترام سے لینا مشکل ہوگا وہ تجلیل واحترام میں علی اور علی کے دشمنوں میں فرق نہیں کرتے۔

۲)۔دوسرے گروہ میں شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے غلات، نصیری، شیخی، خطابی قداحی ہیں ان کے بقول خلیفہ کے انتخاب میں نصِ اللہ و رسولؐ کو نظر انداز کیا گیا ہے یہ کہہ کر انھوں نے خلفاء پر اللہ اور اس کے رسولؐ سے بغاوت کا الزام لگایا ہے، جیسے کتاب سلیم بن قیس ہلالی، کتاب الامامہ والسیاسہ، کتب علامہ عاملی، سبحانی اور محدث قمی وغیرہ ہیں۔یہ کتب دیکھنے کے بعد ان کے بقول خلفاء آستینوں اور بغلوں میں بت رکھنے والے نظر آتے ہیں۔

۳)۔تیسرے گروہ میں مستشرقین ہیں جو اس مسئلے میں دو قسم کا زاویہ نظر رکھتے ہیں ان کی پہلی ترجیح میں مسلمین سے عداوت و کینہ کو اس حد تک پہنچانا مقصود ہے کہ جہاں اس کے ختم ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔اس لئے انھوں نے اس موقع کو فرصت وغنیمت شمار کرکے اپنا قلم چلایا ہے۔ان کی تحریر کا دوسرا زاویہ مغربی جمہوریت ہے، یہ لوگ مغربی ذہنیت کے ساتھ اسلامی سیاست اور مسائل کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں حالانکہ اس طرح ان مسائل کا حل ممکن نہیں ہے۔اس لئے اس مسئلے کو غیر جانبدارانہ طور پر پیش کرنے کیلئے ایک خالص مسلمان مؤرخ کی ضرورت ہے۔

غیر جانبدارانہ تاریخ خلفائے راشدین لکھنے میں حائل دشواریاں:

خلفاء راشدین کی تاریخ لکھنے میں کئی دشواریاں درپیش ہیں، پہلے مرحلے میں اہم ترین مشکل اصحاب واہل بیت کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ وعلیہ السلام لگانا ہے، اگر سب کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگائیں تو اسے شیعہ نہیں پڑھیں گے اور چیخ اٹھیں گے اور اگر سب پر علیہ السلام لگائیں گے تو سنی کہیں گے یہ شیعوں کی کتاب ہے کیونکہ ان کی طرف سے قرآن کا ترجمہ ہی کیوں نہ ہو، وہ اسے قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ شیعوں نے اپنے حق میں ترجمہ وتفسیر کیا ہے۔دیکھنا ہوگا کہ یہ احتمال اپنی جگہ کس حد تک درست ہے، اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ تقریباً تمام مترجمین نے اپنے عقائد کو قرآن کے لفافے میں پیش کیا ہے۔لہٰذا ان سے اور کیا توقع ہوسکتی ہے چنانچہ یہ بات آپ تراجم فرمان علی، مقبول، امداد شیرازی، محسن نجفی اور ذیشان جوادی میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔اگر خلفائے راشدین کے نام پر

رضی اللہ عنہ اور علیہ السلام میں سے ایک بھی نہ لگائیں تو کہیں گے کہ انھیں اصحاب یا آئمہ اطہار اور عام لوگوں میں تمیز و فرق کرنا نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ امت میں شگاف ڈالنے اور اسے قرآن وسنت سے دور رکھنے کیلئے بنائی گئی کئی دیواروں میں سے ایک دیوار اصحاب و آئمہ کے نام پر رضی اللہ عنہ و علیہ السلام لگانا ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ سب کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کس آیت و روایت کے تحت لگایا ہے، اس کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ اللہ نے قرآن میں ان کے لئے رضی اللہ عنہ کہا ہے لیکن یہ بات چندین حوالے سے مخدوش ہے، یہ کلمات چند سوروں میں آئے ہیں:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ أَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً﴾ (یقیناً خدا صاحبانِ ایمان سے اس وقت راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کردیا اور انہیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کردی)(فتح۔۱۸)

﴿لا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ يُوادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ لَوْ كانُوا آباءَهُمْ أَوْ أَبْناءَهُمْ أَوْ إِخْوانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمانَ وَ أَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهارُ خالِدِينَ فِيها رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ أُولئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آپ کبھی نہ دیکھیں گے کہ جو قوم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والی ہے وہ ان لوگوں سے دوستی کررہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنے والے ہیں چاہے وہ ان کے باپ دادا یا اولاد یا برادران یا عشیرہ اور قبیلہ والے ہی کیوں نہ ہوں ۔ اللہ نے صاحبان ایمان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی خاص روح کے ذریعہ تائید کی ہے اور وہ انہیں ان جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان ہی میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ۔ خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ ہی نجات پانے والا ہے)(مجادلہ:۲۲)

﴿جَزاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهارُ خالِدِينَ فِيها أَبَداً رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ ذلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ﴾(پروردگار کے یہاں ان کی جزاء وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ انہی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور یہ سب اس کے لئے ہے جس کے دل میں خوف خدا ہے)(بینہ۔۸)

سورہ فتح کی آیت ۱۸ تمام اصحاب کی شان میں نہیں بلکہ صرف ان اصحاب کی شان میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریمؐ کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین مکہ سے حتیٰ الموت جنگ کرنے کی بیعت کی تھی۔ یہ آیت اس کٹھن مرحلے میں نبی کریمؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور حتیٰ الموت جنگ کرنے والوں کی شان میں اتری ہے دوسرا اللہ نے اس آیت میں خود ان سے راضی ہونے کا فرمایا ہے لیکن جہاں بھی ان کا نام لیں، ساتھ ہی رضی اللہ عنہ کہیں، کیا یہ بھی اس آیت میں آیا ہے اور کیا یہ حکم اللہ اور اُس کے رسولؐ کا حکم ہے یا یہ آپ کا استنباط یا فتویٰ ہے۔ آیا یہ بھی کہیں باطیوں کی اختراع تو نہیں جسے انہوں نے محمدؐ پر صلوٰۃ کے مقابل میں اٹھایا اور اسے اپنے کسی مقصد کیلئے رواج دیا کہ اگر محمدؐ کے نام کے ساتھ صلواۃ ہے تو اہل بیت کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور اصحاب کے نام کے ساتھ رضی اللہ ہوگا۔

اللہ ان سے راضی ہے اس سے یہ مطلب آپ نے کیسے اخذ کیا کہ جب بھی ان کا نام لے رہے ہوں، ان کے نام کے ساتھ یہ فقرات پڑھیں۔ قرآن میں چندین آیات اس عبارت میں آئی ہیں جہاں جامع صفات بیان کی گئی ہیں کہ کوئی انسان چاہے جس زمانے میں ہو اور چاہے وہ جہاں بھی ہو جب وہ فلاں فلاں احکامات و تعلیمات قرآن وسنت پر عمل کرے گا تو اللہ ان سے راضی ہوگا۔ یہ بھی واضح ہے کہ یہ دونوں اصطلاحات صدر اسلام میں رائج نہیں تھیں حضرت ابوبکر کے بعد کسی نے آپ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں لگایا، اسی طرح حضرت علی اور حضرت عثمان نے بھی اپنے سے پہلے خلفاء کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ نہیں لگایا، حضرات حسنین اور دیگر آئمہ نے حضرت علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں لگایا اور نہ ہی دوسرے مسلمان اس طرح کرتے تھے۔

یہاں تک کہ کتب تاریخ اور روایات قدماء میں کسی بھی صحابی کے نام کے ساتھ نہ رضی اللہ عنہ ہے نہ علیہ السلام ہے لیکن افسوس ہم اسی کے بارے میں جنگ لڑ رہے ہیں۔ آج ہم لوگ دین اسلام کے اصول و فروع کا تحفظ کرنے والوں، وطن عزیز کی آزادی و استقلال کی جنگ لڑنے والوں، آیات جہاد و قتال پر عمل کرنے والوں اور، اصحاب و امہات المومنین کے نام کی بجائے اداکاروں اور گلوکاروں کے نام پر نام رکھنے پر خاموشی یا نیم اتفاق کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔

تاریخ لکھنے والوں نے ان دو کلمات کو میدان جنگ میں جھنڈے کے طور پر استعمال کیا تا کہ قاری کو فوراً پتہ چلے کہ یہ کتاب شیعوں کی ہے یا سنیوں کی، لیکن اُس دور کے مسلمان ان جھنڈوں کی آج کی طرح پوجا نہیں کرتے تھے اور نہ ان سے حاجتیں مانگتے تھے۔ ان فقرات کو صرف اور صرف تفریق امت کی خاطر اور ایک نشانی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تا کہ ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کی کتاب نہ پڑھیں اور پھر اسلام کے خلاف اتنے بڑے جرم کے بعد بھی یہ اتحاد مسلمین کے مخلص داعی بنتے ہیں۔ دراصل یہ امت کو قرآن وسنت سے دور رکھنے کیلئے ایک ذریعہ و وسیلہ ہے۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ دعائی فقرات ان ذوات کیلئے سزاوار نہیں بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ یہ کلمات بھی نقاط متنازع فیہ قرار پا چکے ہیں۔ جب قرآن و سنت سے یہ حکم ثابت نہیں کہ ان ذوات کے نام گرامی لیتے وقت رضی اللہ عنہ یا علیہ السلام لگائیں تو ہم کیوں ان فقرات کو فساد و نفرت پھیلانے کیلئے استعمال کریں۔ چنانچہ جو افراد قرآن و محمدؐ کو خیر باد کہہ کر اصحاب کو اٹھاتے ہیں یا اہل بیت اہل بیت کہہ کر قرآن اور محمدؐ کو کنارے پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کیسے اور کس طرح سے اسلام کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ یہ حضرات ہی بعض ذوات کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور بعض کے ساتھ علیہ السلام لگانے پر مُصر و بضد ہیں۔

اصحاب پرست گروہ نے اصحاب کے درجات میں فرق نہیں کیا، جبکہ قرآن میں مختلف اصحاب میں فرق بیان ہوا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی دعوت میں سبقت کرنے والے، آپ کے ہر حکم پر جان و مال نثار کرنے والے، حضر و سفر میں ساتھ رہنے والے ابو بکر، عمر، عثمان بن عفان، علی بن ابو طالب، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، زید بن ارقم اور انصار نقباء میں سے سعد بن عبادہ وغیرہ جو کئی سالوں تک پیغمبرؐ کے حکم پر دشمنوں سے جنگ میں نبرد آزما رہے، ان میں اور فتح مکہ کے موقع پر تسلیم ہونے والوں میں فرق نہیں کیا جاتا اور ان سب کو برابر اور یکساں گردانا جاتا ہے۔ انکے نزدیک یہ سب رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ ڈاکٹر اسرار صاحب داعی تحریک خلافت سے درس کے دوران جب پوچھا گیا کہ ابو سفیان کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا درست ہے یا نہیں تو انھوں نے جواب دیا ان کی زندگی کے دو حصے ہیں، اگر فتح مکہ سے پہلے کے مواقع کے بارے میں ان کا نام لیا جائے تو رضی اللہ عنہ نہ کہیں اگر اس کے بعد کے واقعات کا ذکر آجائے تو ان کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر اس منطق کو اپنایا جائے تو پھر یہ تمام اصحاب کے بارے میں بھی بنے گی کیونکہ تمام اصحاب دو ادوار سے گزرے ہیں۔

ہمیں قرآن کے نام سے یرغمال بنانے والے ایک نادیدہ دوست جناب طیب معاویہ ہیں۔ آپ کے قرآن قرآن کا واویلا کرنے سے ہمیں دھوکہ ہوا چنانچہ ان کے واویلا پر ہم نے کتاب "اٹھو قرآن سے دفاع کرو" تالیف کی لیکن بعد میں انہوں نے پرویزیوں کا مجلّہ طلوع اسلام ہماری طرف بھیجا جو کہ شیعہ دینی مدارس کے طلباء کا پسندیدہ مجلّہ ہے۔ پرویز کے مجلّہ کے قارئین عام طور پر اسے پسند کرنے والے روشن خیال سعہ الصدر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں اسے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن شرف الدین کی کتابیں نہ پڑھیں۔ غرض جناب طیب معاویہ نے اور بھی ایسی کتابیں ہمیں ارسال کیں جن میں احادیث کا مسخرہ کیا گیا تھا۔ ہمارے یہاں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو ایک طرف سے اہل قرآن گردانتا ہے چنانچہ ہمارے ایک دوست میانوالی سے جناب الطاف کلو ہیں موصوف ایک ہاتھ میں نفسیاتی کتاب رکھتے ہیں اور اکثر اوقات احادیث کو کلی طور پر ضعیف الاسناد اور نا قابل عمل گردانے پر تلے رہتے ہیں جبکہ ایک گروہ ہے جو حضرت علی سے مخاصمت برتنے والے، علی کو کنارے پر لگانے والے، خوارج کی بنیاد ڈالنے والے اور علی کو خلافت سے عزل (معزول) کرنے والے مروان، عمرو عاص اور معاویہ و یزید کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانے پر مُصر ہیں۔

ہم کسی کا نام لیکر لعن کرنے کے حق میں نہیں ہیں، کیونکہ لعن مولود الحاد و خوارج و معاویہ ہے۔ اہل تشیع بعض ہستیوں پر جو لعنت بھیجتے ہیں اس کا آغاز اہل بیت سے نہیں ہوا بلکہ اس کی پشت پر قادیانی اور اسماعیلی ہیں جو صرف احادیث ہی کے منکر نہیں بلکہ مقام رسالت مآبؐ کی توہین کو بھی جائز اور قابل معافی گردانتے ہیں اور قانون توہین رسالت میں تخفیف اور نرمی کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اس کے لئے غلط استدلال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام عفو و مدارات کا دین ہے اور آنحضرتؐ کے دور رسالت میں طرح طرح کی توہین کی گئی لیکن آپؐ نے کسی کو کچھ نہیں فرمایا اور انہیں سزا نہیں دی لیکن ان کی ظاہری اور باطنی دونوں آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں، قرآن قرآن کہنے والے پرویزیوں کی آنکھوں پر حسب آیت "ختم اللہ علی قلوبھم" کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ کیا ان پر یہ واضح نہیں ہے کہ مکے میں آپ عاجز و قاصر تھے لیکن بدر میں توہین رسالت کرنے والوں کو سزائے موت سنائی گئی، اسی طرح فتح مکہ کے بعد انکے خون کو مباح قرار دیا اور حکم بن عاص کو بھی مدینہ سے بدر کیا گیا۔

طیب معاویہ کے بار بار اصرار کرنے پر ہم نے کہا جو شخص نبی کریمؐ سے نبرد آزما رہا، جو فتح مکہ کے موقع پر بادل نخواستہ تسلیم ہوا، جس نے منتخب خلیفہ مسلمین علی کے ساتھ جنگ کی، خلیفہ منتخب امام حسن کو خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا، اسے آپ کیسے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تو انہوں نے کہا قرآن نے انھیں رضی اللہ عنہ کہا ہے قارئین دیکھیں قرآن کو قرآن کے خلاف اٹھانے والوں کی آنکھ پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ انہیں حق بالکل سامنے ہو تو بھی نظر نہیں آتا لیکن اللہ کا فضل ہے اس نے ہمیں یہ بصیرت عنایت کی اور ہماری کمزور اور ضعیف نظر ان آیات پر لگی جن میں رضی اللہ آیا ہے ان آیات سے یہ واضح ہے کہ رضی اللہ عنہ والی آیت تمام اصحاب کیلئے نہیں بلکہ صرف حدیبیہ میں حاضر اصحاب کیلئے ہے۔ سورۂ فتح کی آیت ۱۸ صرف حدیبیہ میں حاضر اصحاب کے لئے اتری ہے۔ لہٰذا جرم و جنایت کے مرتکبین اور قاتل و مقتول سب کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا عقل و وجدان اور قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

اس گروہ نے اہل بیت والوں کی ضد میں آ کر ابو سفیان، اس کے بعد معاویہ جو خلیفہ مسلمین کے خلاف بغاوت پر اترا اور حضرت علی کے بعد دوسرے خلیفہ امام حسن کو بزور طاقت خلافت سے تنزل کیا، یہاں تک کہ اسکے بیٹے یزید جس نے نواسہ رسول کو اشقیاء خوارج سے بھرے لشکر کے ذریعے بے دردی سے قتل کیا، آپ کے اہل بیت کو اسیر کیا اور اپنے دربار میں لایا، مدینہ رسولؐ کو تاراج کیا، کعبۃ اللہ پر منجنیق سے حملہ بھی کیا اس نے ایک لشکر مدینہ میں بھیجا جس نے اصحاب و تابعین کو اور ان کے اموال و جائیداد کو مشرکین کی جان و مال کی مانند مباح گردانا، یہ ان سب کو بھی رضی اللہ کہتے ہیں۔ اس کے لئے انکے پاس کوئی دلیل و منطق نہیں پیغمبرؐ نے فضیلت ہجرت کو فتح مکہ کے بعد ختم کیا تھا۔ ان لوگوں کی تضاد گوئیوں کی فہرست بہت لمبی ہے، یہ ایک طرف سے کہتے ہیں کہ سب اصحاب رضی اللہ عنہ ہیں، سب جنت میں جائیں گے اور دوسری طرف سے کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے صرف چند محدود اصحاب کو جنت کی بشارت دی تھی اور باقیوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ وہ مخصوص اصحاب جن کے جنت میں جانے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ اصحاب یہ ہیں ابو بکر، عمر، عثمان، علی، ابو عبیدہ بن جراح، زبیر بن عوام، سعید بن زید، طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن وقاص۔ جبکہ بعض دیگر یہ تعداد بیس تک بتاتے ہیں عشرہ مبشرہ کی تعداد میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے یہ دس ہیں اور کوئی بیس کہتا ہے۔

۲۳ سال مشکلات و مصائب جھیلنے والے ہزاروں اصحاب میں سے صرف دس یا بیس جنت کے ٹکٹ حاصل کر سکے ہیں اور باقیوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ اس روایت کے بعد آپ کسی بھی شخص کو قیام قیامت تک جنت جانے کی ترغیب نہیں دلا سکتے کیونکہ اس کے تحت جنت کی بکنگ ختم ہو چکی ہے گویا اس روایت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ حضرت محمدؐ کو صرف دس سے بیس ٹکٹ ملے تھے۔ یہ وہی کلمات ہیں جنھیں غالی استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب جنت دینا اللہ کے ہاتھ میں نہیں کیونکہ ان کے بقول پوری جنت اللہ نے شب ہجرت علی کو فروخت کر دی تھی یا نبی کریمؐ نے ان دس بیس اصحاب کو فروخت کی تھی اسی طرح دیگران کہہ سکتے ہیں جنت تو ان دس یا بیس اصحاب کیلئے فروخت ہو چکی ہے اب ہمارا نیند سے اٹھ کر راتوں کو نمازیں پڑھنے، گرمی میں روزے رکھنے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر محاذ جنگ پر جانے کی کیا منطق ہو گی۔

ان تمام تحفظات اور اشکالات کے ساتھ صرف چند افراد کے لئے بشارت جنت چندین آیات قرآن اور حقائق مسلمہ سے متصادم ہے ان آیات میں جنت کو ایمان و عمل صالح سے جوڑا گیا ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ﴾ (لقمان ۸) "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں سے بھری ہوئی جنت ہے"۔

﴿أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سجدہ ۱۹) "جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں ان کے لئے آرام کرنے کی جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کی جزا ہیں"۔

﴿قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران ۱۵) "پیغمبرؐ آپ کہہ دیں کہ کیا میں ان سب سے بہتر چیز کی خبر دوں جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں ان کے لئے پروردگار کے یہاں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے"۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ (بروج ۱۱) "بے شک جو لوگ ایمان لے آئے

اورانہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے"۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ (شوریٰ ۲۲) "اور جولوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں وہ جنت کے باغات میں رہیں گے اور ان کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کے وہ خواہشمند ہوں گے اور یہ ایک بہت بڑا فضل پروردگار ہے"۔

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللهِ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (نساء ۱۳) "یہ سب الٰہی حدود ہیں اور جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور درحقیقت یہی سب سے بڑی کامیابی ہے"۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ . يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ﴾ (توبہ ۲۰، ۲۱) "بیشک جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک عظیم درجہ کے مالک ہیں اور درحقیقت وہی کامیاب بھی ہیں۔ اللہ ان کو اپنی رحمت، رضامندی اور باغات کی بشارت دیتا ہے جہاں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی"

قرآن کی بے شمار آیات میں جنت کو ایمان و عمل صالح، صوم و صلاۃ اور انفاق و جہاد سے جوڑا گیا ہے یہاں تین مفروضے بنتے ہیں:

۱)۔ صرف دس یا بیس اصحاب نے ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی انجام دیئے ہیں۔

۲)۔ دس بیس کی گنتی کے علاوہ باقی سب منحرف تھے یا ان کے علاوہ جنہوں نے اعمال صالح انجام دیئے وہ رائیگاں جائیں گے۔

۳)۔ باقیوں نے حصول جنت کے لئے درکار شرائط پوری نہیں کی ہیں۔

۴)۔ جنت کی بشارت غیبی خبر ہے جبکہ آیات کثیر میں نبی کریمؐ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ قرآن نے علم غیب کو اللہ سے مختص گردانا ہے جیسا کہ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ﴾ "آپ کہہ دیجئے کہ میں خود بھی اپنے نفس کے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا ہوں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب سے باخبر ہوتا" (اعراف ۱۸۸)

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ "آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نئے قسم کا رسول نہیں ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا میں تو صرف وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں اور صرف واضح طور پر عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں" (احقاف ۹)

﴿رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ "تو آپ کہہ دیجئے کہ تمام غیب کا اختیار پروردگار کو ہے اور تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں" (یونس ۲۰)

﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ﴾ "اور میں تم سے یہ بھی نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے موجود ہیں اور نہ ہر غیب کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں" (ھود ۳۱)

﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ "آسمان و زمین کا سارا غیب اللہ ہی کے لئے ہے اور قیامت کا حکم تو صرف ایک پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی قریب تر ہے اور یقیناً اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے" (نحل ۷۷)

۵)۔ آیات قرآن اور نبی کریمؐ کے فرمان کے بھی خلاف ہے جس میں ایمان لانے والوں کے درمیان فرق قائم کیا گیا ہے۔

(۱)۔ آغاز دعوت کے موقع پر جان ہتھیلی پر رکھ کر سینہ سپر ہونے والوں کو سابقین کہا گیا ہے۔

(۲) اصحاب بدر کی دیگر جنگوں میں شریک ہونے والوں پر برتری ہے۔

(۳) حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں کو بعد کی جنگوں میں شریک ہونے والوں پر فضیلت حاصل ہے فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد والوں کے درمیان ایک دیوار قائم کی گئی ہے۔

(۴) فتح فتوح کے بعد قوت و طاقت دیکھ کر تسلیم ہونے والے کو مولفۃ القلوب کہا گیا ہے ان سب میں فرق نہ رکھنا ظلم اور عدالت سے انحراف ہے۔

﴿ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴾ (ص ۲۸) ''کیا ہم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں جیسا قرار دیدیں یا صاحبانِ تقویٰ کو فاسق و فاجر افراد جیسا قرار دیدیں''۔

﴿ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴾ (قلم ۳۵) ''کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں جیسا بنا دیں'' لہٰذا ایمان لانے والوں میں سے جو بھی نیک اعمال انجام دیں گے، قرآن میں ان سب کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ قرآن نے پیغمبر گو بارہا سب انسانوں کے لیے جنت کی بشارت دینے والے کے نام سے متعارف کروایا ہے لہٰذا نبی کریمؐ قرآن و سنت پر عمل کرنے والے تمام انسانوں کے لیے بشیر ہیں نہ کہ صرف دس یا بیس انسانوں کے لیے۔

غرض جس طرح ہم تمام اصحاب کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانے سے اتفاق نہیں کرتے اسی طرح اہل بیت کے نام کے ساتھ علیہ السلام لگانے سے بھی اتفاق نہیں رکھتے کیونکہ یہ دونوں اصطلاحات فرقہ سازوں کی اختراع ہیں جب کہ قرآن اور سنت نبیؐ میں اس کی کوئی سند نہیں ملتی۔ جس طرح ہم نے رضی اللہ عنہ کے بارے میں خدشات بیان کئے ہیں اسی طرح علیہ السلام کے بارے میں بھی خدشات رکھتے ہیں کہ یہ حکم کس آیت قرآن یا فرمان محمد رسول اللہ ﷺ سے استنباط کیا گیا ہے کہ آپؐ کے اہل بیت کے نام کے ساتھ علیہ السلام لگائیں اس حوالے سے عام طور پر اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں۔ سلام علی ال یا سین۔ ان دونوں کی اختراع میں یہ فلسفہ نظر آتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح سے عظمت و مقام ''شاخ لا نبی بعدی'' کو کم رونق ملے اور ان دونوں ذوات اصحاب اور اہل بیت کو اسلام کی خیر خواہی کے بہانے نبیؐ کے برابر کھڑا کریں اور آپؐ کے وجود کو ان دونوں کے ذریعے تسلسل دیں جو عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہے اور اسے رواج دینے والے باطنیہ ہیں۔

اہل بیت سے مراد ہمارے معاشرے میں حضرت زہراء، حضرت علی اور حسنین ہیں عام مسلمانوں میں جب اہل بیت کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے یہی ذوات ذہن میں آتی ہیں لیکن اہل بیت کے نام سے جن کا راج چلتا ہے وہ، خطابی اور قداحی ہیں البتہ وہ اپنے آپ کو شیعیان علی یا جعفری کہتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جن صفات کا اہل بیت کے نام کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہ اہل بیت محمدؐ میں نہیں ہیں اور اس طرح کی تمام صفات تناسخیوں اور حلولیوں کی بیان کردہ ہیں۔

۱) اہل بیت محمدؐ کو ان صفات کا حامل سمجھنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ ذوات روئے زمین پر خود اللہ ہیں، اللہ ہماری ہدایت کی خاطر بشر کے لباس میں زمین پر اترا ہے، اس لئے یہ ذوات بشر نہیں بلکہ نور ہیں، ہمیں انہیں چھوڑ کر اللہ سے دعائیں مانگنے کی اجازت نہیں۔

۲) ان میں مجرمین و فاسقین مجہول الانساب مدعیانِ الوہیت اور تنسیخ و تعطیل شریعت کرنے والے اسماعیلیوں کی تمام شاخیں شامل ہیں۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر حجت ہیں، اہل بیت کے اس تصور کے تحت وہ کافرین و ملحدین ہی کو انتخاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ ہمیں غیر معصوم کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے اس لیے ہم ان مسلمان حکمرانوں کی اطاعت نہ کریں تو یہ کوئی جرم نہیں۔ اسی سوچ کے تحت اس فرقے کے عمائدین کا کہنا ہے کہ ان مسلمانوں کی حکومت کی بجائے حکومت کفر بہتر ہے۔

ہمارے موقر علماء اعلام، دانشوران اور روشن خیال ہمیں ایک موضوع سے دوسرے موضوع میں تالیف کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور ایک موضوع پر لکھنے کے بعد کسی دوسرے موضوع میں قلم اٹھانا ہمارے لئے علاقہ ممنوعہ میں داخل ہونے کے مترادف گردانتے ہیں سلمان نقوی و مظہر کاظمی کے بقول مجھے ان تالیفات کے لئے ولی فقیہ سے اجازت لینا ضروری ہے اور خاص کر نصیریوں اور غالیوں کے مغضوبین کو راشدین لکھنا ہوگا بقول محترم نجفی ایسا نہ کرنا حدود سے تجاوز کرنے کے برابر ہوگا۔ بقول محترم حیدر علی جوادی یہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے اور اپنے لئے وبال جان خریدنے کے مترادف ہوگا، بقول سلمان نقوی اس کا کس کو فائدہ ہوگا اور بقول انصاریان اگر آپ کو اپنے اوپر رحم نہیں آتا تو اپنے بچوں پر تو رحم آنا چاہیے، اور شبیر بھائی کا کہنا ہے کہ سمجھ میں نہیں آیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں چنانچہ

مشرکین نے کہا تھا ما نفقه كثير اماتقول وغیره نمی دانم محمد علی اور دانش صاحبان جیسے ہمارے داماد وں کے مہربان دوست اور مزید کتنے لوگ کیوں، کس لئے اور کس کے کہنے پر جیسے، بہت سے سوالیہ فقرات کے انبار لگائیں گے۔

خلافت یا امامت:

ان خلفاء کا انتخاب کس نظام کے تحت ہوا ہے۔ اسلام میں ملوکیت، جمہوریت یا امامت وخلافت میں سے کون سا طرز حکومت ہے۔ امامت ملوکیت کے تحت یعنی نسل بہ نسل آگے منتقل ہوتی رہے گی اور یہ بھی وراثت میں جائے گی اور جمہوریت میں خلیفہ کا عوام الناس انتخاب کریں گے۔ معذرت کے ساتھ ان دو اصطلاحات میں سے کلمہ نظام کہاں سے نکلا ہے خلافت پیچھے آنے والے کو کہتے ہیں جبکہ امامت آگے ہونے والے کو کہتے ہیں۔

جس طرح آج کل کے محققین نے امامت اور خلافت کے نام سے متضاد و متناقض نفی و اثبات پر مبنی نظریات بنائے ہیں، دور راشدین میں یہ نظریات موجود نہیں تھے۔ کلمات امامت وخلافت کو قرآن وسنت کی حدود وقیود سے باہر رکھنے کے بعد کوئی قدسیت و تعظیم تکریم حاصل نہیں۔ جبکہ امت اسے ایک قدسیت دے رہی ہے۔ خلافت کا مطلب ایک شخص کا دوسرے شخص کی جگہ جاگزین ہونا ہے، لہٰذا اس میں کوئی نظام نہیں ہے جبکہ امت نے بنی عباس و فاطمیہ کے فاسق و فاجر، شقی اور قاتل باپ حتیٰ بچے کو بھی یہ مقام دیا ہے۔ دنیا میں بادشاہت یعنی خاندان سے وراثت کی بنیاد پر بڑا فرزند امام یا خلیفہ ہوتا ہے اگر وہ چھوٹا یا نابالغ جنین شکم ہے تو بھی چلے گا کیا دین اسلام میں بھی ایسا ہی ہے کہ جو شخص اپنے لئے کم عمر ہونے یا شکم میں ہونے کی وجہ سے کسی عورت سے عقد نہیں کر سکتا وہ امت کا قائد بنے۔ اگر خلافت کوئی خاص نظام ہے تو اس سے مراد رسول اللہ کے بعد خلافت ابو بکر و عمر و عثمان و علی مراد ہے یا جو بھی مسلمانوں کا حاکم بن جائے اور قرآن وسنت کے احکامات پر عمل پیرا بھی نہ ہو تو اس کے نظام حکومت کو بھی نظام خلافت کہیں گے۔ جس دن سے معاویہ نے حکومت سنبھالی اسی دن سے اسلام میں خلافت کی جگہ ملوکیت شروع ہوئی ہے بنی امیہ کے بعد بنی عباس، ان کے امراء و وزراء، آل بویہ، سلاجقہ، خوارزم، فاطمیہ، علوین اور صفوین سب کے ہاں ملوکیت ہی رہی ہے جو آج بھی جمہوریت کے نام سے جاری ہے۔

خلافت و امامت کے یہ دونوں عنوانات امت کے اہل فکر و دانش کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ کلمہ خلافت قرآن میں نیک اور بد دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے، یعنی خلافت قرآن میں مدح و مذمت دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ۔

﴿يا داوُدُ إِنَّا جَعَلْناكَ خَليفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لا تَتَّبِعِ الْهَوى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذابٌ شَديدٌ بِما نَسُوا يَوْمَ الْحِسابِ﴾ ''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنادیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔'' (ص ۲۶)۔

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضاعُوا الصَّلاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَواتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ (مریم ۵۹) ''پھر ان کے بعد ان کی جگہ پر وہ لوگ آئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات کا اتباع کر لیا پس یہ عنقریب اپنی گمراہی سے جاملیں گے''۔ یہاں خلافت کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح کلمہ امام بھی مدح و مذمت دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے: ﴿وَجَعَلْناهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنا وَأَوْحَيْنا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْراتِ وَإِقامَ الصَّلاةِ وَإِيتاءَ الزَّكاةِ وَكانُوا لَنا عابِدينَ﴾ '' اور ہم نے ان سب کو امام و پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف کار خیر کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور یہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے''۔ (انبیاء ۷۳)

﴿وَجَعَلْناهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾ '' اور ہم نے ان لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دینے والا امام و پیشوا قرار دے دیا ہے''۔ (قصص ۴۱) اس آیت میں امام بُرے کردار کے حامل رہنما کے لیے استعمال ہوا ہے۔

تمهید:

الحمدا لله الذی اقام الحجة ببدائع حکمه،واظهر ها بقضائه و حکمه و ایدها بتتابع علی المطیعین،وتوالی النقم علی المعرضین،حتی قطع اعذار الفجار بعجائب صنعه،واخضع قلوب الابرار لطاعة امره۔

سبحانه،قهر سماوات والارض حتی جائتا طائعین،وصروف اللیل والنهار تهتف بوحدانیته فی العالمین،وتنادی بکبریائه فی الاولین والاخرین۔

واشهد ان لا اله الا الله الواحد القهار الذی قهرت قوته ذوی القوی،الجبار الذی خضعت لجبروته الجبابرة،العزیز الذی خضعت لعزته اعناق الطغاه المتکبرة،سبحانه من اله لطیف بعباده،رحیم بخلقه،فکل موجوده یدعوه الی وحدانیة،وکل محسوس یهدیهم الی ربوبیته،ومع هذالفضل والاحسان،اتبع ذلک ببعثه رسله،قائمین بالصدق و داعین الی الحق ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ثم ختمهم بامام الهدی محمد بن عبد الله المبتعث بالدعوة العامة والماهج التامة المقذه من ظلمة الضلالة الموقظة من غفلة الجهالة الموصلة الی النجاة فی الحیاة و بعد الممات فاشهد ان عبد الله ورسوله۔

الحمد الله هدانا نجدین لئلا نقتحم العقبات والصلات وابلانا بالخیر والشر وبلونا ایناااحسن عملا ویعلم االحسن ...المجاهدین والمقصرین ولیعلم سابقون والاحقون من المهاجرین ومن یلحقو بالمولفة القلوب۔

حمدوستائش اس ذات والا کیلئے مختص ہے جس کی الوہیت، ربوبیت اور وحدانیت محکم دلائل عقلی و ریاضی سے ثابت ہے۔جبکہ ملحدین و منافقین کے پیش کردہ شبہات کے نکات مثل تارعنکبوت ہیں۔حق حاکمیت اسی ذات کیلئے مختص ہے کیونکہ حق حاکمیت خالق و مالک و مربی کو ہی حاصل ہے اس نے ہی آسمان و زمین و مافیھا کو اس انسان کے لئے مسخر کیا اور اس کے لوازمات کو پہلے سے ہی بطور کامل و اتم ارزاں و محکوم کیا ہے جہاں فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾ ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کی ہر چیز کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں“ (لقمان۲۰)

﴿لِتَسْتَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ﴾ ”تاکہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر سوار ہوا کرو پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب اس پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ذات ہے اس کی جس نے ہمارے بس میں کر دیا حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔“ (زخرف۱۳)

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ﴾ ”اور آسمان و زمین کی ہر ہر چیز کو بھی اس نے اپنی طرف سے تمہارے لئے تابع کردیا ہے“ (جاثیہ۱۳)

﴿وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ ”اسی نے تمہیں تمہاری منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے“ (ابراہیم۳۴)

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾ ”اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے“ (ذاریات۲۲)

علم و قدرت غیر محدود اس ذات کیلئے مخصوص ہے جو سر و اخفا ما تبدون و ما تکتمون سے واقف و آگاہ ہے، وہی ذات قدرت مطلقہ کی حامل ہے جس نے فرمایا میری ذات کے علاوہ مدعیان قدرت مکھی مچھر کی تخلیق سے بھی عاجز ہیں۔درود و سلام سرور کائنات فخر موجودات حامل رسالت محمد ﷺ صاحب کمالات اور آپ کی برگزیدہ آل و اصحاب پر جنہوں نے آپ کی حیات میں آپ کی اطاعت کی اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی نیابت کرنے میں رشد و رشادت کا مظاہرہ کیا، حاضر صفحات میں انہی ذوات پاک کا تذکرہ کیا جائے گا جو سیرت محمدؐ پر چلے، ان کی مدح کے بارے میں آیات قرآن سے اقتباس کر کے انہیں راشدین کہا گیا کیونکہ انہوں نے نبی کریمؐ کے بعد اس امت کے انتظام اور باگ ڈور کو سنبھالا اور نبھانے میں رشد دکھایا ہے اس لئے یہ راشدین کہلانے کے مستحق ہیں۔

یہ ذوات اپنی فکر و عمل دونوں میں راشدین تھیں انھوں نے یہ مقام و منزلت دعوت میں سبقت، جنگ و جہاد میں مبارزت یعنی جلدی کرنے، دوران قیادت قناعت و کفایت، دنیا سے رخصت ہوتے وقت مال و متاعِ دنیا سے دست صفا یعنی پاکیزگی کی وجہ سے حاصل کیا ہے لیکن یہاں ایک جملہ معترضہ نکلتا ہے کہ آپ کیوں ان کے راشدین ہونے پر اصرار کرتے ہیں آپ کیوں جو مسئلہ تاریخ میں ضد و نقیض کا حامل ہے اسے حل کرنے پر مُصر ہیں، کیا ایسا ممکن ہے؟

جواب واضح ہے کہ میں خود کو سنی ثابت کرنا نہیں چاہتا گرچہ میں شیعیانِ قداحیوں و دیصانیوں کے مقابل میں سنیوں کو اسلام سے کچھ حد تک قریب سمجھتا ہوں کیونکہ ان کو قرآن محمدؐ اور کعبہ سے چڑ نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی عقائد میں لنگڑے ضرور ہیں کیونکہ انہوں نے بھی قرآن کو حدیث سے باندھ کر اس کی حاکمیت کو کمزور کیا ہے اور حدیث سازوں کی حوصلہ افزائی کی، جبکہ حدیث کی چھان پھٹک اور اسے اصول و موازین کے اندر لانے والوں کی حوصلہ شکنی کی ہے جس سے وہ دین محمدؐ کو فسطائزم کی طرف لے گئے ہیں۔ جہاں تک اس مسئلے کا حل نکالنے کی خواہش کا تعلق ہے تو یہ ایک خواہش جنونی ضرور ہے لیکن یہ عقلی طور پر ناممکن اور از روئے شریعت ناجائز و غیر شرعی قطعاً نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرے۔ مسئلہ ہڑتال، پتھراؤ، جلوس اور دھرنے سے حل نہیں ہوگا۔ ابھی تک جو کچھ قتل و کشتار اور خون خرابہ ہوا ہے اور سب مسلمان آپس میں دست و گریباں ہیں یہ اسی استعمار کے کارنامے ہیں۔ یہ قتل و غارت گری قادیانیوں، بہائیوں اور اسماعیلیوں کے اہل بیت سے دوستی کے جھوٹے دعوے اور خلفاء کرام کو سبّ و شتم اور بدزبانی کا نشانہ بنانے سے شروع ہوا، اگر مسلمان سبّ و شتم و لعن کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرنے کیلئے قرآن و سنت محمدؐ اور سیرت آئمہ اطہار سے استفادہ کرتے تو اسے ایک فعل حرام قرار پاتے بلکہ اہل بیت متصل بہ نبیؐ حضرت علی، حضرات حسنین اور امام سجاد و دیگران کو دیکھیں تو انہوں نے اس فعل شنیع سے منع فرمایا ہے۔ اگر ہمارے علماء اعلام اور دانشمندان ذی قدر قرآن و سنت اور فرمودات آئمہ اطہار پر عمل پیرا ہوتے تو آج وہ اتحاد اسلامی، وحدت مسلمین اور تحریک اسلامی کی حرکتوں کے یرغمال نہ بنتے جن کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں ﴿یقولون مالیس فی قلوبھم﴾ ''یہ وہ بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے'' (عمران ۱۶۷) سبّ و شتم کی بدعت خوارج نے رکھی، خلفاء بنی امیہ نے اسے تحفظ دیا اور اپنایا پھر بعد میں شیعیان خطابی و قداحی نے اور پھر عصر حاضر کے قادیانیوں اور اسماعیلیوں نے اسے رواج دیا ہے۔ ان کے دلوں میں جتنا بغض و نفرت خلیفہ دوّم کیلئے ہے اتنا ابوبکر و عثمان کیلئے نہیں، ان کے اندر جتنا بغض و عداوت عمر کیلئے ہے اتنا یزید سے نہیں ہے، آخر ایسا کیوں ہے۔ اس حوالے سے تحلیل گران کا کہنا ہے کہ مشرکین، یہود و نصاریٰ اور مجوس نے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے حضرت عمر کو نشانہ بنایا ہے۔

ہم یہاں تاریخ اسلام کے دوسرے دور کے مسئولین اور ذمہ دار شخصیات کے بارے میں قلم اٹھاتے وقت ان لوگوں کی سیرت پر نہیں چلیں گے جنہوں نے ان ذوات پر قدسیت و عصمت کی ایسی چادر چڑھائی ہے کہ جس سے قارئین کو خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ وہ مافوق نبوت یا شریک در نبوت تھے۔ اسی طرح ان افراد کی سیرت پر بھی نہیں چلیں گے جنہوں نے انہیں وقت کا نمرود، ہامان اور فرعون جیسا قرار دیا ہے۔ بلکہ ہم قرآن کریم او رسنت و سیرت رسولؐ اور مؤرخین تاریخ اسلامی کے صفحات کو سامنے رکھ کر انکی شخصیات کا جائزہ لیں گے۔ ہم یہ صفحات لکھتے وقت اس بات کے لئے آمادہ ہیں کہ بے شک ہمیں طنز و تنقید کا نشانہ بنایا جائے، اور ہمارے ساتھ اس دنیا میں جو بھی ہو ہم اس کی پرواہ کئے بغیر اللہ کے حضور اس کی عدالت میں حاضر ہونے اور اس کی مدد پر ایمان رکھتے ہوئے لکھیں گے کہ ایک دن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم سب سے ہماری نیات اور اعمال کا ضرور حساب لینا ہے۔ ہم ان صفحات کو لکھتے وقت دو چیزوں کو سامنے رکھیں گے ایک قرآن و سنت میں سبقت، ایمان و ہجرت اور شریک در غزوات کے مراتب و درجات کے بنیادی امتیازات کو سامنے رکھیں گے۔

دوسرا اسلام لانے کے بعد پیغمبرؐ کی وفات تک کی ۲۳ سالہ زندگی کے نشیب و فراز میں انہوں نے کیا کردار اپنایا، ہمارا موضوع تحریر ہوگا۔ اس طرح ان کا دیگر اصحاب رسولؐ سے تقابل و موازنہ کریں گے اور بر سر اقتدار آنے کے بعد ان کی خدمات و لغزشات کو بھی خاطر میں رکھیں گے۔

ہم خلفاء راشدین کے مثالی اور درخشندہ صفحات کو سامنے لانا چاہتے ہیں شاید اس طرح امت اسلامیہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائے، وقت کے حکمرانوں کے سیاہ چہرے سامنے آجائیں اور سبّ و شتم کو فروعِ دین سمجھنے والے شیعیان اہل بیت کے مدعیوں کے چہروں سے پردے ہٹ جائیں کہ وہ کن اہل بیت کے حامی و داعی ہیں۔ یہاں دو حالتوں میں سے ایک ضرور ہوگی کہ یہ لوگ کس کو دھوکہ دے رہے ہیں، کہیں یہ عباپوش اسماعیلیوں اور قادیانیوں کے جیش ابرہہ کے مقدمہ الجیش تو نہیں جہاں وہ آگے آگے رہ کر راستے سے سرنگوں کو ہٹانے کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ ان کے کفر و شرک پر مبنی کردار و گفتار کی توجیہ کرتے ہیں اس ملک

میں کفر و الحاد پھیلانے والوں کی حکومت کو کلمہ اسلام پڑھنے والوں پر ترجیح دے کر ان کے اقتدار کے لئے لب و دست آسمان کی طرف دراز کرتے ہیں گویا کہ وہ کہتے ہیں اے اللہ قرآن و شریعت کی حاکمیت پر کفر کی حاکمیت کو غلبہ عنایت فرما۔

ہم نہ تو خلفاء پرست و اصحاب پرست ہیں اور نہ ہی ان ہستیوں سے عداوت پرستی کے قائل ہیں ہم انہیں معصوم از خطا نہیں گردانتے۔ان کی غلطیاں تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں لیکن وہ غلطیاں ایسی نہیں کہ ان کی وجہ سے کوئی انسان انہیں کافر و فرعون و نمرود و گورباچوف، یا نہرو یا گاندھی کے نام سے پکارنے لگے کیونکہ یہ خلفاء اور اصحاب اپنے دور میں چشم و چراغِ امت مسلمہ اور کافروں کی آنکھوں کا خار تھے۔اگر ہر گناہگار پر لعن و شتم کرنا ہی مذہب ہے تو ہر مسلمان بیک وقت لاعن و ملعون دونوں قرار پائے گا۔

قارئین حاضر کتاب غلو اور جھوٹ سے پاک خلفاء کی مثالی قیادت و حاکمیت کو پیش کرنے کی ناقص کاوش ہے۔ہم نبی کریمؐ کے غیاب میں امت کے لئے مثالی قیادت پیش کرنے والی ذوات سے بدسلوکی کو دیکھ کر اور اپنے اوپر ٹھونسے گئے ناروا مظالم کی وجہ اس نکتے پر پہنچے ہیں کہ کسی گروہ یا جماعت کے نزدیک مردود و ملعون قرار پانے سے انسان اللہ کے نزدیک مردود و ملعون قرار نہیں پاتا، اللہ سبحانہ ان لاعنین یعنی لعنت کرنے والوں کی سیرت پر نہیں چلتے۔

امت اسلامی اس وقت فرقوں کے نیچے دبی ہوئی ہے۔بڑے سے بڑے دانشور آزاد خیال یا فقیہ و مجتہد ملجم اللسان (لگام زدہ) ہیں اسلام خالص کا دعویٰ کہیں بھی نہیں ہے اگر کوئی اسلام کے حوالے سے اپنا تعارف کرواتا ہے تو جاہل و عالم و حکمرانِ وقت، مسؤلین اور رعیت سب ناراض ہو جاتے ہیں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس صرف اسلام نامی کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ دنیا میں ہے وہ فرقے ہیں جبکہ قرآن کے حکم کے تحت اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہ کیا جائے گا۔ فرقے کے تشخص کو قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے اور خود کو دلیل سے اپاہج اور لنگڑا پیش کرنے کی خاطر ایک گروہ نے صرف قرآن کو اٹھایا تاکہ وہ یہ کہہ سکیں قرآن میں سب کچھ نہیں ہے لہذا اس کی کمی کو ہم دنیا والوں سے لے کر پورا کر سکتے ہیں۔جبکہ دوسرے نے حدیث پر دین کو ختم کیا ہے تاکہ مجامع حدیث میں ان کے من پسند عقائد و مطالب پر مبنی روایات کو تسلیم کروایا جا سکے،اس صورت میں اسلام نامی کوئی چیز باقی رہ نہیں سکتی۔اس وقت دین عزیز،ان علماء و دانشوران کی غفلت و مصلحت کی نذر ہونے کی وجہ سے فسطائیت کی شکل اختیار کر چکا ہے،ایسی صورت میں صحیح و غلط او ر ضد و نقیض سب درست قرار پائیں گے اور الحادیوں کے لئے راستہ ہموار ہو جائے گا۔چنانچہ اس سال ۱۴۳۴ھ کے انتخابات میں شامل نام نہاد دینی جماعتوں بشمول سنی اور شیعہ کے شعارات سے واضح ہو گیا کہ یہ جس اسلامی نظام کی بات کرتے ہیں اس کا قرآن و سنت سے کوئی تعلق نہیں،ان کا نظام دراصل یہ ہے کہ قیصر کو اس کا حق دو یعنی بادشاہت و حکومت دو اور کلیسا کو ان کا حق دو۔یہ دین کو سیاست سے جدا کر کے خلط ملط کر رہے ہیں،اب دینی جماعتوں میں شامل بڑے بڑے علماء علامہ اقبال اور محمد علی جناح کے نعرے اٹھانے لگے ہیں اور خوشحال پاکستان اور فلاحی پاکستان بنانے کا نعرہ گونج رہا ہے۔

برادران دانشوران و دانشمندان اسلامی،آج اس وطن اسلامی میں جہاں ایک طرف یہ نعرہ بلند ہوا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہاں دوسری طرف اس وطن میں مسلمان عورتیں ہندو، بودی، صلیبی، یہودی، آرمنی اور مجوسی عورتوں کی طرح پارکوں، بازاروں اور سیر و سیاحت کے دیگر مقامات پر عریاں لباس میں اور مخلوط اجتماع میں بغیر کسی شرم و حیاء کے پھرتی نظر آتی ہیں اور یہ عورتیں اسمبلیوں اور نشریاتی اداروں میں مواقع ملتے ہی اسلام کو نیچا دکھاتی ہیں۔آج ہم دنیائے کفر و شرک کے نرغے میں ہیں ہماری اقتصادیات کی ڈوری دوسروں کے ہاتھوں میں ہے، ہمارے سیاسی فیصلے باہر والے کرتے ہیں ہمارے وطن کے مجاہدین جن پر پوری قوم بھروسہ و اعتماد کر کے بیٹھی ہے کہ یہ ہماری سرحدوں کے محافظ ہیں وہ خود اپنے احتجاجات اور محافل میں قرآن و سنت سے بغاوت والی حرکتیں کرتے ہیں یہ سب ان فرقوں کے ثمرات خبیثہ میں سے پھوٹتا ہے۔غالیوں کی خلفاء سے دشمنی اور نفرت و عداوت علی و زہراء کی خاطر نہیں بلکہ خلفاء نے فتوحات اسلامی کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت پر جو عمل کیا ہے، یہ اس کا انتقام ہے، یہ اور بات کہ ایک گروہ خلفاء کو سب و شتم کرتا ہے دوسرا خلفاء کو شریک نبوت اور تسلسل نبوت کے عنوان میں پیش کرتا ہے یہ دونوں دین کا استنباط قرآن و سنت سے کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

اس کی ایک اور روشن دلیل یہ ہے کہ سنیوں اور شیعوں نے سیکولر الحادی تنظیموں سے اتحاد کر کے کفر پرست صوفیوں کی مشترکہ کانفرنس منعقد کی بتائیں کہ اس مشترکہ کانفرنس کا کیا مطلب ہے؟ جن کو اسلام سے چڑ ہو اور جنکی قادیانیوں اور اسماعیلیوں سے دوستی ہو، ان سے اتحاد کرنا سراسر قرآن و سنت سے ٹکراؤ اور تصادم ہے جو کہ

سورہ الکافرون کے خلاف ہے۔

وہ ذوات کہ جن کی آنکھوں میں ہماری مکتوبات و مسطورات سے دھند نہیں پڑی اور وہ لکیر کے فقیر نہیں ہیں اور اپنے عقائد میں انا وجدنا ابائنا کے معتقد نہیں، ہم یہاں ان کی خدمت میں ان چار خلفاء کے علاوہ دو اور راشدین کا بھی ذکر کریں گے جن میں سے پہلے امام حسن ہیں، آپ نے اپنے چند دن اقتدار پہ رہنے کی خاطر مسلمانوں کا عقفیہ کرنے سے پرہیز کیا اور مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ کرتے ہوئے ملامتیں اور سرزنشیں سننے کے لئے اقتدار سے علیحدگی اختیار کی اور امت کو امام صالح و طالح کے درمیان تمیز کرنے کا موقع دیا۔ دوسری شخصیت عمر بن عبدالعزیز کی ہے آپ نے رجاء بن حیوۃ سے کہا رجاء تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے بتاؤ امیر المومنین سلیمان کی ولی عہدی نامہ مخزن میں میرا نام تو نہیں ہے تا کہ اگر ہے تو میں اسی وقت اس ذمہ داری کو سنبھالنے سے اپنی معذرت کا اعلان کروں۔

اقتدار چاہنے والے بھوکے پہلے دن ہی سے جھوٹ کے انبار لگاتے ہیں، نا قابل عمل وعدوں کا اعلان کرتے ہیں اور بے تحاشا دولت خرچ کرتے ہیں، ان کی پشت پر قائم حکومتیں ان کے لئے دولت خرچ کرتی ہیں۔ یہ لوگ اقتدار ملنے کے بعد اقربا پروری کرتے ہیں، دولت بنانے اور سلطنت کو اپنی اولاد اور خاندان کے لیے وقف کرنے کیلئے محو و مصروف ہوتے ہیں، اسکا سلسلہ معاویہ سے شروع ہوا ہے۔ آپ بتائیں ان چاروں خلفاء نے اپنی وفات کے موقعہ پر اپنے خاندان میں سے کس کو اعلیٰ منصب، وزارت عظمیٰ، وزارت خزانہ، وزارت اقتصاد، تعلقات عامہ پر اور ولی عہدی پر نامزد کیا اور خود اپنے لئے کتنی دولت بنائی اور اپنے لیے کتنے رازدار بنائے ہیں۔ خاندان کے دباؤ اور اولاد و زوجات کے دباؤ میں انسان عضو مفلوج بن جاتا ہے، لہٰذا منافع پرست اور مفاد پرست لوگ حاکم کے قریبی افراد سے روابط قائم کرتے ہیں چنانچہ خلیفہ سوم اپنی آخری عمر میں اس گرداب میں پھنس گئے اور ناپسندیدہ انجام سے دوچار ہوئے اور آپ کے گھر کا محاصرہ ہوا اور قتل کے بعد ان کے جنازہ کے ساتھ اہانت کی گئی۔

لیکن تاریخ یہ بتانے سے عاجز و قاصر ہے کہ خلیفہ سوم نے اپنے بعد کسی کے لئے خفیہ وصیت نامہ تحریر کرکے کسی کے حوالے کیا ہو، اگر ایسا ہوتا تو معاویہ کے کام آتا، حضرت عثمان نے اپنے بعد اپنی ملکیت میں باغات، سونے چاندی کی بوریاں اور اشرفیاں نہیں چھوڑیں جس طرح بعد کے بنی امیہ کے حکمرانوں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے اور عباسیوں نے بہت مال چھوڑا ہے، اسی طرح نائبین امام زمانہ کہلانے والوں اور ان کے چاہنے والوں کے اقتدار کے دور میں انہوں نے اقرباء کے لئے کتنی دولت چھوڑی ہے اور امام زمانہ کے نام سے جمع شدہ مال بیت مسلمین سے بیت کافرین منتقل ہوا جس طرح کہ آج کل ہمارے یہاں کے دہری شہریت والے منتقل کرتے ہیں۔ حیرت اس وقت بڑھتی ہے جب قرآن و سنت پر سرے سے عمل نہ کرنے والے اور مال مسلمین لوٹنے والے بھی حضرت عثمان کیلئے بدزبانی کرتے ہیں۔ غرض جن لوگوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا وہ اسلام کے خیر خواہ نہیں بلکہ اسلام کے لئے بدخواہ تھے تا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عثمان آخری عمر میں رشد استقلالی کھو کر مروان اور دیگر اقربا کو گردش دیتے تھے۔ مدینہ منورہ مرکز خلافت جہاں کے رہنے والے عثمان کی استقلال حکومتی کھو بیٹھنے کی وجہ سے نالاں تھے ان میں معروف کو معروف اور منکر کو منکر کہنے کی رشد ابھی تک تابندہ و زندہ تھی۔ اس لئے انہوں نے مجرمین کا ساتھ بھی نہیں دیا اور رشد استقلال کھونے والے عثمان کا ساتھ بھی نہیں دیا کیونکہ ان کی نظر میں ایک کا ساتھ دینا در حقیقت اسلام کے رشد کو کھو بیٹھنے کا سبب بنتا۔

قارئین کرام میں پھر سے بمعہ اصرار عرض کرتا ہوں کہ مجھے اپنے پیش کردہ مطالب پر اصرار نہیں کرتا، میں طالب حق و حقیقت ہوں۔ میری کتاب حسب اخبار قرآن کریم بہت سے تضادات و اغلاط پر مشتمل ہوگی یہی انسانی پیش کردہ کتب اور الٰہی کتب میں بنیادی فرق ہے نساء ۸۲﴿ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں کہ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بڑا اختلاف ہوتا﴾ لیکن بعض یا بہت سے دانشور مجھ سے صادر غلطی کو نا قابل معافی جرم قرار دیتے ہیں جبکہ اپنے مجتہدین کی غلطیوں کے لئے بھی ایک اجر کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے ایک دوست جناب حاجی غلام شبیر کندیاں میانوالی والے بھی شکایت کرتے آئے ہیں۔

چنانچہ اسی سال ۱۴۳۴ھ کو آپ نے تشریف لا کر اس مسئلے کو دوبارہ تکرار کیا اور اس میں دعوت ذوالعشیر وہ غدیر کو اٹھایا۔ عزاداری کے متعلق بات کی اور جناب محترم محمد حسین صاحب کی مناقب میں کہا کہ آپ نے بیس تیس سال پہلے اصول شریعہ لکھی ہے اور اس میں ابھی تک تغیر و تبدیلی نہیں آئی ہے۔

جناب دانشمند محترم غلام شبیر صاحب پاکستان کے ان دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں جو کتاب خرید کر پڑھنا حرام نہیں سمجھتے جس طرح بعض علماء و دانشوروں

کا رویہ ہے بلکہ آپ کتابیں خرید کر پڑھتے ہیں بلکہ بہت پڑھتے ہیں۔لیکن جو شخص اپنے مذہب کی جڑوں اور ستون کے بارے میں چشم پوشی کرتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ ہوا میں قائم ہے یا ایک نرم ریتلے ٹیلے یا بھوسے کے ڈھیر پر،وہ دوسروں کے مذہب کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے،ان کو صرف ان کے مثالب و مطاعن آتے ہیں،وہ کرسی فرقہ پر جلوہ افروز ہو کر دوسرے فرقوں پر ملاعنہ و مطاعنہ کی بم باری کرتے ہیں،اپنے فرقے کے اصولوں کو ہاتھی کا دانت بنا کر کچھ باتیں چھپاتے ہیں اور کچھ بتاتے ہیں پھر کہتے ہیں ''سب باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں۔'' کچھ اندرونی راز ہوتے ہیں اور ان کو فاش کرنے والے مستحق دردناک سزا ہیں۔جبکہ ہم کہتے ہیں کہ سوال پوچھنے والوں اور حق کے متلاشی افراد کو بے دردی و بے رحمی کے مستحق قرار دینے والے کبھی حقیقت کے چشمے تک نہیں پہنچیں گے وہ تذبذب میں ہی مریں گے۔کرسی انحراف پر مطالعہ کرنے والے ہدایت نہیں پائیں گے،سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں پڑھنے کے بعد ان کے افکار و عقائد میں پیدائش کے دن سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں آئی۔یہاں ہم ان جیسے ایک اور دوست کا بھی ذکر کرتے ہیں جو فرقوں کے تضادات و اختلافات کی آراء سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں،وہ ایک طرف اسلامی معاشرے کے خواب دیکھتے ہیں اور دوسری طرف سیکولر دانشوران سے شغف و گرائش رکھتے ہیں اور اسلام کی اصالت کے مقابل میں علمانیوں اور سیکولروں کے حامی ہیں۔یہ دوست سنی العقیدہ ہیں خلفاء کی ملاعنہ و مطاعنہ کو کراہت یا مباح سمجھتے ہیں لیکن نبی کریم کی اہانت و جسارت برداشت نہیں کرتے یہ جناب کاشف صاحب ہیں۔آپ بھی صاحب مطالعہ کثیرہ ہیں لیکن ان کی سمت سیکولر ہے کوئی سرسری سطح پر یا پوری ہو یا سنی،وہ سب سے مل جل کے اتحاد کے داعی ہیں۔

اس میدان میں وطن عزیز پاکستان کے علماء اور دانشوران جو اصل اسلام سے نالاں و بیزار ہونے کے ساتھ ساتھ روشن خیالوں اور سیکولروں سے ہمدردی اور تعاون و یکجہتی رکھتے ہیں ان کی ایک لمبی فہرست ہے،اس کے لئے چند صفحات کافی نہیں بطور مثال ہمارے بلتستان کے قائد محترم جعفری صاحب ہمارے علاقہ کے سابقہ راجگان کی سنت پر چل کر اپنی قیادت کو تسلیم کرنے والوں کے علاوہ ہر عبا و قبا والے سے نفرت رکھتے ہیں جبکہ ان کے مقابل میں الحادیوں اور سیکولروں کی پذیرائی کو افتخار سمجھتے ہیں بطور مثال پچھلے سال محترم راجہ ناصر صاحب بلتستان میں مجلس پڑھنے گئے تو انہیں ملنے کی اجازت دینا تو درکنار منتخب وزیر اعلیٰ کے ذریعہ ان پر مجلس خوانی کی پابندی لگائی گئی اور شیعہ علاقے سے بدری کا حکم صادر کیا لیکن عمران خان جیسے سیکولر کو انہوں نے اپنے گھر میں ہر قسم کی پذیرائی دی یہ روداد وہاں شرکت کرنے والے افراد بہتر جانتے ہیں۔

اس وقت دین کی طرف دعوت دینے والے محترم جعفری کی نظر میں ذلیل و خوار ہیں جبکہ ان کیلئے عزیز محترم اسماعیلی اور پی پی کے عمائدین اور وزیر اعلیٰ ہیں جن طلباء نے راولپنڈی،لاہور اور کراچی میں ٹھوکریں کھانے اور صعوبتیں برداشت کر کے کثیر رقم دے کر جعلی یا اصلی اسناد حاصل کیں،ان کے روزگار کو مزید تنگ کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ نے رشوت لینے کا ایسا راستہ کھولا ہے کہ پڑھائی کے باوجود جو لوگ رشوت نہیں دیں گے اور اس راستے سے نہیں گزریں گے انہیں ملازمت نہیں ملے گی یہ علاقے کے معاون و ذخائر اور کنارز مین کی چابی کو غیر ملکیوں،غیر مسلموں اور منافقوں کے حوالے کرنے پر تلے ہوئے ہیں جعفری صاحب وزیر اعلیٰ کی نظر میں بہت عزیز ہیں کیونکہ وہ وزیر اعلیٰ کے مظالم و خیانت پر سکوت و خاموشی اختیار کرتے ہیں۔یہ وزیر اعلیٰ محترم جعفری کے لئے عزیز ہیں باقی سب کی ایسی کی تیسی ہے جو زیر اعلیٰ کے مظالم کا نشان بننے والوں میں یہ حقیر بھی ہے۔

اجتہاد کا معنی:

اجتہاد کا معنی قرآن اور سنت سے استنباط کرنا ہے،استنباط تہہ اور گہرائی میں جا کر پتہ کرنے کو کہتے ہیں جو بذات خود تغیر پذیر ہوتا ہے چاہے آیت سے استدلال کریں یا سنت رسولؐ سے۔یہ حقیقت ہے کہ آیت پر مزید غور کرنے سے بعض اوقات پہلا مطلب غلط ثابت ہوتا ہے اسی طرح کئی دفعہ روایت سے استدلال کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے یہ روایت ضعیف ہے تو فتویٰ بدل جاتا ہے لیکن آپ یہ حق ہمیں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں،کیا میں پتھر ہوں جس پر پانی نہیں ٹھہرتا ہے؟

طبقات وجود میں فلاسفہ جمادات،نبات،حیوانات اور انسان کا ذکر کرتے ہیں ان چاروں میں جمادات وہ ہیں جو بظاہر تغیر پذیر نہیں ہوتے۔یہاں تک کہ انہیں کبھی حجر صلد سے بھی تعبیر کرتے ہیں جس پر پانی نہیں ٹھہرتا،باقی نباتات و حیوانات آئے دن متغیر ہوتے ہیں اس تفسیر کو فلاسفہ اثبات باری تعالیٰ کے وجود کے دلائل میں گردانتے ہیں خاص کر حضرت انسان ہر آن بدلتا رہتا ہے،اسے انسان کے فضائل نفس میں گردانا جاتا ہے جبکہ متکبرین تقلید مجھے کہتے ہیں پہلے تحقیق کرو بعد

میں لکھا کرو، آپ کی تصنیفات میں تضاد و تناقص نظر آتا ہے، پہلے آپ ایک موضوع پر تفصیل سے لکھتے ہیں اور پھر کچھ عرصے کے بعد اس کے خلاف لکھتے ہیں چنانچہ اس بارے میں مجھے بہت خطوط موصول ہوئے، ان میں بہت سے ایسے ہیں جو پوری کتاب پڑھے بغیر سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کیچڑ اچھالتے ہیں، کوئی کتاب خریدتا ہے، پڑھتا نہیں ہے کوئی پڑھتا ہے تو صرف اختلافی باتوں کو اچھالتا ہے۔صد افسوس کہ بہت سے علماء و دانشوران صرف ضد کی وجہ سے میری کتابوں سے اختلاف کرتے ہیں ورنہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری یہ باتیں قرآن وسنت کے مطابق ہیں اس لیے غلط نہیں ہیں لیکن یہ مانتے اس لیے نہیں کہ یہ شرف الدین نے کہی ہیں اور بعض انہیں اپنے روزگار میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔کوئی کتابوں کے بارے میں سودا بازی کرتا ہے کوئی کہتا ہے کہ یہ مہنگی ہیں۔مجھے دوست بہت ملے ہیں لیکن ان میں زیادہ تر آخر میں تنہا چھوڑنے والے ہی نکلے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی دوست ملے ہیں جن کے بارے میں آیا ہے قلیل المؤنۃ کثیر المعاونہ ان دوستوں کو مجھ سے تعاون کرنے میں کتنی دشواریاں درپیش ہیں وہ الگ بات ہے لیکن اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب میرا مسودہ میرے خیال میں مکمل تصحیح کرکے بھیجتے ہیں ایک عرصہ چندین بار تصحیح کرنے کے بعد آخری نظر کے لئے میرے پاس بھیجتے ہیں تو میں ایک سرسری نظر سے گزارنے کی نیت کرتا ہوں لیکن پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے میں نے ان برادران کے گراں وقت کو تلف کیا ہے نہ جانے یہ ان پر کس قدر گراں گزرا ہوگا لیکن انہوں نے اسے صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے یہ کثیر المعونہ قلیل مؤنہ ہیں۔ان کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ مسودہ میری طرف سے ان کے پاس ایک امانت ہے، ہم نے اس امانت کو ان کے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ میری طرف سے اس کی عبارت میں داخل کردہ غیر ادبی اور نا زیبا و نا شائستہ الفاظ یا سہواً خطا یا کمپوزنگ کی غلطی کو درست کریں، نیز ضمائر مذکر و مونث میں جو تبدیلی آتی ہے، اس کی اصلاح کریں۔انہوں نے اس ذمہ داری کے ساتھ اپنی اردو دانی، مہارت اور ظرافت نمائی کی خاطر کسی عبارت میں دخل اندازی کرکے اپنے تصورات کو اس میں شامل نہیں کیا اگر کسی غالی و قرمطی کے ہاتھ میں یہ کتاب آجائے تو وہ جام غیض وغضب، سبّ وشتم، لعن و دشنام اور الزام تراشی پھینکنے کے لئے بے قرار نہ ہو جائے کیونکہ یہ برادران اس میں بے قصور ہیں انہوں نے صرف آپ کے پڑھنے کے لئے عبارات کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے باقی تمام غلطیاں اور گناہ میرے ذمہ چھوڑیں۔

اس دفعہ انہوں نے تمہید کو دوبارہ نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا، دیکھنے کے بعد پتہ چلا اس میں تکرار اور بہت سی غیر مربوط چیزیں آئی ہیں قارئین کرام خود انصاف کریں گے کہ مجھے دس بارہ سال کے طویل حصار میں رکھنے کے باوجود عمائدین اور ان کے نمائندے اس حصار سے انکار کرتے ہیں اور سادگی سے کہتے ہیں ہم نے کسی پر پابندی عائد نہیں کی ہے قارئین یہ کتنا گھناونا جرم ہے کہ مجرمین ذمہ داری لینے سے ہی انکار کرتے ہیں جیسے کہ کسی مسجد کو بم سے اڑانے کے بعد دھماکہ کرنے والے فوراً کہتے ہیں ہم نے یہ دھماکہ نہیں کیا ہے استاد جامعہ کوثر خطیب تو انا تضاد گوئی کرتے ہوئے محترم مطہری نے حرم رسول اللہ کے مقابل میں فرمایا تھا آپ پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔اگر ان کی یہ بات درست ہے تو بتائیں میرے پاس تین کمرے کتابوں سے پر ہیں جو اس حصار کا تحفہ ہیں، ایسی حالت میں اگر میں مذکر کے لئے مونث کی ضمیر استعمال کروں تو بے جا نہیں ہوگا مجھے مؤنث بنا کر گھر میں محصور کیا گیا ہے مجھے خود ان پر رحم آیا کہ ہم نے انہیں کتنی تکلیف میں ڈالا ہوا ہے۔

ایسی حالت میں میرا یہ مسودہ قابل قرأت بنانے والے برادران کا احسان ہے کہ یہ برادران میرے لئے قلیل المؤنۃ کثیر المعاونہ کے مصداق سے بھی اعلیٰ و ارفع ہیں، جہاں ہمارے لئے لفافوں کے تحفے پیش کرنے والے اور خود کو ہماری فکر کے گرویدہ بتانے والے ہماری مجبوری کے دور میں ہماری کتابوں کو پڑھنا تو چھوڑیں وہ انہیں گھر میں رکھنے کے لئے بھی تیار نہیں، کوئی دکھائے تو لینے اور دیکھنے کے لئے بھی تیار نہیں، وہاں یہ عزیزان اپنی تصحیح شدہ کتابوں کی قیمت بھی ادا کرتے ہیں، میری مراد ان سے جناب خادم حسین، ابرار حسین، ارشد شیرازی، تیمور بھائی، مبشر حسین، ناصر شاہ، جناب تاثیر شاہ، ملک اظہر اور محمد علی نقوی صاحب ہیں۔اللہ رب رؤف ومہربان انہیں اپنی الطاف وعنایت کے سائے میں مصون ومحفوظ رکھیں۔

علی شرف الدین

رجب ۱۴۳۴ھ ق

رشد ورشادت:

کہتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے خلافت تیس سال تک چلے گی، اس کے بعد ملوکیت شروع ہو گی لیکن قرآن وسنت قطعیہ کے تناظر میں یہ حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث نبی کریمؐ سے منسوب امت کیلئے ایک بدشگونی، بد عاقبت، ذلت وخواری اور کفر وشرک ونفاق کی بالا دستی کی پیشن گوئیاں ہیں۔ دنیا میں ابھی تک کوئی ایسا قائد ورہبر نہیں گزرا جس نے اپنی قوم وملت کے لیے یکے بعد دیگر شکست، مصیبتوں اور ہزیمتوں کی پیشن گوئیوں کی اتنی لمبی فہرست چھوڑی ہو۔ جبکہ شکست اور ہزیمتیں موجب فرار اور دوسروں سے الحاق کا سبب بنتی ہیں۔ سند ومتن وسیاق وسباق سے قطع نظر یہ احادیث امت کو خبر شوم دیتی ہیں، ایسا کوئی رؤف ومہربان نہیں گزرا جو اپنی اولادں، عزیزوں، خیر خواہوں اور جان ومال نچھاور کرنے والوں کو زوال ونابودی کی خبر دے۔ کبھی فرماتے ہیں خلافت راشدہ تیس سال تک چلے گی اور کبھی فرماتے ہیں خلافت بنی امیہ اور بنی عباس کے فاسقوں اور فاجروں کو ملے گی اور پھر خلافت کا دور ختم ہوگا اور تتاریوں کی حکومت ہوگی۔ یعنی علماء بغدادکی بربادی کی خبر کو علی سے نسبت دے کر تتاریوں کے قبل از دخول بغداد میں پناہ کی باتیں جعل کی گئیں۔ اس طرح کی احادیث افتراق امت کا سبب بنتی ہیں، امت انہی فرقوں کے ذریعہ تتر بتر ہوگئی۔ یہ خبریں امت میں اس وقت موجود الفت ومحبت اور وحدت اسلام کی خاطر جانفشانی کے بھی خلاف ہیں، چنانچہ اس دور میں جیسے ایجنسیاں خبریں دیتیں ہیں یہ حکومت جانے والی ہے تو فوراً سیاستمدار وفاداریاں بدلتے ہوئے آئندہ آنے والی پارٹی میں شامل ہوتے ہیں لہٰذا امت مسلمہ کے لیے مصیبتوں شکست اور ہزیمتوں کی خبروں اور پیشن گوئیوں پر مبنی یہ روایات بھی ایسی ہی تھیں۔ اپنے ماضی کے تجربات سے سبق لینے ماضی کے آزمودہ کو دوبارہ آزمانے اور دیندار وقابل، سچے، لائق اور نیک کردار کے حامل قائدین کی تلاش کی بجائے خبر رساں ایجنسیاں کس کو لانا چاہتی ہیں اس کا انتخاب کرتے ہیں۔

چنانچہ اس ملک کے جید وممتاز وپسندیدہ اور دوٹوک بات کرنے والے اور امریکا کی مخالفت دکھانے والے جاوید ہاشمی نیز صوفیوں کے مرشد اور وزارت عظمیٰ کے امیدوار اور وزارت خارجہ سے کم پر راضی نہ ہونے والے شاہ محمود قریشی اپنی مقتدر پارٹی سے مستعفی ہو کر تحریک انصاف میں چلے گئے' چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جن کو کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا یہاں تک کہ داعی وحدت مسلمین کے عمائدین امین شہیدی اور راجہ ناصر بھی وحدت ملحدین کے اتحاد میں چلے گئے یہ عجیب سی بات ہے جہاں تک صوفیا قسم کے لوگوں کی الحادی جماعتوں میں جانے کی بات ہے وہ اتنا تعجب آور نہیں ہے کیونکہ وہ ابتداہی سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال کر اتحاد الملحدین و ظالمین کی راہ ہموار کرتے رہے ہیں، ان کے یہ کارنامے نام نہاد شیعہ عمائدین کو اچھے لگتے ہیں انہوں نے پہلے سے ہی یہاں اپنی جگہ بنا کر رکھی ہے چنانچہ وزارت نقوی کے علاوہ بہت سی کرنا دھرتا شخصیات شیعوں کے منظمات پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں ورنہ قرآن وسنت اور اہل بیت نبیؐ کی سیرت اس کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن جس وقت مسلمانوں نے روم کے فارس پر غلبہ کی خبر سنی تو کوئی مسلمان حتیٰ منافق بھی وہاں نہیں گیا۔ قرآن نے ہمیشہ باطل پر غلبہ حق کی خبریں دی ہیں (سورہ روم ۲۔۳)۔

قرآن نے باطل کے حق پر غلبہ کی خبریں نہیں دی ہیں، نبی کریمؐ کو احد میں مشرکین کے غلبہ کی خبر نہیں دی جبکہ بدر میں مسلمانوں کی مشرکین پر غلبہ کی خبر دی تھی۔ قرآن نے فرمایا ﴿ان الباطل کان زھوقا﴾ ''بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے'' (اسراء ۸۱) ان خلفاء نے اپنے آپ کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کہلانا نہیں چھوڑا ہے اور نہ لوگوں نے انہیں ان ناموں سے مخاطب کرنا ترک کیا، جب کہ ان احادیث سے یہ مطلب آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں کہ آل ابی سفیان ومروان اور عباسیوں اور فاطمیوں اور تاتاریوں کو نبی کریمؐ کی پیشن گوئیوں کے تحت اقتدار ملا ہے، امت کو چاہیے ان سب کے اقتدار کو کھلے دل سے قبول کریں نیز ان کا ساتھ دینے والوں کو معذور گردانا جائے لیکن امت نے ایسا نہیں کیا گویا امت بھی جانتی ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں ان تمام احادیث کی سند کے ساتھ متن بھی مخدوش ہے۔

دور راشدہ سے وہ دور مقصود ہے جب نبی کریمؐ امت اسلام کی قیادت ورہبری سے فارغ ہو کر ملاء اعلیٰ سے پیوستہ ہو گئے تو زمام اسلام ومسلمین ان ذوات نے سنبھالی جو اس دعوت میں ابتدائی دن سے خلوت وجلوت، حضر وسفر، دعوت وجہاد، جنگ وصلح اور دوستی ودشمنی میں آپ کے ساتھ ساتھ اور ردیف میں رہتی تھیں اور جنہوں نے اسلام کو قبول کرنے نیز جان ومال پیش کرنے اور ہجرت کرنے میں سبقت کی تھی اور کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی۔

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾
'' جو لوگ کفر والے ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں اور اگر تم ایمان والوں کی مدد نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور عظیم فساد برپا ہو جائے گا اور جن لوگوں نے ایمان اختیار کیا اور ہجرت کی اور اس راہ میں جہاد کیا اور پناہ دی اور نصرت کی وہی درحقیقت واقعی مومن ہیں اور ان ہی کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے''۔(انفال ۷۴)

﴿ وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾
''اور جن لوگوں نے دارالہجرت اور ایمان کو ان سے پہلے اختیار کیا تھا وہ ہجرت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا گیا ہے اپنے دلوں میں اس کی طرف سے کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں''۔(حشر ۹)

اس صدی کے دو عظیم مفکرین محمد مہدی شمس الدین و محمد باقر الصدر نے نبی کریمؐ کے بعد کے اُس دور کو قیمتی دور کہا ہے جبکہ عصر حاضر کے نام نہاد دانشوران نے اس دورانیہ کو عصر اضطرابات و سیاسی رسہ کشی کہہ کر انہیں طرح طرح کے طعن و مطاعن کا نشانہ بنایا ہے۔خلفائے راشدین کے بعد کے دور میں زمام ملک و ملت سنبھالنے والے ناکام خلفاء تھے جب کہ خلفائے راشدین امت اسلامیہ کے شناخت شدہ چہرے تھے کیونکہ ملت نے بارہا نبی کریم کے ساتھ حضر و سفر اور امن و جنگ میں انہیں دیکھا تھا۔نیز منصب لینے کے بعد پہلے مرحلے میں وہ اپنی ذات میں انقلاب لائے تند مزاج سے نرم دل بن گئے، تمام دگرگونی و نشیب و فراز میں سرخرو نکلے اور ان کے مقابلے میں آئے دن دشمنوں کو شرمندگی و ہزیمت اٹھانی پڑی ہے۔

یہ ذوات نہ صرف اس منصب کو سنبھالتے وقت قرآن و سنت کے مطابق رشید تھیں بلکہ انہوں نے اس ذمہ داری کو سنبھالنے کے بعد چھوڑنے تک بھی رشد و رشادت کا دامن نہیں چھوڑا،ان صفات کے حامل اقتدار اسلام و مسلمین سنبھالنے والوں میں ابوبکر صدیق،عمر بن خطاب،عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب کو شامل کیا جاتا ہے لیکن بعض دیگر مصنفین و مورخین نے امام حسن بن علی اور عمر بن عبدالعزیز کو بھی راشدین میں شمار کیا ہے۔ہم ان صفحات میں ان چھ ذوات کے رشد و رشادت کے بارے میں جو کچھ تاریخ میں مورخین نے لکھا ہے نقل کریں گے لیکن پہلے مرحلے میں دیکھتے ہیں قرآن و سنت میں رشد و رشادت کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

مفردات راغب میں رشد خلاف غی و ضلالت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کتاب اسرار اللغۃ فی الکتاب والسنۃ ص ۲۷۴ پر محمود اطناطی لکھتے ہیں مادہ رشد استقامت و ہدایت کیلئے استعمال ہوا ہے ابوعبیدہ نے رشد راشد رشاد ہدایت و استقامت کے معنوں میں بتایا ہے اعرابی نے نبی کریمؐ سے پوچھا ہمارا رب قریب ہے تو ہم مناجات کریں گے اگر بعید ہے تو نداء کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔﴿ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴾'' اور اے پیغمبر! اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں .پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہ راست پر آجائیں''۔(بقرہ ۱۸۶)

علامہ شعراوی اپنی تفسیر ج ۱۴ ص ۲۵۹ پر ﴿ قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾''موسٰی نے اس بندے سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس علم میں سے کچھ تعلیم کریں جو علم آپ کو عطا ہوا ہے'' (کہف ٦٦) کی تفسیر میں لکھتے ہیں 'الرشد هو حسن التصرف في الاشياء وشداد الملك'' رشد تعلیم سے نہیں آتا ہے بلکہ تجربہ کے مراحل سے گزرنے کے بعد آتا ہے جب تک کوئی تجربہ نہ دیکھا سے راشد نہیں کہیں گے۔

لہٰذا اللہ سبحانہ بالغ یتیم کے وصی کو حکم دیتا ہے کہ جب تک تمہارے اوپر یہ واضح نہ ہو جائے کہ اس میں رشد عقلی و فکری آگئی ہے تب تک انہیں ان کا مال نہ دیں۔نساء ٦ ﴿ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ﴾ ''اور یتیموں کا امتحان لو اگر ان میں رشید ہونے کا احساس کرو تو ان کے اموال ان کے

حوالے کردو'' آیات سے پتہ چلتا ہے کہ رشد کثیر المصادیق ہے، ایک موضوع میں رشد دوسرے عنوانات میں رشد کا سبب نہیں بنتا بلکہ ہر ایک کا الگ رشد ہے۔ اس کے مراحل یہ ہیں:

۱۔ جب تک وہ بلوغ جسمانی کو نہیں پہنچیں، انہیں کوئی ذمہ داری مسئولیت نہیں دے سکتے۔

۲۔ تنہا رشد جسمانی کافی نہیں بلکہ تجرباتی آزمائش سے گزرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ رشد ایمانی ہے، چنانچہ جو ایمان کے ساتھ کفر کو ملاتے ہیں اور توحید پرستی کے ساتھ ساتھ بتوں کی پوجا بھی کرتے رہتے ہیں، وہ اسلام کی نظر میں رشید نہیں ہیں۔ ہم پر یہاں فرمان امیر المومنین صدق آتا ہے۔ ﴿یمیلون مع کل ناعق﴾ ''ہر پکارنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں'' (کلمات قصار ۱۴۷)

چنانچہ عام انسانوں اور امامت وقیادت کی رشد کے بارے میں بہت فاصلہ ہے بقرہ ۱۲۴ میں آیا ہے'' لا ینال عهد الظالمین '' یہیں سے ہماری مشکلات کا آغاز ہوتا ہے قرآن کریم میں رشد کو اعلیٰ وارفع درجہ حاصل ہے چنانچہ حصول رشد کے لئے موسیٰ اولی العزم نکلے ہیں جیسا کہ کہف ۶۴ میں آیا ہے کہ یہ اولو العزم نبی رشد سیکھنے کیلئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے نکلے تھے جب عبد الصالح سے تعلیم رشد کی درخواست کی تو عبد الصالح نے کہا یہ آپ کی قدرت سے باہر ہے جبکہ قرآن فرماتا ہے اعلیٰ مرتبے کا رشد جو امامت وقیادت سنبھالنے والوں کے لئے ناگزیر ہے پہلے مرحلے میں عام انسانوں کے لئے درکار رشد ان میں پائی جاتی ہے۔

اس آیت کا سیاق وسباق بتاتا ہے شریعت اسلام میں جبر واکراہ کا شائبہ تک نہیں ہے جہاں جہاں اکراہ ہوگی چاہے قولی ہو یا فعلی اس پر احکام شرعیہ مرتب نہیں ہوں گے۔ آیت بقرہ ۲۵۶ ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ''دین میں کسی طرح کا جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے الگ اور واضح ہو چکی ہے۔'' میں کہا ہے رشد سے مراد ایمان ہے ایمان رشد ہے گمراہی کفر وضلالت ہے قرآن میں دونوں کو واضح کیا گیا ہے۔ (بلد ۱۰) ﴿وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ ''اور ہم نے اسے دونوں راستوں کی ہدایت دی ہے''

بعض لوگ ہر قسم کے دلائل وبراہین دیکھنے کے بعد بھی گمراہی کی طرف جاتے ہیں ﴿وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا﴾ ''اور یہ کسی بھی نشانی کو دیکھ لیں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ دیکھیں گے تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں گے اور گمراہی کا راستہ دیکھیں گے تو اسے فوراً اختیار کرلیں گے یہ سب اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے اور ان کی طرف سے غافل تھے'' (اعراف ۱۴۶) تفسیر شعراوی ج ۷ ص ۴۳۵۸ میں آیا ہے اہل ضلال کو جتنے بھی معجزات اور دلائل دیں وہ راہ رشد کو انتخاب نہیں کریں گے۔

﴿وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾ ''جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کے لئے کوئی راہنما اور سرپرست نہ پاؤ گے'' ۔ (کہف ۱۷)

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ ''اور کہہ دو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے''۔ (کہف ۲۹)

تفسیر شعراوی ج ۲ ص ۱۱۲۸ پر آیا ہے الرشد طریق النجاۃ، والغی طریق الھلاک رشد اور غی دونوں کے معنی واضح ہیں کون راہ رشد پر چلتا ہے اور کون راہ ہلاکت پر اعراف کی ۱۴۶ آیت میں آیا ہے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ﴾ ''اور ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے ہی عقل سلیم عطا کردی تھی اور ہم ان کی حالت سے باخبر تھے'' (انبیا۔ ۵۱) کی تفسیر میں لکھتے ہیں رشد ہدایت وعقل ہے یہ انسان کو اصلاح کامل وخیر وارفع واعلیٰ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ رشد وہ چیز ہے کہ جس کے بعد فساد وشر کی گنجائش نہ ہو اور انسان سعادت کی چوٹی پر پہنچے۔

تفسیر کاشف جواد مغنیہ ج ۱ ص ۳۹۶ میں لکھا ہے رشد اصابة الواقع و یستعمل فی کل خیر والمراد فیه فیها الایمان والغی ضد الرشد والمراد به الکفر یعنی ہر خیر کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں فی ظلال القرآن ج ۱ ص ۴۲۶ میں آیا ہے، آزادی اعتقاد انسان کا پہلا حق ہے۔ انتخاب عقائد سے انسان متصف ہوا ہے جس کسی نے اس سے آزادی اعتقاد کو چھینا ہے گویا اس نے اس کی انسانیت کو چھینا ہے جب وہ اپنی پسند کے عقائد واعتقادات اپنانے میں آزاد ہے تو اسے ان عقائد کی طرف

دعوت دینے میں بھی آزادی ہونی چاہیے نیز اسے تحفظ ملنا بھی ضروری ہے۔اس لئے روایات میں آیا ہے نبی کریمؐ نے اپنے اصحاب کو دوسروں کو ایمان لانے کے لئے جبر کرنے سے منع فرمایا تھا یہاں لانفی ہے اسلام میں سرے سے اکراہ و جبر نہیں ہے۔پس ایمان رشد ہے انسان کو اسے طلب کرنا چاہیے جب کہ کفر ضلالت و شقاوت ہے انسان کو اس سے نفرت کرنی چاہیے ہدایت روشن ترین و درخشاں ترین آزادی ہے لیکن مغرب اس کو قرون وسطیٰ کی بات کہتا ہے۔عصر حاضر کی قتل و غارت، لوٹ مار و استحصال اور آزاد عورتوں کو نیلاموں میں لونڈیوں کی طرح فروخت کرنے نیز لوگوں کا اپنے شہروں اور گھروں میں امن و سکون سے نہ رہ سکنے کے دور کو یہ لوگ مہذب کہتے ہیں۔ملحدین و مشرکین رقاصوں اور گانے والے مردوں اور عورتوں کو کھلی آزادی دینے اور دین کے گرد گھیرا تنگ کرنے اور ایمان لانے والوں پر تشدد کے دور کو مہذب معاشرہ کہا جا رہا ہے۔

خیر و شر میں تمیز کے معنی یہ ہیں کہ انسان شرور سے اجتناب اور پرہیز و گریز کرے بے ثمر و بے منفعت چیزوں میں مصروف نہ ہو، فائدہ سے عاری و خالی سرگرمیوں میں مشغول نہ ہو، اللہ کے علاوہ کسی بھی مخلوق چاہے جمادات ہوں یا نبات ہوں یا حیوان ہوں یا انسان و ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں، ان کے سامنے خاضع نہ ہو اور ان سے فوائد کی توقع نہ کرے اور رفع ضرر و دفع بلا و شرور کی امید نہ رکھے۔یہ خلاف عقل و وجدان ہے کیونکہ یہ چیزیں اور لوگ اپنی جگہ کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں چنانچہ اللہ نے نفع و نقصان کے مالک نہ ہونے کے بارے میں ان کی اس طرح سے مثال دی ہے کہ مکھی اگر ان سے کوئی چیز لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لا سکتے انھیں ضعف الطالب والمطلوب کہا ہے چنانچہ قرآن کریم میں بت پرستی کو اس بنیاد پر رد کیا گیا ہے کہ بت پرستی بدترین غی اور گمراہی کی مثال ہے جبکہ توحید پرستی یکتا پرستی اور خشوع و خضوع سے اللہ کی عبادت عین فطرت انسان اور وجدان عقل ہے کیونکہ اللہ ہی اس کا اور دیگر مخلوقات کا خالق و مالک و مختار ہے وہ "تعز من تشاء و تذل من تشاء کا وتوتی الملک وتنزع الملک" کا مالک ہے۔نفس انسان ہر سو سے اس کو برائیوں کی طرف دعوت دیتا ہے لہٰذا قرآن نے فرمایا ہے" ان نفس لی امارہ بسوء"۔

ایسے حضرات جنہوں نے قرآن و سنت کو خود بطور نصاب نہ پڑھا ہو بلکہ قرآن و سنت کے نام سے صرف نحو اور سینہ کوبی کی مشق کی ہو، جہاں قیام عدل کی ذمہ داری سے فرار کر کے کسی ایسی ہستی کا انتظار کیا جا رہا ہو جس کے وجود کے بارے میں یہ لوگ بحث و استدلال سے بھی ڈرتے ہیں، جہاں ان کے نام سے جمع شدہ اموال کو مسلمانوں کے ہاتھ لگنے کے ڈر سے بلاد کفر و شرک منتقل کرتے ہیں جہاں ترویج و اشاعت دین کے نصاب میں غیروں کی زبان سیکھنے اور صحت مند تفریحات کو مفید گردانتے ہیں اور نظام اسلام کے بدلے میں سیکولرازم کو مفید سمجھتے ہیں یہ وہ قائدین ہیں جو مسلمانوں کو دنیائے کفر و شرک کی نوکری و غلامی و ملازمت اور اغیار کی طرف لے جائیں گے، کیا اس کو رشد کہیں گے۔

رشد کے مصادیق:

ا۔رشد عقلی:

اسے رشد فکری و معنوی دونوں کہا گیا ہے یہاں عقل و فکر اپنے مرحلہ کمال پر پہنچتی ہے یہاں انسان حیوان سے تفاضل پیدا کرتا ہے، ممکن ہے کوئی انسان رشد جسمانی تو حاصل کر چکا ہو لیکن عقل سے بے بہرہ ہو اور قدرت تمیز و ترجیح و تفضیل ابھی اس میں نہ آئی ہو۔لہٰذا قرآن میں آیا ہے ہم تمہارا امتحان و آزمائش کریں گے۔یتیم کے اموال اسے تنہا رشد جسمانی پر یا سن بلوغت کے پہنچنے پر نہ دیں، پہلے امتحان و آزمائش کریں، تجربہ کریں اس میں رشد اقتصادی آیا ہے یا نہیں اور جب ثابت ہو جائے کہ رشد اقتصادی آ چکی ہے تب انکے اموال انہیں دیدیں۔یہ تمہارے پاس امانت ہیں قرآن کریم ایک یتیم و سفیہ انسان کو اس کے اموال دینے سے منع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب تک اس میں رشد عقلی و فکری نہ آ جائے اس وقت تک اس کے اموال اس کے تصرف میں نہ دیں ﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾"اگر ان میں رشید ہونے کا احساس کرو تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو"۔(نساء ۶)﴿وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ﴾"تو لوگوں نے فرعون کے حکم کا اتباع کر لیا جب کہ فرعون کا حکم عقل و ہوش والا حکم نہیں تھا۔وہ روز قیامت اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور انہیں جہنم میں وارد کردے گا جو بدترین وارد ہونے کی جگہ ہے"(ہود ۹۷،۹۸) دلائل و براہان کے بعد باطل پر اصرار کرنا علامت رشد نہیں کیونکہ جو دلیل کے مقابل میں اکڑ گئے وہ فرعون اور اس کے ساتھی تھے جو جہنم میں جائیں گے۔چنانچہ آج بھی جو لوگ قرآن و سنت کے واضح و محکم اور عقلی و منطقی دلائل سننے یا پڑھنے کے بعد حق کو تسلیم کرنے کی بجائے باطل پرستی پر جے

رہتے ہیں وہ دراصل فرعون ہی کے راستے پر ہی ۔آیات قرآن سے ان کا انجام واضح ہے۔

جو فرقے حضرت محمدؐ اوران کے اہل بیت کو مافوق بشر سمجھتے ہیں اور انہیں کون و مکان پر قدرت غیر محدود رکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو یہ قرآن کی واضح و کھلی مخالفت ہوگی کیونکہ قرآن کی کثیر آیات میں تمام انبیاء بمعہ محمدؐ کو بشر کہا گیا ہے اور غیر بشر کوانسان کی رہبری کیلئے عاجز و نا قابل گردانا ہے۔قرآن کے اصرار وتکرار کے باوجود کہ اس میں خشک وتر کے احکام موجود ہیں جبکہ فرقے کہتے ہیں کہ اس میں سب کچھ نہیں فرقے یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن میں مختلف نمازوں کی رکعتیں، نماز کا طریقہ وغیرہ کا ذکر نہیں ،تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن ہی کا حکم ہے کہ پیغمبرؐ جو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے دور رہو چنانچہ قرآن کے اس حکم کے تحت ہمیں پیغمبرؐ کے طریقے کے مطابق ہی عمل کرنا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے لیے تمام ضروری احکام قرآن میں موجود ہیں،قرآن کی آیات کا سہل و آسان ہونا واضح ہے لیکن فرقے کہتے ہیں یہ قرآن کو نگ و صامت ہے اور یہ ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا ، حالانکہ اس فکر کے تحت تو یہ امت امت قرآن نہیں ہوگی ،اگر عقل وقرآن کے خلاف خود ساختہ سنت کے انبار لگا کر قرآن سے متصادم عقائد کو منوانے کیلئے ڈنڈا اور گولی اٹھائیں گے تو یہ امت،امت قرآن نہیں بلکہ قادیانیوں کی تخریبی شاخ ہوگی قرآن وسنت کے داعی او ریسکولر افراد کو یکساں گردانے والے اور سیکولروں کو قرآن وسنت کے داعیوں اور دینداروں سے بہتر گردانے والے امت قرآن نہیں ہوسکتے بلکہ یہ ایک امت لادین ہوگی۔

کونسا عمل نفع بخش اور کونسا ضرر ونقصان دہ ہے، یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے ،بسا اوقات فی زمانہ وہ ضرر ہے نقصان دہ ہے لیکن مستقبل قریب میں وہ زیادہ فائدہ مند ہے لہٰذا انسان راشد اور انسانِ عاقل و دوراندیش وہ ہیں کہ جو بعد کے فوائد کی خاطر وقتی نقصان کو برداشت کرتے ہیں دشمن کے عتاب وعقاب کے نرغے میں ہو کر بھی اپنے ایمان پر استقامت دکھانا اور اس راہ میں زحمت ومشقت، دشواریوں اور بے چینی کا استقبال کرنا اور انہیں سینے سے لگانا یہ رشد کامل کی نشانی ہے، اس کی ایک مثال حضرت علی ہیں جو آپؐ کے گھر میں تلواروں کی چھاؤں میں سوئے رہے اور دوسری شخصیت حضرت ابوبکر کی ہے جو نبیؐ کو بچانے کیلئے اپنے خانہ وآشیانہ اور باپ بیٹوں کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ کر اپنے لئے خطرہ مول لے کر نبی کریمؐ کی معیت میں نکلے ہیں غور فرمائیں کہ ایسے انسان کس حد تک رشد عقلی کے حامل ہیں۔

عقل کے معنی تمیز خیر وشر ہے بلکہ بعض کے کہنے کے مطابق خیر سے خیرتر کا انتخاب کرنا اور بد سے بدت کی تمیز کرنے کو کہا ہے خیر وشر میں تمیز کرنا ہے تا کہ انسان کو پتہ چلے یہ خیر ہے یہ شر ہے چنانچہ سورہ انبیاء کی آیت میں آیا ہے ہم نے ابراہیم کو رشد دیا ،ابراہیم نے رشد ملنے کے بعد اپنی قوم سے کہا ﴿ما هذا﴾ یہ اصنام، یہ بت کیا ہیں جن کے سامنے تم خاضع وخاشع ہو، اس سے واضح ہوتا ہے بت پرستی اور رشد میں آپس میں تناقص وتضاد ہے ان میں آپس کا اجتماع ممکن نہیں ہے۔جبکہ ہمارے قائدین کا کہنا ہے کہ ہم نے انہی میں رہنا ہے، انہی میں مرنا ہے، سب کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔بت پرستی سے اعلان برأت وجدائی کے بارے سورۃ کہف میں آیا ہے۔اس بت پرستی وصنم پرستی کے خاتمے کے لئے اگر ہم کچھ نہیں کرسکتے ہیں تو ہم ان کا جز اور حصہ نہ بنیں۔ایک انسان کے رشید ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ بت پرستی چھوڑے، اس سے دوری و بیزاری اختیار کرے نیز بت پرستی کے خلاف ،لسانی وعملی اقدامات کرے کیونکہ بت پرستی عقل کے منافی ہے لیکن ہم نے حوزات علمیہ کے فواضل وراشد کو کہتے ہوئے سنا ہے ہمیں انہی منافقین وفاسقین وفاجرین کی مجالس میں شرکت کرنی ہے ورنہ ہم تنہارہ جائیں گے۔انہی علماء اعلام نے ۱۴۳۴ھ کے انتخابات میں مومنین کو انہی خائنین کے ساتھ رہنے کا پیغام دیا ہے۔

۲۔رشد توحید پرستی:

رشد یعنی وسیلہ وتوسل کی تمام انواع واقسام قدیم وجدید انسانی وحیوانی اور مختلف اقسام کے بنائے گئے معبودوں کی پرستش اور پوجا پاٹ اوران سے امیدیں باندھنے کے مقابل ذات وحدہ لاشریک کی پرستش میں تمیز کرنا جانتا ہو اور جاننے کے بعد بت پرستی چھوڑنا اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا نام ہے،اس مفہوم میں جب نبی اکرمؐ نے بت پرستی چھوڑنے کی نداء بلند کی تو ان ذوات نے یک بعد دیگر بتوں کو چھوڑا یہاں تک کہ بعض ذوات بتوں کے سامنے جھکی ہی نہیں ۔لہٰذا جب سب سے پہلے بتوں کو چھوڑنے والے رشید کہلانے کے مستحق ہیں تو یہ ذوات راشدین کہلانے کی مستحق ہیں۔

اسلام کے خلاف سازش کرنے والے،مساجد ومدارس دینی کو مسمار کرنے والوں کے لئے مجلس میں دعا کرنے والے قائدین اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ میں

رشد عالم شناسی اور رشد امام جماعت شناسی کہاں تک ہے بلکہ یہ حضرات تو اپنے چہیتے ظالمین کے حق میں اللھم اشغل ظالمین باالظالمین سے استناد کرتے دعائیں کرتے ہیں۔قرآن کریم میں ظالمین سے مدد لینے اور ان کی سلامتی کے خواہاں ہونے کی مذمت آئی ہے ﴿فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ﴾ ''لہٰذا میں کبھی مجرموں کا ساتھی نہیں بنوں گا''(قصص ۱۷)۔﴿ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ ﴾ ''لہٰذا خبردار آپ کافروں کا ساتھ نہ دیجئے گا''(قصص۔۸۶)﴿ مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''اور نہ ہم ظالمین کو اپنا قوت بازو اور مددگار بنا سکتے ہیں''(کہف ۵۱) مجرمین اور بے دین لوگوں کی قیادت کے بارے میں علی فرماتے ہیں خطبہ۔۲۲ ''اگر ان لوگوں نے اطاعت سے انکار کیا تو میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا۔جو باطل سے شفا دینے اور حق کی نصرت کے لئے کافی ہے۔مجھے دھمکایا نہیں جا سکا اور شمشیر زنی سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکا اور میں اپنے پروردگار کی طرف سے یقین کے درجہ پر فائز ہوں اور اپنے دین کی حفاظت میں مجھے کوئی شک نہیں ہے'' اور خطبہ۔۱۲۷ ''اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے کہ جو اوروں کو بھلائی کا حکم دیں اور خود اسے چھوڑ بیٹھیں اور دوسروں کو بُری باتوں سے روکیں اور خود اُن پر عمل کرتے رہیں''

۳۔رشد اقتصادی:

بیت المال مسلمین کا کس طرح خود کو کفیل بنانا ہے، ملت کی ضروریات کو کس طرح پورا کرنا ہے، آمدنیات کو کس طرح بڑھانا ہے خلفاء راشدین کی یہ رشد خلفائے بنی امیہ و بنی عباس، فاطمیین وصفوین، عثمانیوں، مغلوں، پی پی ونوازین اور ان کے امراء و وزراء اور مشیرین کے رشد سے تقابل کرنے کے بعد پتہ چلے گا اور ہمارے سامنے واضح ہوگا کہ یہ خلفاء کس قدر راشدین تھے، کہاں خرچ کرتے تھے اور کتنا خرچ کرتے کتنا کنزو ذخیرہ کرتے تھے مداحان و چاپلوسان شعراء کو کتنا دیتے اور بے چاری ملت کے فقراء و مساکین کو کتنا دیتے تھے۔یہاں شیعہ وسنی مذہبی قیادت سنبھالنے والوں کی آنکھوں پر اگر پردہ نہیں پڑا ہوا تو پی پی کی حکومت کی سیاہ تاریخ خاص کر قومی خزانہ لوٹنے اور پارٹی کے بیشتر افراد کو وزارتیں دینے اور شیریں رحمٰن کو بے پناہ سہولتیں دینے کے بعد ان کی آنکھیں کھل جانی چاہیے تھیں۔

۴۔رشد قیادتی:

رشد قیادتی کے لئے ایمان ضروری ہے، بغیر ایمان رشد نہیں چنانچہ اللہ نے فرعون کو غیر رشید کہہ کر اس کی اطاعت کرنے سے منع کیا کہ وہ اپنے اوامر میں رشید نہیں، امامت وقیادت کے لئے ایمان راسخ کے بعد عمل صالح شرط ہے۔جو انسان اعمال فاسد انجام دیتا ہے قرآن فرماتا ہے وہ رشید نہیں ہے چنانچہ لوطؑ نے بدکار قوم سے فرمایا، تمہارے پاس کوئی شخص رشید نہیں ہے، اس سے اندازا ہوتا ہے کہ کسی شخص میں امامت وقیادت کیلئے کتنا رشد ہونا ضروری ہے، وہ دین کو کس درجے تک جانتا ہو اور اسے کس درجے پر رکھتا ہو جس طرح کہ مسلمان روشن خیال کہتے ہیں دین کو مساجد و محراب عبادت سے باہر نہ نکالیں۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ﴾ ''اور ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے ہی عقل سلیم عطا کر دی تھی اور ہم ان کی حالت سے باخبر تھے''۔(انبیا ۵۱) ہم نے ابراہیم کو عقل خیر وصلاح، ترقی و تکامل اعلیٰ دیا ہے، ایک ایسا تکامل صلاح جس کے بعد فساد ممکن ہو۔

ان نکات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ان نکات پر غور کرنا ہے:

رشد اجتماعی' ایک قوم وملت کو لاحق خطرات زوال ونیستی سے کیسے بچا سکتے ہیں کیا ان علماء اعلام کو راشدین کہیں گے جنہوں نے اپنی ملت کو جہاد کے نام سے کفر کی قیادت میں دیا ہو، جنہوں نے مسلمان کشی کیلئے کافرین کی حمایت کی ہو علی نے اپنے ساتھ ناانصافی برتنے والوں کی ضد میں مرتدین کا ساتھ نہیں دیا تھا کیا یہ رشد اجتماعی ہے کہ آپ تنظیم سے تنظیم اور پارٹی در پارٹی ہو کر ولایت فقیہ کے نام سے ضد اسلام گروہوں کی حمایت کریں۔

۵۔رشد دفاعی وسیاسی:

دشمن کو کس حد تک درک کرتے ہیں، دشمن دشمن ہے چاہے قریب ہو یا بعید لیکن کسی قریب کے دشمن سے بچنے کیلئے دشمن قوی سے پناہ لینے اور اسلام و مسلمین کو انتہاء پسند کہنے والوں کو راشدین نہیں کہہ سکتے چنانچہ خلفاء عباسی نے اپنے آخری دور میں اپنی حریف و رقیب اسلامی ریاستوں سے بچنے کیلئے تاریوں کو دعوت دی حالانکہ وہ کافر تھے لہٰذا یہ خلفاء دفاعی رشد ولیاقت نہیں رکھتے تھے۔

سیاستمدار لوگوں کے مصالح و مفاسد کو دیکھ کر ان کو خوش رکھنے یا ناراض کرنے میں کس حد تک ادراک رکھتے ہیں لشکر اسامہ کی روانگی اور جنگ ردہ میں

دیکھیں امت کیسے متحد و منظم ہوگئی۔ وہ سربراہ مملکت جس کے خلاف اندرون اور بیرون ملک سے حملہ کرنے کیلئے سازشیں ہو رہی ہوں بجائے اس کے کہ وہ اس میں ضعف و ناتوانی دکھائے، منت سماجت یا مذاکرات و مصالحت سے فتنہ وغیرہ کے خاتمے کی تدابیر پر سوچے اس موقعہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں عمر جیسے تند و تیز انقلابی اور مار دھاڑ سے نہ ڈرنے والے بھی بعثت لشکر اسامہ کی مخالفت کرنے لگے اور کہا ان حالات میں لشکر کی یہاں ضرورت ہے اس کے برعکس حضرت ابو بکر نے کہا کہ میں ہر حال میں اس لشکر کو پیغمبرؐ کے کہنے کے مطابق روانہ کروں گا اور اندر سے لشکر کو اسلام و مسلمین کے تحفظ کے لئے آمادہ و چوکنا رکھوں گا۔ حضرت ابو بکر نے وہ رات بیدار رہ کر گزاری اور جہاں جہاں سے خطرے کی گھنٹی بجی، بروقت اس کو رفع و دفع کیا جبکہ ایٹمی طاقت کے کمانڈو نے ایک ٹیلی فون کال پر کردشمن کی ہر بات مان لی، آپ اس کو راشد اور اس کے اس عمل کو رشد دفاعی نہیں کہہ سکتے۔ آپ تاریخ میں کوئی ایسی مثال بتائیں کہ کوئی حاکم ایسی صورت حال سے دوچار رہا ہو اور اس نے اس صورت حال کو مختصر مدت میں رفع کر کے بڑے سے بڑا جنگی نقشہ کھینچا ہو چنانچہ خلیفہ اوّل نے بیک وقت دو محاذوں پر ایک فارس اور دوسرا روم کے خلاف لشکر معین کیا، یہ ان کی رشد عقلی و دفاعی کی نشانی ہے۔

یہ ذوات اس مقام و منصب پر فائز ہونے سے پہلے راشد تھیں کیونکہ یہی ذوات پہلے ہدایت پانے والی تھیں یہ دور طفولیت اور شبابیت اور دور طاقت و قدرت مسلمین میں پیش پیش تھیں۔ اگر یہ ذوات راشد نہیں تھیں تو نعوذ باللہ اس منصب پر قبضہ کرتے وقت نابالغ و سفیہ تھیں تو اس صورت میں جہاں قرآن نے ایک یتیم کا مال اس کے بالغ و رشد ہونے تک نہ پہنچنے کی صورت میں اس کے سپرد کرنے سے منع کیا ہو وہاں کیسے ممکن ہے کہ امت اسلام بلکہ اس کی بعض برجستہ شخصیات اس دین و ملت کو غیر راشدین کے حوالے کر دیں اور دیگر برجستہ شخصیات خاموش نظارہ کرتی رہیں گویا نبی کریمؐ اپنے بعد چند نابالغوں اور سفہاء کو قوم میں چھوڑ کر گئے تھے کہ جنہوں نے غیر رشیدوں کو تسلیم کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ بات امتِ خیر کے خلاف ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہم محض ضد اور فرقہ پرستی کی وجہ سے ایسی باتیں تو نہیں کر رہے کہ جو تاریخی حقائق کے خلاف ہیں۔

جس دن سے وہ اس مقام پر فائز ہوئے اور اس مقام سے مربوط ذمہ داریوں کی خلعت کو اپنے تن پر اوڑھا' اس دن سے موت یا قتل کے دن تک جو کارنامے انھوں نے انجام دیئے وہ رشد سے مطابقت رکھتے تھے یا نہیں۔ امت مسلمہ جس نے نبی کریمؐ کے ساتھ ۲۳ سال میدان عسر و حرج' جنگ و جہاد' ہجرت' انفاق میں گزارے، آج یہ منصب انھوں نے کس کے سپرد کیا اور جس کسی نے اس لباس کو پہنا اور اس بارے میں لاپرواہی برتی تو ان کے بارے میں انہوں نے کیا موقف اختیار کیا ہے۔ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے اپنے آپ کو اس منصب کیلئے پیش کیا تو ابو بکر و عمر نے کہا کہ یہ قریش سے باہر منتخب نہیں ہو سکتے تو کیوں، کس لئے، کس منطق کے تحت یہ جواب دیا لیکن انصار نے کہا کہ ہمیں اسلام کا خاتمہ قبول نہیں، ہمیں قریش قبول ہیں، مجرمین قبول نہیں ہیں۔ بفرض محال اگر یہ ذوات اپنی جگہ غی و ضال میں مبتلا تھیں تو نعوذ باللہ اس وقت وہ تمام برجستہ اصحاب پیغمبرؐ بھی ضالہ ہونگے کیونکہ انہوں نے اپنے اوپر ظالمین کو برداشت کیا اور انہیں امیر المومنین کہا۔ اس طرح وہ تمام آیات جو ظلم کے خلاف سکوت و خاموشی اختیار کرنے والوں کی مذمت میں اتری ہیں، ان کے بارے میں تطبیق ہوں گی۔ یقیناً اصحاب پیغمبرؐ رشد ملت رکھتے تھے یہ ممکن نہیں ہے کہ رشد اقتصادی و سیاسی رکھنے والا انسان تدبیر مملکت کسی انجان کے سپرد کرنے کی اجازت دے چنانچہ سب نے ابو بکر کی بیعت کی ہے۔

جو شخص منصب امامت و قیادت امت کے لئے متصدی (منتظم) ہو رہا ہو، اس کیلئے اعلیٰ و ارفع رشادت پر فائز ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ مسؤلیت ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ رشد کے مراتب و درجات میں سے اعلیٰ و ارفع رشد امامت و قیادت ہے اس کا اندازہ نساء ۶ سے ہوتا ہے جہاں یتیم کو اس کے باپ کی وراثت اس کے سپرد کرنے سے منع کیا گیا ہے جب تک کہ اس میں رشد نہ آجائے چہ جائیکہ ایک ملت کے تمام مقدرات دین و دنیا اس کے سپرد کریں جیسا کہ سلاطین آل بویہ، سلاجقہ اور فاطمین وصفوین کرتے تھے جو کام بنو امیہ نے نہیں کیا وہ نام نہاد مدعیان وارثین نبوت نے کیا ہے انہوں نے جنین اور طفل کو دودالے کو امام بنایا ہے ان سے بدتر اثنا عشریوں کا عمل ہے کیونکہ فاطمین اس دور میں خلیفہ کے بالغ ہونے تک حکومتی انتظام کسی عسکری قیادت یا انتظامی قیادت کے حوالے کرتے تھے جبکہ اثنا عشری نے ملت کو بغیر خلیفہ و امام لاوارث چھوڑنے کی بات ہے۔

۶۔رشد ملت:

رشد و رشادت قیادت و امامت کے علاوہ رشد و رشادت ملت بھی لازم و ملزوم ہے رشد ملت یعنی ملت کس حد تک بیدار و آگاہ ہے ۔ایک ملت کب اور کیسے راشد ہو جاتی ہے امت اسلام پہلی ملت جامع ہے آپ انھیں مہاجرین کہیں یا انصار محمدؐ کہیں وہ پیغمبرؐ کے ۲۳ سالہ دورحیات میں ہر طرح کے حالات میں محمدؐ کے گرد مثل پروانہ گھومتے تھے صرف اس بات پر کہ آپؐ صادق ہیں جو بولتے ہیں وہ صحیح ہوتا ہے۔

ہجرت مدینہ سے تیرہ سال پہلے نبی کریم محمدؐ کے توسط سے ضلالت، جماد پرستی ،قبیلہ پرستی اور صنم پرستی سے اس ملت نے نجات پائی کچھ عرصہ اذیت و آزار دیکھنے کے بعد یہ ملت رشیدہ اس قابل بنی کہ قیادت عالم کا بوجھ اٹھائے ۔خلفاء راشدین نے نبی کریمؐ کے بعد اپنے ناقص علم و ارادہ سے قیادت کے منصب کو پُر کرنے کی بھر پور کوشش کی، اگر کہیں نہیں کر سکے تب بھی پیغمبر اکرمؐ کے دور کے بعد خلفائے راشدین کا دور اب تک آنے والی تمام حکومتوں میں سے بہترین دور تھا۔دور بنی امیہ سے حکمرانوں نے آہستہ آہستہ اس رشد کو ختم کر کے خیر وشر کی تمیز کو ان کے اذہان سے نکال کر یزید جیسے فاسق اور ولید جیسے فاجر کو بھی امیر المومنین کہنے میں قباحت محسوس نہیں کی ۔اگر آپ اپنے قریب کے ادوار سے مثال لیں تو جدوجہد و کوشش سے انگریز کی استبدادیت سے نجات ملنے پر ایک آزاد مملکت قائم ہوئی لیکن پچاس سال نہیں گزرے کہ قائدین اسے دوبارہ غیروں کے قبضے میں دینے کے لئے مسابقہ کر رہے ہیں۔

تاریخ راشدین:

اپنے مصادر کے حوالے سے تضادات وتناقص، افراط وتفریط ،مناقب ومثالب غیر عقلی وغیر شرعی ہونے کے باوجود تاریخ راشدین اہل فکر و دانش، حاملان لیاقت وصلاحیت، تاریخ شناسی میں ریت سے سونا چھانٹی کرنے والوں کے لئے ایک منفرد و بے مثال و درخشاں تاریخ ہے ۔اپنے انتخاب اور قیادت میں لاثانی ہے یہ تاریخ راشدین کی تنہا جنگی حکمت عملی اور اقتصادی و اجتماعی حوالے سے ہی نہیں بلکہ انکے ایمان با صداقت محمدؐ اور نور رسالت کی شعاؤں کا نتیجہ اور ثمر ہے اس تاریخ کے دور سوم و چہارم کے اضطرابات منافقین اور اقتدار پرستوں کی ہوس رانی کے جنوں کا نتیجہ ہیں۔

تاریخ راشدین میں کھیاں نکالنے والوں کو اپنے انتخاب مراجع میں کی گئی بے ضابطگیوں اور ملت کو نالائق و نا اہل قیادتوں میں تقسیم کرنے پر اپنی آنکھیں کھولنی چاہئیں اور دیکھنا چاہیے کہ یہاں کتنی اور کیسی کیسی بے ضابطگیاں ہوتی ہیں ہمیں اس فرقہ کا حشر اچھی طرح سے یاد ہے جب آیت اللہ حکیم اور خوئی جیسے فقہا اور رجالی کے ہوتے ہوئے دونوں آنکھوں سے نابینا آیت اللہ سید عبدالھادی شیرازی کو مرجع بنایا گیا نیز آیت اللہ خوئی کے بعد ان کے شاگرد اول عصر حاضر کے استاد مرحوم سید محمد روحانی آیت اللہ سید سعید حکیم کے ہوتے ہوئے آیت اللہ سیستانی کی تقلید کروائی گئی جبکہ ابھی تک ان کی نہ کوئی علمی و استدلالی کتاب آئی ہے اور نہ ہی ان کے کسی برجستہ شاگرد کا نام آیا ہے ۔نیز ان کا دعویٰ بھی کھوکھلا ثابت ہوا کہ مرجعیت ہمارا محور مرکز وحدت ہے نجف اور قم کے گلی کوچوں سے عید فطر کے مواقع پر ہر کس و ناکس اور اہل و نا اہل اور اس میدان سے واقف و آگاہ و نا آگاہ سب کو اجازے ملتے ہیں دیگر علاقوں میں متضاد مراکز وجود میں آچکے ہیں ان میں سے بعض مزموم عزائم پر مشتمل اتحادیات قائم کرتے ہیں۔

قیادت امت میں منتقل ہوئی:

نبی کریمؐ نے دس سال مدینے میں امت کی قیادت و رہبری کرنے کے بعد ۱۲ ربیع الاوّل کو اپنے خالق اور مالک حقیقی سے وصال کیا۔آفتاب نبوت و رسالت افق مدینہ بلکہ افق بشریت سے تحت شعاع عالم برزخ گئے ۔نبی کریمؐ کی امت کو ہدایت اور قیادت کے درمیان آپ کی موت حائل ہونے کے بعد کسی نے بیا نگ دہل یہ کہنے کی جرأت کی کہ اس منصب کے حقدار صرف اور صرف ہم ہیں مـن ينـازعنـا في ملكنا جب یہ آواز سننے میں آئی تو امت خود بخود ذمہ دار بن گئی ۔اس وقت نبیؐ کے بعد حفظِ دین و شریعت کی ذمہ داری امت پر عائد ہوتی ہے۔

جنگ احد کے موقعہ پر شیطان نے یہ ندا بلند کی کہ محمد قتل ہو گئے ہیں تو اللہ نے آیت نازل کی کہ اگر محمدؐ قتل ہوئیں تو خالق محمدؐ اور شریعت نازل کرنے والا اللہ تو باقی ہے ۔(عمران ۱۴۲) دین اسلام آج کے نام نہاد دانشوران ،غرب پرست حکمرانوں اور تنظیموں جیسا نہیں ہے کہ جہاں ہر کسی شخصیت کی موت کے موقعہ پر ہفتہ دس دن سوگ کا اعلان کرتے ہیں اور ان کی موت پر پرچم سرنگوں کر دیتے ہیں۔

آپؐ کی قریب ترین ذوات جو دین وشریعت کو آپ سے براہ راست لیتی تھیں یعنی آپؐ کے اہل بیت اطہار اور آپؐ کے اصحاب کرام جو ابتدائی دور سے آپ کے حضر وسفر میں آپ کی رکاب میں شامل تھے اور امت کے اہل فکر ودانش سب اس میں شامل تھے گرچہ اہل بیت میں اس وقت سب سے اولیٰ وبہتر اور سب سے زیادہ سزاوار شخصیت علی کی تھی چنانچہ حضرت ابو بکر نے سقیفہ میں کہا کیا تمہارے درمیان کوئی ابو عبیدہ، علی اور عمر جیسا ہے اسی طرح حضرت عمر نے اپنی نامزد چھ رکنی شوریٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے علی کے فضل کا ذکر کیا لیکن شاید ان کے پاس اس اولی کو تقدیم نہ کرنے کی کوئی مصلحت یا رکاوٹ ہو لیکن اولی کو آگے نہ لانے سے غیر اولی والے کافر وفرعون وہامان یا بت پرست ومنافق ہو جاتے ہیں، یہ کس منطق اور کس محکم آیت سے مستند ہے؟

یہاں رؤف ومہربان رہبر کے ساتھ محبت اور لگاؤ اس بات کا متقاضی تھا کہ اس خاندان سے ہی کسی لائق وقابل شخصیت کو جانشین بنانے کا اعلان کرنا چاہیے تھا چنانچہ تاریخ ملوکیت فارس وروم اور شام وعراق میں یہی رہا ہے بعد میں فاطمیین نے کاندھے پر اٹھانے والے بچے کو جانشین بنایا اور کبھی جنین شکم کی پیدائش سے حد بلوغت تک انتظار کیا ہے اس وقت کے یاران باوفا کو چاہیے تھا کہ اس خاندان سے ہی کسی کو انتخاب کرتے، چلو اگر علی کے بارے میں تحفظات ہوتے تو حسنین میں سے ایک کو بناتے یا آپ کے چچا عباس یا ان کے بیٹوں میں سے ایک کو اس منصب پر جاگزین کرتے اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا تو جواب یہ ہے کہ ایسا اس لیے نہیں ہوا کہ وہ بادشاہوں کی سیرت کو زندہ نہیں رکھنا چاہتے تھے بلکہ وہ ایک آفاقی وعالمی اور دائمی وابدی نظام کے خواہاں تھے۔

چنانچہ اس کی دو ہی وجوہات بن سکتی ہیں ایک یہ کہ دین صرف عربوں کے لئے نہیں تھا یہ آرائیوں، سامیوں، ساسانیوں، یورپیوں، ہندیوں، پنجابیوں، سندھیوں اور بلوچیوں کیلئے نہیں، یہ دین تمام انسانوں اور تمام بشریت کیلئے ہے یہ شرق وغرب، شمال وجنوب سفید فام وسیاہ فام سب کیلئے یکساں ہے اور حضرت محمدؐ کسی خاندان وقوم کے نمائندہ نہیں تھے اور آپؐ جس منصب پر تھے وہ ملوکیت نہیں تھا۔

چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان نے عباس سے کہا **لقد عظم ملک ابن اخیک** (تمہارے برادرزادے کی بادشاہی محکم ہو گئی ہے) تو عباس نے کہا: **انھا النبوۃ**۔ (یہ نبوت ہے بادشاہت نہیں) لہٰذا اسے وہ ایک خاندان میں حصر نہیں کر سکتے تھے۔

امامت وراثتوں میں دینے کی محضورات:

امامت کو وراثت میں دینے سے بہت برے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ہم مندرجہ ذیل مفروضات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ بیت نبیؐ سے بہت بیوت نکلتے ہیں ان بیوت کے درمیان آپس میں اختلاف اور نزاع کی صورت میں کسی ایک کے حق میں فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

۲۔ یہ عمل پیغمبر اسلامؐ کے لائے ہوئے دین، قرآن کریم کی آیات اور آپؐ کے فرمان اور سنت کے خلاف ہوگا۔

۳۔ لاتعداد افراد اس خاندان میں اس حق سے محروم ومظلوم قرار پائیں گے۔

۴۔ نبیؐ سے قریب والے محروم اور نبیؐ سے بعید والے مستحق قرار پائیں گے چنانچہ زید بن علی اور امام جعفر صادق میں پیغمبر اسلامؐ سے زیادہ قریب زید بن علی ہیں اور امام جعفر صادق ایک پشت بعد میں آتے ہیں۔

۵۔ جو ہستیاں قرب میں برابر ہیں ان میں سے ایک کو کسی مرجح (برتر) اور امتیاز کے بغیر ترجیح دینا ترجیح بلا مرجح ہوگا جیسا کہ امام حسین کی شہادت کے بعد امام سجاد اور حسن مثنیٰ قرب بیت میں دونوں ایک درجے پر تھے۔

۶۔ اقلیت کی اکثریت پر حکمرانی ہوگی جو کہ آمریت کا مظہر ومصداق جلی ہے۔

۷۔ فساد اور خون ریزی کا دروازہ کھلے گا، چنانچہ بنی عباس اور علویین اور فاطمیین کی جنگ وجدال اس کی گواہ ہے۔ لہٰذا خلیفہ اوّل ودوّم وسوم بشمول خود علی بن ابی طالب خلافت وامامت کو خاندان کی بنیاد پر محصور کرنے کے حق میں نہیں تھے لہٰذا ہر ایک نے اس عمل سے گریز کیا اور کسی نے بھی اپنی وفات کے موقع پر اپنے بیٹے کو جانشین نہیں بنایا ہے یہاں تک کہ عمر ابن خطاب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو نامزد کرنے کی تجویز دینے والے کو ڈانٹ کر مسترد کیا اور اس کو شوریٰ میں شامل نہیں کیا۔ حضرت علی نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو نامزد نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس حوالے سے جمہوریت ہی واحد حل رہا، امت نے جمہوری طریقے سے ہی انتخاب کیا لیکن جمہوریت کیا ہے اور کس نوعیت کی ہے ان اصحاب کو کیا پتہ جو جزیرۃ العرب کی حدود سے باہر کے بارے میں کسی قسم کی آگاہی نہیں رکھتے تھے اور دنیا

میں کہیں بھی اس وقت جمہوریت کا نام ونشان تک نہیں تھا افلاطون کی بات کرنے والوں کو جمہوریت کا پتہ ہی نہیں یا وہ اس کو چھپا کر پیش کر رہے ہیں، وہ تو اشرافیوں کی حکومت کے داعی تھے آج کل کے کاشتکاروں، کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں، بیواؤں اوران پڑھوں کو سبز باغ دکھا کر یا ڈرا دھمکا کر اور نوٹ تھما کے ٹکیس چوری کرنے والوں کی جمہوریت سحرِ شیطان ہے۔ جہاں عوامی رائے میں ناکام ہونے کے بعد یہ لوگ ایوان بالا میں پہنچتے ہیں اور یہاں سے ناکامی کے بعد انہوں نے ٹیکنوکریٹ کے نام سے ایوان میں پہنچ جانے کا بندوبست کیا ہے یہ جمہوری لوگ دین اسلام کے مقدرات کے خلاف آواز اٹھانے کیلئے انجیوز کے نمائندے بن کران کے اہداف کے لیے کام کرتے ہیں اور اقتدار کی حرص وہوس میں اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے دین کا برملا مذاق اڑاتے، رقص وسرور کی محفلوں کا حصہ بنتے اور ملکی راز فاش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ان عبادالصالحین کو جمہوریت کا کیا پتہ ہوگا کہ وہ جمہوری نظام لائیں اب اس طرف آتے ہیں کہ کیا جمہوریت ہی ہمارے مسائل کا حل ہے۔

قارئین دین اسلام میں امامت ہے نہ خلافت ہے اور نہ ہی جمہوریت ہے اور نہ ملوکیت اگر کوئی خوبی و بہتری ہے تو وہ اسلام میں بغیر ملوکیت کے ہے اگر جمہوریت میں کوئی اچھائی ہے تو وہ اسلام میں بغیر جمہوریت موجود ہے۔ یہ دونوں اسلام کو روکنے کیلئے گھڑے گئے شعار ہیں ان دونوں کا نہ اسلام سے رشتہ ہے اور نہ حقیقت خارجی میں ان دونوں میں کوئی حسن وخوبی پائی جاتی ہے۔ دنیا میں موجود نظاموں میں اکثر ملکوں میں جمہوریت پائی جاتی ہے جیسے برطانیہ وفرانس وغیرہ جبکہ حقیقت میں ان ملکوں میں جمہوریت کی شکل میں ملوکیت پائی جاتی ہے چنانچہ روس میں پوٹین، لیبیا میں کرنل قذافی اور شام میں بشارالاسد اس کی واضح مثالیں ہیں ہمارے وطن میں ۱۸ کروڑ عوام کا گلہ گھونٹ رہے ہیں۔ اب اس کو بھی وراثت میں دے رہے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑنے والوں نے ہی اس نعرے کو ایک وحی منزل کی طرح پیش کیا ہے حقیقت میں سب سے بڑے دہشت گرد اور انتہا پسند یہی لوگ ہیں جو دین وملت دونوں کا گلہ گھونٹ رہے ہیں۔ اس بیسویں اکیسویں صدی میں روشن خیالوں اوراعتدال پسندوں نے اسلام کے خلاف سیاسی جماعتوں کی پشت پنائی کی اور انھوں نے ان ملکوں کو ان کی جاگیر بنایا ہے۔

اسلام کا نظام حکومت:

اسلامی نظام میں نہ خلافت ہے اور نہ امامت۔ یہ دونوں الفاظ قرآن کریم میں اچھائی اور برائی دونوں معنوں میں استعمال ہوئے ہیں چنانچہ کلمہ خلافت سے خلیفہ دوّم پریشان تھے کہ وہ اپنے آپ کو خلیفہ کیوں کہلوائیں چنانچہ ان کے دور میں ان کو خلیفہ کی بجائے امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اسی طرح سربراہ مسلمین کو کسی بھی دور میں امام نہیں کہا گیا۔ لہٰذا ان دونوں کا مفہوم زمانی حیثیت سے ہے۔ امام وہ ہے جو کسی کے آگے ہو اور خلیفہ وہ ہے جو کسی کے پیچھے آئے۔ اسی طرح اسلام میں نہ ملوکیت ہے اور نہ جمہوریت کیونکہ یہ دونوں برائی کی جڑیں ہیں، بہر حال اگر کسی کو ملوکیت میں کوئی خوبی نظر آتی ہے تو وہ یہی استبداد ہوگا کہ حاکم کی موت کے بعد وہ آسانی سے نیا حاکم بنا لیتے ہیں اور کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں ہوتا۔ اسلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ ہر حال میں فتنہ وفساد اور ہنگامہ آرائی سے روکتا اور اس کی سخت مذمت کرتا ہے لیکن ملوکیت میں جو بے بہا برائیاں ہیں، اسلام ان سے پاک ہے۔ اگر جمہوریت میں کوئی خوبی ہے تو اسلام میں وہ پہلے سے موجود ہے، اسلام کو باہر سے کوئی نظام لینے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کا نظام اسلام میں موجود ہے۔ جو ان گنت خوبیاں اسلامی نظام میں پائی جاتی ہیں، جمہوریت اور ملوکیت کے حامی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اسلامی نظام دین وملت کی مصلحتوں کے مطابق ہوتا ہے مزید وضاحت ادوار تاریخ کے آخری دور، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملاحظہ فرمائیں۔

ا) اسلام میں نہ تو امامت کے نام سے ملوکیت ہے اور نہ خلافت کے نام سے مادر پدر آزاد جمہوریت ہے۔ لیکن علمانیوں، سیکولروں، دین میں اپاہجوں، قرآنیون، اہل حدیثوں اور رشعیانِ خطابیوں اور رقداحیوں کا کہنا ہے کہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں انتخاب رہبر کے بارے میں کوئی واضح ومحکم ہدایت نہیں آئی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر مسلمان اسلام کا نفاذ اور امت اسلام کی قیادت و رہبری کرسکیں، اس تصور سے دو مفروضے سامنے آتے ہیں، پہلا یہ کہ دین اسلام دیگر ادیان یہودیت ونصرانیت جیسا دین ہے جو صرف عبادات کے مظاہر پر قائم ہیں، اس میں انسانوں کی دنیوی زندگی کے امور انہی پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور دین صرف عیش ونوش، دولت بنانے اور اقتدار جمانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جب کہ یہ بات دونوں صورتوں میں قرآن کریم کی چندین آیات سے متعارض و متصادم ہے جیسے لارطب ولا یابس، الیوم اکملت لکم دینکم لہٰذا یہ بات حقیقت خارجی اور واقعیت سے دور ہوگی۔

۲)۔قرآن کریم میں انسانوں کے فردی و اجتماعی، سیاسی و اقتصادی اور بین الاقوامی امور سے متعلق تمام بنیادی اصول بیان کر دیئے گئے ہیں جن کی تمام شقیں آیات محکمات کی صورت میں موجود ہیں اور دیگر موضوعات کی بنسبت احکام سلطنت و حاکمیت کے بارے میں زیادہ آیات آئی ہیں۔

۳)۔قرآن اور سنت رسولؐ میں انتخاب حاکم کے بارے میں تمام عمومی باتیں موجود ہیں، ان کو کسی شخص یا خاندان یا علاقے سے جوڑ کر نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ چند پشتوں یا چند نسلوں تک محدود نہیں ہے، یہ دین عالمی ہے جو ملوکیت و جمہوریت کی طرح نہیں ہے جو ہر آئے دن یا گھنٹوں منٹوں بعد تغیر پذیر ہے چنانچہ دین اسلام کو ان کے سپرد نہیں کر سکتے، اگر کوئی سربراہ لاولد مرے یا معذوریت یا کوما جیسی حالت میں چلا جائے یا عوام اتنے مفاد پرست ہو جائیں کہ اپنے حق رائے کو دوہری شہریت والوں کے لئے سستے دام میں فروخت کریں، اس صورت میں ان متشابہات کو محکمات کی طرف پلٹانا ہوگا کہ جن میں وارد ہدایات و احکامات تغیر پذیر حوادث زمان کے ساتھ دگرگوں نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ آئین عالم بالغیب، صاحب سر و خفی کی طرف سے ہے یہ آئین دوہری شہریت رکھنے والوں، مفاد پرست، اقتدار پرست، غرب نواز، کفر نواز اور ملک فروشوں کی ساخت نہیں۔لہٰذا تخصیص و جمہوریت دونوں مخلوق بشر ہیں جو ہمیشہ حوادث کی زد میں ہوتی ہیں۔

مجھے اسلام میں نظام ملوکیت سے اتفاق ہے نہ اختلاف بلکہ اس میں موجود حسنات سے اتفاق اور سیئات سے اختلاف ہے اسی طرح جمہوریت سے اتفاق ہے نہ اختلاف بلکہ اس میں موجود حسنات سے اتفاق ہے اور سیئات سے اختلاف ہے۔ دین اسلام میں سربراہ مملکت کی تمام تر توجہات کا محور جہاں تک ممکن ہو حاکمیت الٰہی کی تمام حدود کو قرآن و سنت کے تحت نافذ کرنا ہے چاہے وہ شخصی صورت میں ہوں یا اجتماعی ہوں یا نامزدگی ہو یا عوامی ریلے کے دباؤ میں ہو، یہاں استبداد ہوگا اور نہ پدر و مادر آزاد جمہوریت ہوگی۔

امت کو ان الفاظ کے جھگڑے میں پھنسا کر رکھنے والوں کے عزائم بہت بڑے ہیں۔یہ عنوان کس دور میں وضع کیے گئے، اس کا تعین کرنا قدرے مشکل اور پیچیدہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امت کو اس لفظی جنگ میں دھکیلنے کی مذموم کاوش فرقہ باطنیہ ہی کرتا رہا ہے۔ دور راشدین میں جس طرح آج کل کے محققین نے امامت اور خلافت کے نام سے متضاد و متناقض اور نفی و اثبات پر مبنی نظریات بنائے ہیں، موجود نہیں تھے۔کلمات امامت و خلافت کو قرآن و سنت کی حدود و قیود سے باہر رکھنے کے بعد کوئی قدسیت و تعظیم و تکریم حاصل نہیں ہو سکتی۔ہم صرف صلاحیت و لیاقت کے داعی و حامی ہیں۔

اس وقت امت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تاریخ کے پہلے اجتماعی فیصلے پر نظر دوڑائیں اور غور فرمائیں کہ کیا امت محمدؐ نے اپنی رشد و ہدایت اور عقل و فراست پر عمل کرتے ہوئے نبی کریمؐ کے جانشین کے طور پر جاگزین ہونے والے شخص کو اس امت کے برگزیدہ افراد میں سے انتخاب کیا تھا یا اس بارے میں مسئلے کو نظر انداز کر کے چشم پوشی سے کام لیا جس کی وجہ سے قیادت امت کسی نالائق و فاسق و منافق کے ہاتھ لگ گئی۔

ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کیا نبی کریمؐ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت کو ایک امت نابالغ و غیر رشید چھوڑا تھا جس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ یہ دین نصیریوں، اسماعیلیوں، قادیانیوں اور انہی کی طرح کے دیگر اسلام دشمنوں کے نمک خواروں اور ارباب صحافت کی تحریفات و خرافات اور ان کی طرف سے پھینکی گئی غلاظتوں کی وجہ سے ایسی شکل اختیار کر گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے لائے ہوئے اور قرآن وسنت پر مبنی دین اور آج مسلمانوں کے پاس رائج دین اسلام میں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے اس دین کا مصدر و ماخذ قرآن اور سنت قطعیہ محمدؐ تھا لیکن آج کل کے دین اسلام کا مصدر محمد علی جناح اور فاطمہ جناح کے خطابات اور بال جبرئیل بانگ درا، اسرار خودی اور شکوہ جواب شکوہ سے اقتباسات ہیں دونوں میں واضح فرق نظر آنے سے معلوم ہوا کہ دور پیغمبر اکرمؐ کا دین اور تھا اور اس دور کا دین اور ہے۔ آپؐ نے ایک بالغ و راشد امت کو چھوڑا تھا کہ اس امت کو جب اچانک اپنے اندر خلاء قیادت کی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو ان کے پاس اس سے نمٹنے کے لیے عقل مندی، فہم و فراست، ہوشمندی اور مدبرانہ طریقے موجود ہوں کیونکہ نبی کریمؐ اپنے جانشین کے تعین میں کسی قسم کا کردار ادا کرنے سے چشم پوشی کر کے رخصت ہوئے۔

ہمیں دور خلافت راشدہ کو بھی حق و انصاف، اسلامی عقائد، فروعات اور ثقافت و اقدار کے تناظر میں تولنا اور جاننا ہوگا کیونکہ ان کے پاس قرآن کریم اور سنت رسولؐ میں وارد روایات اور آیت امرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ ۳۸) موجود تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس امت اور ریاست کا انتظام سنبھالنے کے لئے کون لائق و سزاوار ہے اور کون اس کیلئے نااہل ہے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ اس امت کو ھمج الرعاع چھوڑیں اور گلہ کو سفند سے بھی زیادہ نظر انداز کریں، کہتے ہیں کہ کوئی عام انسان بھی مرجائے تو اپنے اہل و عیال، نابالغ و سفیہ اولاد کو بھی کسی کے سپرد کر کے جاتا ہے، خود نبی کریمؐ مکہ چھوڑتے وقت علی کو چھوڑ کر آئے، مدینہ

چھوڑتے وقت چاہے چند دن ہی کیلئے کیوں نہ ہوں، اسے خالی نہیں چھوڑا چنانچہ جنگ تبوک جاتے وقت اپنی جگہ علی کو چھوڑا، اسی طرح اور دیگر قابل افراد کو بھی چند دنوں کیلئے اپنا جانشین بناتے رہے۔

یہاں اعتراض کرنے والے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اکرمؐ چند دن کے لئے جاتے وقت اپنا جانشین چھوڑ کر جاتے تھے تو کیونکر آپ ہمیشہ کیلئے جاتے وقت امت کو بغیر نمائندہ و جانشین چھوڑ جائیں گے۔ وہ اس کے لیے نہ جانے کتنے اشعار اور کہانیاں نقل کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ نبی کریم کی حیات میں آپؐ کا چند دنوں کے لیے غزوات میں جانے اور ہمیشہ کے لیے جانے میں بہت فرق ہے۔

غزوات میں جاتے وقت چونکہ نبی اکرمؐ چند دنوں کے لئے جاتے تھے اس لیے کسی نہ کسی کو اپنا جانشین بنا کر جاتے تھے جیسے حدیبیہ، عمرۃ قضائے، فتح مکہ اور تبوک و خیبر جاتے وقت پیغمبر اکرمؐ نے اپنا جانشین چھوڑا۔ یہاں ان لوگوں نے اشکال کو الٹا پیش کیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں پیغمبر اکرمؐ چند دن کیلئے رخصت ہوئے تو آپ کو دوبارہ واپس تشریف لانا تھا چنانچہ ان چند دنوں کیلئے پیغمبر اکرمؐ کے پاس لائق و قابل افراد موجود تھے لہٰذا آپؐ نے ان کو اپنی آمد تک چھوڑا لیکن وفات کے بعد آپ کسی فرد یا گروہ یا خاندان میں سے کسی کا تعین نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اب آپ نے چند دنوں کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے جانا تھا۔ اب نبی کریمؐ ایک ہفتہ یا ایک مہینہ کیلئے رخصت نہیں ہو رہے تھے آپ کی مدت رسالت چند پشتوں تک محدود نہیں تھی جس کیلئے کوئی پیش بندی کریں۔ یہ نبوت و رسالت خاتم الرسالت والنبوت تھی، اس کیلئے دائمی و جاویدانی حل کی ضرورت تھی۔ نبی کریمؐ کے پاس سلسلہ سلاطین نہیں تھا جہاں گہوارے میں دودھ پینے والے بچے کو یا شکم میں خون کھانے والے کو یا خاندان میں سے کسی قریبی فرد کو جانشین بناتے ہیں۔

بقول خلیفہ دوّم رحلت نبی کریمؐ کے بعد امت اسلام کو افراط و تفریط اور ہنگامی حادثے کا سامنا کرنا پڑا، یہ حادثہ کیوں رونما ہوا، کیسے ہوا، بعض اس سوچ میں محو ہوئے بعض نبی کریمؐ کی تجہیز و تکفین کیسے کریں گے، اس میں مستغرق ہوئے، کچھ نے نبی کریمؐ کے اس مبارک منصب پر کس کو فائز کریں، یہ کس کا حق بنتا ہے، کس کو ہونا چاہیے، کیا اقدامات کرنے چاہئیں، اس حوالے سے بھاگ دوڑ شروع کی۔ وہ اسلام کیلئے اپنی خدمات جلیلہ اور نبی کریمؐ کے ساتھ اپنی وفاداری کو بنیاد بنا کر خود کو اس منصب کا حقدار و سزاوار سمجھنے لگے۔ وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہوا، دین اسلام جو کہ پورے عالم اور بشریت کی قیادت کے لیے آیا تھا، اس کی قیادت کا تجربہ جتنا اہم اور ضروری تھا، وہ نہ ہونے کے برابر تھا کیونکہ دس بیس سال پے در پے دشمن کے ساتھ جنگ و مقاومت و مزاحمت اور ہنگامی حالات سے گزرنے کی وجہ سے سوچ بچار اور وقت سے تحقیق وغیرہ پر توجہات کم پڑی تھیں۔

طاقتور و قدرت مند حکومت فارس جس نے رسول اللہ کی دعوت بہ اسلام کے نامہ کو مسترد کر کے اپنی حکومت کو حکم دیا کہ وہ جلد از جلد محمدؐ کو گرفتار کر کے ان کی طرف بھیجے، وہ اس دن کے انتظار میں تھے اور موقع کی تلاش میں تھے، اس حوالے سے دیگر نکات بھی موجود ہیں جیسے۔

۱۔ اسلام کے پرچم تلے جمع ہونے والوں میں ایسے منافقین، مفاد پرست اور فرصت طلب افراد بھی شامل تھے جو آپ کی حیات کے بعد کوئی نہ کوئی بغاوت و سرکشی کرنے کی فرصت کے انتظار میں رہتے تھے، ان سے بھی امت کا نمٹنا ناگزیر تھا۔

۲۔ اس وقت کی دو بڑی طاقت و روقدرتمند حکومتیں جو صدیوں کی تجربہ کار اور ہر قسم کے وسائل کی حامل تھیں جنہیں آپ نے اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ آپ کی دشمن بن گئیں، امت کو ان سے بھی لڑنے کے لیے چوکنا رہنا تھا۔

۳۔ بادشاہ غسان جس نے آپؐ کے خط کو پھاڑا تھا اور آپؐ کے نمائندے کو قتل کیا تھا، اس سے جلد از جلد انتقام لینے اور اسے متنبہ کرنے کے لیے آپؐ نے لشکر اسامہ کی ترسیل کی سفارش کی تھی۔

۴۔ اُفق مدینہ پر مشرکین عرب و منافقین اور یہود و صلیب و مجوس فارس کے سر اٹھانے کے خطرات منڈلا رہے تھے۔ بعض قبائل میں مدعیان نبوت نکلے تھے جنہیں رسول اعظمؐ نے دبایا تھا ان کے دوبارہ سر اٹھانے کا خطرہ تھا۔

تاریخ کے صفحات سے قارئین بخوبی واقف و آگاہ ہیں کہ دنیا میں قائدین کی قیادت میں خلل واقع ہونے، شدید مرض، قتل یا موت کی صورت حال کو اس وقت تک چھپا کر رکھتے ہیں جب تک نئی قیادت و رہبری کا اہتمام و بندوبست نہیں ہو جاتا۔

حکومت بزنطیہ، مسیحی، صلیبی جن سے مسلمان موتہ میں پہلے نبرد آزما تھے جس میں مسلمانوں نے عظیم و بھاری جانوں کی قربانی بمعہ قائدین پیش کی، ان کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا۔ان خطرات کو پیش نظر رکھنے کے بعد عقلاء اس جلد بازی کی قباحت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ان دونوں منفی و مثبت زاویوں کو مدِ نظر رکھنے کے بعد اس اجتماع یا اس اسمبلی کی قرارداد کی شرعی حیثیت کو جاننا ہوگا۔

سقیفہ بنی ساعدہ اور عصر حاضر کے ایوان:

سقیفہ عربی میں چھت کو کہتے ہیں یہاں سقیفہ سعد بن عبادہ رئیس قبیلہ خزرج کا بیرون خانہ واقع چبوترا مراد ہے یہاں مسلمانوں کی پہلی اسمبلی کا اجلاس ہوا جس کے بعد بشریت کو ایسی اسمبلی دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔جب نبی ختمی مرتبت رسول گرامیؐ نے اس دنیا سے آنکھ بند کی تو امت آپ کے بعد جانشین کے بارے میں قطعی اور واضح ہدایات نہ ہونے کی وجہ سے ایک قسم کے افراط و تفریط کا شکار ہوئی اس وقت ہر ایک حیران و سرگراں تھا۔

سقیفہ کے بارے میں اقلام متضاد و متناقص پائے جاتے ہیں دورحاظر کے نشر و اشاعت کے ادارے انتہائی دلچسپی کے ساتھ بلا وقفہ طباعت کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں جبکہ ماورائے اسلام و مسلمین رصدگاہ نشین نئے مودا کی معاونت کرتے ہیں۔ہر دن کے نئے ریٹ پر ثقافت و صحافت سجانے والے ترقی پسند، اسلام و مسلمین کی تاریخ کو نیچا اور غیر مہذب اور قرون اولی کی جہالت، جنگل کے قانون اور عصر حاضر کی نام نہاد جمہوریت و ملوکیت اور غیر اخلاقی و غیر اسلامی اقدار کو اونچا دکھانے پر تلے ہوئے ہیں۔روزانہ کے نرخ پر کھانے والے سقیفہ کے بارے میں اپنی نئی گزارشات بھیجتے رہتے ہیں، یہ لوگ کہاں رہتے ہیں، پتہ نہیں چلتا، گویا پشت کوہ قاف یا ظلمت سکندر اعظم میں سکونت رکھتے ہیں اور یہ لوگ دوربین و خوردبین سے اس طرف دیکھنے والے کو ہوائی فائرنگ سے گوشہ نشین کرتے ہیں۔یہاں ان مفروضات کی طرف آتے ہیں۔

۱۔سقیفہ کے فیصلے میں مثبت کو نظر انداز کر کے منفی کو ترجیح دے کر اسلام کے نفاذ اور امت واحدہ کی راہ میں فتنے کی آگ جلانے والے قانون دان شریعت دان اسمبلیوں والے اس بارے میں کونسا حل نکال سکتے ہیں۔کیا وکلاء و جج صاحبان کوئی اچھا لائحہ عمل نکالیں گے۔

۲۔بعض مثبت و منفی دونوں کو قصہ ماضی کی کہانی قرار دے کر چشم پوشی کرینگے۔آج کے پڑھے لکھے دانشور، مجتہد، قانون دان کوئی ایسا حل تلاش کریں جو دنیا کے تمام بشر سیاہ و سفید سب کیلئے قابل قبول ہو اور اس فیصلے کو تحریر میں لائیں، اخبار میں لائیں، کتاب میں لائیں ورنہ اسے موضوع بنانا ایک سازش، خیانت کاری اور بدنیتی پر مبنی قرار پائے گا۔

۳۔استعمار ابیت عصرانیت یعنی روشن خیال، مغرب نواز اور ترقی پسند ہر آئے دن چیخ و پکار کر رہے ہیں کہ ہمیں جینے کیلئے مغرب سے جینے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا، ان کا اصرار ہے ہمیں دین کو پیچھے چھوڑنا ہوگا، ناموس اور غیرت کو خیر باد کہنا ہوگا۔اسراف و تبذیر اور ممنوعات اسلام کا ارتکاب کرنا ہوگا۔فرق و مذاہب سے دینداری کے حصے کو ملت کی خاطر حذف کرنا ہوگا، مذہب کا نام صرف وقت و حالات کے تحت یا جھگڑا و فساد ٹھنڈا کرنے کی خاطر لینا ہوگا۔

۴۔نہ گرنے والی خرافات کی دیواریں قائم کی گئی ہیں۔جسکی وجہ سے آج اللہ و رسول قرآن اور اہل بیت و ائمہ کی بھی بات نہیں کی جاتی۔لوگ قرآن اور نبی کریم کی سنت کی بات نہیں سنتے اور کہتے ہیں آپ سے پہلے یہ باتیں کس نے کی ہیں بلکہ انتہائی کمال بے شرمی سے مشرکین کی منطق کو دہراتے ہیں "ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی روش پر پایا ہے" (مائدہ ۱۰۴، اعراف ۲۸)۔لیکن ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم چاہے ذلیل ہو کر مر جائیں یا انکے بقول ہماری کتاب کوئی بھی نہ پڑھے لیکن کم سے کم یہ کتابیں ایک سند بنیں گی۔

۵۔اب کوئی نبی نہیں آنا تھا، نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی تھی، وحی نہیں اترنی تھی لہذا فیصلہ امت نے ہی کرنا تھا۔

[خلفاء راشدون تالیف عبدالوہاب نجار ص ۲۱] نبی کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد انصار سقیفہ بنی ساعدۃ میں جمع ہوئے۔انصار جو کہ قبیلہ اوس و خزرج مدینہ میں سے تھے اسلام آنے سے پہلے دور جاہلیت میں ان دونوں کے درمیان طویل عرصہ تک جنگ جاری رہتی تھی۔خزرج اوس کے مقابلہ میں زیادہ افرادی قوت کے حامل تھے۔خزرج کی ریاست سعد بن عبادۃ کے ہاتھ میں تھی جو بنی ساعدۃ سے تھے۔بیعت عقبہ میں رسول اللہؐ کی طرف سے منتخب کردہ بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے، یہ مدینہ میں نقیبانِ رسول اللہؐ میں سے تھے، ان کا گھر مدینہ کے بازار کے بعد واقع تھا، وہاں ایک جھونپڑی کی سی چھت ان کے گھر کے نزدیک تھی۔

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا تا کہ نبی کریمؐ کے وصالِ رب ہونے سے پیدا ہونے والے خلاء کو کسی طرح پُر کیا جائے، اس مشکل کو حل کیا جائے، یہاں دیکھنا ہوگا کہ آیا انصار کا اس میں سبقت از روئے رشد تھا یا خلاف رشد تھا، غلات و منافقین نے سقیفہ کے اجتماع کو ایک خیانت و سازش قرار دیا ہے جبکہ اسلام و مسلمین پر جب بھی کاری ضربت لگی، اس میں یہی غلات و منافقین پیش پیش تھے چونکہ فارس و روم سے وابستہ حکمرانوں کو چند مہینے پہلے رسولؐ اللہ نے دعوت اسلام کیلئے مراسلہ بھیجا تھا، ان کی طرف سے اور نبی کریمؐ کے بعد اطراف میں موجود مدعیان نبوت اور منافقین کی طرف سے انتقامی کاروائی کا اندیشہ تھا، اس صورت حال اور خطرات کا ان کو پتہ تھا اس لئے یہ سب جمع ہوئے کہ نبی کریمؐ کے بعد خلیفہ کے حوالے سے تبادلہ خیال کر سکیں۔ سعد بن عبادۃ مریض تھے، انھیں گھر سے اٹھا کر لایا گیا، وہ بیماری کی وجہ سے اپنی قوم سے خطاب نہیں کر سکتے تھے، ان کے اقارب میں سے ایک نے ان کی باتوں کو بلند آواز میں قوم تک پہنچایا، سعد نے حمد و ثناء کے بعد کہا: ''اے معشر انصار! اسلام میں آپ کیلئے سبقت و فضیلت ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں محمدؐ دس بارہ سال اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے تا کہ رحمٰن کی عبادت کریں اور بتوں کو چھوڑیں لیکن اس قوم سے قلیل تعداد کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا، جو ایمان لائے وہ اپنے دین کا اظہار نہیں کر سکتے تھے اور نہ وہ محمدؐ سے دفاع کر سکتے تھے حتیٰ وہ خود سے بھی دفاع کرنے سے قاصر تھے، جب اللہ نے تمہیں فضیلت دینا چاہی تو کرامت تمہارے در پر آئی، اللہ نے اس نعمت سے تمہیں نوازا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور تم ہی نبیؐ اور اس کے اصحاب سے دفاع کرو، تمہیں عزت دی تا کہ اس کے دشمن سے لڑو، اس کے دین کی حفاظت کرو، تم لوگوں میں سب سے زیادہ محمدؐ کے دشمنوں سے لڑتے تھے محمدؐ کے دشمنوں کیلئے تم بھاری اور سنگین تھے یہاں تک کہ عرب اس دین میں داخل ہوئے جو بادل ناخواستہ ذلیل و خوار ہو کر تسلیم ہوئے اور روئے زمین پر نبی کریمؐ کیلئے خاضع ہوئے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھایا در آں حالانکہ وہ تم سے راضی تھے اور تمہیں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک سمجھتے تھے اس مقام کو پکڑ کر رکھو، دوسروں کو آنے مت دو، یہ حق تمہارے لئے ہے کسی اور کیلئے نہیں''۔

جونہی خطبہ تمام ہوا تو سب نے یک زبان ہو کر کہا: ''اللہ آپ کو سلامت رکھے، آپ کا نظریہ و آراء درست ہیں، ہم آپ سے تجاوز نہیں کریں گے، ہم یہ مقام آپ کے سپرد کرتے ہیں، آپ ہمارے لئے نصیحت کنندہ و مقتدا ہیں''۔

پھر ان کا آپس میں تبادلہ خیال ہوا تو کسی نے کہا اگر قریش اس کو تسلیم نہ کریں تو کیا کریں گے؟ ''اگر کہیں کہ ہم رسولؐ اللہ کے ساتھ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں، سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، اس کے عشیرہ اور اولیاء میں سے ہیں، آپ کس بنیاد پر ہمارے ساتھ اختلاف کرتے ہیں، کس بنیاد پر ہمارے ساتھ نزاع کرتے ہیں''اگر ایسا کہیں گے تو ہم کہیں گے: ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے امیر ہوگا، ہم اس سے کمتر پر راضی نہیں ہونگے''۔ سعد ابن عبادہ نے کہا یہ تمہاری پہلی کمزوری ہے۔ انصار اسی گفتگو میں تھے کہ مہاجرین کو کیا جواب دیں گے۔ اس دوران یہ میں کسی نے عمر بن خطاب کو خبر دی کہ انصار بنی ساعدۃ میں جمع ہیں اور اس خلافت کو اپنے لئے لینے کی تیاری کر رہے ہیں اور لوگوں سے بیعت لے رہے ہیں، عمر نے فوراً ابوبکر کو یہ پیغام بھیجا کہ ایک حادثہ پیش آیا ہے، آپ کا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے، پھر کہا آپ کو پتہ نہیں کہ انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں اور وہ اس منصب کو منتخب کر رہے ہیں حتیٰ بعض نے کہا ہے ایک امیر ہم سے ہوگا اور ایک امیر قریش سے ہوگا۔ یہ دونوں جلدی سے ان کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں ابوعبیدہ بن جراح ان کے ساتھ ملے اور آگے چلے، پھر عاصم بن عدی اور عویم بن ساعدہ بھی انھیں راستہ میں ملے تو ان دونوں نے ان سے کہا آپ واپس جائیں، آپ کا یہاں کوئی کام نہیں، انھوں نے ان کی بات نہ سنی اور سقیفہ تک پہنچ گئے، عمر نے بات کرنا چاہی اور آگے بڑھے اور جو کچھ ان کے ذہن میں تھا انہوں نے کہا پھر ابوبکر نے کہا بیٹھ جاؤ اور بات کرنا شروع کی: ''حمد و ثناء اس اللہ کیلئے جس نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اپنی امت پر شاہد و گواہ بنا کر بھیجا تا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں در آں حالانکہ عرب وہ قوم تھی جو کئی بتوں کی پرستش کرتی تھی وہ گمان کرتے تھے یہ بت ان کے شافع ہیں یہ ان کیلئے سود مند ہیں پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں'' (یونس ۱۸) اور اس کے بعد زمر کی آیت ۳ کی تلاوت کی ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفٰى﴾ ''ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے'' اور ان سے کہا اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑو، اللہ نے مہاجرین کو اول منتخب کیا پیغمبر کی نبوت پر ایمان لانے کیلئے اور اس کی تصدیق کرنے کیلئے، انہوں نے اپنے مال و جان کے ساتھ پیغمبرؐ کے ساتھ اذیت کو برداشت کیا، سب ان کے مخالف تھے لیکن وہ

اپنی کم تعداد پر وحشت زدہ نہیں تھے۔ لوگ ان کی باتوں کو مسترد کرتے تھے قوم ان کے خلاف ہو چکی تھی، یہ مہاجرین ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی، سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے، یہ ان کے اولیاء تھے یہ ان کے عشیرہ میں سے تھے، وہ اس منصب کیلئے ان کے بعد حقدار ہیں جو بھی ان کی مزاحمت کرے گا وہ ظالم ہے۔

اے معشر انصار! آپ کی دین میں فضیلت سے کوئی انکار نہیں کرتا، نہ آپ نے اسلام قبول کرنے میں جو سبقت لی ہے اس سے ہمیں انکار ہے، اللہ نے آپ کو اپنے دین اور رسولؐ کے لئے ناصر و مددگار انتخاب کیا پیغمبر اکرمؐ نے آپ کی طرف ہجرت کی، آپ کے پاس ہی اپنے ازواج و اصحاب کو بسایا، مہاجرین اولین کے بعد آپ کے علاوہ کوئی محترم نہیں، ہم امیر ہیں، آپ وزیر ہیں، آپ کے مشورے کے بغیر کوئی کام طے نہیں کرینگے، نہ فیصلہ کریں گے۔

حباب بن منذر اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا: ''اے معشر انصار! یہ منصب پکڑ کر رکھو، یہ لوگ تمہارے گھر میں ہیں، تمہارے سائے میں ہیں کسی کی کوئی جرأت نہیں کہ آپ کے خلاف کچھ کر سکیں، کوئی بھی فیصلہ آپ کے علاوہ نہیں کر سکتا ہے، آپ عزت و مروت کے مالک ہیں آپ صاحب افراد و عدد و مال و قوت و شجاعت ہیں لوگ دیکھ رہیں ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں، آپس میں اختلاف رائے نہ کرو۔

عمر بن خطاب نے کہا: ''ایک ترکش میں دو تیر نہیں ہوتے ہیں، عرب آپ کو اور آپ کی ریاست کو قبول نہیں کرتے کیونکہ نبی آپ سے نہیں لیکن عرب اس کا بھی انکار نہیں کرتے ہیں کہ امارت ریاست اس گھر سے ہونی چاہیے جہاں سے نبوت نکلی ہے، ولی امر مہاجرین ہی میں سے انتخاب ہوگا، اگر کوئی ہماری اس رائے سے اختلاف کرے گا تو عرب ہماری تائید کریں گے۔ کوئی ہے جو سلطنت محمدؐ یا ریاست محمدؐ ہم سے لے، ہم ان کے اولیاء ہیں، ہم ان کے عشیرہ ہیں مگر وہ افراد جو باطل کے خواہاں ہونگے، وہ گناہوں کا ارتکاب کریں گے اور ہلاکت کی طرف گریں گے۔''

پھر حباب بن منذر اٹھے اور کہا کہ: ''اے معشر انصار! اپنے ہاتھ کو پکڑو، ان کی اور ان کے اصحاب کی باتوں کو مت سنو، اگر ان لوگوں نے تمہیں یہ منصب نہیں دیا اور انکار کیا تو ان کو یہاں سے نکالو اور ان پر حکومت کرو اور تم اس منصب کیلئے زیادہ سزاوار ہو، تمہاری ہی تلوار سے یہ دین کھڑا ہوا ہے''۔

ابوعبیدہ نے کہا: ''اے معشر انصار! اے وہ لوگو جنہوں نے سب سے پہلے پیغمبرؐ کی مدد کی اور پیغمبرؐ کی نصرت کی، سب سے پہلے دین کو بدلنے والے نہ ہو جاؤ''۔

پھر بشیر بن سعد ابونعمان بن بشیر کھڑے ہوئے کہا: ''اے معشر انصار! اگر چہ ہم جہاد میں فضیلت رکھتے ہیں، اس دین میں سبقت رکھتے ہیں لیکن ہم نے اس کو صرف اللہ کی رضا کیلئے لیا ہے، اپنے نبی کی اطاعت میں برداشت کیا ہے، اللہ ہی ہمارے اعمال کی جزاء دینے والا ہے محمدؐ قریش سے ہیں قوم محمدؐ اس کی زیادہ حقدار ہے، میں نہیں چاہتا ہوں ان سے اس بات میں تنازع کروں، اللہ سے ڈرو، ان کی مخالفت نہ کرو، ان سے جھگڑا مت کرو''۔

ابوبکر نے کہا: ایھا الناس! ہم مہاجرین سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں، سب سے زیادہ کریم حسب والے ہیں، درمیانی زندگی بسر کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ وجیہ ہیں اور سارے عرب میں ہماری برتری ہے، سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے رشتہ رحم رکھتے ہیں، آپ سے پہلے ایمان لائے ہیں، قرآن نے ہمیں آپ سے پہلے ذکر کیا ہے جہاں اللہ نے فرمایا ہے سابقون الاولون من المھاجرین والانصار ہم مہاجرین اور آپ انصار ہیں۔ دین میں دونوں بھائی ہیں، دونوں شریک ہیں، آپ ہمارے دشمن کے خلاف ہمارے ناصر و معاون ہیں، آپ نے ہمیں پناہ دی ہے، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہم امیر ہونگے آپ ہمارے وزیر، عرب اس قبیلہ قریش کے علاوہ کسی کو تسلیم نہیں کرینگے لہٰذا جو چیز اللہ نے انہیں نوازی ہے ان کے ساتھ جھگڑا اور رقابت نہ کریں۔

پھر ابوبکر نے کہا: ''یہ عمر بن خطاب ہیں یہ ابوعبیدہ ہیں ان میں سے جس کی بھی چاہو، بیعت کرو''۔

تو ان دونوں نے کہا: ''یہ نہیں ہو سکتا ہے، آپ کے ہوتے ہوئے ہم اس منصب کے سزاوار نہیں، آپ افضل ہیں، مہاجرین میں آپ صاحب غار ہیں، کسی کیلئے سزاوار نہیں آپ سے مقدم ہو جائے اور اس منصب پر بیٹھے، آپ ہاتھ بڑھائیں ہم آپ کی بیعت کریں گے''۔

چنانچہ سب سے پہلے بشیر بن سعد نے بیعت کی، جب اوس نے دیکھا بشیر بن سعد نے بیعت کی ہے تو کہا اٹھو ابوبکر کی بیعت کرو، سب نے اٹھ کر ابابکر کی بیعت کی، سعد بن عبادہ کے حامیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور افسوس ہوا کہ جس مقصد کیلئے وہ یہاں جمع ہوئے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گیا، علی بن ابی طالب اور بنی ہاشم اس بیعت سے پیچھے رہے کیونکہ یہ لوگ تجہیز رسول اللہؐ میں مصروف تھے اور سقیفہ میں نہیں آئے تھے، سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کیا۔ حضرت علی کیلئے سقیفہ میں

حاضر ہونا تنہا معنی نہیں رکھتا تھا تجہیز میں مشغول ہونا بھی معنی نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ اس امر کیلئے خود کو زیادہ سزاوار سمجھتے تھے کیونکہ آپ رسول اللہؐ کے پروردہ نیز آپ کی چہیتی بیٹی کے شوہر تھے۔سب سے زیادہ رسولؐ سے قریب تھے،سب سے سابق تھے،اسلام و کفر کی جنگوں میں آپ نے بہت سی کامیابیاں حاصل کی تھیں،آپ سمجھتے تھے کہ قوم نے آپ کے حق کو نادیدہ چھوڑا ہے۔آپ اسی انکار پر رہنا چاہتے تھے تاکہ لوگوں کو آپ کے خلاف کوئی حجت نہ ملے کہ آپ اپنے حق سے دست بردار اور ابوبکر کے حق میں ہیں لہذا حق کی اپنی طرف برگشت کیلئے انتظار کیا لیکن ابوبکر کی بیعت نے ان کا رخ موڑ لیا،دوسری طرف عرب مرتد ہوئے،اسلام سے روگرداں ہوئے جو کہ مسئلہ خلافت سے کئی گنا زیادہ اہمیت کا حامل تھا،یہ دیکھ کر علی نے خلافت کو ایک طرف پھینکا اور اپنا ہاتھ ابوبکر کے ہاتھ میں دے دیا اور مدینہ سے دشمنوں کو دور کیا،کلمہ اسلام کو بلند کیا اور مشرکین کے ہاتھوں کو امت کو کاٹنے سے روکا۔

امت نے ابوبکر کو انتخاب کیا،اس انتخاب میں بہت سی کوتاہیاں،خامیاں بلکہ غلطیاں پائی جاتی ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس انتخاب کے لیے وہی افراد جمع ہوئے جنہوں نے ابتدائی دعوت سے پیغمبر کی دعوت کو قبول کیا اور اس راہ میں خانہ آشیانہ،عزیز و اقارب اور اولاد یا والدین سے جدائی اپنائی اور اس راہ میں اپنے وطن سے دور ہجرت کی۔انتخاب کے اہل مکہ کے وہی لوگ تھے جنہیں قرآن کریم میں مہاجرین کہا گیا ہے جبکہ دوسرا گروہ وہ ہے جو سرزمین مدینہ سے مکہ میں آپ پر ایمان لائے اور آپ کو اپنے وطن میں دعوت پھیلانے کے لیے دعوت دی۔انہیں قرآن کریم اور نبی کریمؐ نے انصار کہا ہے۔اگر نبی کریمؐ نے اپنی طرف سے اور وحی آسمانی کے ذریعے اپنے جانشین کا انتخاب نہیں کیا تو جانشینی کے لیے انہی افراد سے ہی خلیفہ کا منتخب ہونا حق و انصاف کا تقاضا تھا' مہاجرو انصار میں چند نکات پر اتفاق نظر آتا ہے۔

بہر حال اس وقت سرزمین یثرب جسے نبی کریمؐ کے یہاں مشرف ہونے کے بعد مدینۃ الرسولؐ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا،امت کے اہل حل وعقد،نبیؐ کے سائے میں تربیت یافتہ افراد،نبیؐ کے بعد قیادت و رہبری کے لیے امت میں اگر کوئی قابل و صالح افراد پائے جاتے تھے تو وہ اسی سرزمین میں موجود تھے یہ دو گروہوں میں منقسم تھے،ایک گروہ میزبان تھا جنہیں پیغمبر اکرمؐ نے انصار کا لقب دیا تھا اور جن کی شان میں قرآن کریم کی چندین سوروں میں ان کو یاد کیا گیا ہے۔نبی کریمؐ کی دعوت کے طفیل انصار کے دو قبیلے اوس و خزرج جو سالہا سال دو گھوڑوں داحس و غبرا کی دوڑ کو جواز بنا کر لڑنے اور اپنے دلوں میں ایک دوسروں کے ساتھ عداوت و کینہ رکھنے والے تھے،غیر طبیعی طور پر شیر و شکر ہو گئے تھے وہ اس امید میں کہ اب ہم ایک امت اور ایک خاندان ہیں،بڑے قبیلے سعد ابن عبادہ کے چبوترے پر جمع ہوئے تا کہ آئندہ امت کی قیادت و رہبری کو سنبھالیں۔

دوسرا گروہ مہاجرین تھا جو اپنا خانہ و آشیانہ واملاک سب کچھ پیچھے چھوڑ کر نبی کریمؐ اور اسلام کی خاطر یہاں دست خالی رخت سفر باندھ کر آئے تھے قرآن کریم نے انہیں مہاجرین کا لقب دیا تھا عرب جو عشائر و قبائل کے افتخار و اعزاز میں محو و مستغرق رہنے والے تھے،کہاں سے یہ افتخار و اعزاز ان کے اذہان سے غائب ہو سکتا تھا لہذا دونوں اس مقام کا خود کو حقدار و سزاوار سمجھنے لگے حسب فرمان نبی کریمؐ "فتنے اور تاریکیاں تمہاری طرف تاریک راتوں کی مانند رخ کئے ہوئے ہیں،" فتنۂ و آشوب و مصیبت کی اس گھڑی پر قرآن اور پیغمبرؐ کے زریں اصولوں کو نظر انداز کر کے اصول جاہلیت کی طرف پلٹنے کے بعد مسائل کا آسان طریقے سے حل ہونا ممکن ہی نہ تھا چنانچہ ان لمحات کے بارے میں لکھنے والے مؤرخین نے لکھا ہے اس سلسلے میں مہاجرین کی بہ نسبت انصار نے پیش قدمی دکھائی اور جب وہ اقتدار و ریاست کو انصار کے لیے محفوظ کرنے کے لیے سوچنے لگے تو اس کی خاطر سب سے پہلے انصار سوچ بچار کرنے اور تبادلہ خیال کرنے کے لیے سقیفہ بنی سعدہ میں جمع ہوئے تھے۔وہ مہاجرین ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کے آغاز دعوت پر آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے اور آپ کی ہدایت پر یکے بعد دیگر ہجرت کرنے والے تھے آپ کی جنگ و سلم میں آپ کے ساتھ رہنے والے تھے،آخر میں یہ مہاجر انصار کے اجتماع میں پہنچے مختصر سے مذاکرات اور استحقاق جانشین کے دلائل و وجوہات پیش کرنے کے بعد یہ جلسہ ابوبکر بن قحافہ کے انتخاب پر ختم ہوا حضرت ابوبکر کے بعد عمر،عثمان اور پھر علی یکے بعد دیگر خلیفہ بنے،۴۱ھ کو حضرت علی کی شہادت کے بعد نو منتخب خلیفہ امام حسن سے خلافت بزور طاقت چھین لی گئی اور امام حسن خلافت سے معزول ہوئے،اس دور تک کے دور کو دور خلافت راشدہ کہتے ہیں۔

خلفاء جو نبی کریمؐ کی حیات میں آپ کے ہم رکاب تھے آپ کے بعد یکے بعد دیگر انھوں نے زمام اقتدار مسلمین سنبھالا ہے۔جبکہ اس وقت فرقوں کے نزدیک خلفاء صاحب مناقب کثیرہ یا نبیؐ کے برابر تھے یا نبیؐ ان کے نیازمند تھے ان فرقوں کے خیال میں قرآن کریم نبی کی خواہش پر نہیں بلکہ ان کی خواہش پر نازل

ہوتا تھا۔بلکہ کہتے ہیں ان میں سے ایک نے اسلام قبول کر کے اسلام کو عزت بخشی، دوسرے نے امامت قبول کر کے اسلام کی بقاء کی ضمانت دی، انہی فرقوں میں سے یہ کہنے والے بھی ہیں کہ ان خلفاء میں سے ایک زمین پر اللہ کی تجلی ہے اور دوسرا مبغوض اللہ ہے، انہوں نے جتنے مناقب حضرت علی کے لئے نقل کیے ہیں وہ نبی کریمؐ کے لئے باعث رشک بن سکتے ہیں۔

یہاں بھی غلات ومنافقین کہتے ہیں وہ پہلے سے سازش کر رہے تھے کہ نبی کریمؐ کے بعد انہوں نے اس منصب پر قبضہ کرنا ہے۔یہ بھی ایک تہمت بلا دلیل ہے اگر ایسا ہوتا تو نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد یہ لوگ بھی کسی جگہ اجتماع کرتے اور اپنے ہمنواو ہم خیال لوگوں کو جمع کرتے جبکہ ان کے لئے انصار کے اجتماع کی خبر اچانک آسمانی بجلی کی مانند تھی،ان کا تعجب وحیرت اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے پہلے سے اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا بلکہ حضرت عمر کا یہ کہنا ہے کہ محمدؐ نے وفات نہیں پائی ،یہ بھی اس بات کی دلیل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ حضرت علی کے جانشین بننے میں کوئی تحفظات نہیں رکھتے تھے بلکہ تحفظات رکھتے تھے ورنہ علی اور عباس کو بھی بلانے کے لئے کسی کو بھیجتے یا اجتماع کو وہاں لے جاتے یا مسجد میں لیجاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور انکے غیاب میں ہی فیصلہ کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تحفظات رکھتے تھے۔لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس واقعے میں مزید خس وخاشاک بھر کر پھر اس میں آتش فتنہ کو بھڑکانے والے ہی اس دین وملت کے خائن ہوں گے نہ کہ یہ ذوات ۔

یہ انتخاب ومنتخب آج کل کے سیاستدان ودانشوران کے مزاحم جمہوریت کے حوالے سے اپنی جگہ عدیم المثال تھے۔لیکن سوال یہ پیش آتا ہے کہ اگر علی کا انتظار کیا جاتا اور آپکے شامل ہونے کی صورت میں آپ خود کو خلافت کیلئے پیش کرتے اور انصار ومہاجرین آپ ہی کو منتخب کرتے تو کیا آج کی امت مسلمہ کی صورت وحشر ایسا نہ ہوتا، کیا اس کے کوئی دلائل وشواہد ملتے ہیں۔

۱)۔مملکت نوزائیدہ اسلام اس وقت تین اطراف سے محاصرے کی زد میں تھی۔

۲)۔محاصرہ منافقین ومرتدین اسلام جو خود نبی کریمؐ کے دور میں سر اٹھا چکے تھے۔

اس چھوٹے سے معاشرے میں امت محمدؐ تین حصوں میں بٹ گئی۔

پہلا گروہ۔ایک وہ گروہ جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے گھر میں جمع تھا۔ان میں مندرجہ ذیل افراد ہیں۔

۱۔عباس ۲۔زبیر بن عوام ۳۔خالد ابن سعید ۴۔عمار بن یاسر ۵۔ابوذر۔

دوسرا گروہ:۔انصار کا تھا جو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع تھے۔

تیسرا گروہ:۔مہاجرین کا تھا جو باہر تھے۔اگر امیر المؤمنین علی بن ابی طالب نے شوریٰ کے فیصلے کی مخالفت کی اور ناراضگی اور برہمی کا مظاہرہ کیا تھا تو یہ طبقاتی تصور نہیں تھا بلکہ اس منصب کیلئے وہ اپنے آپ کو اولی ولائق سمجھتے تھے اسکی چند مثالیں ہیں:

۱)۔علی نے کسی بھی وقت اپنے خاندان کو نہیں اٹھایا ہے۔

۲)۔شجاعت اور دلیر ہونے کے باوجود جلدی خلفاء کے فیصلے کو تسلیم کیا۔

۳)۔اہل بیت نبیؐ میں اہل بیت کا تصور وہ نہیں تھا جو خاندان سلاطین میں ہوتا ہے اور جو تصور اہل بیت بنی ہاشم نے اٹھایا تھا وہ اُس وقت شیعوں کے تصور کے بھی خلاف تھا جبکہ بنی عباس اور فاطمیہ نے اس کے برعکس عمل کیا ہے۔اہل بیت کا جو تصور بعد میں ایرانیوں نے دیا وہ تصور سلاطین تھا، جہاں شیعہ تصوراتی طور پر اہل بیت اولاد زہراء میں حضرات حسنین کو گردانتے ہیں۔

تشویشات، تراکمات، متناقضات، مضطربات، متضادات:

سقیفہ کے بارے میں تاریخی منقولات دو حصوں میں منقسم ہیں ایک وہ منقولات ہیں جس پر تمام مؤرخین کا بغیر کسی اختلاف کے اتفاق ہے، دوسری وہ نقولات ہیں جو فریقین کی نظر میں ضعیف ومشکوک یا مردود ہیں ہم پہلے منقولات متفقہ کے بارے میں تجزیات پیش کرینگے، ان مقولات کے تین مفروضے ہوسکتے ہیں

۔

۱۔مثبت کو قبول کریں ،منفیات کو رد کریں۔

۲۔منفیات درست ،مثبت میں جانب داری ہے۔

۳۔دونوں کے مدار کو قرآن و سنت اور عقل و عقلاء کی کسوٹی سے گزاریں۔

متنافرات و متناقضات سے پُر بلکہ طوفانوں سے اٹھنے والے غبار سے جان سالم رکھتے ہوئے غیر جانبداری کے ساتھ نکلنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے ،ان مفاد پرستوں کی زبان سے کوئی نہیں بچ سکتا لیکن اللہ کو حاضر و ناظر جان کر روز حساب اور اس کی عدالت میں حاضری پر اعتقاد جزیل (مضبوط) رکھنے والے کیلئے حق و حقیقت کے راستے تلاش کرنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔

۱۔امت کے لئے بشمول اہل بیت و مہاجرین و انصار سب کے لئے وفات پیغمبر اکرمؐ ایک غیر متوقع حادثہ تھا ،کسی نے بھی اس دن کے لئے سوچا نہیں تھا گویا اچانک بجلی گر پڑی ہو۔

۲۔انصار اپنے شہر کی محافظت کی نگہداری و ذمہ داری عقلی طور پر خود پر عائد سمجھتے تھے جس میں کسی قسم کی اسلام سے بغاوت و انحراف والے کلمات نہیں تھے۔

۳۔مہاجرین کی ایک بڑی جماعت تھی جس کے عمائد و اکابر تھے لیکن سقیفہ میں جو افراد پہنچے وہ بھی سب کی نمائندگی کی بنیاد پر نہیں گئے تھے۔

۴۔مہاجرین میں سے وہاں تین برگزیدہ و معتبر و محترم شخصیات تھیں ،وہ معمولی انسان نہیں تھے۔

۵۔وہ دعوت اسلام میں سابقہ کردار کی وجہ سے نبی کریمؐ کے نزدیک محترم تھے۔

بہر حال جس ہستی کو یہ اعزاز و افتخار ملا ،وہ رسول اللہ کے جانشین بنے ،وہ کون تھے ،کہتے ہیں وہ رسول اللہؐ کی بعثت سے پہلے آپ کے دوست تھے جب رسول اللہؐ نے آپ کو دعوت دی تو بغیر کسی تردد و سوچ کے دعوت کو قبول کیا کیونکہ آپ ان کی صداقت پر یقین کامل رکھتے تھے پھر آپ ہی نبیؐ اور قوم کے درمیان دعوت میں واسطہ بنے ،آپ لوگوں کو پیغمبر اکرمؐ کے پاس لاتے تھے کہ یہ بھی ایمان لائیں گے آپ آخر تک حالت ایمان پر قائم رہے یہاں تک کہ رسول اللہؐ آپ سے رضایت کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ان کا نام ابو بکر صدیق ہے۔

۶۔سقیفہ کے اجتماع میں بغیر کسی تشدد و ہاتھا پائی اور بغیر بد زبانی کے فیصلہ ہوا۔اسمبلیوں کی تاریخ میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے ،یہ اس اجتماع کا مثبت پہلو ہے۔

۷۔اس اسمبلی کے باہر قائم حزب اختلاف جس میں عمائدین و اکابرین بنی ہاشم تھے ،انہوں نے مخالفت کا اظہار کیا لیکن تشدد اور دھمکیوں کا رویہ نہیں اپنایا اور بعد میں مثبت انداز میں حمایت بھی کی جسے ہم تاریخ احزاب میں اسلام کی سربلندی کی خاطر ذاتی مفادات سے چشم پوشی کرنے کا اعلیٰ نمونہ اور مثال کہہ سکتے ہیں۔

یہ بات ایک متفق علیہ ،غیر مختلف فیہ حقیقت ہے۔اس وقت انتخاب خلیفہ اچانک اور ہنگامی حالت میں ہوا جس کا خود خلفاء نے اعتراف کیا ہے جو کہ ایک غیر مناسب عمل تھا تاہم اگر یہ انتخاب بعد از تجہیز ہوتا تب بھی یہی لوگ جمع ہوتے ،انہی میں سے علی یا کوئی اور منتخب ہوتے۔حقیقت میں خلافت انہی لوگوں نے سنبھالنا تھی چاہے علی کو پہلے منتخب کرتے اور باقیوں کو بعد میں موقع دیتے جو کہ نبیؐ کے آغاز دعوت سے لے کر وفات تک آپ کے ساتھ اور آپ کے دوش بدوش رہے ہیں۔یہ کہنا چنداں غیر منطقی ہے کہ اگر خلفاء اس میں جلد بازی سے گریز کرتے اور خلافت کو علی کیلئے چھوڑتے اور علی خلافت سنبھالتے تو آج اس روزگار کا سامنا نہ ہوتا ،یہ بات بالکل غلط ہے۔جب نبی کریمؐ جو کہ وحی الہی کے حامل تھے ،آپ خود اپنے بعد کے لیے ہدایت کے راستے پر ہمیشہ کیلئے کوئی ایسی عمارت نہیں رکھ سکے تو علی کیسے رکھ سکتے ہیں ،ممکن ہے چند سال حالات بہتر رہتے لیکن امت کا نبی سے فاصلہ بڑھنے سے لوگوں کا حافظہ ،عقیدہ بہ شریعت اور جذبہ بہ شریعت سست پڑنا حتمی تھا اور یہ ایک طبیعی عمل تھا اگر طول بھی کھینچتے تو دس بیس سال ہوتے ،کیونکہ علی کے پاس بھی یہ نسخہ نہیں تھا کہ آپ امت سے خواہشات نفسانی اور حب جاہ و مقام و اولاد کے خلیہ کو جلا دیں۔چنانچہ خلافت کو اپنے ہی گھر میں تسلسل دینے والے بھی اسے اپنے گھر میں نہ رکھ سکے۔چنانچہ بنو امیہ کا اقتدار جس کے بانی معاویہ تھے وہ بھی اس کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکے ،عبد الملک اسے اپنے گھر میں نہیں رکھ سکے بلکہ یہ خلافت ہر آئے دن برے سے برے حالات میں چلی گئی۔بنی عباس و فاطمین سب کا یہی حال تھا۔

۸۔خلیفہ نے برگزیدہ اصحاب سے مشورہ کے بعد از خود ایسے فرد کو انتخاب کیا جو ان کے خاندان سے نہیں تھا جیسا کہ ابو بکر نے عمر کو انتخاب کیا ،۱۲ سال تک کسی بھی قسم کی

چون و چرا، ہاتھا پائی نہیں ہوئی، ہر روز فتح ہی فتح ہوئی اور آئے دن اسلام و مسلمین کی عزت بڑھتی گئی۔

۹۔ انتخاب خلافت کسی گروہ یا شوریٰ کے سپرد کیا گیا کہ وہ خلیفہ کو انتخاب کریں جیسا کہ خلیفہ دوم نے ضربت کے بعد چھ افراد میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرنے کی ہدایت کی جس میں حضرت عثمان منتخب ہوئے۔

۱۰۔ امت ایک شخصیت کے پاس ہجوم لے کر گئی اور انھیں یہ منصب قبول کرنے پر مجبور کیا اور اس کیلئے دباؤ ڈالا چنانچہ قتل عثمان کے بعد لوگ علی کے گھر ہجوم لے گئے، علی نے مسترد کیا، آنے والوں نے اصرار کیا، ہم فی الحال سرسری طور پر اور بادی النظر میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقل و منطق اور قرآن و سنت محمدؐ پر غور کرنے سے اور ان خلفاء کے تجربات منفی و مثبت کو سامنے رکھ کر اس سے بہتر حکومت قائم کرنا ممکن نہیں تھا، الیٰ یومنا ھذا کوئی گروہ خلفائے راشدین سے بہتر طرز حکومت پیش نہیں کر سکا اور مستقبل قریب میں بھی کوئی ایسی شخصیات نظر نہیں آتیں ہیں۔ بہر حال یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ہمیں امت اسلامیہ کے ہاں جھگڑا و فساد والی اصطلاحات سے گریز کرنا چاہیئے۔

یہاں یہ دیکھتے ہیں اس امت بلا قائد نے اپنی مشکلات و درپیش مسائل کا کس دل او رگردے سے سامنا کیا۔

۱۔ نبی کریمؐ کی تجہیز و تکفین کے اہتمام سے پہلے امت کی قیادت و رہبری کا مسئلہ حل کیا۔

۲۔ ناقدین سقیفہ اس اجتماع کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اجتماع انتہائی جلد بازی میں تشکیل پایا۔ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین پر اس اجتماع کو مقدم رکھا ہے جو کہ مناسب و سزاوار نہیں تھا۔ ابو بکر کو ہنگامی حالات کے شور شرابہ میں انتخاب کیا گیا تھا۔

۳۔ اس اجتماع میں علی جو محبوب و عزیز رسول اللہؐ اور شوہر دختر رسول اللہؐ تھے، ان کی عدم موجودگی میں یہ اجتماع تشکیل پایا اور انھیں نظر انداز کیا گیا لیکن دیکھنا ہوگا کہ کیا یہ انتخاب عقل و قرآن و سنت کے خلاف ہوا ہے۔ کیا منتخب ہونے والا شخص گمنام و انجان اور امت کے نچلے طبقے کا انسان تھا یعنی انہوں نے کسی دینی سرگرمی میں حصہ نہیں لیا تھا، ان میں کیا کیا نقائص و عیوب تھے جن کی بنیاد پر وہ اس منصب کیلئے لائق و سزاوار نہیں تھے اور کیا اپنے انتخاب کے بعد انہوں نے اسلام و مسلمین کو کوئی ناقابل جبران خسارہ و نقصان پہنچایا ہے۔

دونوں گروہوں نے اس منصب کے لیے ایک دوسرے سے خود کو مقدم گردانا تھا۔ انصار کے خیال میں وہ خود اس کے لیے سزوار تھے کیونکہ انہوں نے مہاجرین کو اپنے خانہ آشیانہ میں پناہ دی تھی اور اپنا تمام مال و متاع ان کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ جبکہ مہاجرین نے انہیں یہ کہہ کر مسترد کیا کہ انصار سالوں سال سے آپس میں کینہ و عداوت اور انتقام جوئی کی طویل تاریخ چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ وہ کینہ و عداوت اور نفرت پھر سے جنم لے اور ان کے درمیان پھر سے آپس میں جنگ و جدال شروع ہو جائے اور پھر یہ امت اور حکومت اسلامی کے لیے ایک بڑا دھچکا ہوگا چنانچہ مہاجرین نے یہ کہہ کر انصار کو قانع کیا۔

۱)۔ خلیفہ قریش ہی سے ہوگا لیکن ان کی یہ منطق اپنی جگہ وضاحت طلب ہے۔ کیا خلیفہ کا قریش سے انتخاب حکم اللہ یا حکم رسول اللہؐ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریمؐ یہ بات اپنی وفات سے پہلے کرتے تو انصار کو یہ ہمت و جرأت نہ ہوتی کہ نبی کریمؐ کے فرمان کے ہوتے ہوئے وہ خلافت و اقتدار کے لیے قریش سے مزاحمت کرتے۔

۲)۔ اگر ابو بکر نے مصلحتِ وقت و حالات کے تحت یہ کہا کہ جانشین پیغمبرؐ قریش ہی سے منتخب ہونا چاہیے یہ بات اپنی جگہ دو حوالوں سے درست ہے۔ اس وقت کے عربوں کی نظر قریش ہی پر تھی، وہ کعبہ کی وجہ سے صرف قریش کو اس منصب کیلئے لائق سمجھتے تھے چنانچہ وہ قریش کے علاوہ کسی کی قیادت کو تسلیم نہیں کریں گے یہاں یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ ان کی نظر میں قریش سے مراد عام قریش ہیں نہ کہ اہل بیت نبی۔

۳)انصار میں جلد یا بدیر شگاف پڑنے کا خدشہ ہے جبکہ قریش میں ایسا نہیں۔ جو نعرہ رسول اللہؐ کے جانے کے بعد انصار اور قریش و اہل بیت نے اٹھایا، اپنی جگہ ایسا فارمولا نہیں تھا کہ یہ اصول قیام قیامت تک رہے گا لیکن صریح آیات و روشن صفحات تاریخ، سنت و سیرت نبیؐ کو نظر انداز کر کے کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں مہاجرین نے انصار کو یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ یہ منصب قریش کا ہے، قریش میں رہے گا، اگر یہ منصب انصار میں جائے گا تو انصار کی وحدت جو اس وقت نظر آرہی ہے وہ جلد ہی ختم ہو جائے گی نیز اس میں دوبارہ شگاف آئے گا کیونکہ دونوں خاندانوں نے سالہا سال داحس وغبراء کے نام سے جنگ لڑی ہے، وہ کینہ تازہ ہو جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے اقتدار اور برتری کو برداشت نہیں کریں گے، کیا قریشیوں نے اسلام آنے سے پہلے فجار کی جنگ نہیں لڑی ہے، کیا اسلام آنے کے بعد قریشیوں نے پہلے

مرحلے میں جمل، پھر صفین اور اس کے بعد عباسیوں، علویوں، فاطمیوں اور ادراسیوں نے آپس میں جنگیں نہیں لڑی ہیں ابا بکر کا یہ کہنا ایک اصول دائم کی طور پر نہیں بلکہ فی زمانہ مراد ہے۔

۴) پیغمبرؐ نہیں چاہتے تھے کہ امت کو ایک ایسے امر میں مجبور کریں جو کسی بھی دن ان کیلئے مشقت کا باعث بنے بطور مثال اگر نظریہ منصوص کو لیں تو اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ نبی کریمؐ کی زہرا سے نسل قیام قیامت تک باقی رہے گی چنانچہ حسب تصریح نوبختی او رسعد اشعری امام حسن عسکری لاولد دنیا سے گزرے ہیں اور ان کی نسل ان کے بھائی جعفر کذاب سے پھیلی ہے جو قرآن وسنت کے تحت بدترین صفت صفت کذب سے معروف ہوئے اور اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ اس گھر سے ہمیشہ صاحبان فضیلت ہی نکلیں گے۔لہذا اسے امت کی ذہانت اور عقل پر چھوڑا ہے تا کہ وہ خود اپنے زمان ومکان کے حالات او رتقاضے کے تحت اس امر کا حل نکالیں۔

قرآن وسنت کے آئینہ میں رہتے ہوئے عقلی وشرعی اور عوامی آراء کا پاس رکھتے ہوئے نظام حکومت کا اسلامی طریقہ انتخاب ہی ہے جہاں اختلاف نظر دینے کے بعد اعلیٰ وارفع مقاصد کی خاطر اختلافات کو بھول کر وحدت انسجام کا مظاہرہ آپ کو نظر آئے گا اور جلد ہی علی اور آپ کے دیگر چاہنے والے حضرت ابو بکر کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام اور انسانیت میں دور خلفائے راشدین جیسا دور بے مثال اب تک کہیں قائم نہیں ہو سکا۔

دور خلفائے راشدین تاریخ اسلام کے درخشاں وتابناک صفحات میں سے ہے ایسے صفحات اس دن سے الی یومنا ھذا کوئی بھی داعی وحاکم اسلام پیش نہیں کر سکا، اس دور کو دور نبوت محمدؐ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس جیسا دور لانا بھی تحدی قرآن کے خلاف ہے، جس طرح اللہ نے قرآن سے تحدی کیا ہے، حامل قرآن محمدؐ سے بھی تحدی کیا ہے۔

ان خلفاء راشدین کا دور بھی آئندہ آنے والوں کیلئے نمونہ تھا یہ بات دو لحاظ سے غلط ہے کہ بعد میں آنے والے ان جیسے اعمال نہیں کر سکتے ایک خلفاء راشدین کوئی نبی تو نہیں تھے کہ ان پر وحی ہوتی تھی وہ بھی اس لحاظ سے عام انسان تھے، ان سے غلطی صادر ہو سکتی تھی بلکہ کچھ مواقع پر غلطیاں صادر بھی ہوئیں جسکا انہوں نے خود اعتراف بھی کیا۔دوسرا خلفاء بنی امیہ میں معاویہ سے لے کر مروان بن حمار تک اور بعد میں عباسین، فاطمی، صفوی سب خلفاء راشدین کی سیرت پر چلنا ہی نہیں چاہتے تھے اور چلنا چاہا تو عمر بن عبدالعزیز کا نام سامنے آیا۔عمر بن عبدالعزیز نے یہ ثابت کیا کہ دور پیغمبرؐ کے بہت بعد پیدا ہونے والوں میں سے بھی اگر کوئی خلفائے راشدین کی سیرت پر چلنا چاہے تو یہ اس کے لیے ممکن ہے۔

اگر کوئی شخص، فرقہ یا گروہ یہ کہتا ہے کہ فلاں صحابی یا امام دلیل بہ نبوتِ محمدؐ ہے تو یہ بات قرآن کے خلاف ہے، لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ بشریت میں بلکہ خود تاریخِ اسلام میں سب سے درخشاں دور خلفائے راشدین کا دور ہے۔محمدؐ اپنی تاریخ دعوت میں گفتار و کردار اور رہن سہن بلکہ ہر حوالے سے ملوکیت سے مختلف وجدا تھے۔خلفاء نے بھی اسی سنت وسیرت پر چل کر ملوکیت کی سیاست، رہن سہن اور مادیات وامتیازات کے ذریعے اپنی برتری او راقرباء پروری نہیں دکھائی لیکن دوسری جانب بعد کے خلفاء نے بزور بازو اور بزور طاقت وقدرت سے خلافت چھین کر خلافت کو اپنے جاہل ونادان حتیٰ نابالغ بچوں کو ورثے میں دیا۔بہت سوں نے اہل بیت محمدؐ سے ہونے کے ناطے سے خود کو مستحق خلافت دکھا کر خلافت حاصل کر کے پانچ سو سال تک اپنے خاندان سے باہر کسی کو بھی خلافت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی اجازت نہیں دی اور بعض نے فاطمہ زہرا سے انتساب دکھا کر حکومت سنبھالی اور (۸۰) اسی سال تک حکومت کی حتیٰ شکم مادر میں موجود بچوں کو بھی اپنا جانشین بنایا۔سوال یہ ہے کہ ان حکومتوں اور اسلام کے نام پر حکومت وخلافت چلانے والے آل بویہ، آل عثمانی، آل صفوی، آل تیموری، آل تتاری، آل فرنجی سے کن نکات میں تمیز اور فرق دکھائیں گے، لیکن خلفائے راشدین کی شناخت اور چہرہ درخشاں وروشن ہے۔پہلے خلیفہ نے اپنے بعد اپنے خاندان میں خلافت کو نہیں رکھا بلکہ دوسرے خاندان میں دیا اور دوسرے خلیفہ نے بھی خلافت کو اپنے خاندان میں نہیں رکھا بلکہ تمام قریش کے خاندان میں چھوڑ کر گئے۔خلیفہ سوم کے بعد خلافت کے لئے مظلوم کے وارث کو اس منصب کا حقدار نہیں ٹھہرایا گیا اور چوتھے خلیفہ کے لئے بھی نواسہ رسول جیسی ہستیوں کے ہوتے ہوئے کسی فرد پر تخصیص نہیں کیا، عمومی ہجوم نے نبیؐ کے پروردہ اور آپؐ کے نواسوں کے باپ کو منصب خلافت پر بٹھایا یہی وہ تقاضا تھا جو عبداللہ رابعہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ ابن عباس، ابو عبداللہ حسین ابن علی نے معاویہ کو جب وہ یزید کو جانشین بنا رہا تھا، فرمایا، رسولؐ کی سنت پر عمل کر کے خاموشی سے رخصت ہو جاؤ یا خلیفہ اوّل کی سیرت پر چل کر کسی اور خاندان میں خلافت دے جاؤ یا اسے امت مسلمہ سے برگزیدہ افراد کی شوریٰ پر چھوڑو لیکن اپنے خاندان میں نہیں چھوڑو۔

فتح مکہ کے بعد بادل نخواستہ قدرت مسلمین کے آگے تسلیم ہونے والے بنی امیہ کی تقدیم وتعظیم کرنے والوں کو اپنے منہ سے خلفاء راشدین کی تعریف وتمجید کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے اسی طرح آل بویہ وصفویین کے سلاطین کے مداحان کو خلفائے راشدین پر طعن وطنز کرنے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کے بارے میں تجدید نظر کرنی چاہئے کیونکہ وہ اپنے رسولؐ کے جانشین اور اس وقت کی امت کی مرضی سے منتخب کردہ خلیفہ کو سب وشتم کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

یہاں ہم ان چاروں شخصیات سے ہٹ کر دیگر برجستہ اصحاب کے مؤقف کو بھی سامنے رکھ کر ان کا احتساب کرینگے کہ آئیے دیکھتے ہیں کہ ان میں اور خلفائے راشدین میں کیا فرق پایا جاتا ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر: [معجم الاوائل ص ۲۱]

جاہلیت کے دور میں آپ کا نام ''عبدالکعبہ'' تھا اسلام لانے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے ''عبداللہ'' رکھا۔ عبداللہ بن عثمان کنیت ابی قحافہ بن عامر بن کعب تمیمی قریشی نسب ابی بکر انساب اشراف ج ۱۰ ص ۵۱، خاندان بنی تیم بن مرہ بن کعب بن لوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح آپ کا نسب کعب بن لوی پر جا کر نبی کریمؐ سے ملتا ہے۔ کتاب معارف ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ ص ۹۸ پر لکھتے ہیں ابوبکر الصدیق کے القاب میں عتیق بھی آیا ہے کیونکہ وہ صاحب حسن وجمال تھے نیز نبی کریمؐ نے ان سے فرمایا تم جہنم سے عتیق ہو۔

ابوبکر ۲ سال بعد از عام الفیل مکہ میں پیدا ہوئے، وہ دو سال چند مہینے نبی کریمؐ سے چھوٹے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے حضورؐ کے دوست تھے، صبح وشام آپ کے پاس آتے تھے، گفتگو کرتے تھے، ایک دوسرے کا حال واحوال پوچھتے تھے۔ جب پیغمبرؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے پیغمبرؐ سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سچے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد حکیم کے پاس آئے اور کہا کہ میرا مال جو تمہارے پاس ہے مجھے واپس دے دو، ایک اور امین پیدا ہوا ہے جس کا نام محمد بن عبداللہ ہے، اس سے مجھے زیادہ فائدہ ہوگا، اس طرح انھوں نے اپنا مال اُدھر سے لے کر حضرت محمد کو دیا۔ ابوبکر نبی کریمؐ کے بچپنے کے دوست تھے ابوبکر سب سے پہلے پیغمبرؐ پر ایمان لانے والوں میں سے تھے کیونکہ وہ نبی کریمؐ کے بچپنے کے دوست ہونے کے ناطے آپ کے اخلاق وسلوک سے آشنا تھے۔

ابوبکر ماہر انساب عرب تھے، اس وقت عرب میں اس علم کی بہت قدر تھی، وہ قریش کے نسب کو جانتے تھے۔ آپ جاہلیت کے دور میں قریش کے بزرگ خاندانوں میں شمار ہوتے تھے اور صاحب ثروت ودولت تھے، جاہلیت میں شراب کو اپنے لیے حرام سمجھتے تھے، انہوں نے کبھی شراب نہیں پی۔ ابوبکر نے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں کبھی شعر گوئی نہیں کی اور کبھی بتوں کے سامنے نہیں جھکے۔

ابوبکر بت پرستی سے بیزار تھے، مکہ میں بت پرستی کی بنیا د عمرو بن لحی نے رکھی تھی، وقت گزرنے کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا اور پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلے نے اپنا بت تعمیر کیا اور پھر اپنے بت کی تعریف وتمجید میں ایک دوسرے پر فخر میں غلو سے کام لینا شروع کیا یہاں تک کہ گھروں میں بھی بت نصب ہوئے، اس سے آگے وہ مکہ سے باہر جاتے وقت پتھر ساتھ لے جانے لگے۔ ایسے حالات میں وہ کسی کی عقلی بات سننے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اگر کسی نے ان بتوں کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہوئے سوال کیا کہ یہ بت تمہارے نفع ونقصان کے کیسے مالک ہیں تو وہ ایسی باتوں کو اپنے مقدسات پر حملہ سمجھتے تھے اور ایسی باتوں کو کسی قیمت پر سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی نصیحت، افہام وتفہیم اور دلیل وبرہان کارآمد نہیں رہے۔ ان غیر عقلی حرکات کو دیکھتے ہوئے بعض صاحبان عقل وشعور اس حقیقت کو درک کرتے تھے کہ ہماری قوم قعر جہالت میں گری ہوئی ہے، بعض اسی سوچ وبچار میں مر گئے، بعض نے مکہ سے کوچ کیا اور بعض نے دین ابراہیم کی تلاش میں نصرانیت اختیار کی۔ جب حضرت محمدؐ نے دعوت کا آغاز کیا تو عقل وشعور رکھنے والوں نے آپ کی دعوت کو فوراً قبول کیا، بلکہ محمدؐ ہی کو معیار شناخت حق قرار دے کر کہا کہ اگر محمدؐ نے کہا ہے تو سچ ہی کہا ہے۔ جب پیغمبرؐ کو اللہ بیت المقدس کی طرف معراج پر لے گیا اور پیغمبرؐ نے لوگوں کو یہ واقعہ سنایا تو ابوبکر نے کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ آپ مکے میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے پیغمبرؐ کے دور میں تمام جنگوں میں شریک ہوئے اور مشکلات برداشت کیں اور اسلام کی راہ میں بذل اموال کیا۔ وفات پیغمبرؐ کے بعد مرتدین یعنی۔، مانعین زکوۃ اور مدعیان بہ نبوت سے جنگ لڑی، آپ کے دور خلافت میں شام اور عراق کا کچھ حصہ فتح ہوا۔ ہجرت کے بعد ۱۳ سال مدینہ میں گزارنے کے بعد وفات پائی۔

ابوبکر اسلام لانے سے لے کر پیغمبرؐ کی وفات تک پیغمبر کے سفر و حضر میں آپ سے الگ نہیں ہوئے۔ ابوبکر نے اپنے مال کو چندین دفعہ اللہ کی راہ میں انفاق کیا، ابوبکر کے توسط سے کئی شخصیات قریش پیغمبرؐ پر ایمان لائیں، ان میں عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ بن عبید اللہ، اس کے بعد عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن جراح، ارقم بن ابی الارقم، ابوسلمٰی، عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی شامل ہیں۔ ابوبکر نے اپنے گھر سے ملحق اپنے لیے مسجد بنائی تھی، وہاں وہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ ابوبکر نے جہاں کوئی غلام اپنے آقا کے عذاب و تشدد میں دیکھا تو وہ اس کو خرید کر آزاد کرتے تھے چنانچہ عامر بن فُہیرہ کو اس کے مولا طفیل بن عبداللہ بن حارث سے خرید کر آزاد کیا۔ طفیل ابوبکر کے پروردہ تھے، ابوبکر نے بلال بن رباح کو پانچ اوقیہ میں خرید کر کے اس کے مولا امیہ بن خلف جمحی سے آزاد کیا، ابوبکر نے زنیرہ کو جو کنیز تھی عمر ابن خطاب سے خرید کر آزاد کیا۔ جنگوں میں ابوبکر ہمیشہ رسولؐ اللہ کے ساتھ ہوتے تھے اور آپؐ سے دفاع کرنے کے لیے چوکنا رہتے تھے۔ جنگ احد میں جہاں دوسرے افراد فرار ہوئے آپ نے پیغمبرؐ کے ساتھ استقامت دکھائی۔ حدیبیہ پر آپ نے رسول اللہ کا ساتھ دیا اور عمر ابن خطاب کو غلط بات کرنے پر ڈانٹا، آپ نے قبیلہ بنی فزارہ کے سریہ میں ساتویں ہجری کو سریہ کی قیادت کی، جنگ تبوک میں پرچم مسلمین ابوبکر کے ہاتھ میں تھا، جنگ حنین میں آپ پیغمبرؐ کے ساتھ رہے اور نویں ہجری کو آپ امیر حج معین ہوئے۔

آپ پیغمبر اسلامؐ پر پہلے ایمان لانے والوں میں شمار ہوتے ہیں، لیکن کس کے بعد ایمان لائے، یہاں حق و انصاف یہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ، علی بن ابی طالب اور زید بن حارث کے بعد ایمان لانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ کی مکہ میں منگنی ہوئی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ابوبکر نے کہا اپنی زوجہ کو لے جائیں آپ نے فرمایا میرے پاس صداق نہیں ہے تو ابوبکر نے صداق از خود دیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں ابوبکر نے چالیس ہزار درہم خرچ کیے۔ عروہ نے نقل کیا ہے جب ابوبکر اسلام لائے تو انکے پاس چالیس ہزار درہم تھے سارے اللہ کی راہ میں خرچ کیے۔ اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں جب پیغمبر ہجرت کیلئے نکلے تو ابوبکر کو ساتھ لیا۔ ابوبکر نے تمام مال جو کہ پچاس ہزار درہم تھا سب اپنے ساتھ اٹھالیا۔ بعد میں ان کے والد نے کہا میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے اپنے اور مال دونوں حوالوں سے ہمیں مصیبت میں ڈالا ہے تو اسماء نے کہا ایسا نہیں ہے وہ بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں۔ پھر اسماء نے کچھ پتھر کوزے میں ڈال کر اسکے اوپر کپڑا لپیٹ دیا اور اسے والد کے ہاتھ میں دیا اس نے انھیں ہلایا تو کہا یہ کافی ہیں۔

جیسے پہلے ذکر کیا ہے کہ ابوبکر نے کتنے ہی کمزور مسلمانوں کو مشرکین کے شکنجوں سے آزاد کرایا، حضرت عائشہ نے نقل کیا ہے کہ سات آدمی جو ایمان لانے کے جرم میں گرفتار تھے انھیں آزاد کروایا۔ جن افراد کو حضرت ابوبکر نے آزاد کروایا ان افراد میں بلال حبشی، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، ام عمیس، نہدیہ انکی بہن، حارثہ بن عمر بن مؤمل شامل ہیں۔ بلال حبشی کو ان کے مالک نے پتھروں پر لٹا رکھا تھا۔ انہیں پانچ اوقیہ سونے سے خریدا تو مالک نے کہا اگر ایک اوقیہ بھی دیتے تو میں اسے بیچ دیتا۔ اس کے جواب میں ابوبکر نے کہا تو سو بھی کہتا تو میں دے دیتا۔ بلال بن ربہ صادق اسلام اور طاہر القلب تھے آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ دوپہر کو گھر سے نکالتا اور سخت گرمی میں بلال کو پشت کے بل لٹاتا پھر انکے سینے پر ایک بڑا پتھر رکھتا اور کہتا اسی طرح رہو تاکہ مرجاؤ۔ جان چاہیے تو محمد کو چھوڑ کر لات و عزیٰ کی پرستش کرو جبکہ بلال اس کے مقابل کہتے احد احد۔ اس دوران ابوبکر وہاں پہنچے آپ نے یہ منظر دیکھ کر امیہ سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ آپ نے کہا میرے پاس ایک سیاہ غلام ہے جو طاقتور بھی ہے وہ اسکے بدلے لے لو، اس پر امیہ راضی ہو گیا۔

حبش سے بعض مہاجرین جب مکہ واپس پہنچے تو آپؐ نے کہا میں نے تمہارے لئے ایک دار ہجرت نظر میں رکھا ہے۔ اس پر وہ دوبارہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اس وقت ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا حتی ابوبکر بھی ہجرت کیلئے تیار ہو گئے۔ پیغمبرؐ نے کہا ٹھہر جاؤ میں بھی انتظار کر رہا ہوں کہ اجازت مل جائے۔ ابوبکر نے کہا کیا ایسا ممکن ہے۔ فرمایا انشاء اللہ۔ ابوبکر رک گئے اور اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے انتظار میں رکھا۔ عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن ہم گرمی میں ظہر کے وقت بیٹھے تھے۔ کسی نے کہا رسولؐ اللہ آرہے ہیں۔ ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ اس گرمی میں کیوں آئے ہیں۔ پیغمبر گھر میں داخل ہوئے اور کہا مجھے اجازت مل گئی ہے۔ ابوبکر نے کہا کیا میں آپکا ساتھ دے سکتا ہوں یہ دو سواریاں ہیں ایک آپ لے لیں تو آپ نے فرمایا اسکی قیمت کیا ہوگی، میں اسے خریدوں گا۔ عائشہ کہتی ہیں ہم نے کھانے کا بندوبست کیا اور اسے ایک تھیلی میں ڈالا۔ اسماء نے اپنی چادر کو پھاڑ کر ڈبے کو ڈھانپا یعنی کوزے کو بند کیا، اسی لئے اسکو ذات النطاقین کہتے ہیں۔ آپ دونوں غار ثور کو پہنچے وہاں استراحت فرمائی تین دن تک وہاں رہے۔

چنانچہ اس بارے میں آیت اتری ہے۔﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ’’اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو ان کی مدد اللہ نے کی ہے اس وقت جب کفار نے انہیں وطن سے باہر نکال دیا تو ابوبکر کے ساتھ نکلے اور دونوں غار میں تھے تو وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبرؐ پر سکون نازل کر دیا اور ان کی تائید ان لشکروں سے کر دی جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اللہ ہی نے کفار کے کلمہ کو پست بنا دیا ہے‘‘۔(توبہ ۴۱)

جنگ تبوک میں جاتے وقت نبی کریمؐ نے فرمایا ہر صاحب حیثیت اس جنگ میں جتنا انفاق کر سکتا ہے کرے، اسکی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کیا۔ ابوبکر نے سب سے زیادہ خرچ کیا۔ پیغمبرؐ نے پوچھا گھر والوں کے لیے کتنا چھوڑا ہے تو جواب دیا گھر میں اللہ اور اسکے رسولؐ کا نام چھوڑا ہے۔

ہر نبی کا ایک دوست ہوتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ کا دوست ابوبکر ہے، ان کی دوستی اول سے آخر تک یکساں رہی۔ ابوبکر نبی کریمؐ کی تمام سختیوں اور مشکلات میں بذل مال و جود سخا کا مظاہرہ کرنے والوں میں سر فہرست شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ نقل کیا گیا ہے پیغمبرؐ نے فرمایا مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا ابوبکر کے مال سے ہوا ہے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا میرے اوپر جس جس کا احسان تھا اتار چکا ہوں لیکن ابوبکر کا ہم پر بہت احسان ہے، جس جس کو ہم نے دعوت دی اس نے کچھ دیر تک تردد کا مظاہرہ کیا لیکن ابوبکر نے بغیر کسی تردد کے فوراً اقرار وحدانیت و رسالت محمدؐ کیا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو وفات رسولؐ کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین نے ابوبکر کو جانشین رسول اللہؐ کے لئے انتخاب کیا تو اس انتخاب کو غیر مناسب نہیں کہا جا سکتا ہے چنانچہ جن کے دلوں پر وصول حق روکنے کے لئے تالے لگے ہوئے تھے وہ آیات صارخہ غصہ سے بھی نہیں کھل سکتے ہیں جہاں یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ خوف ابوبکر کو ہوا تھا کیونکہ وہ نبی نہیں تھے وہ بے چین و پریشان تھے لہٰذا اللہ نے ان کے دل پر سکون نازل کیا لیکن جن لوگوں کا کل دین علی اور بغض ابوبکر سے عبارت ہو، انہیں یہ آیت مہنگی پڑی۔ حضرت ابوبکر اتفاق مہاجرین و انصار سے خلیفہ بنے، آپ کی بیعت ہوئی اور دوسرے دن عامۃ الناس نے آپ کی بیعت کی۔

[رجال الفکر والدعوۃ ج ا ص ۱۰۹]

حکومت بنی امیہ کے بارے میں مؤرخین تحلیل گراں کا کہنا ہے اس کو حکومت اسلامیہ کہنے کی بجائے حکومت جاہلیت کہنا زیادہ مناسب ہے یہ جاہلیت کو عرصہ دراز سے پلٹانے اور واپس لانے کا انتظار کرنے والے کے لیے پہلی فرصت کہی جا سکتی ہے یہ اس سلسلے میں عرصے سے منتظر تھے بنی امیہ نے ان تمام عادات جاہلیت کو دوبارہ زندہ کر کے مسلم معاشرے میں زور و شور سے رائج کیا جنہیں نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں دین اسلام سے مسترد فرمایا تھا۔

﴿إنّ الله قد أذهب عنكم النخوة الجاهلية، وتعظمها بالآباء، كلّكم من آدم، وآدم من تراب، لا فخر العربيَّ على عجميٍّ، ولا لعجميٍّ على عربيٍّ الاّ بالتقوىٰ﴾

عصبیت جاہلیت دوبارہ واپس آئی اور یہ مذموم عصبیت آثار تکبر و غرور اور شناخت قبلہ و طائفہ جو کہ مصلحت اجتماعی و عمومی کے منافی ہے اور روح اسلامی سے متصادم ہے جو کچھ رذائل جاہلیت تھی، وہ سب واپس لائے گئے اسی نہج پر فاطمین چلے لیکن عباسی جاہلیت عرب کو واپس نہیں لائے جو بنی امیہ لائے تھے، اسی پر اکتفا کیا اور جو چیز انہوں نے پیش کی، وہ جاہلیت فارس تھی۔ یہاں پتھروں کی بجائے انسانی بتوں کی پوجا کرتے ہیں انہوں نے انسان پرستی کا اعلیٰ معیار قائم کیا جہاں سے اقتدار کے شہزادوں اور عام انسانوں کی اولادوں میں فرق واضح ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ قرآن اور نبی کریمؐ نے حکومت کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں چھوڑی اس کی وضاحت کے بارے میں فیلسوف اسلام محمد باقر صدر کا جملہ پیش کرتا ہوں کہ اسلام کو کنارے پر لگانے کیلئے دو منصوبے بنائے گئے ہیں ایک یہ کہ اسلامی حکومت کے تصور کو ہر طرف سے روکا جائے یہاں تک کہ اسلامی نظام حکومت تو دور کی بات ہے ایک صالح مسلمان پابند صوم و صلاۃ کو ہٹا کر کافر و ملحد کو ترجیح دیں، ان کے خلاف آواز اٹھانے کو اسلام کے خلاف گردانا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کے اذہان سے اسلام کے تصور حکومت کی لکیر مٹ جائے۔

یہاں تک کہ حاکم اسلامی کے بارے میں قرآن میں ایک واضح وروشن آیت واولی الامر منکم ہے اکثرو بیشتر کتب تفاسیر وعقائد اور علماء اعلام کے بیانات میں آیا ہے کہ اولی الامر صرف معصوم ہی ہوتا ہے غیر معصوم کی اطاعت نہیں ہوسکتی ہے جب کہ اصل بات یہ ہے کہ اگر حاکم سنی ہوتو یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ غیر معصوم ہے اس لیے اس کی اطاعت نہیں ہوسکتی چنانچہ یہ ضیاء الحق وغیرہ کی اطاعت نہیں کرتے لیکن دوسری طرف پرویز اور دیگر داعیان اشتراکیت واشتمالیت اور الحادیت کے علمبردار زرداری وگیلانی ہوں تو ان کی اطاعت میں انہیں کوئی حرج نظر نہیں آتا بقول محترم سلمان نقوی، مظہر کاظمی اور پروفیسر سلیم اعلیٰ وارفع مقاصد کے لئے کمیونزم الحادیزم کا ساتھ دینے میں اشکال ندارد، یہ لوگ محض ظاہری طور پر عقائد امامت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کی برگشت پہلے ادوار میں منطق خوارج اور بعد کے ادوار میں باطنیہ کے مکروہ چہرے والے قادیانیوں، اسماعیلیوں، پرویزیوں اور صوفیوں کی طرف ہے اور یہ ان کو قرآن وسنت کے مخالف اقدامات میں سرگرم ہونے کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ اقامہ نظام عدل وانصاف وراثت انبیاء ہے چنانچہ آیات میں آیا ہے قرآن وسنت کا آئین نبی کریمؐ سے مکمل ہو چکا ہے آپؐ کے بعد اولی الامر کا فرض ہے کہ وہ احکامات قرآن وسنت کا نفاذ کریں۔

نبی کریمؐ نے فرمایا میرے بعد حجت قرآن اور میری عترت ہے جبکہ دوسری نقل میں آیا ہے کہ میرے بعد قرآن اور میری سنت، یا میری اور میرے اصحاب یا خلفاء کی سنت ہے، قرآن وسنت کے علاوہ یہ دونوں قسم کی روایات ختم نبوت کے منافی ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ سورہ نساء آیت ۱۶۵ کے تحت حضرت محمدؐ آخری حجت ہیں۔ لہٰذا آپؐ کے بعد کوئی ہستی یا گروہ حجت نہیں۔

۱۔ فاسق وملحدین کی اطاعت سے آیات کثیرہ میں منع کیا گیا ہے۔

۲۔ عادل وصالح اولی الامر کی اطاعت واجب ہے، یہاں عصمت کی شرط کہاں سے آئی ہے اس قسم کا ایک کھیل ولایت فقیہ کے بارے میں بھی لائے ہیں کہتے ہیں کہ ہم ولایت فقیہ کو ماننے والے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے یہ لوگ ہمیشہ سے یہاں پر فاسق وفاجر وجاہل کی حکمرانی کی حمایت کو عظیم قومی مصلحت گردانتے رہے ہیں کیا ولایت فقیہ صرف عراق وایران کے مسائل کے حل کے خواہاں ہیں اور دیگر ممالک کے افراد کے مسائل کے حل کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے، سب جانتے ہیں کہ ولایت فقیہ کے ماننے والے یہاں اسلامی قانون کی جگہ الحادیزم، کفریزم، اشاعت فحشا اور توہین رسالت کے قانون کی تنسیخ کے داعیوں کے حامی بنے ہیں۔

خطبہ ابوبکر بعداز بیعت: [خطبہ ۲۶ ص ۱۸۰]

حمد الله واثنى ثم قال :"ايها الناس! انى قد وليت عليكم و لست بخير كم فان احسنت فاعيونى و ان آسات فقوموى رايتمونى على باطل فسلونى اطيعونى ما اطعت الله فيكم' فاذا عصيته فلا طاعة لى عليكم 'الا ان اقوام كم عندى الضعيف حتىٰ آخذ الحق له و اضعفكم عند القوى حتىٰ آخذ الحق منه اقول قولى هذا و استغفر الله لى ولكم."

بعد حمد وثناء، ایھا الناس! میں تمہارا والی ہو چکا ہوں لیکن آپ سے بہتر نہیں ہوں، اگر آپ نے دیکھا میں حق کی بات کر رہا ہوں اور حق کے راستہ پر ہوں تو میری مدد کرو، اگر آپ دیکھیں میں گمراہ ہو رہا ہوں تو مجھے سیدھا کریں، میری اطاعت کریں جب تک میں اللہ کی اطاعت کر رہا ہوں، اگر میں نے اس کی معصیت کی تو آپ کے ذمہ پر میری کوئی اطاعت نہیں، آپ میں سے وہ میرے لئے صاحب قوت ہے جو سب سے زیادہ ضعیف وناتواں ہے، جب تک اس کا حق اس کو نہ دلاؤں وہ میرے لئے قوی ہے، آپ میں سے سب سے ضعیف وناتوان اور کمزور انسان وہ ہے جو قوی ہے اپنی جگہ جب تک اس سے حق نہ لے لوں، میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے آپ اور اپنے لئے استغفار کا خواہاں ہوں۔

لشکر اسامہ سے خطاب: [ص ۱۸۱ شمارہ ۲۷]

بیعت کے دوسرے دن حضرت ابوبکر نے کہا جو افراد اسامہ کے لشکر میں شامل تھے، ان میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب لشکر گاہ کی طرف نکلیں، آپ نے لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر حمد وثناء کے بعد خطاب کیا، اے لوگو! میں تم جیسا بشر ہوں میں نہیں جانتا ہوں شاید تم لوگ مجھے کوئی ایسی تکلیف دو جو رسول اللہؐ کی برداشت میں تھی، اللہ نے محمدؐ کو عالمین پر منتخب کیا اور ان کو ہر قسم کی آفات ولغزش سے بچایا لیکن میں انسان متبع ہوں مبتدع نہیں ہوں، اگر میں صراط مستقیم پر چلا تو میری پیروی کریں، اگر میں نے انحراف کا راستہ اپنایا تو مجھے سیدھا راستہ دکھائیں۔ جس وقت اللہ نے رسول اللہؐ کو اپنی طرف اٹھایا، اس وقت امت میں

سے کسی بھی فردکومحمدؐ کے ذمے کوئی شکایت یاان سے زیادتی کی شکایت نہیں ہوئی تھی ۔
بتحقیق میرا ایک شیطان ہے جو مجھے گمراہ کرر ہا ہے، اگر مجھے غصہ آیا تو مجھ سے پرہیز کریں، میں خودکوکسی چیز پرتم سے مقدم نہیں رکھوں گا۔بتحقیق ہم لوگ اجل غائب کی طرف صبح وشام رواں دواں ہیں اگرتم چاہتے ہو یہ اجل اس حالت میں تمہارے پاس آئے جس وقت تم عمل صالح میں مشغول ہوتو عمل صالح میں سرگرم رہو، یہ بھی ممکن نہیں مگراللہ سے استعانت کے بغیر، اجل مخفی انداز سے تمہارے پیچھے لگی ہے یہ عمل کی فرصت تم سے چھین لے گی، عمل کی طرف سبقت کریں۔بعض لوگ اجل بھول چکے ہیں، انھوں نے اپنے اعمال کو دوسروں کے لئے چھوڑا ہے تم دنیا داروں جیسا بننے کی کوشش نہ کرنا بلکہ مردوں کواپنی نظر میں رکھنا کیونکہ نجات مقدم ہے۔
ایک اور خطبے میں فرمایا کوئی عمل بندوں سے قبول نہیں سوائے وہ جوصرف رضایت الٰہی کی خاطر ہو، اپنے اعمال کے صلے میں اللہ کو چاہیں جان لیں وہ عمل جو خالص ہے وہ اطاعت ہے جوتم نے بجالائی، اس کا ایک حصہ ہے جوتم نے حاصل کیا ہےوہ ایک مالیت ہے جوتم نے ادا کی ہے یہ ایک قیمت ہے جوتم نے پیشگی دی ہے اپنے فنا ہونے والے دنوں سے رہنے والے دنوں کے لئے جس دن تم فقیر ومحتاج ہوں گے۔اپنے سے پہلے مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو، سوچو جوتم سے پہلے گزرگئے ہیں اور جوکل تھے، آج کہاں گئے ہیں، وہ جبار کہاں گئے، وہ لوگ کہاں گئے جو میدان جنگ میں قتل وغلبہ کی یا دتازہ کرتے تھے، زمانے نے ان کو بھلایا ہے، اب وہ مٹی ہوگئے ہیں، اب ان کا وہ جسم خراب ہوگیا ہے۔وہ بادشاہ کہاں گئے جنھوں نے زمین کوآباد کیا تھا، اب وہ نیست ونابود ہیں، اب وہ اپنے اعمال کے رہن میں ہیں، شہوات ان سے ختم ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکر کے اقدامات وترجیحات: [جولۃ تاریخیۃ فی عصر خلفاء راشدین ص ۲۱]

۱۔لشکر اسامہ کوروانا کرنا۔

۲۔مرتدین از اسلام ادعاءنبوت اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ لڑنا۔

۳۔مملکت اسلامی کی حدود سے باہر کے ممالک کفروشرک سے جنگ لڑنا۔

اعزام جیش اسامہ:

نبی کریمؐ نے اپنی وفات سے قبل ملک غسان سے انتقام لینے کے لیے ایک لشکر اسامہ بن زید بن حارثہ کی قیادت میں تشکیل دیا اسامہ کی عمراپنے باپ زید کی شہادت کے موقع پر ۱۵سال تھی پیغمبرؐ کی وفات کے موقعہ پر ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔اسامہ بن زید بن حارثہ ان کی ماں ام ایمن ہے یہ وہ خاتون تھیں جنھوں نے پیغمبرؐ کو گود لیا تھا اسامہ محبوب رسولؐ اللہ تھے کیونکہ زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تھے تو رسولؐ اللہ نے ان کے بیٹے کوایسے لشکر کی قیادت سے نوازا جہاں ان کے باپ شہید ہوئے تھے جس لشکر کورسول اللہ نے مہیا کیا تھا یہ ارض بلغاء جنوب اردن فلسطین میں واقع ہے)۔آپ نے اس نوجوان کو قیادت لشکری دے کرروم کے لیے روانہ کرنے کا حکم صادر فرمایا تاکہ روم والوں کو وہ سبق سکھائیں کیونکہ انھوں نے دعوت رسولؐ کا مسخرہ کیا تھا اور آپؐ کے اصحاب کوقتل کیا تھا۔اسامہ اوران کالشکر شام کی طرف روانہ ہوا اور جرف میں خیمہ زن ہوئے۔اس لشکر میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر دونوں موجود تھے۔ابھی اسامہ آگے نہیں بڑھے کہ آپؐ بیمار ہوئے اور رحمت رب میں منتقل ہوئے۔اس بناء پرلشکر نے وہاں پرتوقف کیا، پیغمبراکرمؐ کی وفات کے بعد حالات خراب ہوئے یہاں تک کہ منافقین نے سراٹھایا، عرب قبائل مرتد ہوگئے اور بعض گروہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور مکہ ومدینہ کے علاوہ دیگر علاقوں سے زکوٰۃ کی وصولی بند ہوگئی تو ان حالات کودیکھ کرسب نے لشکر اسامہ کوآگے بھیجنے سے منع کیا اورا سے روکنے کے لئے کہا۔اس لشکر کوروکنے کی تجویز دینے والوں میں حضرت عمر بھی شامل تھے، یہاں حضرت ابوبکر نے کہا میں اس لشکر کونہیں روکوں گا۔دین سے انحراف وبرگشت ہرجگہ سے شروع ہوئی بغاوتوں نے سراٹھایا، ان حالات کے باوجود ابوبکر نے جیش اسامہ کو بھیجنے پر اسرار کیا، یہاں مسئلہ پیچیدہ تھا، کہا کہ اگراس کوبھیجیں گے تومدینہ کمزور ہوجائے گا، اگر نہیں بھیجیں گے تو پہلے مرحلے میں پیغمبرؐ کی وصیت کمزورپڑ جائے گی لیکن ان مشکلات کوابوبکر کی قوت ایمانی نے حل کیا، حضرت ابوبکر نے اسامہ سے کہا آپ اسی طرف روانہ ہوجائیں جدھر رسول اللہ نے روانہ کیا تھا چنانچہ لشکر روانہ ہوا۔
اس صورت حال کے پیش نظر اسامہ نے اپنے لشکر کی قیادت سے مستعفی ہونے کا اظہار کیا تاکہ نومنتخب خلیفہ ابوبکر اپنا فیصلہ صادر کریں اور جیسا مناسب

سمجھیں اقدام کریں لیکن ابوبکر نے ان کے استعفیٰ کو یہ کہہ کر مسترد کیا کہ میں نے رسول اللہؐ کے حکم سے انحراف نہیں کرنا اور اس کو پہلے مرحلے میں انجام دینا ہے تا کہ دشمنان اللہ و رسول یہ احساس کریں کہ اسلامی مرکز کس قدر قدرتمند ہے۔ابھی ان کے رسولؐ قائد نے وفات پائی کہ انہوں نے اتنا بڑا لشکر ہم سے لڑنے کے لیے بھیجا، اگر ان کے پاس قدرت نہ ہوتی تو ایسا لشکر نہ بھیجتے لہٰذا ہم ان سے جنگ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔عمر ابن خطاب نے اسامہ کی قیادت پر اشکال کرتے ہوئے کہا، وہ ابھی نوعمر ہے اور جزیرۃ العرب کے حالات ناگفتہ بہ اور مضطرب ہیں لہٰذا اس لشکر کا قائد ایک تجربہ کار ہونا چاہیے۔لیکن ابوبکر نے اسے مسترد کیا اور کہا جو فیصلہ رسول اللہؐ نے کیا میں اسے کیسے مسترد کرسکتا ہوں۔اگر بیابان کے درندے مجھے اٹھالے جائیں میں تب بھی رسول اللہؐ کے حکم کو نافذ کروں گا۔پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر عمر کی داڑھی کو پکڑا اور ان سے کہا تمہاری ماں تم پر روئے ،کاش! آج تم زندہ نہ ہوتے ،رسولؐ اللہ نے اسے اہل سمجھا، میں اسے عزل کروں ،تم کیسی باتیں کرتے ہو۔جب حضرت عمر کی طرح بہت سے اصحاب ایسے حالات میں جنگ پر جانے سے پیغمبرؐ کے تعین کردہ حامل لواء کو مناسب نہیں سمجھتے تو عام امت کے ذہنوں میں کیا ہوگا علیٰ اہذا القیاس اس ہنگامی و اضطرابی اور پریشانی کی حالت میں اسامہ لشکر کی قیادت کے لیے اپنی سواری پر سوار ہوئے اور خلیفہ مسلمین پیادہ اس سواری کے پیچھے ان کے وداع کے لیے نکلے اسامہ نے کہا، اے خلیفہ رسول اللہ یا آپ بھی سواری پر سوار ہو جائیں یا مجھے اجازت دے دیں کہ میں اتر جاؤں تو ابوبکر نے کہا، نہ میں نے سوار ہونا ہے اور نہ تم نے اترنا ہے مجھے چند قدم چل کر اپنے قدموں کو اس راہ الٰہی میں غبار آلودہ کرنا ہے کیونکہ جب غازی گھر سے نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر اس کے لیے حسنات لکھے جاتے ہیں اور اس کے گناہ محو ہو جاتے ہیں پھر ابوبکر نے اسامہ کا انتہائی احترام کیا۔جرف نامی جگہ پر جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر تھا وہاں روانگی کا انتظار کریں۔

ابوبکر کی اسامہ کو نصیحت: [حسن ابراہیم حسن کتاب۔تاریخ اسلام ج ا ص ۱۷۵]

((لا تخونو ولا تغدروا،ولا تغلوا ولا تمثلو ،ولا تقتلوا طفلاً ولا شيخاً كبيراً،ولا امرأة ،ولا تعقروا نخلاً ولا تحرقوة،ولا تقطعوا شجرة مثمرة،ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعيراً .وسوف تمرون بأقوام قد فرغوا أنفسهم في الصوامع،فدعوهم وما فرغوا أنفسهم له.وسوف تقدمون على قوم بانية فيها ألوان الطعام،فاذا أكلتم منها شيئاً بعد شئي فاذكروا اسم الله عليه،وتلقون أقواماً قد فحصوا أوساط رؤوسهم وتركوا حولها مثل العصائب،فاخفقوهم بالسيف خفقاً،اندفعوا باسم الله))

ابوبکر خطاب کرنے کے لیے اٹھے، اللہ کی حمد و ثناء کی اور کہا: ایھا الناس !توقف کریں، میں تمہیں سفارش کرتا ہوں، ہدایت دیتا ہوں، اے میری طرف سے حفظ کریں' خیانت نہ کریں' غلو نہ کریں، دھوکہ مت کرنا کسی کا مثلہ نہ کریں' کسی کے بچے کو قتل نہ کریں' نہ ہی کسی بوڑھے کو نہ کسی عورت کو' کسی جگہ کو ویران نہ کریں' کھجور اور دوسرے پھل دار درختوں کو مت کاٹنا، نہ کسی گوسفند' گائے یا اونٹ کو ذبح کریں، تم جلد ہی ایک ایسی قوم سے گزرو گے جو اپنی عبادت گاہوں میں مصروف پاؤ گے ان کو دین کی طرف دعوت دینا، تم جلد ہی ایک ایسی قوم سے ملو گے جن کے برتنوں میں انواع اقسام کی غزائیں ہونگی، اگر تم اس سے کھاؤ تو اس پر بسم اللہ پڑھ لینا تم ایسے لوگوں سے ملو گے جنھوں نے سر کے درمیان سے بال منڈوا کے اطراف سے بڑھائے ہوں گے، انھیں قتل کرنا۔ہوش میں آجاؤ اور اللہ کا نام لیکر چل پڑو۔

اعمال اور فتوحات ابوبکر: [تاریخ اسلامی محمود شاکر ج ۳ ص ۵۹]

حضرت ابوبکر کی مدت خلافت بہت کم تھی۔انہوں نے دو سال تین مہینے اور دس دن خلافت کی لیکن انہوں نے اسی مختصر سی مدت میں جلیل القدر اہمیت کے حامل اعمال انجام دئے ہیں۔اسلام کے حقائق کو مسلمانوں کے ذہن میں راسخ کرنے کے لیے یہ اقدام کافی ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اسلام کو کس قدر سمجھتے تھے اور انہیں کس قدر اعتقاد راسخ حاصل تھا۔یہ وہ چیزیں ہیں جنھوں نے اسلام کے ستون کو راسخ و محکم کیا، آپ بعید النظر انسان تھے، آپ کی نظریں وسیع الافق تھیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ بہت سے عربوں کے دلوں میں اسلام داخل نہیں ہوا تھا ان کے دلوں میں اسلام نے رسوخ نہیں کیا تھا جیسا کہ سورہ حجرات کی آیت ۱۴ سورہ توبہ کی آیت ۹۷،۹۸، ۱۰۱ سے پتہ چلتا ہے منافقین پیغمبرؐ کے دور میں موجود تھے اور عرب بادیہ نشین نفاق میں دوسروں سے پیش پیش تھے۔اللہ نے اس کی پہلے سے خبر دی تھی۔ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اسلام سے جلد پلٹ جانا تھا، جب بھی ان کو مناسب موقع محل نظر آئے گا، وہ اسلام سے پلٹ جائیں گے بلکہ اسلام سے پلٹ جانے کا مظاہرہ خود رسول اللہؐ کے دور میں شروع ہوا تھا جہاں اسود عنسی نے یمن میں، مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں اور طلیحہ اسدی نے نجد میں دعوائے

نبوت کیا لیکن وہ اعلان کی جرأت نہیں کر رہے تھے کیونکہ اگر وہ اعلان کرتے تو پیغمبرؐ آن سے جنگ لڑتے لیکن جونہی انہوں نے پیغمبرؐ کی وفات کی خبر سنی تو ان لوگوں نے اپنی نبوت کے اعلان کے ساتھ جاہلیت کی طرف پلٹنے کا اعلان کیا۔

مرتدین کا مدینہ پر ہجوم:

لشکر اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کے قریب قبائلی علاقہ کے لوگ جو مرتد ہو گئے تھے، انھیں یقین ہوا کہ اب مدینہ جنگجو مجاہدین سے خالی ہو گیا ہے کیونکہ وہ شمال کی طرف جا چکے ہیں، اگر وہ اس وقت مدینہ پر حملہ کریں تو کامیاب ہو جائیں گے۔اس لیے انہوں نے اپنی طرف سے حضرت ابو بکر سے مذاکرات کے لئے نمائندہ بھیجا،اس نے پہلے مرحلہ میں ان سے کہا ہمیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ کریں۔ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ زکوٰۃ سے جان چھڑائیں بلکہ وہ دیکھنا چاہتے تھے مدینہ میں ان سے لڑنے کی کتنی صلاحیت وقدرت ہے نیز اس حوالے سے مسلمان کتنے پرعزم ہیں۔انھیں یقین تھا خلیفہ ان کی پیش کش قبول نہیں کریں گے کیونکہ وہ جانتے تھے جب اصحاب رسولؐ نے اسامہ کو روکنے کے لئے اصرار کیا تو انھوں نے ان کی تجویز کو بھی مسترد کیا تھا۔جب وہ ان کی پیش کش کو قبول نہیں کریں گے تو ہمیں مدینہ پر حملہ کرنے کا جواز ملے گا،منافقین عرب کو یہ پتہ نہیں تھا کہ زکوٰۃ اہم رکن ارکان اسلام میں سے ہے اس میں سستی یا اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا،اس سے انکار کل اسلام کا انکار ہے،اسلام ایک نظام کامل ہے جو قابل تقسیم نہیں کہ ایک رکن پر عمل کیا جائے تو دوسرے کو چھوڑا جائے چنانچہ انہیں یقین ہوا کہ ان کی کثرت وطاقت کو ایک قلیل جنگ کا سامنا ہے یعنی ان کی نظر میں لشکر مدینہ ضعیف ہے اور ابو بکر جلد ہی ان کے ساتھ موافقت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور وہ زکوٰۃ سے جلد ہی نجات حاصل کریں گے لیکن ان کے اس گمان وخیال کو ناامیدونا کامی کا سامنا ہوا۔ابو بکر اپنے ایمان راسخ کے تحت کسی بھی عقدوگرہ کو کھولنے پر تیار نہیں تھے کسی وقت بھی اسلامی سرحدوں کی ہتک حرمت پر خاموشی کے لیے تیار نہیں تھے جب تک ان کی رگوں میں خون دوڑ رہا تھا۔غرض خلیفہ کے پاس جب قبیلہ عبس،غطفان،ذبیان،فزارۃ کے نمائندے آئے تو مسلمان جو مدینہ میں تھے خلیفہ نے انہیں جمع کیا اور کہا کیا یہ زمین کافروں کی ہے کہ تم لوگ قلیل ہو اور کچھ نہیں کر سکتے،ممکن ہے وہ رات کو یا دن کو حملہ آور ہوں کیونکہ وہ تم سے ایک ہی میل کے فاصلے پر ہیں۔کیا تم چاہتے ہو ہم ان سے مصالحت کریں جب کہ ہم نے ان کی پیشکش کو مسترد کیا ہے لہٰذا اب تم لوگوں کو مستعد وآمادہ ہو جانا چاہیے۔خلیفہ نے طلحہ بن عبید اللہ،زبیر بن عوام،علی ابن ابی طالب اور عبد اللہ بن مسعود کو طلب کیا اور کہا وہ دروازہ مدینہ پر قیام کریں اور دشمن کے ہجوم کو روکیں، اس طرح وہ لوگ ۳ دن تک دروازہ مدینہ پر رہے۔تین دن کے بعد دشمن نے حملہ اس امید کے ساتھ حملہ کیا کہ وہ خلیفہ کو مجبور کریں گے اور پھر خلیفہ ان کی پیشکش کو قبول کریں گے،ان کے خیال میں تھا مدینہ اس وقت بالکل خالی ہے اور کوئی مزاحمت کے لیے موجود نہیں ہوگا لیکن جب یہ لوگ آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمان لوگ ان کی مزاحمت کے لیے آئے ہوئے ہیں چنانچہ یہ باغی ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں غیر متوقع طور پر واپس پلٹ گئے۔آدھی رات کو ابو بکر نے ان کا پیچھا کیا اور ایک مختصر سی جھڑپ وجود میں آئی اور دشمن کو مدہوش ہو کر واپس پلٹنا پڑا۔

طلحہ بن خویلہ اسدی:

طلحہ بن خویلہ اسدی نے پیغمبرؐ کی حیات میں دعویٰ نبوت کیا تھا قبیلہ غطفان اور اس کے اطراف والے اس کے ساتھ ملے۔سجاح بنت حارث تمیمی نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ان کے ساتھ بنی جربوع کے مالک بن نویرۃ بھی مل گئے کیونکہ وہ تمیمی تھے۔پیغمبرؐ نے ان کے پاس ضرار بن ازور کو بھیجا تھا اور ان سے کہا تھا جو مرتد ہو جائے ان کا مقابلہ کریں۔طلحہ وہاں کمزور ہوا،جب وہ تنہا رہ گیا تو اسے صرف مارا پیٹا گیا اور چھوڑ دیا گیا پھر جب پیغمبرؐ نے وفات پائی تو وہ اپنے دعویٰ نبوت پر باقی رہا۔طلحہ کہتا تھا جبرائیل میرے پاس آتے ہیں اور انہوں نے اس کے لئے کلام بنایا اس نے نماز میں سجدہ کرنے سے منع کیا اور کہا اللہ کو کھڑے ہو کر یاد کرو،بہت سے عصبیت پسند قریش اس کے تابع ہوئے لہٰذا قبیلہ اسد،غطفان،طیی سب مرتد ہو گئے۔ابو بکر نے کہا اگر میرے لئے ایک رسی بھی دینے سے یہ لوگ انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ لڑوں گا چہ جائیکہ زکوٰۃ نہ دیں۔ان کی طرف سے آنے والے لوگوں نے طلحہ کو خبر دی کہ مدینہ میں لوگوں کی تعداد بہت کم ہے اور اگر ان سے جنگ لڑنا ہے تو ابھی لڑیں۔ابو بکر نے فوراً ہی ان کے واپس جاتے ہی علی کو مدینہ کے دروازے پہ طلحہ،زبیر اور ابن مسعود کے ساتھ نقیب بنایا،اہل مدینہ سے کہا جلد ہی مسجد میں حاضر ہو جاؤ،خطرہ ہے کہ دشمن حملہ کرے کیونکہ یہ لوگ قریب ہیں چنانچہ تین دن بعد ان لوگوں کا لشکر ہجوم لے کر رات کو مدینہ کے دروازے پر آیا ،یہ لوگ رات کو مدینہ کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا یہاں لشکر کھڑا ہے،انہوں نے فوراً ابو بکر کو خبر دی کہ یہ لوگ آئے ہیں تو ابو بکر نے ان کی طرف افراد کو پیغام کے

ساتھ بھیجا کہ آپ لوگ اپنی جگہ رہیں اور وہاں سے نہ ہٹیں اور مسجد میں اعلان کیا کہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو اور دشمن کو بھگا دو اور انھیں ذی حسی تک پہنچا دو۔ چنانچہ ان سب کو بھگا دیا گیا اور مسلمان صحیح و سالم واپس پہنچے، ابو بکر نے مسجد میں آ کر لوگوں کو دوبارہ جمع کیا،لشکر کے ایک حصہ کے دائیں جانب نعمان بن مقرن کو رکھا،ایک طرف عبداللہ بن مقرن کو رکھا اور ساقہ میں سعید بن مقرن کو رکھا، جوں ہی صبح ہوئی انہوں نے دشمن کے ساتھ مقابلہ کیا،صبح ہوتے ہی ان کے درمیان جنگ چھڑی دشمن پسپا ہوئے اور بہت سے لوگ مارے گئے، ابو بکر نے انھیں ذی حسی تک پہنچایا یہ بعد وفات پیغمبرؐ مسلمانوں کی پہلی فتح تھی پھر نعمان بن مقرن کو ایک محدود لشکر کے ساتھ یہاں رکھا اور خود مدینہ واپس آئے، جوں ہی ابو بکر خلیفہ منتخب ہوئے، فوراً انہیں مرتدین کا سامنا ہوا اور جزیرۃ العرب کے گوشہ و کنار سے مسلمانوں کے خلاف جنگی مزاحمت کا اعلان ہونے لگا مدعیان نبوت بھی سامنے آئے اور اس موقعہ پر مسلمانوں کے اندر چھپے مفاد پرست افراد جن کے دلوں میں بغض و کینہ چھپا تھا،ان کے ساتھ مل گئے تا کہ اس جنگ میں غلبہ کفر کے بعد انہیں بھی کوئی مقام و منصب ملے۔

اس طرح ابو بکر نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف قیام کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی نرمی اور مسامحہ کا مظاہرہ نہیں کیا اگر ابو بکر ان کے مطالبات کو مان لیتے تو کیا یہ لوگ مزید مطالبات کرنے سے باز آتے، آیا ان کے مطالبات صرف زکوٰۃ تک رہتے۔ یقینی امر ہے اگر ابو بکر ان کے ساتھ تھوڑی سی نرمی دکھاتے اور ان کے مطالبات کو تسلیم کرتے تو وہ مزید آگے بڑھتے یہاں تک کہ وہ اس حد تک پہنچتے کہ وہ اسلام سے انکار کرتے لیکن ابو بکر نے انہیں مجبور کیا کہ تمام فرائض دینی کو انجام دیں۔

ان سب سے پہلے مسلیمۃ بن حبیب حنفی نے خود رسولؐ کے دور میں دعوائے نبوت کیا تھا۔ اس طرح جزیرۃ العرب میں جہاں تک آپ کی نبوت پھیل چکی تھی کئی جگہوں سے لوگوں نے اپنی بیعت توڑی جنوب سے اسود عنسی، شمال سے بنو عبس مرۃ اور زبیان طلیحہ شرق سے مالک بن نویرۃ اور مسیلمۃ کذاب سب نے بغاوت کا اعلان کیا یہاں تک کہ اسلام صرف مدینہ و مکہ، طائف اور ان کے درمیان واقع کچھ گاؤں تک محصور ہو گیا۔

خلیفہ اوّل ابو بکر نے اس وسیع و عریض چہار سو بغاوت کے مقابلہ میں قیام اور مقابلہ کرنے کا عزم و ارادہ کا اعلان کیا۔ مسلمانوں نے کوشش کی کہ حضرت ابو بکر کو ان سے جنگ و قتال سے روکا جائے یہاں تک کہ انہوں نے ابو بکر کو روکنے کے لئے عمر کو بھیجا انہیں واسطہ بنایا کہ وہ جا کر حضرت ابو بکر کو اس جنگ سے روکیں ورنہ یہ بچے کچھے مسلمان بھی قتل ہو جائیں گے، کوئی بھی نہیں رہے گا، سب مارے جائیں گے کیونکہ یہ پورے عرب سے نہیں لڑ سکتے ہیں اس وقت حکمت عملی یہ ہونی چاہئے کہ ان سے صلح کریں اور جو مرتد ہو رہے ہیں ان سے صرف نظر کریں۔ وہ زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تو نہ دیں اور اگر وہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں تو کرتے رہیں، ابو بکر نے کہا کیا اسلام کی سرحدیں چھین لی جائیں، دین کمزور ہو جائے اور ہم زندہ رہیں یہاں تک کہ عمر نے ابو بکر سے زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے بھی جنگ روکنے کی کوشش کی اور کہا پہلے مرتدین سے جنگ کریں جو جاہلیت کی طرف پلٹے جا رہے ہیں لیکن ابو بکر نے عمر سے مجادلہ کیا اور دیکھا کہ عمر کا نظر یہ کمزور ہے ابو بکر نے کہا عمر تم مجھے جاہلیت اور ذلت کی طرف پلٹا رہے ہو، اگر انہوں نے ایک اونٹ کا وزن بھی جو یہ رسول اللہؐ کو دیتے تھے مجھے دینے سے انکار کیا تو ہم ان کے ساتھ جنگ لڑیں گے، میں تنہا جنگ لڑوں گا۔ خلیفہ کا یہ اصرار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سلسلہ میں جو بصیرت رکھتے تھے وہ دوسرے نہیں رکھتے تھے وہ اپنے حق پر رہنے کی دلیل دے رہے تھے، ان کے کلمات جنگ کے بارے میں قوی و سخت تھے جب عمر نے ابو بکر کی دلیل کو واضح پایا تو قانع ہوئے اپنی رائے سے برگشت کی اور کہا ہم نے دیکھا ابو بکر کے سینہ کو اللہ نے کشادہ کیا ہے کہ وہ حق پر ہیں جس طرح مسلمانوں نے انھیں منکرین زکوٰۃ اور مرتدین سے جنگ لڑنے سے روکنے کی کوشش کی اسی طرح انھیں جیش اسامہ کو روانہ کرنے سے بھی منع کیا لیکن ان کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ خلیفہ وقت اسے مسلمانوں کے لئے ضعف اور ناتوانی کی علامت سمجھتے تھے۔ چونکہ یہ چیز مسلمانوں کے لئے مناسب و سزاوار نہیں تھی اس لیے انہوں نے ان کی ہر دلیل کو قطع کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ ابو بکر نے کہا "میری جان جس کے قبضے میں ہے میں اس کے اور اس کے رسولؐ کے حکم پر عمل کو نہیں چھوڑ سکتا چاہے مجھے گمان ہو کہ ایسا کرنے پر کوئی درندہ مجھے کھا جائے گا تب بھی میں اسامہ کو روانہ کروں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہی چاہتے تھے" ابو بکر نے لشکر اسامہ کو خود روانہ کیا اور ان سے کہا جو کچھ رسول اللہؐ نے کہا اس پر عمل کریں، اس میں کسی قسم کی سستی نہ کریں اور جلد واپس آنے کی کوشش مت کریں یہاں تک کہ اسامہ سرزمین شام پہنچے اور ان پر حملہ کیا اور لشکر کو قضاعۃ کی طرف بھیجا تا کہ وہ فتنے کو ٹھنڈا اور خاموش کریں اور انہیں قتل کر دیں اور ان کے گھروں کو جلا دیں اس وقت ان کا نعرہ تھا "یا منصور امت" ابو بکر کو جب ذالقصۃ پر غلبہ حاصل ہوا تو خلیفہ نے

اپنا نمائندے بھیجا کہ وہ زکوٰۃ خلیفہ کو ادا کریں چنانچہ لوگوں نے بڑی خوشی و مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اسلام کی کامیابی پر خوشی منائی، اس خوشی کی حالت میں جیش اسامہ فتح و کامیابی کے ساتھ غنائم لے کر واپس مدینہ پہنچا اور ان کے استقبال کے لئے خلیفہ اور بڑے اصحاب نکلے، اسامہ سیدھے مسجد گئے جس طرح پیغمبرؐ جنگوں سے واپسی پر مسجد جاتے تھے اپنے جھنڈے کو جو رسول اللہؐ نے انھیں دیا تھا، مسجد میں نصب کیا اور اللہ کے سامنے اس کامیابی پر نماز شکرانہ ادا کی۔

مسلمان مطمئن ہوئے مدینہ میں لشکر اسامہ فتح و کامیابی کے ساتھ آیا اور مسلمانوں کو یقین ہوا کہ ابو بکر دور اندیش اور با بصیرت خلیفہ ہیں اور اللہ کی فتح و نصرت پر ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوا۔ اس بارے میں ابو مسعود نے کہا ہمیں پیغمبرؐ کے بعد ایک ایسی صورتحال کا سامنا ہوا جس میں ہم ہلاک ہونے والے تھے یہاں تک کہ اللہ نے اپنا احسان و منت ابو بکر پر رکھی، ہم نے عہد کیا کہ اونٹنی اور اس کے بچوں کیلئے ہم جنگ نہیں لڑیں گے ہم اللہ کی پرستش کریں گے اور جب ہمیں یہ یقین ہوا کہ ابو بکر کی نیت میں استحکام آیا ہے تو ہمیں کسی نرمی پر شرمندگی نہ ہوئی، جو دشمنوں میں سے قتل ہوئے وہ جہنم میں گئے اور جو ہم میں سے قتل ہوئے وہ جنت میں داخل ہوئے۔

چنانچہ اسلامی لشکر فتح و کامیابی اور غنیمت کیساتھ مدینہ واپس آیا مسلمانوں نے اسامہ کی فتح و کامیابی کے ساتھ واپس آنے پہ خوشیاں منائیں اور مال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کیا اور خمس کو مدینہ میں رہنے والوں کے درمیان تقسیم کیا۔

حضرت ابو بکر کی زندگی کے پہلو:

کتاب ابو بکر صدیق تالیف محمد رضا ص ۱۰۳ ابو بکر دور جاہلیت میں کپڑے کا کام کرتے تھے، اسلام لانے کے بعد خدمت رسولؐ میں مصروف ہو گئے، مدینہ آنے کے بعد بھی اس کام کو جاری رکھا، وہ اطراف مدینہ سنخ نامی جگہ میں رہتے تھے وہاں لوگوں کیلئے دودھ بھی دوھتے تھے جب وہاں کے لوگوں نے سنا ابو بکر خلیفہ مسلمین بنے ہیں تو وہ وہاں سے مدینہ آتے اور ظہرین یا مغربین پڑھ کر واپس جاتے تھے۔ ایک عورت نے کہا اب ہمارے لیے کون دودھ دھوئے گا تو ابو بکر نے کہا میں دھوؤں گا۔

حضرت ابو بکر اپنی خلافت کے ابتدائی چھ مہینوں تک اپنے مخارج و مصارف اپنی کسب و کاج کی درآمد سے کرتے تھے وہ بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے، ایک دن بازار جاتے وقت حضرت عمر سے ملے، پوچھا کہاں جا رہے ہیں، جواب دیا بازار جا رہا ہوں، کہنے لگے آپ اپنے مخارج و مصارف کہاں سے لاتے ہیں۔ آپ خلیفہ مسلمین ہیں، چلیں ابو عبیدہ کے پاس چلیں، وہ آپ کے لیے ماہانہ کچھ رقم معین کریں گے۔ جب ابو عبیدہ جراح کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا ہم آپ کو ایک مہاجر کے برابر حصہ دیں گے نہ آپ ان سے زیادہ فقیر ہیں نہ ان سے زیادہ نیاز مند۔ جو چیز ہم آپ کو دیں گے اگر اس سے کچھ بچ جائے تو آپ وہ واپس کریں گے، لہٰذا روزانہ ان کے لیے آدھا گوسفند معین کیا گیا۔ ابو بکر کا خیال تھا کہ انہیں بیت المال مسلمین سے حق نہیں مل سکتا اور وہ بیت المال مسلمین سے کوئی استحقاق نہیں رکھتے لہٰذا انہوں نے اپنی زمین کو اس مال ماخوذ از بیت المال کے عوض بیت المال میں دے دیا۔

ابو بکر اور معاذ بن جبل جو کہ ایک مرد سخی تھے وہ جوان و جمیل انسان تھے وہ اتنے بڑے سخی تھے کہ ان کی پوری جائیداد ان کا قرض اتارنے میں فروخت ہو گئی۔ معاذ پیغمبر اسلامﷺ کے پاس آئے کہ وہ ان کے قرض کی واپسی کا تقاضا کرنے والوں سے کہیں کہ وہ انہیں کچھ اور مہلت دیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے ان کا مال و جائیداد ان کے قرض کے عوض فروخت کیا۔ یہاں تک کہ حضرت معاذ ان لوگوں میں شامل ہو گئے جن کے ہاتھ خالی تھے۔ جب فتح مکہ ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے انہیں یمن میں امیر بنا کر بھیجا۔ کچھ عرصہ یمن میں رہنے کے بعد معاذ نے وہاں مال اللہ سے تجارت کرنا شروع کی۔ اس طرح کچھ مال ان کے ہاتھ آیا جب رسول اللہﷺ نے وفات پائی تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ معاذ کی طرف آدمی بھیجو اور ان کے پاس ان کی ضروریات کا مال رہنے دیں اور باقی ان سے وصول کر لیں تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ چونکہ رسول اللہ نے انہیں وہاں بھیجا تا کہ ان کا قرض اترے لہٰذا میں ان سے کچھ نہیں لے سکتا ہوں ہاں، اگر وہ خود دے دیں تو الگ بات ہے۔ چنانچہ عمر از خود معاذ کے پاس گئے اور ان کے اور ابو بکر کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ انہیں بتائی تو حضرت معاذ نے کہا مجھے رسول پاکؐ نے یہاں بھیجا تا کہ میرے تمام قرض اتر جائیں۔ پھر معاذ نے عمر سے کہا میں نے آپ کی بات مان لی۔ جو حکم دیں اطاعت کروں گا۔ حضرت معاذ حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور انہیں اس سے آگاہ کرتے ہوئے قسم کھا کر کہا کہ میں نے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی سوائے اس عصا کے جو میرے ہاتھ میں ہے تو ابو بکر نے کہا میں یہ نہیں لوں گا میں نے یہ تمہیں ہبہ کیا

تو عمر نے کہا اب یہ سب حلال ہو گیا۔

حضرت ابو بکر کے دور میں معاشرۂ اسلامی کی شکل وصورت:

حضرت ابو بکر لوگوں میں طبقات کے قائل نہیں تھے آپ کے نزدیک تمام لوگ یکساں کنگھی کے دانوں کی مانند تھے رنگ ونسل اور علاقے سے قطع نظر حقوق واجبات میں سب یکساں تھے۔اس مساوات کا مصدر ایمان وعمل تھا۔یہ ایسی مساوات نہیں تھی جو فلسفی اور سیاست دان لوگوں کو ورغلانے اور دھوکہ دینے کے لیے ترنم کرتے ہیں اور برے اغراض وعزائم تک پہنچنے کے لیے لفاظی وتجارت بازی کرتے ہیں۔ابو بکر مجتمع اسلامی میں بڑوں کا احترام کرتے اور چھوٹوں پر مہربان تھے۔وہ ہر حاجت مند کی حاجت روا کرنے کے خواہشمند وحریص تھے۔اس وقت سب لوگ ایک ہی خاندان کے افرا نظر آتے تھے جو ایک دوسرے کے معاون مدد گار تھے۔ خلیفہ سلطنت کے سربراہ تھے لیکن عوام سے افضل نہیں تھے اور نہ ہی ان کے لیے کوئی امتیازات خصوصی تھے جو انہیں دوسروں سے ممتاز تشخص کرتے۔انکی سواری،لباس اور کھانا ورہائش عام لوگوں جیسا تھا۔آپکے اور لوگوں کے درمیان کوئی حجاب نہیں تھا اور آپ تک پہنچنا کوئی مشکل امر نہیں تھا۔خلیفہ کے خاندان کو کوئی الگ امتیاز حاصل نہیں تھا سب عام افراد کی طرح رہتے تھے۔اپنی طاقت وتوانائی کے ذریعے اپنی گزراوقات کرتے اور لوگوں کے درمیان میں ایک فرد کی حیثیت سے زندگی گزارتے تھے۔راستے اور بازاروں میں ایک ادنیٰ فرد کی حیثیت سے چلتے تھے۔انہی لوگوں کے ساتھ مل کر خرید وفروخت کرتے تھے۔بعض اوقات بازار میں دیکھنے پر لوگ تواضع کرتے تو آپ اس سے صرف نظر کرتے۔آپ دیکھتے تھے لوگ کس حد تک دین وشریعت سے ہم آہنگ ہیں،سختی سے نظارت کرتے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی،اس حوالے سے لوگوں سے کبھی کبھی پوچھ گچھ کرتے۔محفلوں میں شرکت کرتے نظریات کا تبادلہ کرتے اور لوگوں کی ضروریات اور حاجتوں کے بارے میں سوال جواب کرتے۔جنگ وجہاد کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ابو بکر خلیفہ رسول اللہ ﷺ خود اونٹ وبکری کا دودھ دھوتے تھے،لوگوں کی مصلحت کی خاطر رات کو بیدار رہتے۔مدینہ کے راستوں کی نگرانی کرتے خاص کر کے جب اسامہ کے لشکر کو بھیجا تو خود گشت کرتے۔ابو بکر کی خلافت کی زندگی مرتدین سے جنگ سے شروع ہوتے ہوئے فتوحات تک پہنچی،مدینہ میں بعض صحابہ عمر،علی،طلحہ،زبیر،عبد الرحمٰن ابن عوف،سعد ابن ابی وقاص،عبد اللہ بن مسعود،اسید بن حضیر جہاد سے روگردانی کر کے گھر میں نہیں چھپے تھے بلکہ خلیفہ نے ان کو مدینہ میں رکھا تا کہ ان سے مشورہ ورہنمائی لیں،ان کے نظریات سے استفادہ کریں،آپ ہمیشہ ان سے مسلسل رابطے میں ہوتے تھے۔مسجد میں جو افراد خلیفہ کے ساتھ ہوتے وہ میدان جنگ کیلئے بالکل آمادہ رہتے تھے۔ہر پیش آمد حادثے کے لیے خود کو خلیفہ سے رابطے میں رکھتے تھے یہ لوگ اپنی تمام تر قد وقامت اور لوگوں کے احترام کے باوجود عام لوگوں سے ممتاز نہیں تھے۔ان کا تمام احترام اس حوالے سے تھا کہ ان ذوات نے اسلام میں سبقت کی ہے پیغمبرؐ کے ساتھ ہمیشہ جنگ کے میدان میں رہے ہیں اور انھوں نے دعوت اسلام کے پھیلانے میں قربانیاں دی ہیں۔

فتح فارس:

[الخلفاء والراشدون ص ۱۰۹]

حضرت ابو بکر نے خالد بن ولید کو عراق چھوڑ کر شام جانے کا حکم دیا اور مثنیٰ کو انکی جگہ پر معین کیا،خالد سے کہا آپ اپنی جگہ پر جائیں اور اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔خالد بن ولید کے ایک سال گزرنے کے بعد اہل فارس میں تذبذب اور اضطراب کے بعد سکون آیا تو شہریار فارس نے ایک لشکر ضخیم ہرمز کی قیادت میں مثنیٰ کی طرف بھیجا۔اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے۔عراق کے اطراف میں رہنے والوں نے لشکر فارس کے بارے میں جب خبر دی کہ لشکر آگے بڑھ رہا ہے تو مثنیٰ بھی لشکر فارس کے مقابلے میں نکلے تو ہرمزان سے مثنیٰ کا آمنا سامنا ہوا خالد کے وہاں سے جانے کے ایک ماہ بعد برا ز بن اردشیر بن شہریار نے ان کو ایک خط لکھا جس میں کہا کہ میں تمہاری طرف ایک لشکر وحشی بھیج رہا ہوں جو تمہیں مرغی اور خنزیر کی طرح چن چن کر ختم کرے گا۔مثنیٰ نے اس کے جواب میں لکھا تمہاری مثال دو آدمیوں میں سے ایک کی سی ہے۔یا تو تم باغی ہو یا تم جھوٹے رعب ودبدبے سے مجھے ڈرا رہے ہو۔یاد رکھو دونوں جھوٹوں کی سزا اللہ تعالیٰ اور بادشاہوں کے نزدیک فضاحت اور شرمندگی ہے۔یہ اللہ کی قدرت اور رحمت ہے کہ جس نے تمہیں مرغی اور خنزیر کی طرف پلٹایا ہے۔اس خط کی وجہ سے اہل فارس کا بادشاہ خوف زدہ ہوا۔اور کہا یہ دشمن بہت جری لگتا ہے اور آئندہ جو خط لکھا جائے باہمی مشاورت سے لکھا جائے۔لشکر فارس اور لشکر اسلام بابل کی ایک بلند وادی کے مقام پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے سخت جنگ کے بعد مثنیٰ کو فتح نصیب ہوئی اور پھر مثنیٰ نے ہاتھیوں کیطرف رخ کیا اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور لشکر فارس کو مکمل شکست ہوئی اور مسلمانوں نے انھیں مورچوں سے بھی باہر نکالا اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سے افراد کو گرفتار کیا۔مثنیٰ نے سمجھا اہل فارس انکا پیچھا نہیں چھوڑیں گے مثنیٰ مدائن

تک انکے پیچھے گئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ایک بڑے لشکر جری کے ساتھ انکا مقابلہ کیا جائے۔مثنی نے اسکی خبر حضرت ابو بکر کو دی اور ساتھ ہی اپنی کامیابیوں اور آئندہ توفیقات کے بارے میں بتایا۔اور ساتھ ہی اہل ردہ کی توبہ اور ان سے خراج لینے کے بارے میں خلیفہ سے اجازت طلب کی اور اپنی جگہ بشیر ابن خصاصہ کو معین کیا اور خود مدینہ چلے گئے۔اس وجہ سے اہل فارس میں اضطراب آیا اور وہ اپنی داخلی سرگرمیوں میں لگ گئے۔جب مثنی مدینہ پہنچا تو حضرت علی نے حضرت ابو بکر کو اطلاع دی تو ابو بکر نے حضرت عمر کو بلایا، یہ وہ وقت تھا جب حضرت ابو بکر کی مرض الموت بڑھ رہی تھی۔حضرت ابو بکر نے عمر کو کہا میں رات کو یا صبح کو مرنے والا ہوں۔اگر میں مر بھی جاؤں تو تم میری تجہیز و تکفین میں نہ لگ جانا بلکہ جتنا جلدی ہو سکے مثنی کے ساتھ لشکر روانہ کرنا، یہ تمہارے لیے ایک سنگین مسئلہ ہے۔اللہ کے پیغمبرؐ جب اس دنیا سے گئے تو بھی ایک انتہائی سنگین مسئلہ درپیش تھا اگر میں اس وقت سستی کرتا اور روگردانی کرتا تو ہم شکست سے دوچار ہوتے اور امت کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل دیتے۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مشکل سے بچایا۔اگر میری موت ہو جائے تو خالد بن ولید کو عراق بھیجیں چونکہ وہ جرات و شہامت کا حامل ہے۔

مواخذات واقدامات ابوبکر صدیق:[کتاب خلفائے راشدون صفحہ ۴۹]

حضرت ابو بکر پر مواخذات میں سے ایک خالد بن ولید سے قصاص نہ لینا ہے جہاں ابو قتادہ انصاری کے گواہی دینے کے باوجود کہ مالک بن نویرہ مسلم تھے اور خالد بن ولید نے ان کے مسلم ہونے پر اصرار کرنے کے باوجود انہیں قتل کر دیا اس مواخذے کی تائید و تاکید عمر بن خطاب کے مطالبے سے بھی ملتی ہے جہاں انہوں نے ابو بکر سے کہا ان کو واپس بلائیں اور ان سے قصاص لیں، ابو بکر نے ان کی بات پر توجہ نہیں دی یہ نقل صاحب تاریخ خلفائے راشدین فتوحات وانجازت جناب محمد سہیل طقوس نے تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۷۷ سے سیف بن عمر سے نقل کی ہے بقول علماء تاریخ اگر ہمارے ہاں ابواب فقہ میں وارد روایات اور راویوں پر کوئی برائے نام تحقیق ہو بھی گئی ہے تو یہ تاریخ میں نہیں ہوئی ہے اس حوالے سے علماء رجال سیف بن عمر کی روایات پر بالکل اعتماد نہیں کرتے لیکن ہم یہاں بطور مفروضہ احتمال قوی تسلیم کرتے ہیں چونکہ اصل خبر اس وقت تک صحیح ہوتی ہے جب تک کوئی اسے رد نہ کر سکے، ہم یہاں اس کے متن کے بارے میں ذرا غور کرتے ہیں لیکن پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ان اشخاص میں سے نہیں کہ خلفاء کو مقام لا تخطئون پر فائز سمجھتے ہیں یا جو خیال کرتے ہیں کہ یہ ذوات بھی مصادر شریعت ہیں جیسے کہ آج کل اسمبلیوں یا ذرائع ابلاغ میں علم و دانش اور شریعت پھیلانے والے اسی سوچ کے تحت کہتے ہیں کہ کیسے حضرت ابو بکر نے کہا تھا عمر نے کہا تھا علی نے کہا تھا جب کہ مصدر شریعت قرآن و سنت ہیں البتہ یہ ذوات اپنی جگہ اپنے وقت کے عالم شریعت اور عادل تو تھیں لہٰذا ہم ہمیشہ ان پر نقد و تنقید کی بوچھاڑ کرنے کیلئے تیار بھی نہیں رہتے ہیں بلکہ اپنے فہم و ادراک کو مثل طفل مکتب استاتید کی خدمت میں پیش کرتے ہیں یہاں چند حقائق مسلمہ کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

۱۔خالد سے قصاص نہ لینا

خالد بن ولید عسکری پیشے سے تعلق رکھنے والے تھے اپنی جگہ شجاعت و دلیری کے علاوہ عرب تہور اور جذبات سے سرشار انسان تھے لہٰذا ان سے ایسی حرکات صادر ہونا محال بھی نہیں یہاں دیکھنا ہوگا کہ وہ کب، کن حالات میں اسلام لائے، انہوں نے جس دن سے اسلام قبول کیا ہے اسی دن سے وہ میدان جنگ میں رہے اور نیک نامی لے کر آئے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر پر وارد اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ ابو بکر نے خالد سے قصاص نہیں لیا، اس نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے ان کی بیوی کو اپنے عقد میں لیا جس پر بہت سے لوگوں نے اعتراض کیا، اس حوالے سے سب سے زیادہ سخت موقف پیش کرنے والے حضرت عمر بن خطاب تھے۔یہ واقعہ اس طرح سے ہے کہ نبی کریمؐ نے بنی تمیم پر کچھ لوگوں کو امیر بنایا تھا۔جس میں زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم اور مالک بن نویرہ شامل تھے۔جب رسول اللہؐ کی رحلت کی خبر گرد و نواح اور جزیرہ میں پھیل گئی تو کچھ لوگ اس عہد پر باقی رہے جو انہوں نے رسولؐ سے باندھا تھا یعنی زکوٰۃ دینے کا اور کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ان منکرین زکوٰۃ میں ایک مالک بن نویرہ تھا جب سجاح مسیلمہ ان سے جنگ کے بعد جزیرہ سے واپس گیا تو بنی تمیم کے دیگر روسا کے ساتھ مالک بن نویرہ بھی پریشان ہوا کہ اب کیا کریں زکوٰۃ بھیجیں یا نہ بھیجیں۔کچھ نے زکوٰۃ خالد کو بھیجی مگر نویرہ نے نہیں بھیجی۔اسکی قوم نے کہا وہ خالد سے جنگ لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔نویرہ نے کہا تم لوگ منتشر ہو جاؤ۔انہوں نے اپنے جاسوسوں کا ایک گروہ روانہ کیا کہ نویرہ اور دیگر کی خبر لائیں تو انہوں نے ایک جگہ سے نویرہ اور دیگر ساتھیوں کو گرفتار کیا پھر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔

اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔بعض کہتے ہیں انھوں نے خود دیکھا کہ وہ لوگ اذان دے رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔کچھ کہتے ہیں ان کا یہ عمل اپنی جان بچانے کے لئے تھا۔ایک صحابی رسولؐ ابو قتادہ نے کہا یہ بڑا جرم تھا۔اس بات میں مزید شدت اس وقت آئی جب انہوں نے دیکھا خالد نے نویرہ کی بیوی اپنے عقد میں لی ہے۔قتادہ نے خالد کے لشکر کو چھوڑا اور فوراً مدینہ آکر ابو بکر سے شکایت کی،ابو بکر نے قتادہ سے کہا آپ لشکر کو چھوڑ کر کیوں واپس آئے ہیں،فوراً واپس جائیں کیوں کہ اس طرح لشکر اسلام میں ضعف کا خطرہ ہے۔

اس کے بعد مالک کا بھائی قیم بن نویرہ شکایت لے کر مدینہ آیا تو اس وقت حضرت عمر ابو بکر پر برس پڑے اور کہا خالد سے اس کا قصاص لیا جائے لیکن ابو بکر راضی نہ ہوئے،خالد نے واپس آکر اپنی غلطی کا اقرار کیا تو ابو بکر نے نویرہ کی دیت ادا کی،اس کے بعد وہ لوگ دوبارہ اسلام میں داخل ہوئے اور زکوٰۃ دینے پر راضی ہوئے۔بعض کا کہنا ہے کہ یہ آپ کی سیاسی حکمت عملی تھی کہ امال یا قائدین لشکر سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس وقت ان سے باز پرس نہ کی جائے کیوں کہ اس سے باقی لشکر کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے،یوں باقی لشکر بھی قائد پر طعن و تشنیع شروع کر دے گا اور فتنہ بڑھنے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔جولۃ تاریخیہ صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں خالد کے پاس اسیر لائے گئے ان کو رات کے وقت باندھا گیا تھا۔چراغ گل تھا۔رات بڑی ٹھنڈی تھی،خالد نے کہا ان کے لئے آگ جلاؤ اور گرم کرو۔محافظین نے سمجھا خالد نے انھیں قتل کا حکم دیا ہے۔جب خالد نے باہر نکل کر دیکھا تو یہ لوگ انھیں قتل کر کے فارغ ہو چکے تھے تو خالد نے کہا اللہ کا فیصلہ تکمیل پر پہنچتا ہے۔اگر یہ روایت درست ہے تو اس وقت لشکر،نویرہ اور خالد سب سے غلطی ہوئی لہٰذا یہ لوگ قصاص کے مستحق نہیں ٹھہرتے،کیونکہ قصاص وہاں ہوتا ہے جہاں سوچ سمجھ کر قتل کیا جائے نہ کہ غلطی سے۔

تیسری روایت میں کہتے ہیں خالد نے نویرہ کو بلا کر پوچھا تم نے زکوٰۃ نہیں دی،زکوٰۃ اسلام میں نماز کی طرح واجب ہے تو اس نے کہا یہ تمہارے صاحب کا حکم ہے میرے کا نہیں تو خالد نے پوچھا کیا وہ تمہارا صاحب نہیں ہے،اس نے کہا نہیں،اس پر اختلاف بڑھ گیا اور خالد نے اسے قتل کر دیا۔

بعض مورخین کہتے ہیں یہ روایت ناقص اور نا تمام ہے۔بعض لکھتے ہیں خالد بن ولید پہلے سے ہی مالک بن نویرہ کی بیوی پر نظر رکھتا تھا۔اس لئے اسے قتل کر کے اس کی بیوی سے عقد کیا۔کچھ کہتے ہیں خالد نے اسکے رویے کو دیکھ کر نویرہ کو قتل کیا،باقیوں کو اسیر کر کے مدینہ بھیجا تا کہ خلیفہ خود فیصلہ کریں کہ ان کا کیا کرنا ہے۔

۲۔حضرت زہراء سے ناروا سلوک:

خلیفہ اول ابو بکر کے اقدامات پر سب سے زیادہ نقد و اعتراض یہ ہے کہ آپ نے حضرت زہراء کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا۔

سورہ مبارکہ احزاب کی آیت کریمہ ۵۹ بتاتی کہ پیغمبرؐ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں،نہج البلاغہ شریف الرضی میں مروی خطاب امیر المومنین سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی چار بیٹیاں تھیں،ان میں سے دو بیٹیاں عثمان کے عقد میں تھیں اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہتے تھے۔اس کے علاوہ تاریخ وسیر کی کتابوں سے بھی ملتا ہے کہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں۔غالیوں اور باطنیوں کو آپ کی زیادہ بیٹیاں ہونے میں تشویش نہیں ہے بلکہ حضرت عثمان کے عقد میں دینے سے ہے،اس کو مسترد کرنے کیلئے انہوں نے باقی بیٹیوں کے وجود کا ہی سرے سے انکار کیا ہے اور اسکی فلسفہ تراشیاں بھی کی ہیں۔حالانکہ کتب انساب عرب میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان رشتہ ازدواج کی لمبی فہرست دی گئی ہے جس کا نمونہ ہم نے دور رضالہ میں بیان کیا ہے لیکن چاروں بیٹیوں میں سے آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز فاطمہ زہرا تھیں جو آپ سے ایک خاص تعلق اور محبت ولگاؤ رکھتی تھیں صدر اسلام میں احکام شریعت اپنے تمام تر مفہوم و معانی میں نافذ ہونے کی وجہ سے خواتین کا نام تاریخ اسلام میں کم آتا ہے اہل بیت نبیؐ میں آپ کے بعد آپؐ سے انتساب زوجات میں سب سے زیادہ عائشہ آتی ہیں اور بیٹیوں میں زہراء مرضیہ کا اسم گرامی آتا ہے،حضرت عائشہ کا زیادہ نام آنے کی وجہ ان سے کثیر احادیث کی نقل ہے،ان کا زیادہ نام استعمال کرنے میں اہل حدیث کا دخل ہو سکتا ہے جبکہ حضرت زہراء مرضیہ کا زیادہ نام آنے کی وجہ ان پر منصوب مصائب ہیں جس میں غالیوں کا دخل سب زیادہ سے نمایاں ہے۔حضرت زہراء مرضیہ کے حوالے سے تاریخ میں مندرجہ ذیل نکات ملتے ہیں۔

ا۔آپ اپنے پدر بزرگوار کی مفارقت اور جدائی کے حزن و مصیبت میں روتی روتی کمزوری و نقاہت کا شکار ہوئیں لکھتے ہیں کہ آپ پر ڈھائے جانے والے مظالم میں علی سے غصب خلافت اور آپ سے غصب فدک گردانا جاتا ہے جس کے نتیجے میں آپ کم عرصے میں اپنے پدر بزرگوار سے ملاقات کے لیے رخصت ہوئیں جس طرح

آپ کے والد گرامیؐ نے آپ کو بشارت دی تھی کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میری ملاقات آپ سے ہوگی۔ اتنی نوعمری میں دنیا سے رخصت ہونے کو بنیاد بنا کر نہ جانے کتنی کہانیاں بنائی گئی ہیں۔ کہتے ہیں عمر ابن خطاب کی تجویز پر خلیفہ منتخب نے عمر بن خطاب کی سرگردگی میں ایک گروہ کو بیت علی کی طرف روانہ کیا جہاں ابن خطاب نے انتہائی اہانت و جسارت آمیز قول و فعل کا مظاہرہ کیا، دروازے کو جلایا اور لاتیں ماریں۔

کہتے ہیں ابوبکر نے عمر ابن خطاب کے کہنے پر بیت نبوت اور مسکن عزیزان محمد پر جسورانہ حملہ کرنے کا حکم دیا نمی دانم اس حوالے سے باطلیوں نے اور کتنے اور کیا کیا مظالم گڑھے ہیں۔ فقیہ و حکیم اصفہانی کے مطابق دروازے کی میخ زہرا کے سینے پر لگی نیز عمر کی لات سے زہرا گر گئیں جس سے زہرا مرضیہ کی پسلی ٹوٹی اور آپکا حمل سقط ہو گیا۔ ان منقولات کے مصادر سلیم بن قیس ہلالی اور کتاب امامت و سیاست ابن قتیبہ ہیں جبکہ یہ دونوں کتابیں مردود عند اہل تحقیق ہیں۔ اسی طرح کتاب احتجاج طبرسی جو مجموعہ مرسلات ہے اور ابو الفرج اصفہانی آغانی فروش (گانے بیچنے والا) کی مقاتل الطالبین ہے۔ ایسی کتابوں کو بنیاد بنا کر اسلام و مسلمین کی حیثیت و عزت کو داؤ پر لگانے کی عقل و شریعت اجازت نہیں دیتی ہے۔

۲۔ کہتے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں حضرت علی کو کنارے پر رکھنے، شریک نہ کرنے یا خلافت سے محروم کرنے کی وجہ سے آپ اپنے گھر میں غم زدہ رہتی تھیں۔ اس طرح کا تذکرہ کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ تاریخ پر تحقیق کرنے والے علماء کے لیے ضروری ہے کہ اس نقل پر اپنی محققانہ توجہ مرکوز کریں۔

۳۔ قطع نظر اس بارے میں واردروایات و منقولات کا تجزیہ و تحلیل کرنے سے اندازہ یا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ قصہ ناراضگی سے لے کر دروازہ جلانا، حضرت زہرہ کے گھر پر ہجوم کرنا پہلو شکستہ ہونا اور سقط محسن تک کی بات سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت شیخین سے ناراض گئی ہیں حضرت زہرہ کی ناراضگی کی سزا و عقاب اس حد تک کہ یہ لوگ، فاسق و فاجر، ظالم، غاصب، ملعون ولعن اللہ کے مستحق ہونے کی منطق قرآن و سنت کے علاوہ سیرت اہل بیت سے بھی متصادم نظر آتی ہے کیونکہ زہرہ کی ناراضگی کی وجہ سے کوئی بندہ مردود الٰہی ہونے کی کوئی سند نہیں ملتی ہے۔ کیونکہ دنیا سے ہر مومن کسی نہ کسی کی ناراضگی لے کر دنیا سے جاتا ہے۔ کیا ان سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوتا ہے؟

۴۔ بنی ہاشم اپنی غیرت عربی کے ساتھ ساتھ غیرتِ اسلامی کے بھی حامل تھے انھوں نے جو سلوک و مدارات بشمول حضرات حسنین خلفاء سے رکھا ہے وہ موجودہ قہر و غضب سے متصادم نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے یہ قصہ بھی قمیض عثمان اور نائلہ کی انگلیوں جیسا ہے جس کو بنیاد بنا کر امیر معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو متزلزل کیا، اسی طرح ان لوگوں نے حضرت فاطمہ کی ناراضگی کو بنیاد بنا کر دین اسلام و کنارے پر لگایا ہے بتا دیں اسلام کے بغیر حضرت زہرہ پر رونے کی یا منطق ہے۔ حضرت فاطمہ اسلام کے حوالے سے عزیز ہیں، اسلام کے بغیر کون عزیز رہتا ہے۔

۵۔ حضرت زہراء کی انصار و مہاجرین سے ناراضگی سے متعلق باتیں بعض تاریخی کتابوں میں ملتی ہیں، دونوں فریق (شیعہ و سنی) انہی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پھر انہی کتب سے نقل کرتے ہیں بدقسمتی سے کلی طور پر تاریخی واقعات پر تحقیق کرنے کی بدعت گزاری کسی نے نہیں کی ہے، چلو ایک بدعت کم ہوگئی ہے خاص کر عزاداروں کی طرف سے تحقیق کرنے پر سخت سزائیں معین ہیں جس طرح اہل حدیث کی طرف سے تحقیق حدیث پر سزائیں ہیں، لیکن جہاں تک خلیفہ دوم کا ابوبکر کے حکم پر حضرت زہراء کے دروازے پر آنے اور وہاں جسارت آمیز حرکت کرنے سے متعلق واقعے کا بعض کتب میں ذکر ہونے کی بات ہے تو اس بارے میں کون نہیں جانتا کہ یہ ذکر جن کتب میں آیا ہے، وہ کتب اور ان کے مولفین دونوں شکوک و شبہات کی لپیٹ در لپیٹ میں ملفوف نظر آتے ہیں؟ یہ کتابیں یہودیوں نصیریوں صلیبیوں اور مجوسیوں کی خلفاء اول و دوم سے فتوحات شام و فارس کی انتقامی کاروائی اور ثقافتی یلغار ہیں اس کے ثبوت میں چند نکات ملاحظہ کریں:

اس سلسلے میں ہم پہلے مرحلے میں اس کے مصادر دیکھیں گے۔ اس سلسلے میں جو قدیم ترین مصادر ہمارے پاس ہیں جن سے اس واقعہ کے بارے میں اسناد کرتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

۱) کتاب سلیم بن قیس ہلالی۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی اس کے مؤلف سلیم اور اس کے ناقل ابان بن عیاش دونوں علماء رجال کے لیے ابھی تک موضوع شک و تردد ہیں یہ دونوں کیسے تھے اکثر و بیشتر علماءِ علم رجال ان پر اعتبار و اعتماد نہیں کرتے بلکہ انہیں مشکوک گردانتے ہیں ان میں سرفہرست صاحب موسوعہ کبیرہ رجال الحدیث مرحوم آیت اللہ خوئی ہیں۔

۲) احتجاج طبرسی ہے۔احتجاج طبرسی کے بارے میں کتب شناس علماء امثال صاحب ریاض علماء نے تشکیک ظاہر کی ہے۔

کتاب شناس بزرگ شیعہ آغا بزرگ تہرانی اپنی گراں قدر کتاب ''الذریعہ ج ۱ ص ۲۸۰'' میں لکھتے ہیں۔

کتاب ''احتجاج'' تین شخصیات سے منسوب ہے:

۱)۔ابو منصور احمد بن علی ابن ابی طالب طبرسی۔

۲)۔ابی علی طبرسی صاحب کتاب تفسیر مجمع البیان۔

۳)۔شیخ ابی الفضل طبرسی۔

لیکن سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب احتجاج کا متن مرسلات پر مبنی ہے انہوں نے کسی چیز کی سند نہیں دی ہے اس وجہ سے علماء کو اس کے مندرجات پر شک ہے اس لئے اس کو کسی واقعے کے اثبات کی سند میں پیش نہیں کر سکتے۔

خلافت کے بارے میں اہل سقیفہ اور حضرت علی کے درمیان میں اختلاف کو کوئی چھپا نہیں سکتا اور مسئلہ فدک جو حضرت زہرا اور حضرت ابو بکر کے بارے میں موجب اختلاف بنا ہے جس کی بنیاد پر کہتے ہیں حضرت زہراء نے مسجد میں جا کر مہاجرین وانصار کے اجتماع سے خطاب کیا ہے۔یہ خطبہ جسے عبد اللہ محض متولد سنہ ۷۰ھ متوفی ۱۴۵ھ نے بطور مرسل از بعض بنی ہاشم کا ذکر کیا ہے۔علاوہ ازایں عبد اللہ محض اپنے بیٹوں کی امامت کے لئے بے چینی و بے قراری میں حواس باختہ رہے ہیں، چنانچہ اس سے استناد نہیں کیا جاتا ہے۔

۳۔الامامہ وسیاسہ منسوب بہ ابن قتیبہ دینوری ہے۔

اس کتاب کا نام ''الامامہ وسیاسہ'' ہے اور یہ ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ سے منسوب ہے جبکہ یہ کتاب حال ہی میں ایران میں کتب فروش شریف رضی سے نشر ہوئی ہے، کتاب کے عرضِ ناشر میں لکھا گیا ہے اس نام کی کوئی کتاب ابن قتیبہ کی کتابوں کی فہرست میں نہیں ہے چنانچہ صاحب ''کشف الظنون'' نے ان کی تصنیف کردہ کتابوں کا ذکر کرتے وقت بھی مذکورہ کتاب کا ذکر تک نہیں کیا ہے لہٰذا یہ کتاب بھی ان گمنام کتابوں میں شمار ہوتی ہے جنہیں نامعلوم لوگوں سے لکھوا کر معروف شخصیات کی طرف نسبت دی جاتی ہیں جیسے مسند امام صادق، عیون الاخبار الرضا، فقہ رضا اور مصباح الشریعہ، اسی طرح اور سینکڑوں کتب کا نام لیا جاتا ہے۔

لہٰذا ایسی مجہول المولف اور موجب فتنہ وفساد کتابوں میں درج روایت کو بنیاد بنا کر اتنی ہنگامہ آرائی کرنا اس مذہب کی سکی کی دلیل مبتی ہے جبکہ غصے، دشنام، گالی گلوچ، سینہ کوبی، سر پیٹنے، پابرہنہ پیدل مارچ یا جلوس سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی عمارت دلیل و براہین حجت قاطعہ پر قائم ہوتی ہے۔

کتاب الامامت والساست کے بارے میں تاریخ العربی والمورخون میں صاحب کتاب لکھتے ہیں یہ کتاب کثیر الطبع کتاب ہے اس میں نبی کریمؐ کی وفات کے بعد سے عہد مامون تک کی تاریخ خلافت اور حالات کا بیان ہے لیکن علماء اور مؤرخین اس کتاب کو ابن قتیبہ سے منسوب ہونے میں تشکیک کرتے ہیں سب سے پہلے اس کتاب کے بارے میں تشکیک کرنے والے شخص غاعغوس الجریطی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب کی تمہید میں اس کے بارے میں تشکیک کا اظہار کیا ہے جو اندلس کے بارے میں ۱۲۸۹ ہجری میں لکھی گئی ہے انہوں نے یہ کتاب ابن قتیبہ کی ہونے میں شک کیا ہے اس کے بعد دوزی اور دیگران نے بھی تشکیک کی ہے۔علماء ومحققین نے اس کتاب کے ابن قتیبہ کے ہونے پر شکوک کی یہ وجوہات پیش کی ہیں۔

کہتے ہیں اس کتاب کے متن میں بہت اشکالات ہیں۔

۱۔ابن قتیبہ کی تصنیفات وتالیفات کی فہرست پیش کرنے والوں میں سے کسی نے بھی اس کتاب کو ان کی کتب میں درج نہیں کیا۔

۲۔اس کتاب میں آیا ہے کہ ہم نے اس کتاب کے مندرجات ومعلومات کو ان سے لیا ہے جو فتح اندلس میں شریک تھے اور فتح اندلس سنہ ۹۲ میں ہوئی ہے جبکہ ابن قتیبہ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔

۳۔کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لکھنے والے تاریخ سے جاہل تھے ممکن نہیں کہ ابن قتیبہ جیسے شخص سے یہ بات رہ جائے کہ ابا العباس صفاح اور منصور کا ذکر نہ کریں۔اس میں اور ہارون رشید کو مہدی کا جانشین بتایا گیا ہے بعد میں کہتے ہیں اس کے بیٹے عبد اللہ نے ہارون رشید کو زہر دیا مھدی کا اس نام سے کوئی بیٹا نہیں تھا۔

۴۔کتاب میں فتح اندلس کی بہت سی خبریں ہیں جو ابن قتیبہ کو پتہ نہیں۔

۵۔ابن قتیبہ کے شیوخ اسانید جن کا وہ زیادہ ذکر کرتے ہیں ان کا اس کتاب میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

۶۔پتہ چلتا ہے کہ لکھنے والے مالکی مذہب سے تعلق رکھتے تھے جبکہ ابن قتیبہ حنفی تھے۔

۷۔کتاب کے درمیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لکھنے والے دمشق کے رہنے والے تھے جبکہ ابن قتیبہ نے دمشق کو دیکھا ہی نہیں ہے۔

۸۔کتاب میں ایک روایت ابن ابی یعلی محمد ابن عبدالرحمٰن انصاری جو کہ متوفی ۱۴۶ھ ہیں ان سے نقل کی گئی ہے جو کہ ابن قتیبہ کے پیدا ہونے سے ۶۵ سال پہلے مرے ہیں۔

۹۔کتاب میں ایسے شہروں کا ذکر ہے جو ہارون رشید کے دور میں فتح نہیں ہوئے تھے مثلاً مراکش کو یوسف بن تاشفین کے دور میں ۴۵۴ھ میں سلطان مرابطین نے فتح کیا ہے۔

۱۰۔اس کتاب کا انداز بالکل مختلف ہے۔اس کی عبارات ابن قتیبہ کی عبارات سے نہیں ملتی ہیں۔

مستشرق میگلسوس نے اظہار کیا ہے کہ اس کتاب کا مؤلف شاید تیسری صدی کا شخص ہے جو ہارون الرشید کے بعد آیا ہے جن دنوں میں امامت موضوع بحث تھی۔اس کا عہد چوتھی صدی کے بعد ہے۔ممکن ہے یہ کتاب کئی مؤلفین کی اجتماعی تالیف ہو کیونکہ اس کتاب میں وہ ربط ناپید ہے جو ایک مؤلف کی کتاب میں ہوتا ہے۔اس میں قصص،عوامی کہانیاں اور خرافات ہیں جنہیں ایک تاریخی وثائق کے طور پر قبول کرنا مشکل ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی بتائے گئے ہیں کہ جو اس زمانے کے بہت بعد میں رونما ہوئے ہیں ہم اس سے اندازہ کرتے ہیں کہ اس کتاب میں معارف علمی ہیں نہ دینی۔

متن روایت: متن روایت میں چند چیزیں آتی ہیں۔

۱۔حضرت زہراء کا مہاجرین وانصار سے خطاب والا خطبہ آتا ہے۔

۲۔نزاع زہراء اور ابوبکر میں فدک آتا ہے۔

۳۔حضرت زہراء کا حضرت علی کی خلافت کی حمایت کا ذکر آتا ہے۔

ان کتابوں میں ماجرائے سقیفہ، سقط جنین کے علاوہ غصب فدک کا ذکر کرتے ہیں نیز اس سلسلہ میں حضرت زہرا کا مسجد نبوی میں انصار و مہاجرین سے خطاب یعنی خطبہ فدک پیش کرتے ہیں۔

خطبہ حضرت زہراء:

یہ خطبہ جسے عبداللہ محض متولد سنہ ۷۰ھ متوفی ۱۴۵ھ نے بطور مرسل از بعض بنی ہاشم کا ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں عبداللہ محض طلب ہوس اقتدار میں مستغرق انسان تھے وہ بیک وقت اپنے دونوں بیٹوں کی امامت کے خواہاں تھے اور اس کے لیے بے چین رہتے تھے۔

۱) یہ خطبہ اپنے متن کے حوالے سے بھی مشکوک لگتا ہے کتاب میں، دعویٰ اور دلیل میں تعارض وتضاد پایا جاتا ہے۔

۲) ایک طرف کہتے ہیں کہ زہراء نے دعویٰ کیا ہے کہ باغ فدک انہیں رسول اللہ ﷺ سے تحفے میں ملا ہے۔

جبکہ دوسری طرف خطبے میں حضرت زہراء فدک کو مال موروث قرار دیتی ہیں کیونکہ رسولؐ کے لیے آپ کے علاوہ کوئی اولاد نہ رہی تھی اس لحاظ سے اگر فدک زہراء کا ارث بنتا ہے تو اس ارث سے تو ازواج نبیؐ کو بھی آٹھواں حصہ ملنا چاہیے جس کے بارے میں نہ زہراء نے ذکر کیا ہے نہ ازواج نے اس پر کوئی دعویٰ کیا اور نہ ازدوج نبیؐ نے آپ کی تائید کی ہے۔نام گرامی حضرت زہراء کو قمیض حضرت عثمان اور نا راضگی نائلہ کے طور پر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے خطابی وقداحی یہ نہ کہیں کہ اب ثابت ہو گیا ہے کہ فلاں شخص زہراء مرضیہ کے خلاف خلفاء کے وکیل بنے ہوئے ہیں۔ان کی سوچ کے برعکس بات یہ ہے کہ ہم حضرت زہراء کی طرف سے وکیل بن کر خطابیوں اور قداحیوں سے لڑ رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اس دعویٰ سے شان زہراء کو گرایا ہے۔

۳) خطبے میں حضرت زہراء فدک کو اپنی معاش کا واحد ذریعہ سمجھتی ہیں اور اس کے جانے سے اپنے بچوں کی زندگی کو مفلوج دکھاتی ہیں جبکہ حضرت علی نے

اس تصور کو مسترد فرمایا کیونکہ ایسا نہیں کہ فدک نہ ملتے تو آپ کے بچوں کی زندگی مفلوج قرار پائے گی، گویا زہراء کا اللہ پر عدم اعتماد اور دنیا پر زیادہ بھروسہ ہے جبکہ علی اس فکر کے مخالف نظر آتے ہیں۔

۴)اس خطبے میں حضرت زہراء کی طرف سے حضرت علی کو شدید نقد و تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جیسا کہ ان جملات میں ملاحظہ کریں: یا ابن ابی طالب اشتملت الجنین شملہ وقعدت حجر الضنین یعنی آپ طفیل جنین کے لباس پہنے ہوئے ہیں اور گھر کے کونے میں تہمت زدہ جیسے بیٹھے ہوئے ہیں اس جملے میں علی پر نعوذ باللہ بزدلی کا الزام لگایا گیا ہے۔لہٰذا اگر یہ خطبہ حضرت زہراء سے منسوب کریں گے تو یہ زہراء کے حق میں جسارت و اہانت ہوگی۔

زہراء کا خلیفہ اول سے فدک کا مطالبہ:

۱)یہ بات زہراء کے مقام و منزلت سے بھی منافات رکھتی ہے۔جو شخصیت اپنی موت کی گھڑیاں گنتی اس طرح وقت گزار رہی ہو کہ دنیا کی ہر چیز اسے فانی نظر آتی ہو، زہراء جو پیغمبر کی بشارت کے مطابق جلدی ملحق ہونیکی منتظر تھیں وہ فدک کے بارے میں اتنی بیتاب کیسے ہوسکتی ہیں یہ انکی شان کے منافی ہے۔

۲)صاحب کتاب اثناعشر تالیف ہاشم معروف جلد اول میں فدک کے بارے میں حضرت زہراء اور حضرت ابوبکر میں مصالحت کا ذکر آیا ہے۔

۳)فدک جو اپنے تاریخی مراحل میں کبھی بھی حضرت زہراء کی اولاد کی ملکیت میں نہیں آیا بلکہ کل بنی ہاشم کے حصے میں تھا بالہذا بعید ہے زہراء اس کے بارے میں بے چینی دکھائیں۔

ان کتابوں میں سے ایک کتاب شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ہے اس کتاب کا مولف ابن ابی الحدید ہے۔سنی العقیدہ ہونے کے باوجود انکی کتاب مطاعن خلفاء سے پر ہے۔یہ اس لئے نہیں ہے کہ آپ کی تحقیقات نے آپ کو یہاں تک پہنچایا ہے۔بلکہ آپ کی گزر اوقات آپکو یہاں تک لاتی ہے، جہاں آپ نے اس وقت کے خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے وزیر کو خوش اور راضی کرنے کیلئے یہ سب کچھ بیان کیا ہے' جو بعد میں ہلاکو کی حکومت کے بھی وزیر رہے ہیں۔چنانچہ آپ نے تنہا طعن خلفاء پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اللہ کی الوہیت کو بھی گرا کر اس پر حضرت علی کو بٹھایا ہے چنانچہ علویات سبع میں اسے ملاحظہ کرسکتے ہیں جسطرح یہ کام اس وقت کے علماء خلفاء اور وزیروں کیلئے کیا جاتا تھا آج وہی کام اسماعیلیوں اور قادیانیوں کیلئے کرتے ہیں۔آج تنہا طعن خلفاء پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ سب کرنے کو بھی جزء دین سمجھتے ہیں۔چنانچہ اس بارے میں غلاظت گویاں اور سنی سے شیعہ ہونے والوں کی تحقیق یہاں تک پہنچی ہے کہ خلفاء ثلاثہ اپنے وقت کے فرعون و ہامان تھے۔حقیقت میں یہ ان خلفاء سے دشمنی نہیں بلکہ نبی کریمؐ سے دشمنی ہے کہ آپ نے اپنے سائے میں فرعون و ہامان و نمرود کی پرورش کی تھی اور جونہی آپ وصال رب ہوئے تو وہ اپنے پوشیدہ چہرے کو سامنے لے آئے۔

قاضی عادل و منصف کے لیے صحیح عدالت کرنے سے روکنے کے اسباب و عوامل رشوت ستانی، دوست احباب، چاہنے والوں کی مداخلت، سفارشات، طاقتور اور قدرتمندوں کی طرف سے دھمکی، عام لوگوں کی طرف سے تہمت اور ملامت کہ غیروں کا ساتھ دے کر اپنوں کے خلاف فیصلہ سنانا وغیرہ کی رکاوٹیں ہوتی ہیں، اسے ان ملامتوں سے بے پرواہ اور بے لاگ ہو کر حق و انصاف پر مبنی فیصلہ عدالت تاریخ میں درج کرانا ہوگا۔اس سلسلے میں اگر کوئی غیر شیعہ عدالت کرے تو کہیں گے ان سے اس کے علاوہ اور کیا توقعات تھیں اگر اپنوں نے لکھا تو کہتے ہیں دوسروں کے لیے کام کیا ہے، کم قیمت میں بک گئے ہیں، لیکن حکم قرآن کریم ہے عدالت کرتے وقت دشمن کو عدالت دینے سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بننی چاہیے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔" (مائدہ ۸)۔حدیث شریف میں آیا ہے حق بولو گر چہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔اس آیت کریمہ اور حدیث کی روشنی میں ہمیں اس واقعے کے بارے میں نظر ناقد سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ لوگ اس کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کے خلاف شور شرابہ کرتے ہیں اور ان سے بھی انتقام لیتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں اس دور میں ان کا پہلا عقیقہ مرحوم فضل اللہ بنے ہیں یہاں تک کہ وحید خراسانی تبریزی اور ان کے مقلدین نے ان کے خلاف پابرہنہ مارچ کو اس کی سند میں پیش کیا ہے۔دوسرا شخص یہ محصور ناظم آباد

راقم سطور ہے جسے عرصہ بارہ سال سے گھر میں محصور کیا گیا ہے دوست بن کر تھیلیوں بھرے میوہ جات اور لفافوں میں رقومات لانے والوں میں سے جیسے شبیر کوثری، حسنین عابدی اور فدا حسین غرض سب دوست احباب کسی نے بھی کسی بھی وقت یہ اظہار نہیں کیا کہ آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، ہم اس سلسلے میں پریشان ہیں اس مسئلے کے حل کی کوشش کریں گے، نہیں کہا، اب میری کتابوں کو دیمک کھا رہی ہے، آگے معلوم نہیں کیا ہوگا' اپنے آبائی گاؤں جہاں قرآن وسنت نبیؐ اور تاریخ اسلام سے ناواقف وانجان مسجد ضرار کے امام جمعہ نے بھی ہماری کتابوں پر پابندی لگائی ہے۔دوسری بات یہ کہ اس بارے میں بات کرنے اور تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ لوگ مشرکین کی منطق استعمال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ انہیں علم عباس نے سزا دی ہے اور بی بی کی بددعا لگی ہے﴿إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑگئی ہے۔''ہود نے کہا''میں اللہ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔اور تم گواہ رہو کہ یہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو تم نے خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے اس سے میں بیزار ہوں''(ہود ۵۴)
ان کا کہنا ہے کہ اس بارے میں ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے اور کسی کی بات نہیں سنتے ہیں۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اندر سے چور ہیں، اس لئے ڈرتے ہیں۔

حضرت زہراء:

کہتے ہیں کہ حضرت زہراء حضرات ابو بکر، عمر بن خطاب اور مہاجرین وانصار سے ناراضگی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئی ہیں اس بارے میں اگر کوئی قطعی ثبوت نہ ہو تو ظن غالب ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلے میں کتب میں کچھ مواد موجود ہے اس کو ایک حقیقت مسلمہ یا قریب بمسلمہ تسلیم کرنے کے بعد اہل فکر و دانش اور عاقل انسانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اس خبر سے متعلق مربوط مسائل کو بھی زیر بحث کلامی اور تحریر میں لایا جائے۔

۱۔زہراء کیوں ناراضگی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔

اگر زہراء اس حد تک ناراض ہوگئی تھیں تو دیگر مہاجرین وانصار اور خواتین نے اس سلسلے میں کیا کوئی کردار ادا نہیں کیا تھا زہراء کی ناراضگی کی چند وجوہات بن سکتی ہے۔

۱۔رسول اکرمؐ کے دفن سے پہلے جانشینی کیلئے سقیفہ میں کیوں گئے۔

۲۔ابو بکر کو علی کی جگہ کیوں انتخاب کیا۔

۳۔فدک جو رسول اللہﷺ نے آپ کو دیا تھا، اس کو واپس قومی ملکیت میں کیوں لیا۔

۴۔ان تینوں میں سے ایک وجہ ہے یا یہ تینوں ہیں۔

۲۔زہراء کو ناراض کرنے والوں کیلئے قرآن اور سنت میں کیا سزا اور تعزیرات بیان ہوئی ہیں، بیان کریں۔

۱۔کیا وہ مستحق ملامت وسرزنش ہیں انہوں نے یہ ناانصافی کی ہے جو کہ نہیں کرنی چاہیے تھی۔

۲۔کیا زہراء کو ناراض کرنے والے ظالم وکافر اور فرعون ونمرود جیسے ہیں۔

۳۔کیا انہیں آخرت میں سزا بھگتنا ہوگی۔

۴۔کیا ان کے ماننے والوں پر رہتی دنیا تک لعن وشتم جائز ہے۔

۵۔کیا ان پر ہونے والے ناروا سلوک اور ناانصافیوں کو بنیاد بنا کر یا ان کے نام سے جھوٹ و اکاذیب افسانوں اور کہانیوں کے کارخانے لگانے چاہئیں اور جب ان اکاذیب کو بیان کرنے کیلئے ایک دن ناکافی ہو تو وفات کی تاریخ کو قیل وقال بنا کر پھر اس کو سہ روزہ، خمسہ اور عشرہ میں منانا چاہیے، اس کے لئے دسترخوان عیش ونوش اور مرغن غذائیں تیار کرنی چاہئیں کیا مظلوم ومظلومہ کیلئے خراج عقیدت، اظہار یکجہتی اور ادائے اجر رسالت کا جو طریقہ انہوں نے اپنایا ہے وہ قرآن وسنت یا اولاد طاہرہ زہرا کی سنت سے ثابت ہے یا دنیا کے عقلاء، دادرسان اور احتجاج گراں کی طرف سے اس کا کوئی نمونہ ملتا ہے یا یہ بھی قمیض عثمان کی طرح حصول مقاصد شوم کیلئے کارآمد ہے اگر زہراء کو ناراض کرنے والوں کے لئے کوئی سزا بنتی ہے تو وہ رسول اللہﷺ کو ناراض کرنے والوں کی سزا سے کم ہونی چاہیے کیونکہ زہراء کا مقام جتنا بھی بلند و بالا ہو، وہ رسول اللہﷺ کے برابر نہیں ہو سکتیں، بتائیں رسول اللہﷺ کو ناراض کرنے والوں کو سب ولعن وشتم کرنا جزء ایمان تو کیا زمانہ رسول اللہﷺ سے

لیکر الی یومنا ھذا آیا یہ لوگ معاشرے میں ابوجہل او رابولہب و دیگر مشرکین یا منافقین مثلاً عبد اللہ ابی کو لعن وسب کرتے ہیں یہ لعن اور سب وشتم اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے جو قصے کہانیاں ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور یہ سب جھوٹ پر مبنی ہیں اور جھوٹ کو سہارا دینے کیلئے جھوٹ ہی سے سہارا دیا جاتا ہے لہٰذا یہ مقولہ معروف ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کیلئے بہت سے جھوٹ بولنا پڑتے ہیں قارئین کرام ان لوگوں کا زھراء سے حضرت علی سے حسنین سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے اگر ہوتا تو یہ علی و حسنین کے نقش قدم پر چلتے یہ لوگ دراصل وہی مجرم، بزدل اور بے غیرت لوگ ہیں جو اپنے مقاصد کی خاطر عورتوں کو آگے لانے والے ہیں یا ان کی سرپرستی میں چلتے ہیں یا ان کے سرمائے سے چلتے ہیں اگر آپ حضرت علی وزھراءاور حضرات حسنین جیسی ہستیوں کی سیرت اطہر کو سامنے رکھتے تو خلفاء کے ساتھ وہی سلوک کریں جو ان ذوات نے کیا ہے کیا یہ دکھ اور افسوس کی بات نہیں کہ یہ لوگ دوست درری کا دعویٰ رکھنے والوں کو ناگوار وغضبناک نظر اور چہرہ سیاہ سے دیکھتے ہیں۔ان کا پورا مذہب رونا پیٹنا اور لعن طعن ہے،ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔

بنی ہاشم اپنی غیرت عربی کے ساتھ ساتھ غیرتِ اسلامی کے بھی حامل تھے انھوں نے جو سلوک ومدارات بشمول حضرات حسنین خلفاء سے رکھا ہے وہ موجودہ قہر وغضب سے متصادم نظر آتا ہے معلوم ہوتا ہے یہ قصہ بھی قمیض عثمان اور نائلہ کی انگلیوں جیسا ہے جس کو بنیاد بنا کر امیر معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کو متزلزل کیا،اسی طرح ان لوگوں نے حضرت فاطمہ کی ناراضگی کو بنیاد بنا کر دین اسلام و کنارے پر لگایا ہے بتادیں اسلام کے بغیر حضرت زہرہ پر رونے کی یا منطق ہے۔حضرت فاطمہ اسلام کے حوالے سے عزیز ہیں،اسلام کے بغیر کون عزیز رہتا ہے۔

وصیت ابوبکر:- [تاریخ اسلام ج۳ص ۱۰۰]

حضرت عائشہ کہتی ہیں جب حضرت ابوبکر مریض ہوئے اورانہوں نے وفات پائی تو اس سے پہلے آپ نے فرمایا جس دن سے ہم نے مسلمانوں کی زمام داری واقتدار سنبھالا ہے ان کے مال سے زائد ایک دینار کھایا ہے نہ ایک درھم۔ہم نے معمولی کھانے پر اکتفا کیا ہے۔ان کے مال سے لباس نہیں پہنا دیکھو میں جب سے امیر بنا ہوں اس دن سے میرے مال میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا ہے۔پھر پوچھا آج کون سا دن ہے کہا آج سوموار ہے تو کہا یہ وہ دن ہے جس میں رسول اللہ ﷺ دنیا سے گزرے ہیں۔پوچھنے لگے پیغمبرؐ کو کتنے لباس میں کفن دیا گیا تھا تو کہا تین کپڑے سفید جو یمنی تھے ان میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ۔ابوبکر نے کہا جب میں مرجاؤں تو جو کپڑے میں نے پہنے ہیں انھیں دھولیں اورانہی دو چادروں میں مجھے کفن دیں،کہا اللہ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے،ہم آپ کو نیا کفن دیں گے تو کہا زندہ زیادہ نئے لباس کے محتاج مند ہیں جبکہ میت نے مٹی میں جا کر بوسیدہ ہونا ہے۔میں نے عمر کے کہنے پر بیت المال سے چھ ہزار درھم لیے تھے اس کے بدل میں میرا وہ باغ ہے۔میں نے بیت المال سے مدت خلافت میں جو کچھ لیا ہے وہ میرا ماہانہ راتب تھا جو ایک مزدور کو ملنا چاہیے۔

وصیت ابوبکر کے نکات:

حضرت ابوبکر نے اپنی موت سے پہلے اپنے بعد کے لئے بعض اکابرین وعمائدین اصحاب کے صلاح ومشورے کے بعد عمر بن خطاب کو نامزد کیا ہے۔خلیفہ اول کا یہ عمل انتصاب اور دنیائے جمہوریت کے پرچمداروں کو بہت ناگوار گزرا۔گرچہ ابھی تک یہ واضح نہیں ہوا کہ قرآن وسنت انتصاب کے حق میں ہیں یا جمہوریت کے حامی ہیں۔گرچہ جمہوریت کے ذریعے بدترین استبداد و آمریت اور استحصال کرنے والوں کا کہنا ہے کہ بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے بہتر ہے البتہ یہ مقولہ کسی آیت یا روایت سے استناد نہیں۔محسوس ہوتا ہے کہ یہ جمہوریت کے نام سے اقتدار چلانے والوں کا اختراع کردہ ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم انتصاب والے ہیں اور جمہوریت کے مخالف ہیں۔

۱۔حضرت ابوبکر نے وصیت کی کہ جتنا مال بیت المال سے بچا ہوا تھا وہ بعد کے خلیفہ کو دے دیں۔

۲۔میرا فلاں باغ بیت المال مسلمین میں دیں اس عوض میں کہ جو میں نے بیت المال سے استعمال کیا ہے۔

۳۔اپنی زمینوں کا پانچواں حصہ صدقہ دیا اور باقی چار حصے اولادوں میں تقسیم کرنے کا کہا جن میں عبد الرحمٰن محمد،اسماء اور عائشہ شامل ہیں۔انہیں اسماء بنت عمیس نے غسل دیا۔

انہیں انہی کی پہنی ہوئی چادروں کو دھو کر کفن دیا گیا اورانہیں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفنایا گیا۔ابوبکر نے وفات پانے سے پہلے اپنی چادر اتار کر اپنے

ایک غلام نوبی کو دی جو انکی خدمت کرتا تھا۔ جب عمر نے ان اموال کو اپنے قبضے میں لیا تو ان کے آنسو جاری ہوئے، کہا اللہ ابوبکر پر رحم کرے انہوں نے اپنے آپ کو بہت تھکایا ہے۔غلام کو حکم دیا اس ترکہ کو اٹھاؤ۔عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا سبحان اللہ۔ ابوبکر کے عیال کو ایک حبشی آ کر اٹھا رہا ہے، ایک غلام اور ایک اونٹ تھا اور ایک چادر تھی جس کی رقم پانچ درھم بھی نہیں بنتی تھی۔ابوبکر پندرہ دن تک بیمار رہنے کے بعد ۲۲ جمادی الآخر سنہ ۱۳ھ کو لقاءاللہ سے پیوست ہوئے اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس نے انکی وصیت کے تحت انھیں غسل دیا اور پیغمبرؐ کے جوار میں دفن کیا۔عمر ابن خطاب نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور قبر میں اتارا۔ قبر میں عمر،عثمان، طلحہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اترے۔جس دن ابوبکر نے وفات پائی اس دن حضرت علی نے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا اللہ رحم کرے ابوبکر پر پہلے فرد تھے جنہوں نے اسلام کو قبول کیا اور جو اپنے ایمان میں مخلص اور یقین محکم رکھتے تھے۔وہ سب سے بے نیاز تھے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی پاسداری کی، اسلام میں کمر خمیدہ ہوئے اپنے اہل وعیال کے لیے مہربان تھے خلق میں رسول اللہ ﷺ کے شبیہ تھے۔جب لوگوں نے رسول اللہ کو جھٹلایا تو آپ نے تصدیق کی جب لوگوں نے رسول اللہ کے حق میں بخل کیا تو آپ نے ان کے ساتھ مواسات کیا جب لوگ پیغمبر کی نصرت سے ہٹے تو آپ کھڑے ہوگئے، اس لئے محمدؐ نے آپ کو صدیق کہا ہے، اسلام کے لیے آپ ایک قلعہ تھے کافرین کے لیے ایک عذاب دردناک تھے دلیل وحجت میں کم نہیں تھے۔آپکی بصیرت میں کمی نہیں تھی بزدلی نہیں تھی مثل پہاڑ جمے رہتے۔بدن میں ضعیف تھے اطاعت خدا میں قوی تھے خدا کی درگاہ میں متواضع تھے روئے زمین میں مومنین کے نزدیک بزرگ محترم تھے۔لوگ آپ کے بارے میں کوئی عیب جوئی نہیں کر سکتے تھے، نہ لوگوں کے پاس آپ کے لیے کہنے کی کوئی بات تھی۔قوی آپ کے پاس ضعیف تھے جب تک حق نہ لے لیں ضعیف آپ کے پاس قوی تھے جب تک ان کا حق نہ دیا جائے اللہ آپ کو اجر دے اور خدا ہمیں سیدھے راستے پر گامزن رکھے۔

زوجات واولاد ابی بکر:

کتاب موسوعہ مبشرون کے مطابق آپ کی چار بیویاں تھیں۔

۱۔قتیلہ بنت عبدالعزیٰ۔اس سے عبداللہ پیدا ہوئے جو فتح مکہ،غزوہ حنین اور طائف میں شریک ہوئے ابوبکر کے دورخلافت میں وفات پائی اور بیٹی اسماء، ذات نطاقین سے عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔

۲۔ام رومان بنت عامر کنانیہ:ان سے عبدالرحمٰن اور عائشہ پیدا ہوئے۔

۳۔اسما بنت عمیس بیوہ جعفر طیار ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

۴۔ام حبیبہ بنت خارجہ بن زید ان سے ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

خلیفہ دوم کا انتخاب:

۱۔منصوصیت کے نام سے چیخنے چلانے والے، تاریخ اسلام کے نام سے نابلد وناخواندہ، لکھنا پڑھنا نہ جاننے والے واویلا کرتے ہیں کہ ابوبکر کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنی طرف سے عمر کو نامزد کریں حالانکہ انہوں نے اہل حل وعقد سے مشورہ کیا تھا۔

۲۔حضرت ابوبکر نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے بعد کے خلیفہ کے بارے میں بعض اصحاب سے مشورہ لیا کہ میں کس کو اپنا جانشین چھوڑوں کتاب عمر بن خطاب وشخصیہ تالیف صلابی ص ۷۷ پر آیا ہے کہ ہر ایک نے یہ اختیار خود ان کو دیا سب نے عمر کے بارے میں اظہار رضایت کیا سوائے طلحہ بن عبیداللہ کے، انہوں نے کہا آپ سے قیامت کے دن سوال ہوگا وہ تندوتیز اور سخت مزاج انسان ہے۔عمر بن خطاب کی سخت اور تند مزاجی ایک مشہور ومتسالم علیہ ہونے کیلئے یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ جب آپ خلیفہ بننے کے بعد ام کلثوم بنت ابی بکر کی خواستگاری کی تو ام کلثوم نے عائشہ سے ان کی تند مزاجی کی شکایت کی چنانچہ عائشہ کی مداخلت سے منگنی ٹوٹ گئی۔

۳۔حضرت ابوبکر جمادی الآخر ۱۳ھ کو مریض ہوئے، آپ کے مرض میں شدت آئی، آپکو خوف لاحق ہوا کہ آپ کی موت آپ کے سرہانے ہے۔آپ نے لوگوں کو اپنے پاس جمع کیا، ان سے خطاب کیا اور کہا آپ لوگ مجھے دیکھ رہے ہو کہ میری حالت کیسی ہے میں اپنی موت کو نزدیک دیکھ رہا ہوں۔میں آپکی امانت آپ کو واپس کرتا ہوں، آپ جسے چاہیں اپنا امیر بنائیں۔بہتر ہے میری حیات میں بنائیں۔

۴۔سنہ ۱۳ ہجری وفات سے قبل عمر بن خطاب کو خلافت وامامت کیلئے منتخب کیا، کیا عمر بن خطاب اہلیت وصلاحیت خلافت رکھتے تھے؟ عمر اور ان کا خاندان اس وقت

مکہ میں زعامت وریاست کے کسی شعبہ پر فائز نہیں تھا۔۳۵ سال کی عمر میں اسلام لائے ،اس تناظر میں وہ ریاست وزعامت امت سے عاری انسان تھے اسلام لانے کے بعد بھی انہوں نے بہت سے مواقع پر مخالفت اور تشدد کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ ابو بکر کو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا پڑی ۔چندین بار ابو بکر نے ان کا گریبان پکڑ کر کہا تھا کہ تمہاری ماں تم پر روئے تم کیا کہتے ہو،خود ابو بکر کے دور حکومت میں حضرت عمر نے ان کے ساتھ کئی معاملات پر مزاحمت کی لیکن ابو بکر دنیا سے رخصت ہوتے وقت انہی کو نامزد کر کے گئے ۔

۵۔اس فکر تک رسائی کے لئے ہمیں عمر بن خطاب کا اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد اور اقتدار مسلمین سنبھالنے سے ضربت تک کے دور کے تمام نشیب و فراز اور سلوک کو جمع کرنا ہوگا اسلام لانے سے پہلے تند و تلخ لہجہ استعمال کرتے تھے دمیری نے خود عمر سے نقل کیا ہے لوگ ان کے تشدد اور ڈانٹ سے ڈرتے اور خوفزدہ تھے۔

۶۔ہم یہاں حضرت ابو بکر کے عمر کو خلیفہ نامزد کرنے کے عوامل و اسباب کو تلاش کریں گے اور دیکھیں گے وہ کون سے عوامل و اسباب تھے جن کی بنیاد پر آپ نے حضرت عمر کو دیگر مہاجرین پر ترجیح دیتے ہوئے انھیں نامزد کیا کیونکہ ناقدین حضرات اس بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہیں کہ ابو بکر کا یہ عمل ابھی تحلیل طلب ہے ابو بکر نے ایسا کیوں کیا،کون سے امتیازات وترجیحات یا مصالح عامہ آپ کے پیش نظر تھے۔حضرت عمر کی دعوت اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آرہی تھی جو دیگر اصحاب برجستہ میں نہیں پائی جاتی ہو۔حضرت عمر کا اگر آغاز دعوت کے دور کو دیکھا جائے تو وہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور یہ بات ان کے اسلام قبول کرنے کے قصے میں بیان ہوئی ہے۔انکا خاندان بھی کوئی ایسی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔

۷۔سبقت اسلام کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان سے پہلے سبقت کرنے والے موجود تھے میدان جہاد میں بھی ان سے شجاع افراد موجود تھے۔

۸۔انفاق وایثار مالی میں عثمان ان سے پیش پیش تھے۔لہٰذا بہت سے اذہان میں چندین شکوک وشبہات وسوالات نے جنم لیا ہے۔

۹۔آیا یہ ابو بکر اور عمر کی دوستی کا نتیجہ تو نہیں تھا۔یہ خدشہ چند جہات سے بعید از احتمال ہے کیونکہ دونوں کے تاریخی صفحات میں چاہے مکی زندگی ہو یا ہجرت کے بعد مدنی زندگی،دونوں میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے اُن دونوں میں مکہ میں کوئی دوستانہ تعلقات ہوں،تاریخ میں اس بارے میں کوئی نقل نہیں ملتی ہے۔یہاں تک کہ جو بہت سے برجستہ اصحاب ابو بکر کے کہنے پر یا ان پر اعتماد کر کے ایمان لائے ان میں حضرت عمر نہیں ہیں۔دونوں نے ساتھ ہجرت بھی نہیں کی۔اسی طرح مدینہ کی زندگی میں ابو بکر اور عمر میں شدید اختلاف تھا چنانچہ صلح حدیبیہ،وفات رسول اللہ ﷺ، تجہیز اور جیش اسامہ کی روانگی کے وقت ابو بکر نے عمر کو سخت کلمات میں ڈانٹ دیا لہٰذا اسے صلہ دوستی کہنا بغیر دلیل و منطق ہوگا یہ ایک قسم کی بغیر کسی ثبوت واثبات کے الزام وتہمت تراشی کہلائے گی۔

۱۰۔مذکورہ بالا صفات میں ان سے سبقت لینے والے اس وقت کے برجستہ اصحاب میں سے علی سمیت کتنے اصحاب نے اس انتخاب پر تنقید کی ہے یہ تاریخ میں ملنا چاہیے اگر کسی نے اس بارے میں زبان نہیں کھولی تو ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہاں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔یہ بعد کی باطنیہ کی تخلیق ہے۔

۱۱۔دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ عمر بن خطاب نے خلافت سنبھالنے سے لے کر دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے تک ان بارہ سالوں کے دورانیہ میں کہاں کہاں نا اہلی دکھائی ہے۔ ان تین مراحل کو طے کرنے کے بعد ہی کچھ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔اپنے بعد خلافت کے سلسلہ میں ابو بکر نے عمائدین سے مشورہ کیا کہ خلافت کو کس کے سپرد کیا جائے اس سلسلہ میں سب نے نیا خلیفہ نامزد کرنے کا اختیار خود ابو بکر کو دیا صرف طلحہ بن عبید اللہ نے تند مزاجی عمر کی بنیاد پر ان کے بارے میں تحفظات پیش کئے ہیں۔

۱۳۔وہ پیغمبر اسلامؐ پر ایمان لانے میں سبقت کرنے والے گروہوں میں شامل ہیں۔سبقت بہ ایمان لانے والوں کے فضائل کو قرآن نے خود بیان فرمایا ہے۔

۱۴۔وہ مہاجرین اولین میں سے تھے۔پہلے ہجرت کرنے والوں کے صاحب فضیلت ہونے کے بارے میں آیت قرآن گواہ ہے جس سے انکار زور گوئی اور قرآن سے دوری ہوگی۔

۱۵۔تمام غزوات میں پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ رہے اور کسی بھی جنگ میں غائب نہیں ہوئے۔

۱۶۔دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد وہ کیسے رہے اور کیا کیا اقدامات کئے۔ان کے اقدامات میں سے کتنے اعمال قرآن وسنت اور عقل کی روح سے

مستحسن ہیں اور کتنے مکروہ۔ آپ نے کوئی نا قابل جبران کردار انجام دیا ہے تو اسے سامنے لانا ہوگا تا کہ واضح ہو جائے کہ عمر اور انھیں انتخاب کرنے والے بڑے عزائم کے حامل تھے۔

۱۷۔ حضرت ابو بکر کی وفات اور دفن کے بعد حضرت عمر اسی صبح خلیفہ مسلمین بنے۔ آپ کے آغاز خلافت سے وفات تک آپ کا سیاسی ڈھانچہ، اسلام کی سر بلندی اور اس کی توسیع کی خاطر آپ نے کن اصولوں کی پاسداری وحفاظت کی آپ کے دور میں اقتصادیات، اجتماعیات، سیاست وثقافت اور قضاوت کا طریقہ کار کیسا تھا، کو دیکھنا ہوگا۔

خلیفہ دوم عمر بن خطاب:[معجم الاوائل ص ۲۲]

نبی کریمؐ کے بعد زعامت وریاست مسلمین سنبھالنے والے دوسرے حاکم راشد عمر بن خطاب ہیں۔ آپ غلات نصیریوں کے علاوہ مجوسیوں‘ یہودیوں صلیبیوں کیلئے مبغوض ومنفور ہیں‘ تاریخ بشریت میں گزرنے والے بادشاہوں اور حکمرانوں میں سوائے انبیاء کے حتیٰ خلفاء میں سے آپ کی زندگی بحیثیت سربراہ اعلیٰ انوکھی حیرت انگیز اور چندین استفہامات استفسارات سیاستمداران تبصرہ نگاران بنی ہوئی ہے۔ آپکی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس سربراہ میں ماضی کی شدت پسندی کی جگہ تحمل و برداشت، رعایا سے شفقت ورحم دلی، غریب پروری اور اقتدار میں بلا رقیب وحریف اور بلا حزب مخالف ہوتے ہوئے مصداق اشدا علی الکفار رحماء فی بینھم ،صلاح ومشورے کی پابندی، تواضع وانکساری کے ساتھ، حکمرانی میں طاقتوروں کے ساتھ سختی اور ضعفاء کے ساتھ نرمی و دور اندیشی کیسے آئی، اپنی زندگی میں یہ انقلاب لانے والے حکمران عمر بن خطاب ہیں۔

ہم ان کو نبی اسلامؐ کی دعوت اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے نیز رسول اکرمؐ کے حکم پر خانہ وآشیانہ واعزاء واقرباء کو پس پشت چھوڑ کر دیار غیر مانوس‘ مستقبل غیر یقینی کی طرف ہجرت کرنے والے سمجھتے ہیں، خطاولغزش اشتباہات میں اسلام سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد انھیں خطاء کار سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ضمانت اللہ کی طرف سے صرف رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھی۔ ہم حب نفس حب اقرباء میں انبیاء کے علاوہ کسی کو مصون ومحفوظ نہیں گردانتے ہیں چنانچہ خلیفہ سوم حضرت عثمان اس گرداب تلاطم میں ڈوب گئے اور مسلمانوں کیلئے بہت سے فتنے ورثے میں چھوڑ گئے۔ ہم ان کے مسند اقتدار سنبھالنے کے دن سے ضربت کھانے تک کے دن کی زندگی کو قرآن وسنت کے سانچے سے گزارنے کے خواہش مند ہیں اگر وہ اس سانچے سے صحیح گزرے تو ان کو ہم امیر المومنین علی بن ابی طالب کی ضربت کھانے اور امام حسن کے خلافت سے تنازل کرنے کے بعد الی یومنا ھذا اقتدار اسلامی پر آنے والے اموی‘ عباسی‘ آل بویہ‘ سلاجقہ‘ فاطمی‘ صفوی‘ تیموری نیز عصر حاضر کے سینکڑوں حکمرانوں سے کئی درجے بہتر و برتر سمجھنے میں حق بجانب ہونے میں کسی قسم کی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

آیئے دیکھیں ان کی حیات کیسے گزری، اس کا آغاز کہاں ہوا اور کب انھوں نے اسلام قبول کیا اور وہ دوران عصر رسالت کیسے رہے اور جب وہ کرسی اقتدار پر بیٹھے تو اس دن سے ضربت کھانے تک انھوں نے کیا کردار چھوڑا ہے اور ان کے مبغضین کی نقدات اور مخالفین کی تنقید کس حد تک صفحات تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے اور قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ سے ہم آہنگ ہیں۔

حضرت عمر کا تعارف:

آپ کا نام عمر بن خطاب بن عبد العزیٰ بن کعب بن عدی قریشی ہے عمر بن خطاب عام الفیل کے ۱۳ سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ آپ سات پشت کے بعد پیغمبر اکرم سے مرۃ بن کعب بن لوی میں ملتے ہیں، اسلام لانے سے پہلے پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے یہاں تک کہ حضرت محمدؐ کو قتل کرنے کے درپے رہتے تھے نئے ایمان لانے والوں کے ساتھ برا سلوک رکھتے تھے اور انہیں اذیت وآزار وتکالیف پہنچاتے تھے۔ بعض مؤرخین کے مطابق آپ کسی پر رحم نہیں کرتے تھے اور ابوجہل کے ساتھ ہر مسلمان کو ستاتے تھے، آپ نے ۲۳ سال کی عمر میں بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا اور اس طرح ۴۵ مرد اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام لانے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح پہلے ہجرت کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ عمر ابن خطاب، خاندان قریش کے دس قبیلوں میں سے ایک چھوٹے قبیلے عدی سے تعلق رکھتے تھے انہیں وہ مقام اور وہ عزت حاصل نہیں تھی جو بنی ہاشم اور بنی امیہ اور بنی مخزوم کو حاصل تھی گرچہ حضرت عمر کی ماں مخزومی تھیں لیکن آپ کے باپ خطاب کسی قسم کے مقام ومنزلت کے حامل نہیں تھے آپ ایمان لانے سے پہلے ایک قسی القلب اور بے رحم انسان تھے جیسا کہ خود کہتے ہیں وہ

انہیں اونٹ چرانے بھیجتے اور اگر کوتاہی ہوتی تو بے دردی سے مارتے تھے۔عمر جاہلیت میں قسی القلب تھے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے، رقت نامی کوئی چیز ان میں نہیں تھی، اسلام لانے کے بعد بھی کچھ ایسی صورت حال باقی رہی چنانچہ بہت سے مواقع ایسے آئے جہاں آپ نے سختی دکھائی ہے۔

اگر حضرت عمر ایمان لائے بغیر مرجاتے تو دنیا و آخرت دونوں کی خیرات سے محروم و گمنام شخص ہی رہتے۔بعض کہتے ہیں آپ لڑائی جھگڑوں میں قریش کے سفیر یعنی نمائندگی کرتے تھے، یہ بات قرین صحت نظر نہیں آتی کیونکہ قریش قبائل عرب کے نزدیک محترم تھے وہ زیادہ لڑائی جھگڑا نہیں کرتے تھے دوسرا نمائندگی کرنے کی کوئی معتبر سند نظر نہیں آتی کیوں کہ سفارت کار بننے کیلئے نرم مزاج، کم گو اور خاموش طبع ہونا ضروری ہے جبکہ عمر اس کے بالکل خلاف تھے۔[تاریخ اسلامی محمود شاکر ج ۳ ص ۱۱۸] عمر کہتے ہیں میں دور جاہلیت میں صاحب خمر تھا شراب کو پسند کرتا تھا اور پیتا تھا۔عمر ابن عبد بن عمران مخزومی کے ہاں جہاں قریش جمع ہوتے تھے وہاں مجلس ہوتی تھی۔ایک رات ہم اپنی محفل کی جگہ کی طرف نکلے تو وہاں کسی کو نہیں پایا، پھر میں نے کہا ہم کیونکر اس شراب فروش کے پاس نہ جائیں اور اگر کوئی شراب ہے تو پئیں لیکن جب وہ نہیں ملا تو میں مسجد میں آیا طواف کیا تو دیکھا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔آپ کی جائے نماز رکن اسود اور یمنی کے درمیان تھی۔میں وہاں پیغمبرؐ کی آواز کعبہ کے استر کے پیچھے چھپ کر سنتا تھا۔

کتاب خلفاء راشدون ص ۱۰۶ پر آیا ہے حضرت عمر بچپن میں اپنے باپ اور اپنے ماموں کے گلہ کو سفند چراتے تھے چنانچہ خود عمر کہتے ہیں میں گلے کو سفند چراتا اور تند و تیز جھگڑالو تھا لوگوں کو مارتا تھا۔عمر جب بڑے ہوئے تو تجارت کا کام بھی شروع کیا چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دفعہ شام گئے تو کسی نے انھیں اسیر کر کے اپنا خدمتگار بنالیا تو حضرت عمر نے اس کو قتل کیا اور شام سے فرار ہوگئے۔عمر صاحب مال و ثروت نہیں تھے بلکہ مالی بحران کا شکار رہتے تھے۔

حضرت عمر کا اسلام لانا:

بہ روایت خود" میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے بغض و عناد اور نفرت و عدوات رکھتا تھا" ایک دن عالمین کی ہدایت کے لئے سرزمین مکہ کے افق سے طلوع ہونے والے نور کو بجھانے کیلئے نکلے تا کہ اپنے زعم میں قبائل و عشائر قریش میں جوان مردی کا تمغہ حاصل کریں اس غرض و غایت کے حصول کے لئے بے قراری میں نکلا، خاندان کے کسی فرد نے مجھ سے پوچھا تم کہاں جانے کا سوچ رہے ہو، جس جرم و خیانت کا ارتکاب کرنے تم جا رہے ہو، کیا اس کے بعد بنی ہاشم تمہیں زندہ چھوڑیں گے، ایسا سوچنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکو عمر نے کہا کیا مطلب ہے؟ جواب دیا اسلام تمہارے گھرانے میں داخل ہوگیا ہے کہا کہاں، جواب دیا تمہاری بہن اپنی قوم سے منحرف ہوگئی ہے۔عمر غصہ میں واپس اپنی بہن کے گھر آئے، دستک دی، پوچھا کون ہے کہا عمر، بہن یہ آواز سن کر چپ ہوگئی، دروازہ کھلتے ہی عمر نے کہا، تم اپنے خاندان کی باغی ہو تم منحرف ہوگئی ہو یہ کہہ کر بہن کے سر پر مارا۔جس سے سر پر زخم آیا خون جاری ہوا، بہن نے اپنے بھائی کی اس شقاوت و قساوت کو دیکھنے کے بعد اطمنان قلبی سے عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ نے جو کچھ کرنا ہے کرلیں۔اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں وہ یہ کہہ کر رونے لگی۔

عمر نے گھر کے کونے پر پڑھے مکتوب کو دیکھا، کہا یہ کیا ہے، مجھے دو، بہن نے کہا تم مشرک ہو، یہ تمہارے ہاتھ میں دینا جائز نہیں ہے، عمر نے آخر میں ان صفحات کو لیا اور پڑھا، اس کے الفاظ سراسر ان کے وجود پر سایہ فگن ہوگئے، وہ خاموش ہوگئے، حیرانی و سرگردانی ان پر چھا گئی وہاں سے وہ حضرت محمدؐ کی تلاش میں نکلے، دار ارقم پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، انہی دنوں حضرت حمزہ نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا تھا۔عمر اندرون خانہ داخل ہوئے، تو حمزہ ان کی نگرانی کرتے رہے۔نبی کریمؐ نے عمر سے پوچھا کیا بات ہے تو عمر نے کہا میں اسلام لاتا ہوں۔

ان کی سابقہ خصوصیات و نفسیات میں کوئی چیز موجب ترجیح ہو، نظر نہیں آتی لیکن کوئی ایسے شواہد و قرائن بھی نظر نہیں آئے کہ نعوذ باللہ ابو بکر نے اس مسئلہ میں خیانت کاری، غفلت یا سستی و تساہل و کاہلی برتی ہو لیکن یہ بات مثل روز روشن واضح و عیاں ہے کہ ان کا دور حکومت ایک مثالی دور تھا جس کو آپ نے اپنے کردار سے پیش کیا ہے۔

قدیم زمانے سے عصر حاضر تک جذباتی انسانوں کو مخلص اور عقیدت سے لبریز انسانوں کا تمغہ دیا جاتا ہے لیکن افسوس کہ بعض لوگ حضرت عمر کے جذبات و احساسات کو منافقت گردانتے ہیں۔آخر وہ کہاں کہاں ان کے کردار کو نفاق و کفر سے جوڑیں گے۔علماء کا فرمان ہے نفاق نے مدینہ میں جنم لیا، جہاں اسلام طاقتور بن کے سامنے آیا تو مخالفین نے لباس نفاق پہننا شروع کیا، اس کے برعکس مکہ میں مخلصین کی جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی، وہ چھپ چھپ کے گھروں میں دروازے بند کر

کے مراسم عبادت ادا کرتے اور اسلام شناسی کے دروس لیتے۔ جس وقت عمر نے اسلام قبول کیا وہ مار کھانے کا دور تھا، یہ بعثت کا چھٹا سال تھا، ابھی نبی کریمؐ اور اصحاب سب چھپ چھپ کے ملتے تھے، ایسے وقت نبی کریمؐ حضرت عمر کے لباس کو کھینچ کر فرماتے ہیں یا بن خطاب اسلام قبول کرو تو کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، عمر نبی سے پوچھتے ہیں کیا موت حق ہے یا نہیں کیا یہ دین حق ہے یا نہیں، ہاں حق ہے تو کہا کیوں ہم چھپ چھپ کر رہتے ہیں، باہر نکلیں چنانچہ اپنے خالو ابو جہل کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا میں آپ کے دین سے نکل کر نئے دین اسلام میں داخل ہو گیا ہوں، ابو جہل دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔ کسی نے حضرت عمر سے پوچھا تم چاہتے ہو تمہارا اسلام لانا اعلانیہ ہو جائے تو کہا ہاں تو کہا فلاں کے گھر جا کر کہو میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ وہاں انھیں مارا پیٹا گیا یہاں تک کہ عاص بن وائل نے انہیں اپنے تحفظ میں لیا۔

جب اسلام یثرب میں پھیل گیا اور مکہ میں قریش کی طرف سے مسلمانوں کی اذیت و آزار میں اضافہ ہوا تو پیغمبرؐ نے انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، لوگ گروہ گروہ مکہ چھوڑ کر مدینہ جا رہے تھے، سب چھپ کر ہجرت کرتے تھے سوائے عمر کے، جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار اور تیر کمان اپنے ہاتھ میں لیا اور کعبہ کے سامنے آ کر قریش کے سامنے ایک قدرت مند کی حیثیت سے کعبے کا طواف کیا، پھر مقام پر آ کر نماز پڑھی، پھر ہر ایک قریشی کے سامنے گئے اور سب کو تحدی کیا۔ نبی کریمؐ نے ایک سریہ کے لئے عمر ابن خطاب کو تیس مجاہدین کی قیادت دے کر جنوب شرقی مکہ کی طرف روانہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیغمبرؐ نے جو زیادہ رعایتیں مشرکین کو دیں، اس پر عمر ناراض ہوئے اور ابو بکر کے پاس آئے اور کہا کیا یہ اللہ کے نبی برحق نہیں، کہا ہاں برحق نبی ہیں، کیا ہم حق پر اور یہ لوگ باطل پر نہیں۔ کیا ہمارے مقتول جنت اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں جائیں گے، کہا ہاں ایسا ہی ہے، تو پھر کیوں کر ہم نے ذلت کو برداشت کیا۔ ہم اللہ کے فیصلے پر کیوں نہیں پورا اترے تو ابو بکر نے کہا اے عمر ابن خطاب، یہ اللہ کے رسول ہیں، اللہ انھیں ضائع نہیں کرے گا۔ عمر رسول اللہؐ کے پاس گئے اور کچھ سوال کیے۔ پیغمبرؐ کے تمام جواب ایک جیسے تھے چنانچہ صلح حدیبیہ، فتح مکہ، قصہ طلاق ازواج وغیرہ ملاحظ کر سکتے ہیں۔ نبی کریمؐ کی وفات کے بعد جب ابو بکر خلیفہ بنے تو آج کی اصطلاح کے مطابق آپ کے تین وزیر تھے جن میں عثمان، کاتب زید بن ثابت اور خازن عمر وزیر رہے لیکن ابو بکر نے بہت سے مواقع پر عمر کے مشوروں کو انتہائی غصے میں ڈانٹ ڈپٹ کر کے مسترد کیا ہے چنانچہ آپ اسے اس کتاب کی متعدد جگہوں پر مشاہدہ کریں گے۔ لیکن جب وہ خلیفہ بنے تو رقیق القلب، شدید العاطفہ اور کثیر البکا ہو گئے، جب بھی قرآن کی تلاوت کرتے آیات خوف کی وعید سنتے تو بہت روتے۔ کبھی رسول اللہؐ کی حیات کو یاد کر کے روتے۔ عمر ہمیشہ خالد ابن ولید اور خالد ابن سعید بن عاص کو قیادت لشکری سے ہٹانے کا مشورہ دیتے رہے لیکن ابو بکر نے انھیں نہیں ہٹایا اور جوں ہی آپ خلیفہ بنے تو آپ نے ان دونوں کو ہٹا دیا۔

پہلا خطبہ: [کتاب جمہرۃ الخطب العرب ج ا ص ۲۱۱ خ ۷۵-۷۶-۷۷-۷۸-۷۹]

حضرت عمر خلیفہ منتخب ہونے کے بعد منبر پر گئے اور یہ دعا کی **اللھم انی شدید فلینی و انی ضعیف فقونی وانی بخیل فسخنی وبعد ان اللہ ابتدائکم لا یحضر شی** .... پھر کہا میں کچھ کلمات کے ذریعے آپ سے مخاطب ہوں، انہیں قبول کریں، عرب کی مثال اس سرکش اونٹ کی طرح ہے کہ جس میں اونٹ آگے ہوتا ہے اور لجام کو پیچھے سے پکڑتے ہیں اور جب یہاں کوئی اونٹ سرکشی کرے تو وہ لجام کو کھینچتے تھے۔ میری مثال بھی کچھ اسی طرح ہے، رب کعبہ کی قسم ہم عربوں کو راہ راست پر سوار کریں گے۔ اے اللہ اگر میں نے شدت اپنائی تو میرے اندر نرمی پیدا کر، اگر کہیں کمزوری دکھائی تو مجھے طاقت عطا فرما، اگر میں بخل کروں تو مجھے سخی بنا۔ اے لوگو! اللہ نے مجھے تم سے اور تمہیں مجھ سے آزمایا ہے۔ جو اس وقت ہمارے پاس ہے ہم اسی کے ساتھ معاملہ کریں گے۔ جو اہل طاقت ہیں لیکن امانت دار ہیں اور جو نیک سلوک کرتے ہیں ان سے نیک سلوک کریں گے، جو برا سلوک کریں گے، ان کی گرفت ہوگی۔ سنا ہے کچھ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اور میری تند مزاجی سے خوف کھاتے ہیں، کہتے ہیں عمر پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی سختی کرتے تھے اب تو وہ خود خلیفہ اور صاحب اقتدار بنے ہیں، میں اس وقت تمہارا خلیفہ ہوں، اپنی جان کی قسم جس نے بھی یہ بات کہی سچ کہی ہے۔ جب حضرت ابو بکر خلیفہ بنے تو میں ان کا خادم و معاون تھا، میں ان کی نرمی میں شدت شامل کرتا تھا، میں تلوار نیام سے نکال کے رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ میری تلوار کو نیام میں ڈالتے تھے، اب تو میں خود خلیفہ بنا ہوں، تمہارے امور اپنے ہاتھ میں لئے ہیں۔ سمجھ لیں کہ وہ شدت کم نہیں ہوئی بلکہ اپنے زور پر ہے لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ میری شدت ہمیشہ اہل ظلم و تعدی کے ساتھ ہے، اس دین میں سلامتی دکھانے والے اور سیدھے راستے پر چلنے والے کے ساتھ نہیں، ان کے ساتھ نرمی ہی ہوگی۔ میں کسی ظالم کو نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی ناک زمین پر رگڑوں گا اور ایک طرف میرا پاؤں ہوگا یہاں تک کہ وہ

حق کو تسلیم کرے۔

یہاں اہل اسلام اور اہل قرآن ومحمد کہلانے والوں کو اپنے سر گریبان میں ڈال کر شرم وحیا کرتے ہوئے سوچنا چاہیئے کہ آج آپ کے ارباب اقتدار اور ان کے جیالے اور ان کے راستے سے خارا کھاڑ کران کے لئے راستہ بنانے والے ظالمین ومجرمین وخائنین کو عفو ومعاف کرنے کی تلقین کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ سب نبی رحمۃ العالمین ﷺ کی شان میں جسارت واہانت کرنے والوں کے لئے رحمت وشفقت کی بات کرتے ہیں ان کے زعم وخیال ونظر میں کیفر کردار تک پہنچائے جانے کے حقدار صرف مظلوم وبے یار ومددگار اور غریب وبے سہارا وگمنام لوگ ہی رہ گئے ہیں آج انہی کی طرز قیادت وحکومت کی وجہ سے معاشرہ تیزی سے سوفسطا ازم کی طرف رواں دواں ہے یہ اپنی کسی بھی بات اور فیصلے میں قرآن وسنت کو معیار بناتے نظر نہیں آتے۔ ان کا ہر قدم وفیصلہ اسلامی واخلاقی اقدار اور قرآن وسنت کی مخالفت پر مبنی ہوتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اقتدار اعلیٰ واوسط کے ممبران ووزراء اس ملک کے بڑے بڑے مجرمین اور خائنین وظالمین پر ہی مشتمل ہوتے ہیں یہاں پہنچ کر انسان انتہائی تعجب وحیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہی لوگ اور ان کے جیالے اور حامیان اس حاکم اسلامی کی شان میں اہانت وجسارت کی زبان کھولتے ہیں کہ جو خلافت سنبھالنے کے ساتھ ہی اعلان کرتا ہے کہ تمہارے بیت المال میں جو کچھ بھی ہے میں اس کو اپنی ذات کے لئے خرچ نہیں کروں گا، جہاں بھی ہلاکت کا میدان ہو گا میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اگر میدان میں کوئی مارا جائے تو اس کے بچوں کی باپ کی طرح پرورش کروں گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے اور آپ کے لئے استغفار کروں گا۔

خطبہ خلافت عمر بن خطاب:[جولۃ تاریخیۃ تالیف: محمد السید الوکیل]

اکیس جمادی الآخر سن ۱۳ھ حضرت ابوبکر کی وفات اور تجہیز وتکفین کے دوسرے دن حضرت عمر خلیفہ مسلمین منتخب ہوئے حضرت ابوبکر نے انھیں اصحاب کے مشورے سے خلیفہ نامزد کیا تھا۔ حضرت عمر نماز ظہر کے بعد ممبر پر گئے، حمد وثناء رب جلیل اور نبی کریمؐ پر درود وصلواۃ بھیجنے کے بعد حضرت ابوبکر کی تعریف کی پھر کہا کہ میں تم جیسا ایک انسان ہوں حضرت ابوبکر کی خواہش یا ان کے حکم کو مسترد کرنا مجھے قبول نہیں تھا میں اسے مکروہ سمجھتا تھا ابوبکر کے حکم کو مسترد کرنا برا نہ ہوتا تو میں اسے مسترد کر دیتا پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا میں کچھ دعائیہ فقرات بول رہا ہوں آپ لوگ اس پر آمین کہیں: کہا اے اللہ میں ایک انتہا پسند اور شدت پسند انسان ہوں مجھے نرم دل بنا دے، اے اللہ میں ضعیف وناتواں اور کمزور ہوں، مجھے ہمت اور طاقت عنایت فرما، میں بخیل وکنجوس ہوں مجھے سخی بنا دے۔ پھر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا اللہ نے مجھے آپ کے ذریعے آزمائش وامتحان میں ڈالا ہے اور آپ کو میرے ذریعے امتحان میں ڈالا ہے اللہ نے خلیفہ اول کے بعد مجھے آپ میں زندہ رکھا، میرے علم میں نہیں کہ تمہارے اس منصب کے لیے کوئی مجھ سے بہتر ہو اور میری نظروں سے اوجھل ہو اگر ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی اور احسان کریں گے اور تم میں سے جو برا ہے میں اسے سزا دوں گا۔ نماز ظہر پڑھنے کے بعد حضرت عمر نے مسلمانوں سے کہا کہ جنگ ردہ سے جو اسیر لائے گئے تھے ان کو آزاد کرو کہیں آیا نہ ہو کہ اسیر لینا عربوں میں ایک سنت بن جائے یہ بات مسلمانوں پر بہت گراں گزری کیونکہ حضرت ابوبکر نے یہ اسیر انھیں دیئے تھے حضرت عمر نے اس کی کس طرح مخالفت کی وہ کیسے لوگوں سے اسیر طلب کر رہے ہیں بہر حال انھوں نے لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہونے والوں کو آزاد کرایا، گویا اس فعل کے ذریعے حضرت عمر نے یہ کہا ہو کہ وہ جہاں ضروری ہوا وہ حضرت ابوبکر کی سیرت پر نہیں چلیں گے اور لوگوں سے بھی اسی پر عمل کرائیں گے۔

خطبات عمر:

خلیفہ دوم نے حمد وثناء کے بعد کہا ایھا الناس! جس کسی کو آیات قرآن سے پوچھنا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس آجائیں، جس کسی کو فرائض وواجبات کے بارے میں پوچھنا ہے وہ زید بن ثابت کے پاس جائیں، جس کسی کو فقہ کے بارے میں سوال کرنا ہے وہ معاذ بن جبل سے کریں، جس کسی کو مال کے بارے میں پوچھنا ہے وہ میرے پاس آجائیں کیونکہ اللہ نے مجھے مال کا خازن وقاسم بنایا ہے میں تقسیم اموال میں ازواج رسولؐ سے شروع کروں گا، پہلے ان کو دوں گا پھر مہاجرین اوّلین کو دوں گا جو اپنے گھر اور مال اسلام کی خاطر چھوڑ کر آئے ہیں۔ انھیں ترجیح دوں گا جنہوں نے ہجرت میں سبقت کی ہے اور جس نے ہجرت میں دیر کی اس کو دینے اور عطا میں بھی دیر ہو جائے گی پھر انصار ہیں جنہوں نے اپنے دل وگھر کو اصحاب کیلئے پناہ گاہ بنایا ہے۔ میں تمہارے درمیان نبی کریمؐ کے بعد زندہ رہا، اللہ نے میرا تم سے امتحان لیا ہے اور تمہارا مجھ سے امتحان لیا ہے ابھی میرے پاس تمہارے امورات میں سے کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے جس کو میں اہل امانت دار کے پاس

چھوڑیں، اگر کسی نے نیکی کی تو میں بھی ان کیلئے نیکی کروں اور کسی نے برا کیا تو میں بھی انھیں کیفرِ کردار تک پہنچاؤں گا۔

[کتاب عمر بن خطاب تالیف محمد رضا رشید ص ۴۲]

حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں کہا یٰھا الناس میں تمہارے اوپر والی بنایا گیا ہوں مجھے یہ امید نہیں تھی، میں نہیں جانتا کہ میں تمہارے لیے بہتر ہوں، میں اپنے امور میں تم سے زیادہ قدر تمند ہوں، عمر بن خطاب کے حزن واندوہ کے لیے یہ کافی ہے کہ قیامت اور روزحساب کے ڈر سے تمہارے حق کو کہاں سے لوں اور کس طرح تم تک پہنچاؤں اور تمہارے درمیان کیسے چلوں، میرا مدد گار اللہ ہے، مجھے اللہ کے علاوہ کسی پر اعتماد وبھروسہ نہیں، یہاں کسی کا حیلہ اور چارہ جوئی فائدہ مند نہیں سوائے اس ذات کے، اگر اللہ کی مدد میرے شامل حال نہ رہے تو کسی کا حیلہ اور چارہ جوئی ثمر آور نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کا والی بنایا ہے، میں جانتا ہوں کہ میں آپ سے کتنا بہتر ہوں، دعا ہے کہ اللہ اس راہ میں میری مدد کرے اور مجھے اپنے حفظ وامان میں رکھے جس طرح مجھ سے پہلے والے کو رکھا، اللہ تعالی مجھے عدل کا الہام کرے کہ کس طرح ارزاق کو تمہارے درمیان تقسیم کروں، میں مسلمان ہوں اور ایک ضعیف بندہ ہوں، میں جس چیز پر والی بنا اس کی اور گزشتہ خلیفہ کی مخالفت نہیں کروں گا (انشاء اللہ) عظمت وبزرگی صرف اللہ کو حاصل ہے، بندوں میں سے کسی کو بزرگی حاصل نہیں، کوئی یہ نہ کہے کہ میں بڑا ہوں، یہ نہ کہو کہ عمر کے خلیفہ بننے کے بعد اس کے حالات بدل گئے ہیں، جب کوئی حاجت ہو یا کسی کے ساتھ کوئی ظلم وزیاتی ہو تو مجھے آگاہ کرو، میں عدل وانصاف کروں گا۔ میں تم جیسا ایک انسان ہوں، اللہ سے ڈرو، مخفی بھی اور لوگوں کے سامنے بھی، اپنی محرومیت اور آسانی میں بھی دوسروں کو اس کا حق دو، دوسروں کو اپنے اوپر سوار نہ کرو، دوسرے کے ساتھ زیادتی اور جھگڑے کے بعد میرے پاس نہ آنا میرے پاس کسی کے لیے نرم گوشہ نہیں، میں صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں، تمہاری مذمت اور ملامت کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

خطبہ۸۳:

حمد اس ذات کیلئے جس نے ہمیں اسلام سے عزت بخشی ہے، ایمان سے نوازا، اپنے نبی کی رحمت سے نوازا، ضلالت وگمراہی سے ہدایت دی، متفرق ومنتشر کو جمع کیا، دلوں میں الفت دی، دشمنوں پر غلبہ دیا، شہروں پر ہمیں قدرت دی، ایک دوسرے کے بارے میں محبت دی، ان نعمتوں پر اللہ کیلئے حمد کرتا ہوں اور مزید نعمتوں کی درخواست کرتا ہوں، اس نعمت کا شکر کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے وعدے کو سچا کیا، مخالفین پر فتح دی، عمل معاصی سے پرہیز کریں، کفران نعمت نہ کریں، جو بھی کفران نعمت کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو اللہ اس کی نعمت کو سلب کرتا اور ان کے دشمن کو ان پر مسلط کرتا ہے۔ اللہ نے اس امت کی دعوت کو عزت بخشی ہے، انھیں متحد کیا ہے انھیں کامیاب بنایا ہے فتح وشرافت دی، اللہ کی نعمت پر شکر وحمد کریں اور خود کو شاکرین میں قرار دیں۔

خطبہ۸۴:

ایک دن خطاب کرکے کہا جس ہستی نے محمدؐ کو مبعوث کیا اس ذات کی قسم! اگر کوئی اونٹ فرات میں گر کر مر گیا تو مجھے ڈر ہے اللہ اس کے بارے میں ابن خطاب سے پوچھے گا یعنی خود مجھ سے پوچھے گا۔

خطبہ۸۵:

یٰھا الناس! بتحقیق میرے لئے وہ روزگار آگیا ہے کہ میں سوچتا ہوں جس کسی نے قرآن کی تلاوت کی، وہ اللہ کیلئے کی ہے وہ اس سے جزاء کا طالب ہے بتحقیق مجھے محسوس ہوتا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کا اجر وثواب لوگوں سے طلب کرنے کی خواہش کرتے ہیں اور ان سے صلے کے طالب ہوتے ہیں، میں تمہیں کہتا ہوں قرات قرآن کا صلہ اللہ سے طلب کریں۔

میں تم سے نیک اعمال کو دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے وحی کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے، جس وقت پیغمبرؐ ہمارے درمیان تھے اب وحی اٹھ گئی ہے اور پیغمبرؐ بھی رخصت ہو چکے ہیں میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اپنے قول سے جس کسی نے ہمارے ساتھ نیکی کا مظاہرہ کیا میں اس کے بارے میں نیک تمنا کروں گا، اس کی مدح کروں گا، اگر کسی نے شرک کا مظاہرہ کیا تو میں اس سے شر کی امید کروں گا اور اس سے نفرت کروں گا، ان نفوس کو شہوات سے باز رکھیں، اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ نفوس تمہیں شر کی طرف لے جائیں گے، یہ حق ہے جو ثقیل اور کڑوا ہے باطل ضعیف ہے، اس کی عاقبت خطرناک ہے، گناہ کا چھوڑنا توبہ کرنے سے بہتر ہے، ہر وہ نظر جس میں شہوت ہو وہ حزنِ طویل لائے گی میں اپنے عمال اور والیوں کو تمہاری طرف بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں دین اور سنت پیغمبرؐ سکھائیں میں اس لئے نہیں بھیج رہا ہوں کہ

تمہیں تازیانے ماریں، اگر کسی نے تمہارے مال کی طرف آنکھ کھولی تو مجھے شکایت کریں ،میری جان کی قسم میں اس سے قصاص لوں گا عمر بن عاص اٹھے اور کہا یا امیر المومنین اگر کسی نے رعیت کو ادب سکھایا یا اسے مارا تو آپ اس سے قصاص لیں گے عمر نے کہا ہاں میں اس سے قصاص لوں گا، پیغمبرؐ اپنے نفس سے قصاص لیتے تھے اے اللہ میں تجھے اپنے شہروں میں قائم امراء پر گواہ رکھتا ہوں، میں انھیں دین اور پیغمبر کی سنّت سکھانے بھیج رہا ہوں تا کہ انھیں ان کی امانت تقسیم کروں، ان کے درمیان عدالت قائم کروں اگر تمہیں کہیں مشکل پیش آئے تو مجھے لکھیں، اللہ کی قسم میں نہیں بھیج رہا ہوں تمہیں مارنے کیلئے اور مال چھیننے کیلئے اگر کسی نے ایسا کیا تو مجھے خبر دیں۔

آداب وسلوک عمر اپنے رعایا کے ساتھ:

کتاب عشرہ مبشرین ج۶ ص ۹ پر آیا ہے امام حسن سے نقل ہے حضرت بیٹھے ہوئے تھے ان کی ہاتھ میں تازیانہ تھا۔لوگ ان کے گرد جمع تھے اس وقت کسی نے خبر دی ہے سعد ربیعہ آئے، یہ بات عمر اور اس حلقہ میں موجود اور دو چار نے سنی تو عمر نے اس کے سر پر تازیانہ اٹھایا تو اس نے کہا یا امیر المومنین آخر ایسا کیوں کس لئے مجھے مارتے ہو تو عمر نے کہا کیا تم نے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا میں نے تازیانہ اس لئے اٹھایا تا کہ تمہاری ذہنوں میں اس بات سے کوئی چیز نہ آئے سلیم بن حنظلہ سے نقل کرتے ہیں اس نے کہا ہم بیٹھے ہوئے تھے ابی بن کعب کچھ بات بتانے کے لئے آئے تھے وہ بات کر کے اٹھے تو ہم بھی ان کے احترام میں اٹھے اور چند قدم ان کے ساتھ چلے تو عمر نے تازیانہ اٹھا کے ان کو مارنا چاہا تو کہا کیوں مارنا چاہتے ہیں تو عمر نے کہا یہ متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔

سوچ عمر آج کل کے علماء، دانشوران وسیاست دان کیلئے لمحہ فکریہ:

آپ اپنے لیے خلیفۃ رسول اللہﷺ کہلانے کو درست نہیں سمجھتے تھے کیونکہ آپ ابوبکر کے بعد آنے کی وجہ سے خلیفہ ابوبکر تھے۔خلیفہ رسول اللہ نہیں تھے خلیفہ دوم اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ کہنے کو عربی ادب کے لحاظ سے درست نہیں سمجھتے تھے لیکن حیرت وافسوس کی بات ہے کہ آج کل کے علماء و دانشوران اسلامی نظام خلافت کا شعار بلند کرنے کے لیے جلاؤ گھیراؤ کرتے ہیں اس سے زیادہ تعجب ان سیکولر روشن خیال افراد اور کمیونزم وعلمانیزم کے داعیان کی سوچ پر ہونا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں، ان کو یہ خبر نہیں کہ خلیفہ اس کا بنتا ہے جو موت فوت معذوری یا مرض و بیماری میں غیاب کی وجہ سے اپنا فریضہ انجام دینے سے قاصر ہوجاتے ہیں وہ حضرت جو اپنی ملفوظات روزمرہ کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکتے، وہ کیسے ایسا نظام قائم کر سکتے ہیں جس کا کوئی مفہوم بھی نہ ہو۔

اگر آپ اپنے آپ کو خلیفہ ابوبکر و خلیفہ رسول اللہ کہتے تو گزشت زمان کے بعد خلیفہ کے نام کی ایک لمبی سطر نہیں کئی صفحات بن جاتے ،لہٰذا آپ اپنے لئے اس لفظ کا استعمال درست نہیں سمجھتے تھے اور اس کے متبادل کلمات کی تلاش میں تھے چنانچہ ایک دن مغیرہ بن شعبہ نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کیا تو آپ نے جسے پسند فرمایا، اس حوالے سے آپ سب سے پہلے خلیفہ ہیں جنھیں امیر المومنین کے نام سے پکارا گیا ہے ۔خلیفہ منتخب ہونے کے بعد آپ کا سب سے پہلے اقدام ''خالد بن ولید'' کو لشکر کی امیری سے معزول اور ان کی جگہ ''ابا عبیدہ جراح'' کو منتخب کرنا تھا ۔دوسرا اقدام جنگ فارس تھی جس میں پہلے ''ابا عبیدہ بن مسعود ثقفی'' کو عراق بھیجا اور ان کے بعد سعد بن وقاص کو انتخاب کیا۔آپ نے تقسیم بیت المال میں بیت نبیؐ سے تعلق رکھنے والے قریشی اور مہاجرین کو غیروں پر ترجیح دی۔تاریخ اسلام میں آپ کی تاریخ مثالی ہے۔آپ ہی کے دور خلافت میں لشکر اسلام نے عمر ابن عاص، ابی عبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، سعد ابن ابی وقاص کی قیادت میں اس وقت کی دو بڑی حکومتوں ساسانیہ' فارس اور رومیہ بزنطیہ کو فتح کیا اور وہاں پر پرچم اسلام بلند کیا۔آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں رات کے وقت لوگوں کے حالات دیکھنے کے لیے گشت کو رائج کیا اور اسلام کے خلاف سازشوں کا کھوج لگایا۔آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے مخالفین شریعت کے مرتکبین پر تازیانہ اٹھایا، رمضان کی راتوں میں قیام کرنے کی سنت قائم کی،آپ نے تاریخ ہجری کی بنیاد رکھی ،آپ نے سب سے پہلے عمال اور کارندوں کا ماہانہ رواتب مرتب کیا۔یہودی، مجوسی، صلیبی ثالوث نامقدس کے ذریعے آپ پر حملہ آور ہوئے اور آخر کار آپ ابولؤلؤ فیروز جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

آپ کی خلافت کے دوران شام اور ایران کے بہت سے علاقے فتح کیے گئے ۔جنگ کے بارے میں صلاح ومشورہ کے سلسلہ میں نہج البلاغہ کے خطبہ ۱۳۴، اور ۱۴۶ پر حضرت امیر المؤمنین کے کلمات ملاحظہ فرمائیں: (ترجمہ جوادی صفحہ ۲۵۷ اور ۲۷۰) خلیفہ دوم کے انتخاب کا تذکرہ کتب تاریخ وسیر میں آیا ہے۔

حضرت عمرکا اصول انتخاب والی:

انتخاب رئیس امارات ایک ضابطہ کلی اصول تغیر ناپذیر نہیں ہو سکتا ہے وہ وقت و حالت کے تناظر میں اسلام و مسلمین کے مفاد میں انتخاب ہوتا ہے اسکی تشخیص رئیس اعلیٰ یا امیر المومنین کی فراست و ذہانت اور احتیاطات کے تحت ہوتا ہے عمر نے اس کے لئے اپنے پاس سے کچھ اصول مقرر کئے تھے وہ اس کو اپنے پاس امانت سمجھتے تھے جب تک ان کو یقین نہیں ہوتا کہ میں اس امانت کو کسی امین کو سپرد کر رہا ہوں نہیں دیتے تھے وہ کسی طالب امارت کو یہ منصب نہیں دیتے تھے وہ تمام حالات میں صلاحیت و اہلیت و قابلیت، دیانت و امانت داری اور طاقت و قدرت تحمل کو بھی دیکھتے تھے کہ یہ بار امانت تحمل کرسکتا ہے یا نہیں چنانچہ ابوذر غفاری نے نبی کریم ﷺ سے کسی جگہ بھیجنے کی التماس کی تو آپؐ نے فرمایا اباذر آپ ضعیف کمزور ہے آپ نہ جائیں بہتر ہوگا۔

عمال افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کو انتخاب نہیں کرتے تھے دیہات نشین کو شہروں کا والی نہیں بناتے تھے کیونکہ والی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعیت کے مزاج سے واقف ہو وہ شہریوں کے مزاج سے واقف نہیں ہوتے ہیں رعیت سے محبت و شفقت برتنے والے کو انتخاب کرتے تھے وہ اپنے اقارب میں سے کسی کو نہیں بھیجتے تھے گر چہ وہ قابل اور لائق ہی کیوں نہ ہو چنانچہ سعید بن زید ایک قابل و محترم شخص تھے ان کو کوئی منصب نہیں دیا۔ عمر والیوں کو تجارت و کاروبار سے منع کرتے تھے وہ جاتے وقت ان کے املاک کا حساب کرتے تھے جن کو انتخاب کرتے تھے ان سے شرائط لکھوا لیتے تھے کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہونگے نرم اور قیمتی لباس نہیں پہنیں گے لذیذ کھانے نہیں کھائیں گے جس کو بھیجتے تھے اس کے بارے میں مشورہ لے کر بھیجتے تھے پہلے ان سے امتحان لیتے تھے بعد میں محاسبہ کرتے تھے حضرت عثمان کے لئے جو روزگار سامنے آیا ان کے پاس ایسی سوچ نہیں تھی اور نہ انہوں نے ان کی سنت و سیرت کو مد نظر رکھا اس وجہ سے انہیں ایسے روزگار کا سامنا کرنا پڑا۔

فتوحات اسلامی اور حکمت عملی دور راشدین:- [تاریخ اسلامی تالیف محمود شاکر ج۳ ص ۱۳۹]

فتوحات کا آغاز خلیفہ اول کے دور میں سر زمین عراق سے ہوا جسکی قیادت خالد ابن ولید نے کی جب وہ سرزمین مشرق کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن فتوحات کی تکمیل مرحلہ وار طے ہوئی۔ تجہیز و ترسیل لشکر اسامہ اور ان کی سرخرو واپسی کے بعد جنگ با مدعیان نبوت اور مرتدین میں فتح و کامیابی سے سرفراز ہونے کے بعد قیادت اسلامی نے اپنا رخ اس وقت کی دو عظیم اور مقتدر حکومتوں کی طرف متوجہ کیا اور اس توجہ میں دو قسم کی منصوبہ بندی کو نظر میں رکھا ہے ایک محاذ پر تمام تر توجہ اور قوت کو مرکوز کیا اور دوسرے محاذ پر دفاع کی حد تک مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور آپس میں نقل و حرکت کو ایک دوسرے سے آشنا رکھا تا کہ دونوں حکومتیں خوف و ہراس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون و تفاہم کا سلسلہ قائم نہ کر سکیں اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق و متفق ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس وقت زیادہ خوف انہی دو حکومتوں سے تھا کیونکہ وہ لوگ مرتدین کی پشت پناہی کر رہے تھے اور وہ اس حوالے سے اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے اور یہ مدعیان نبوت یا مرتدین سے جتنا ہو سکے تعاون کرتے تھے لہٰذا قیادت اسلامی نے توجہ کا مرکز فارس کی طرف کر دیا اور مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کو فارس کی سرحدوں پر چوکنا رہنے کی ہدایت کی جب خالد بن ولید جنگ ردا سے فارغ ہوئے تو قیادت مکہ و مدینہ نے انہیں عراق جانے کا حکم دیا تا کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ کو تقویت دیں اسی طرح عیاض بن غنم کو ایک قوی لشکر دیا تا کہ وہ بھی شمالی عراق میں جائیں، خالد بن ولید کو جب اس مورچے پر فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے عراق کی سرزمین پر حملہ کیا اور اس سرزمین میں اپنی فوجیں اور گھوڑے دوڑائے یہاں تک کہ فرات کے غربی کنارے تک پہنچے یہاں سے حکومتِ فارس کو احساس ہوا کہ لشکر اسلامی طاقت و قدرت جنگی کے ساتھ جنگ کے لئے آمادگی میں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ یہ نئی حکومت پیغمبرؐ کے بعد مدعیان نبوت یا دعویداران نبوت یا مرتدین کے ذریعے کمزور ہوگئی ہے اسی وقت لشکر اسلام روم کی سرحد پر دفاع کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے یہاں خالد بن ولید اور سعید بن عاص نے اپنے لشکر کے ساتھ روم کے قبائل اور نصاریٰ یا وہ علاقے جو روم سے معاہدے کئے ہوئے تھے ان کے قریب مورچہ لگایا تو خلیفہ نے ایک لشکر کو شام کی طرف بھیجا چنانچہ رومی بھی اس موقع پر منتظر تھے کہ مسلمانوں کی طرف حملہ آور ہوں تو انہوں نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں کی طرف بھیجا تھا جیسا کہ ہرقل نے اپنی قیادت کا مرکز حمص کی طرف منتقل کیا جو معرکے سے نزدیک تھا جب مسلمانوں نے یہ خبر سنی تو مدینہ سے مدد طلب کی تو اس وقت قیادت اسلامی نے عراق سے لشکر کو شام کی طرف متوجہ کیا کیونکہ اس وقت اہل فارس ایک محاذ پر ہزیمت کے نتیجے میں ضعیف ہو چکے تھے وہ نئے سرے سے تیاری کرنے کے لیے تفاہم میں تھے لہٰذا خلیفہ نے خالد بن ولید کو اپنے لشکر کے ساتھ نجد سے مدینہ بلایا اور ان کو یہاں سے شام روانہ کیا خالد بن ولید شام گئے اور وہاں روم اور مسلمانوں کے درمیان یرموک میں سخت جنگ لڑی گئی اسی دوران خلیفہ اول کا انتقال ہوا اور خلافت عمر ابن خطاب میں منتقل ہوئی۔ یہاں سے نئے خلیفہ نے شام کے لیے گئے

ہوئے لشکر کو عراق بلایا اور دوسری طرف سے ایک اعلان عمومی جزیرہ عرب میں کرایا کہ جب لشکر جنگ کے لیے عراق پہنچے تو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ لشکر کو تقویت دیں یہاں سے ہر طرف سے لشکر یکے بعد دیگر سرزمین عراق میں بھیجا اس دوران شام میں روم کے لشکر کو چند جنگوں کے بعد ختم کیا اور جنگ عراق تیز ہوگئی پھر یہ جنگ عراق سے فارس میں منتقل ہوئی یہاں تک کہ ان کا خاتمہ کیا، خلیفہ نے ابھی جنگ سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور جنگ کو مشرق سے مغرب کی طرف منتقل کیا وہاں سے مصر شمالی افریقہ اور بحر متوسط تک جنگ لے گئے یہاں تک کہ خلافت عثمان بن عفان میں منتقل ہوئی۔

شام:

عمر ابن خطاب کے ابتدائی دنوں میں روم سے لڑنے کیلئے شام کی طرف لشکر کی روانگی کا فیصلہ کیا گیا اس سلسلے میں مناسب ہوگا کہ ہم پہلے شام کی تاریخ سے آشنا ہوں تا کہ یہ آئندہ کیلئے معاون ہو۔ شام کی سرحدیں فرات سے عریش تک ملتی ہیں یہ دیار مصر سے ملی ہوئی ہیں ایک طرف سے بحر روم تک جبل طے ہے اُس وقت کا شام آج کے شام جیسا نہیں تھا بلکہ آج کا لبنان و فلسطین اور اردن و اسرائیل شام کے صوبے تھے اس کے شہروں میں منبج، حلب، حمات، حمص، دمشق، بیت المقدس، معرہ انطا کیہ، طرابلس، عکہ، سور، عسقلان وغیرہ آتا ہے۔ شام کو شام اس لئے کہا ہے کہ یہ کعبہ کے شمال میں واقع ہے کیونکہ دروازہ کعبہ مشرق کی طرف واقع ہے اسی لیے اس دروازے کے بعد والے رکن کو شامی کہتے ہیں شرقی نے کہا ہے یہ سام بن نوح سے منسوب ہے۔ علما جغرافیہ نے شام کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

دمشق سب سے پرانا شہر ہے، قدیم زمان سے شام دار الخلافہ رہا، شام کو سرزمینوں کی جنت بھی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا کی تین جنتیں ہیں غوطہ، دمشق، نہر بلخ۔ حضرت ابراہیم دمشق میں برزہ جبل قاسیون میں پیدا ہوئے یہ جگہ محل قیام و مصلی و پناہ گاہ انبیاء تھی، یہاں مسجد ابراہیم تھی جب مسلمانوں نے یرموک کو فتح کیا تو ابو عبیدہ نے یرموک پر بشیر بن کعب بن ابی حمیری کو اپنا جانشین چھوڑا۔ ابو عبیدہ کو خبر ملی روم نہر اردن پر جمع ہو رہا ہے اور اہل دمشق کیلئے حمص سے مدد آرہی ہے تو عمر کو خط لکھا اور جواب کے منتظر رہے جب حضرت عمر کو خبر ملی یرموک فتح ہوا ہے تو جن جگہوں پر امراء پہلے سے معین تھے، ان کو اپنے حال پر اپنی جگہ پر برقرار رکھا لیکن عمر ابن عاص اور خالد ابن ولید کو وہاں سے ہٹایا خالد کو ابی عبیدہ سے ملایا اور عمر بن عاص کو فلسطین کی ذمہ داری دی۔ ابی عبیدہ کو لکھا دمشق سے شروع کریں یہ شام کا قصر و قلعہ ہے اور ان کی مملکت کا مرکز ہے۔

حضرت عمر شام جانے کے لئے چار دفعہ نکلے، پہلی دفعہ گھوڑے پر اور دوسری دفعہ اونٹ پر سوار ہوئے، طاعون کی وجہ سے سرحد سے واپس آئے، پھر گدھے پر سوار ہو کے نکلے اور اس دفعہ مدینہ میں حضرت علی کو اپنا جانشین چھوڑا۔

ابو عبیدہ بن جراح کا خط ملنے کے بعد عمر نے جنگ میں شمولیت کے حوالے سے انصار و مہاجرین سے صلاح و مشورہ کیا۔ عثمان نے نہ جانے کا مشورہ دیا جبکہ علی نے جانے کا مشورہ دیا انہوں نے علی کے مشورے کو ترجیح دے کر جانے کا فیصلہ کیا، مدینہ میں علی کو چھوڑا اور شام کی طرف روانہ ہوئے خلیفہ شدت پسند جو تلوار نیام سے بار بار نکالنے والے تھے، روم کے اسراف و تبذیر او راستکبار پسند حکمران سے مذاکرات کرنے کے لئے نکلے، قارئین ان کا سامان سفر ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ وہ کس حشمت اور دبدبے کے ساتھ نکل رہے ہیں، سواری کے لئے ایک اونٹ لیا، اس پر سوار ہوئے، اس پر دو تھیلے رکھے ایک میں ستو اور دوسرے میں کھجور، سامنے پانی کا ایک مشکیزہ رکھا اور پیچھے اپنا زاد سفر رکھا ہوا تھا، اصحاب کے ساتھ روانہ ہو گئے جہاں نزول کرتے تھے نماز پڑھنے کے بعد اصحاب سے خطاب فرماتے تھے۔ جب والی شام بطریق سے ملاقات کے لئے شام پہنچے تو اصحاب نے مشورہ دیا کہ اونٹ کی جگہ گھوڑے پر سوار ہو جائیں، سب نے کہا گھوڑا بہتر رہے گا، گھوڑا لایا گیا اور آپ کیلئے نیا سفید لباس بھی لایا گیا عمر کو پہنایا، گھوڑے پر سوار ہوئے، گھوڑے نے صدا نکالی عمر فوراً گھوڑے سے اترے اور کہا اے اللہ! میری غلطیوں کو معاف فرمانا، اللہ آپ حضرات کی بھی غلطیوں کو معاف فرمائے، آپ کے امیر ہلاک ہونے والے تھے کیونکہ ان کے اندر غرور و تکبر نے جگہ بنالی تھی۔ چنانچہ آپ نے نئے لباس کو بھی اتارا اور اپنا پہلا لباس پہن لیا جس پر جگہ جگہ پیوند لگائے ہوئے تھے۔

حصار دمشق:

۱۴ھ کو جیش مسلمین دمشق پہنچا۔ وہاں اس وقت نسطاس بن نسطورس حاکم تھا انہوں نے دمشق کو محصور کیا اور اس کے گرد و نواح میں لشکر تعینات کیا ایک طرف ابو عبیدہ، دوسری طرف عمر بن عاص اور ایک طرف یزید بن ابی سفیان تھے اور ہرقل اس وقت حمص میں تھے۔ مدینہ حمص مسلمانوں اور ہرقل کے درمیان میں واقع تھا

انھوں نے اہل دمشق کو ۷۰ دن تک محاصرے میں رکھا۔وہ لشکر اور تیراندازی اور منجنیق وغیرہ اور ہمیشہ مدد آنے کے انتظار میں رہتے تھے وہ ہرقل کے نزدیک تھے منطقہ ذی الکلاع اور حمص مسلمانوں کے درمیان میں تھا جو کہ ایک رات کی مسافت پر تھا ہرقل کا لشکر اہل دمشق کی فریاد پر آ گیا وہ ذوکلع کے لشکر سے مل گئے اور وہاں سے لشکر دمشق بھی مل گیا جب اہل دمشق کو پتہ چلا کہ ان کو امداد نہیں مل رہی ہے تو وہ ضعیف ہو گئے اور مسلمانوں کی آرزو امید بڑھتی گئی وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ہرقل کا لشکر اور سردی آنے سے پہلے حملہ کریں۔اس وقت بطریق جو شام کے والی تھے ان کے ہاں ایک بچہ ہوا تو اس خوشی میں وہ لوگ کھانے پینے میں مشغول تھے اور اپنے مؤقف وضروریات اور ذمہ داریوں سے غافل تھے مسلمانوں کو بھی اس کا شعور نہیں تھا لیکن خالد جو کہ سوتے نہیں تھے،ان کو نیند نہیں آتی تھی اور وہ لوگوں کے حالات سے بھی غافل نہیں تھے،ان کی بصیرت بہت تیز تھی انہوں نے اپنی ذہانت سے کچھ روابط قائم کئے تھے وہ اسی شام کو اپنے ساتھی لشکروں کے ذریعے ان پر ٹوٹ پڑے وہ خود اور قعقع بن عمرو اور مذعور بن عدی اور ان جیسے ساتھیوں کو بلایا اور انہوں نے کہا جب ہم تکبیر کہیں گے تو تم لوگ ہماری طرف آنا اور دروازے کو مارنا۔

معرکہ یرموک[جولۃ تاریخیۃ فی عصر خلفاء راشدین ص ۵۷]

یرموک ایک نہر کا نام ہے یہ حوران کے پہاڑوں سے نکلتی ہے یہ سوریا اور فلسطین کی حدود سے گزرتی ہوئی جنوب اردن سے ہوتی ہوئی بحر محیط میں گرتی ہے۔نہر اردن تک پہنچنے سے پہلے تقریباً ۳۰ کلومیٹر پر ایک کھلی وادی ہے جس کے تینوں اطراف بلند چوٹیوں پر مشتمل ہیں اس کے بائیں طرف یرموک ہے،روم نے اس وادی کو اپنے لشکر کی قیام گاہ کے لئے انتخاب کیا جو کہ تعداد میں زیادہ تھا ان کا لشکر دو لاکھ چالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھا ان کے لئے یہ جگہ مناسب تھی لیکن مسلمان اس نہر سے آگے گئے انھوں نے دائیں جانب ایک وادی میں اپنا خیمہ لگایا جو اس کھلے راستہ کے اوپر ہے جہاں سے روم کا لشکر نکلتا ہے اس طرح (لشکر روم) نے اپنے لئے راستہ بند کیا،روم کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ اس راستہ سے گزریں یا یہاں سے فرار ہو جائیں کیونکہ مسلمانوں نے ان کا راستہ روکا تھا بسا اوقات ماہرین جنگ یہ نقشہ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں۔اس متکبر و مغرور لشکر نے اس جگہ کو کیوں انتخاب کیا،خود لشکر نے یہاں قیام پر کیسے اتفاق کیا کہ جہاں سے ان کے لئے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس راستہ کے۔آیا یہ سزاوار نہیں تھا کہ وہ لشکر کے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کریں کہ جہاں سے کوئی اور راستہ بھی نکلے۔تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ان کے لئے اس کے علاوہ وسیع اور کھلی جگہ نہیں تھی۔

۱۔یہ جگہ کھلی اور وسیع ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جہاں سے نکلنے والا راستہ تھا،اس کے لئے کیوں تدبیر نہیں کی،اس کو اپنے لئے محفوظ کیوں نہیں رکھا،اس کا جواب دو حوالہ سے ہے:

۱)۔ان کا لشکر زیادہ تھا اور شکست ان کے وہم وخیال میں بھی نہیں تھی۔

۲)۔انھوں نے ایک دفعہ مسلمانوں کے لشکر کو شکست دی تھی،اس لئے وہ غرور میں تھے۔

قواعد جنگی وعسکری کے مطابق اس کھلی جگہ کو انھیں اپنے لئے محفوظ کرنا چاہیے تھا مبادا یہاں سے کسی وقت نکلنا پڑے لیکن رومی اپنے لشکر کے بارے میں مغرور تھے۔

۲۔یہ ایک دفعہ خالد بن سعید کے لشکر کو شکست دے چکے تھے اس وجہ سے وہ جنگی حکمت عملی سے غافل ہوئے جب لشکر خالد بن سعید کو مزاحمت اٹھانا پڑی تو وہ شکست کھا کر فرار ہو گئے تو خلیفہ نے ایک بڑی طاقت وقدرت والا لشکر عمرو العاص کی قیادت میں شام کی طرف روانہ کیا،ان سے کہا فلسطین کی طرف جائیں اور دوسری طرف یزید بن ابی سفیان کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا اس میں سھیل بن عمرو اور ان جیسی اور شخصیات بھی تھیں جو اہل مکہ سے تعلق رکھتی تھیں انھیں روانہ کیا،ان کے پیچھے ایک اور لشکر معاویہ کی قیادت میں بھیجا اور ایک لشکر سھیل بن عمرو اور ایک لشکر کی قیادت کے لیے شرجیل بن حسنہ کے ساتھ بھیجا جو خالد بن سعید سے تعلق رکھتے تھے خلیفہ نے ایک بڑا لشکر بھیجا اور اس کے اوپر قیادت ابوعبیدہ بن جراح کو دی ہر ایک کے لئے مختلف راستہ مقرر کیا اور آخر میں ایک جگہ پر جمع ہوئے اور عمر بن العاص نے طریقہ معرفۃ کو اپنایا اور ابوعبیدہ بھی اسی راستہ پر چلے اور یزید ابن ابی سفیان تبوک کے راستہ سے چلے،ان کے ساتھ شراحبیل بھی گئے تمام لشکر شام کی طرف متوجہ ہوئے اور ابوعبیدہ جابیۃ تک پہنچے،یزید بلقاء پہنچے،شرحبیل اردن میں پہنچے،عمر العاص عربۃ پہنچے روم کو پتہ چلا کہ لشکر اسلام ان کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے ہرقل جو قدس میں تھا اس نے کہا میرے خیال میں آپ ان سے مصالحت کرلیں اس سے پہلے کہ شام ہاتھ سے چلا جائے،یہ نصیحت لشکر روم کو غصہ میں لے آئی،انھوں نے گمان کیا امپراطور اب کمزور ہو گیا ہے،وہ جلد فاتح لشکر کے سامنے تسلیم ہو جائیں گے حالانکہ ہرقل اپنے لشکر کے قائدین سے غصہ میں تھے اس نے ارادہ کیا اور حمس کی طرف

روانہ ہوئے وہاں ایک بڑا لشکر تیار کیا اسے چار حصوں میں تقسیم کیا تا کہ ایک مقابل لشکر سے مقابلہ کریں ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں۔ مسلمانوں کا لشکر ۴۰ ہزار یا اس سے تھوڑا سا کم تھا جب کہ لشکر روم ۲ لاکھ ۴۰ ہزار کے قریب تھا۔

ابوعبیدہ ثقفی کی امارت میں:- [کتاب سیرت عمر ابن خطاب شخصیۃ واثرہ ص ۳۶۰]

جب خلیفہ اول کی ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ ہجری کو وفات ہوئی تو نئے خلیفہ حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو جہاد کے اجر و ثواب کی طرف دعوت دی تو کوئی نہیں اٹھا کیونکہ لوگ اہل فارس سے جنگ کرنے میں کراہت رکھتے تھے اس لئے کہ اہل فارس قدرت مند و طاقت ور تھے اور لوگ ان سے جنگ کرنے سے ڈرتے تھے، دوسرے دن پھر خلیفہ نے دوبارہ دعوت دی تو دوسرے دن بھی جنگ و جہاد کے لیے کوئی نہ اٹھا تو اس پر مثنیٰ بن حارث نے گفتگو کی اور انہیں خبر دی کہ اللہ کی مدد و نصرت سے خالد نے عراق کے بڑے رقبے کو فتح کر لیا ہے اور انہیں وہاں مال و املاک نصیب ہوا ہے۔ جب تیسرے دن خلیفہ نے اپنی بات کو دہرایا تو سب سے پہلے ابوعبیدہ بن مسعود ثقفی اٹھے پھر باقی لوگ یکے بعد دیگرا اٹھے۔ ان میں سلیط بن قیس انصاری بھی اٹھے، انہوں نے حضرت عمر کی آواز کو ابوعبیدہ ثقفی کے بعد سنا اور کہا اے امیر المومنین ان اہل فارس سے آج تک ہم نے شیطانی شقشقہ دیکھا ہے، اذیتیں و غلاظت دیکھی ہیں لیکن میں نے اپنے نفس کو اللہ کے لئے وقف کیا ہے، میں اور میرے بنی عم اور دیگر تابعین نے اپنے نفس کو وقف کیا ہے۔ یہ کلام لوگوں کے دلوں میں نفوذ کر گیا اور اہل فارس سے جہاد کرنے کی رغبت میں اضافہ ہوا لیکن انہوں نے خلیفہ سے مطالبہ کیا مہاجرین یا انصار میں سے والی بنائیں تو عمر نے کہا اللہ کی قسم میں اس امر کے لئے اس انسان سے زیادہ لائق و سزاوار خود کو بھی نہیں پاتا ہوں جس نے پہلے ہی لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اگر وہ اس میدان میں جلدی کرتے تو ہم انہیں کو بناتے لیکن انہوں نے جلدی کرنے میں دیر کی لہٰذا ابوعبیدہ امیر رہے گا اور وہ انکے وزیر ہونگے تو لوگوں نے کہا ہم نے سر تسلیم خم کیا۔ ابوعبیدہ سب پر امیر بنے حالانکہ وہ صحابی بھی نہیں تھے۔ کسی نے عمر کو کہا آپ نے کیوں کسی صحابی رسولؐ کو منتخب نہیں کیا؟ تو حضرت عمر نے کہا میں امیر اس کو بناؤں گا جس نے سب سے پہلے دعوت کو قبول کیا اور جو تم لوگوں میں سب سے پہلے دین کی نصرت کیلئے آمادہ ہوا لہٰذا ابوعبیدہ نے تم لوگوں پر سبقت لی۔ پھر انہیں بلایا اور انہیں وصیت و نصیحت کی سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، اصحاب رسولؐ اللہ سے صلاح و مشورہ کرتے رہنا۔ سلیط بن قیس سے بھی مشورہ کرنا کیونکہ یہ شخص ہمیشہ جنگوں میں رہا ہے اور جنگی تجربہ رکھتا ہے۔ حضرت عمر کی ابو عبیدہ ثقفی کو کی گئیں وصیتوں میں آیا ہے اصحاب رسول اللہ کی بات سنیں اور انہیں امر میں شریک کریں جلدی کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ وہاں پہلے قدم جمائیں کیونکہ یہ جنگ ہے جنگ ہمیشہ قناعت چاہتی ہے جو فرصت کو درک کرتے ہیں وہی جنگ میں کامیاب ہوتے ہیں مجھے کوئی چیز مانع نہیں کہ سلیط کو رئیس بناؤں مگر یہ کہ وہ جنگ میں جلدی کرتے ہیں اور جنگ میں جلدی نقصان دہ ہوتی ہے۔

پھر مثنیٰ بن حارثہ سے کہا آگے بڑھیں، جہاں تم نے جنگ مرتدین لڑی ہے وہاں سے لوگوں کو اٹھائیں، وہ جلدی سے حیرہ پہنچے۔ عمر مسلسل لشکر عراق، شام اور فارس روانہ کرتے رہے اور لشکر کو امداد اور تعلیمات بھی مسلسل بھیجتے رہے اور جنگی نقشوں اور خطوط کے ساتھ ساتھ منصوبہ بندی بھی کرتے رہے، وہ خود جنگ کی نگرانی کرتے تھے۔ لشکر اسلام جو ۷ ہزار افراد پر مشتمل تھا، سرزمین عراق پہنچا تو عمر نے ابی عبیدہ سے مراسلہ کیا کہ جو افراد عراق میں ہیں اور جو افراد خالد بن ولید کے ساتھ عراق آئے ہیں ان سے ۱۰ ہزار کا لشکر لے کر ہاشم بن عتبہ کو امیر بنائیں۔ پھر عمر نے جریر ابن عبداللہ بجلی کو عراق بھیجا، وہ بھی کوفہ پہنچا، جب اتنا بڑا لشکر عراق پہنچا تو اہل فارس مضطرب و پریشان ہوگئے اس وقت جو آخر میں قرار پایا اس کے تحت بوران بن کسیدہ بادشاہ بنا، جب انہوں نے ازرمیدخ کو قتل کیا تو بوران نے امور مملکت کو ۱۰ سال کے لئے اپنے ہی خاندان کے کسی فرد کے حوالے کیا، اس کا نام رستم بن فرخ زادہ تھا، اسے قائد لشکر یعنی سپاہ سالار بنایا پھر بادشاہ حرکت میں آیا یہاں تک کہ اس کے قصر میں شگاف آیا۔

فتح نمارق:- [کتاب الخلفاء الراشدون ص ۱۱۲]

موت شہر براز میں ایران کے بادشاہ کے مرنے کے بعد ہر دن کوئی نیا بادشاہ نصب ہونے لگا اور ہر دن عزل ہونے لگا اس دوران مثنیٰ جو مدینہ میں گئے تھے، واپس حیرہ پہنچے، اس وقت ایرانیوں نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے رستم کو امیر جنگ بنایا تھا۔ ایرانیوں نے عراق کے کاشتکاروں اور زمینداروں کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس سلسلے جابان نامی شخص کو بھقباذ کی جگہ بھیجا، نرسی کو زندورد بھیجا، رساتیق کے شہر فرات کے کنارے والوں

نے بغاوت کی تو مثنیٰ نے اپنے لشکر اور مورچوں کو منظم کیا تو جابان جلدی سے نمارق پہنچے، مثنیٰ خفان پہنچے یہاں تک کہ ابوعبیدہ ہی پہنچے اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر بھی آ گئے۔ انہوں نے لشکر اسلام کو منظم کیا اور جابان کے خلاف نمارق میں جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے ساتھ بہت سخت لڑائی ہوئی۔ اس جنگ میں اہل فارس کو شکست ہوئی اور جابان اور مردان شاہ دونوں اسیر ہوئے لیکن مردان شاہ کو اسیر کرنے والے نے مردان شاہ کو فوراً ہی قتل کر دیا، اما جابان کو اسیر کرنے والوں کو جابان نے دھوکہ دیا اس نے ان سے کہا تم عرب ہو، عرب والے بہت باوفا ہوتے ہیں، کہا اگر تم مجھے امن دو گے تو میں تمہیں بہت مال دونگا، اس نے امن حاصل کرنے کے ساتھ کہا کہ مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جاؤ جس نے جابان کو اسیر کیا تھا وہ مدرب بن فضہ تمیمی تھے جنہیں علم نہیں ہو سکا کہ یہ جابان کون ہے؟ جب نکلا تو مسلمانوں کے لشکر نے اسے پکڑلیا اور ابوعبیدہ کے پاس لائے اور خبر دی کہ یہ فارس کا سالار لشکر ہے، اسکو قتل کر دیں تو ابوعبیدہ نے کہا کہ ایک مسلمان نے جب اسکو امان دے دی تو سارے مسلمانوں سے یہ امن میں ہے لہٰذا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ مسلمان ایک دوسرے سے محبت ونصرت میں ایک جسد کی مانند ہیں ایک اگر کسی کے بارے میں ذمہ داری لے لیتا ہے تو اس کی یہ ذمہ داری دیگر مسلمانوں پر بھی اسی طرح ہوگی جس طرح ذمہ لینے والے پر ہے تو لوگوں نے کہا یہ قائد لشکر ہے تو ابوعبیدہ نے کہا قتل نہیں کرونگا۔

ابوعبیدہ کا یہ کردار مسلمانوں کے لئے ایک مثال بنا کہ مسلمان پابند عہد و پیمان ہیں اگر ایک فرد کسی کے بارے میں عہد لے گا تو باقیوں پر بھی اس عہد کی پاسداری ضروری ہے یہاں ایک بڑے اخلاق عالی کے مظاہرے نے لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ کیا اور اس واقعہ نے عوام الناس کو اسلام میں جذب ہونے کا سبب فراہم کیا یہ واقعہ لوگوں میں مشہور ہوا کہ مسلمانوں کے ایک ادنیٰ سپاہی نے مخالف فوج کے سپاہ سالار کو امان دے دی تو سپاہ سالار مسلمین نے اس معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے مخالفین کے سالار لشکر کو رہا کر دیا کہ جس نے جنگ کی پیش بندی کی تھی۔ ابوعبیدہ نے غنائم تقسیم کئے اور خمس حضرت عمر کو بھیجا، پھر کسکر کی طرف روانہ ہوئے جہاں نرسی قائد لشکر تھے جو کسریٰ کے خالہ زاد بھائی ہے۔ انہوں نے رستم اور بوران کے خلاف ایک لشکر بھیجا اور ان کو شکست دی۔ ابوعبیدہ نے ان کو جلدی جلدی ختم کیا اور ان کے درمیان کسکر میں سخت جنگ لڑی اس میں اہل فارس کو بدتر شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا قائد لشکر فرار ہو گیا اور اس فوجی محاذ پر مسلمان غالب آئے اور دشمنوں کے فوجی مقامات کو ابوعبیدہ نے تباہ و برباد کر دیا اور بہت سا خمس جمع کیا۔

معرکہ قادسیہ: [ص۔۳۷۹]

جب خلیفہ دوم کو خبر ملی کہ اہل فارس جنگی تیاریوں کیلئے افرادی اور غیر افرادی تمام وسائل جمع کر رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کی سرحد پر موجود قلیل تعداد کو ختم کر دیا جائے، اس کیلئے انہوں نے جبری بھرتی کا اعلان کیا، مثنیٰ نے درک کیا اہل فارس حملہ کرنا چاہتے ہیں اس نے اپنے اردگرد کے قبائل کو جو کہ جنگی مہارت وصلاحیت رکھتے تھے انکو اپنی مرضی سے اور جبری طور پر فوج میں بھرتی کرنے کا اعلان کیا، مثنیٰ نے یہ حکم خلیفہ کی ہدایت پر کیا جب خلیفۃ المسلمین عمر بن خطاب کو یہ خط ملا کہ وہ جبری بھرتی کر رہے ہیں تو خلیفہ نے بھی اس پر عمل کرتے ہوئے اسکو نافذ کیا اور اطراف کے والیوں کو حکم دیا کہ کوئی والی کسی شخص کو اجازت نہ دے جس کے پاس گھوڑا، اسلحہ یا وسائل جنگ ہیں اسکو فوراً محاذ جنگ پر روانہ کریں۔

فارس میں یزدجرد کے اقتدار سنبھالنے اور بادشاہ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد حالات ٹھیک ہو گئے۔ اندرونی بدامنی ختم ہو گئی۔ یزدجرد کے بادشاہ بننے کے بعد اختلافی معاملات ختم ہو گئے اور تمام متفق ہو گئے اور تمام قبائل نے اطاعت کر لی اور معاونت کا یقین دلایا۔ یزدجرد نے ہر شخص کو لشکر میں بھرتی کیا اور مال و دولت بھی لگایا اور گرد و نواح میں رہنے والوں کو اکسایا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کیلئے تیار ہو جائیں حتیٰ کہ جو مسلمان ہو گئے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ بھی کر لیا تھا انکو بھی مجبور کیا گیا کہ معاہدہ توڑ دو اور مسلمانوں کے خلاف لڑو۔ ان حالات کی وجہ سے مثنیٰ اور دیگر قائدین لشکر اسلام نے جو علاقہ فتح کر لیا تھا انہیں اس سے بھی نکلنا پڑا اور وہ منتشر ہو گئے۔ مثنیٰ ذی قار سے پیچھے ہٹ گئے اور وادی عراق تک آ گئے اور عراق میں آ کر نئے مورچے بنا لئے۔ اور اہل عراق سے معاہدہ کیا کہ محتاج ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اسکا اعلان کیا۔

جب یزدجرد آیا تو علاقے کے حالات دگرگوں ہوئے ۱۴ھ میں خلیفہ عمر نے لوگوں کو دوبارہ لڑنے کے لئے دعوت دی اور یکم محرم کو ایک لشکر لے کر بیرون مدینہ پڑاؤ ڈالا۔ خلیفہ نے کہا کہ میں خود بنفس نفیس لشکر کی قیادت کروں گا اور مدینہ میں حضرت علی رہیں گے اور عثمان بن عفان اور دیگر صحابہ کو اپنے ساتھ رکھیں گے اور ایک

مجلس شوریٰ بنائی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں لشکر کے ساتھ عراق جاؤں ۔حضرت علی کو مدینے سے بلایا اور مشورہ کیا سب نے اتفاق کیا بعض کہتے ہیں حضرت علی یا عبدالرحمٰن بن عوف نے اس بات سے اختلاف کیا کہ اس اقدام سے مسلمان کمزور نظر آئیں گے ،بہتر یہ ہے کہ کسی اور شخص کو عراق بھیجیں اور خود مدینہ میں واپس چلے جائیں اس طرح وہ خود مدینہ واپس آئے اور مشورہ کیا کہ کس کو عراق بھیجیں تو کسی نے کہا کہ سوئے ہوئے شیر کو اٹھائیں یعنی سعد ابن وقاص کو ۔خلیفہ نے اس تجویز کو پسند کیا اور فوراً حکم دیا کہ عراق کیلئے سعد بن ابی وقاص کو بھیج دیا جائے ۔

نصیحت وہدایات عمر بہ سعد ابن ابی وقاص خطبہ ۹۲:[ص ۲۲۴]

حضرت عمر نے سعد ابن ابی وقاص سے خطاب کر کے فرمایا اے سعد بنی زھو! یہ بات تمہیں اللہ سے غافل نہ کرے کہ لوگ کہتے ہیں سعد پیغمبرؐ کے ماموں ہیں ،اللہ برائی کو برائی سے محو نہیں کرتا ہے بلکہ برائی کو نیکی سے محو کرتا ہے بتحقیق اللہ اور کسی کے درمیان کوئی نسب واسطہ نہیں سوائے اس کی اطاعت کے ،لوگ عزت مند اور ذلیل دونوں اللہ کے بندے ہیں ایک دوسرے پر فضیلت وبرتری رکھتے ہیں لیکن جو چیز اللہ کے پاس باعث قرب ہوتی ہے وہ اس کی اطاعت ہے ،جس چیز کو رسولؐ اللہ میں بعثت سے وفات تک دیکھا ،اسے اپنائیں وہ یہ عمل ہے یہ تمہارے لئے میرا وعظ ہے ۔اگر اس کو چھوڑیں گے اور اس سے منہ موڑیں گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے اور تم خاسرین میں سے ہو جاؤ گے ۔

جب سب کو روانہ کرنے لگے تو انھیں وصیت کی کہ میں تم کو عراق کا والی بنا رہا ہوں ،میری وصیت کو سن لیں تم ایسے امر کی طرف بڑھ رہے ہو جو شدت کے ساتھ مکروہ ہے اس سے نجات نہیں سوائے حق کے ،اپنے ساتھیوں کو خیر کا عادی بنائیں اور خیر سے ہی افتتاح کریں ،جان لیں ہر عادت کیلئے ایک سامان ووسیلہ وآلہ ہے اور خیر کا آلہ صبر ہے ،صبر کریں جو چیز تمہاری پسند کی تم کو ملی یا تمہیں مکروہ نا مطلوب مصیبت ملے تو تمہارے پاس اللہ کی مشیت ہو یا خشیت اللہ یہ دو چیزوں میں ملتی ہے ایک اس کی اطاعت میں اور ایک اس کی معصیت سے پرہیز کرنے میں ،جس نے اس کی اطاعت کی ،اس نے بغض دنیا اور حب آخرت سے اطاعت کی ہے ،جس کسی نے اس کی معصیت کی ،اس نے دنیا سے محبت کی ہے اور آخرت سے نفرت کی ہے ۔دلوں کیلئے حقائق ہیں جیسے اللہ پیدا کرتا ہے بعض سر ہیں وہ اس کے دل کی حکمت سے پتہ چلتا ہے ۔

بتحقیق انبیاءؑ نے اپنی محبت کا مطالبہ کیا ہے جس کسی نے کسی بندے سے محبت کی ،اس بندے نے اس سے محبت کی ،جس کسی نے کسی سے بغض کیا ،اس نے اس سے بغض کیا ہے اور اللہ کی منزلت تمہارے لئے لوگوں کے پاس محبت ہے جو شریعت میں تمہارے ساتھ ہے میں تمہیں امر کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ شامل لشکر کو بھی کہ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کریں ،تقویٰ ہی بہترین اسلحہ ہے دشمن پر قوی ترین مکیدہ میدان جنگ میں ہے میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور ان کو بھی جو تمہارے ساتھ ہیں کہ معصیت سے گریز کریں ،مسلمان لشکر کے گناہ ان کے لئے دشمن کے گناہ سے زیادہ خطرات ثابت ہوتے ہیں ۔مسلمان کو فتح ونصرت ہمیشہ اللہ کے دشمنوں سے نفرت ومعصیت میں حاصل ہے ہماری تعداد ان کی تعداد کے برابر نہیں ہے اور ہمارے وسائل ان کے وسائل جیسے نہیں ہیں ۔اگر معصیت میں بھی ہم برابر ہو جائیں تو اس وقت فضیلت میں وہ ہم سے برابر ہونگے پھر ہم ان پر فاتح نہیں ہونگے ،تم جس راستے پر جا رہے ہو جانتے ہو تم نے کیا کرنا ہے ،ان سے حیاء کریں ،معصیت الٰہی نہ کریں تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو ،یہ نہیں کہنا کہ ہمارے دشمن ہم سے زیادہ شریر ہیں اور وہ ہم پر مسلط نہیں ہونگے ۔

سعد نے عمر کو آگاہ کیا:[سیرت امیر المومنین ص ۳۷۹]

سعد بن وقاص نے حضرت عمر بن خطاب کو خط لکھا کہ جتنے بھی افراد نے عراق کے مسلمانوں سے مصالحت کی تھی وہ سب اس وقت اہل فارس سے مل گئے ہیں اور ان کے سامنے تسلیم ہو چکے ہیں اور ہم سے لڑنے پر آمادہ ہیں ،یہ آمادگی رستم اور اس جیسے لوگوں کی وجہ سے ہوئی ہے ،وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اچانک ہم پر حملہ کریں اور ہماری کوشش ہے کہ انہیں غفلت میں رکھیں اور اچانک انہیں باہر لائیں لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے ۔اس کی قضاوت مسلّم ہے چاہے ہمارے حق میں ہو یا ہمارے خلاف ہو ۔ہم اللہ پاک سے بہترین فیصلے کے منتظر ہیں ۔وہی حالات کو نیک تقدیر میں بدلنے والا ہے ۔سعد بن ابی وقاص کے خط کے جواب میں عمر بن خطاب نے لکھا آپ کا خط موصول ہوا ،پڑھا اور اس سے حالات سمجھے ۔آپ اپنی جگہ پر قائم رہیں یہاں تک کہ اللہ آپ کے دشمن کو ختم کرے ۔جان لو کہ ہر فیصلے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔اگر اللہ نے آپکو توفیق دی کہ ان کا پیچھا کریں تو آپ جلدی نہ پلٹیں حتیٰ انہیں مدائن تک بھگا دیں ۔یہ مدائن انشاء اللہ خراب

ہوتا ہے خلیفۃ المسلمین نے سعد بن وقاص کو ان مختصر سطور میں یہ بتایا۔

ا۔سردست آپ اپنی جگہ پر سکونت برقرار رکھیں اور وہاں سے کہیں حرکت نہ کریں۔

۲۔دشمن سے پہلے جنگ کی طرف جلدی نہ کریں بلکہ جنگ کے آغاز کا موقع دشمن کو دیں۔

۳۔ہر وہ چیز جو انسان کی فتح و کامرانی میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے، اسے اپنے پاس محفوظ رکھیں اور ہر وہ چیز جو دشمن کو بھگانے میں معاون ثابت ہو، اسکو اپنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مادی وسائل جو فتح و کامیابی کے لئے معاون ہوں، انہیں بھی نظر انداز نہ کریں۔دشمن پر نفسیاتی جنگ مسلط کرنا نہ چھوڑیئے اور انہیں گھروں میں جنگ نفسیات میں مبتلا رکھیں۔حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص سے کہا تم بادشاہ فارس کو مناظرے کے لئے دعوت دو۔آپ کو اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، ان کی طرف سے کوئی پریشان کن چیز سامنے نہیں آسکتی۔آپ اللہ سے مدد مانگیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔اہل فکر و نظر اور اہل طاقت و قدرت کو دعوت دیں۔اللہ پاک ان کی دعا سے دشمنان اسلام و مسلمین کو ذلیل اور آپکو کامیاب و کامران بنائے گا نیز ہر دن کے حالات ہمیں لکھ کر بھیج دیا کریں۔

مجاہدین اسلام کا یزدجرد بادشاہ کے دربار میں خطاب: [ص ۲۳۹]

عمر بن خطاب نے سعد ابن وقاص کو جب فتح عراق کے موقع پر وہ لشکر کی قیادت کر رہے تھے حکم دیا وہ اہل فکر و نظر کا وفد داعی بنا کر یزدجرد بادشاہ فرس کو حکمت اور مجادلہ احسن کی طرف دعوت دیں جو اپنی جگہ شجاعت کے ساتھ صاحب رائے بھی ہوں اور جو انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں، ایسے افراد کا انتخاب کریں اور انہیں مدائن بھیجیں۔سعد ابن وقاص نے چودہ برجستہ شخصیات دلیر و شجاع، خطیب، سخنور، حاضر جواب کو انتخاب کیا، یہ وفد اپنی جگہ اعلیٰ درجے کی اہلیت و صلاحیت کا حامل تھا۔یہ متبرک و بابرکت وفد نعمان ابن مکرم کی قیادت میں مدائن بادشاہ یزدجرد کے دربار میں پہنچا، وہ یہ افراد تھے۔

ا۔نعمان بن مغیرہ المزلی۔	۲۔بسرہ بن ابی رھم الجھنی	۳۔حملہ بن الحویہ الکنانی۔	۴۔حنظلہ بن الربیع التمیمی۔
۵۔فرات بن حیان العجلی	۶۔نعمان بن سھل	۷۔عطارد بن حاجب۔	۸۔اشعث بن قیس۔
۹۔حارث بن حسان۔	۱۰۔عمرو بن معدی۔	۱۱۔مغیرہ بن شعبہ۔	۱۲۔معنی بن حارثۃ

۱۳۔المغیرہ بن زرارہ۔

جب یہ وفد بادشاہ فرس کے پاس پہنچا تو بادشاہ نے مترجمین کو بلایا اور ان سے کہا ان سے پوچھیں وہ یہاں کیوں آئے ہیں اور یہ ہم سے کیوں جنگ کرنا چاہتے ہیں، یہ ہمارے ملک کی حدود میں کیوں داخل ہوئے ہیں، آیا ہم ان سے غفلت کرکے بیٹھے ہوئے ہیں، صرف نظر کئے ہوئے ہیں، اس لئے انھیں ہمارے خلاف یہ جرأت ہوئی تو نعمان بن مقرن نمائندہ اسلام نے اپنے ساتھیوں سے کہا اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو میں آپ کی نمائندگی میں بات کروں تو ساتھیوں نے انھیں بات کرنے کی اجازت دی۔

نعمان اٹھے اور کہا اللہ نے ہمارے اوپر رحم کرکے ایک رسول بھیجا، جو ہمیں خیر کی طرف راہنمائی کرتے تھے اور نیکی کا حکم دیتے تھے اور شرک کی نشاندہی کرتے اور اس سے روکتے تھے آپ نے ہمیں وعدہ دیا ہے کہ اگر ہم ان کی دعوت کو قبول کریں گے تو دنیا و آخرت کی نیکی ملے گی جب یہ دعوت قوم کو پہنچی تو وہ دو گروہ ہوگئے، ایک گروہ ان سے نزدیک ہوا اور ایک ان سے دور رہا۔ان کے ساتھ جو لوگ ہوتے ہیں وہ اس پر قائم رہتے ہیں، پھر انہوں نے ہمیں حکم دیا جو عرب ان کے خلاف ہیں ان کو دور کریں ہم سب پیغمبرؐ کے ساتھ لشکر میں جمع ہوئے کچھ حالت مجبوری میں اور کچھ ان کی خالص اطاعت میں، ہمیں پتہ چلا جو چیز وہ لائے ہیں وہ بہترین ہے۔ہم پہلے عداوت اور ضیق و تنگی میں تھے پھر ہمیں حکم دیا گیا اپنی پڑوسی قوموں کو دعوت دو شاید کہ وہ انصاف پر آمادہ ہوجائیں۔

اس لئے ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں، آپ ہمارے دین کی طرف آجائیں جو ایک اچھا دین ہے، نیکی کو بہتر کہتا ہے اور برائی کو برائی کہتا ہے اگر تم نے انکار کیا تو ہم مقابلے پر اتریں گے، اگر تم نے ہمارے دین کو قبول کیا تو تمہارے درمیان کتاب اللہ کو چھوڑیں گے اور اس کو نافذ کرینگے اور تم سے کہیں گے اس کے احکام پر چلو اور ہم واپس چلے جائیں گے اور تمہارا شہر تمہارے لئے چھوڑیں گے، اگر تم نے ہمارے ساتھ کوئی نیکی کی تو ہم اسے قبول کریں گے اور تمہاری حمایت کرینگے ورنہ تم سے جنگ لڑیں گے۔یزدجرد نے کہا میں روئے زمین پر کسی ایسی قوم و ملت کو نہیں جانتا جو اپنی تعداد میں سب سے کم ہو، سب سے زیادہ شقی ہو، اپنے درمیان بدترین

زندگی گزارتی ہو، ہم تمھیں چھوڑیں گے اور جو ہمارے آس پاس کے دیہات کے لوگ ہیں وہ ہمیں تمہارے شر سے بچائیں گے، تم سے لڑنے کیلئے یہی لوگ کافی ہیں اہل فارس سے جنگ نہ کریں، ان کو سیدھا کرنے کی طمع نہ کریں، اگر تمہیں غرور ہے تو ہم سے مغرور نہ ہوں، اگر تم زحمت و مشکلات میں ہو اور اس وجہ سے ہمارے خلاف جنگ لڑ رہے ہو تو ہم تمہیں کچھ ضروریات بھیج دیں گے اور تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کرینگے اور آئندہ تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک رکھیں گے۔

مغیرہ بن زرارہ اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا اے بادشاہ! یہ حاضرین عرب کے محترم چہرے ہیں، برگزیدہ انسان ہیں، اچھے خاندان سے منتخب ہیں اشراف کا احترام کرتے ہیں اور اشراف کے حقوق کی تعظیم کرتے ہیں، یہ جو کچھ پیغام تم کو بتایا ہے یہ ہماری کل رسالت نہیں ہے نہ یہی سب باتیں تم کو بتائی ہیں انھوں نے بہت بہتر انداز میں تم سے گفتگو کی ہے تم ہمیں جواب دے دو، جو ہم نے پیغام پہنچایا ہے اس پر تم گواہ رہو، جس صفت سے تم نے ہمیں متصف کیا ہے اس کو ہم نہیں جانتے ہیں، جو ہماری حالت زار کا ذکر تم نے کیا ہے تم اس سے بدتر حالت میں ہو، جس بھوک کا تم نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ہے ہم کیڑے مکوڑے، عقرب، سانپ کھاتے تھے یہ ہمارا طعام تھا رہائش و منزل زمین تھی ہمارے لباس اونٹوں کے بال تھے اور مال مویشی کے بال سے بنے ہوئے تھے ہم ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے، ایک دوسرے کے خلاف شب خون مارتے تھے ہم میں وہ افراد بھی ہیں جو اپنی بیٹی کو زندہ درگور کرتے تھے تاکہ وہ ہمارا کھانا نہ کھا جائے ہمارا حال اس سے پہلے بہت برا تھا، اللہ نے اس مرد کو مبعوث کیا، وہ ہمارے درمیان جانے پہچانے اور معروف خاندان سے ہیں ہم ان کے نسب کو جانتے ہیں، جائے پیدائش کو جانتے ہیں، وہ ہماری زمین سے بہتر زمین پر پیدا ہوئے، ہمارے حساب سے ان کا حساب بہتر ہے، ہمارے گھر سے ان کا گھر بہتر ہے، ہمارے قبیلہ سے ان کا قبیلہ بہتر ہے وہ خود ہم سے کئی گنا بہتر ہیں، وہ ہم سے زیادہ سچے تھے حلیم تھے انہوں نے ہمیں ایک امر کی طرف دعوت دی، سب سے پہلے ان کو قبول کرنے والے ان کے ہم عمر تھے، وہی ان کے بعد جانشین بنے۔انھوں نے ہمارے دلوں میں نفوذ کیا، ہم نے ان کی تصدیق و پیروی کی اب ہمارے اور ان کے درمیان اللہ رب العالمین ہے جو کچھ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے وہ اللہ کا حکم ہے وہ قول رب ہے۔

فتوحات اسلامی یا کشور کشائی:

ظہور اسلام سے پہلے مشرق زمین میں دو بڑی قدرتمند طاقتور حکومتیں بنام فارس و روم تھی وہ دونوں ایک دوسرے کی رقابت میں چھوٹے علاقوں کو اپنی استعمارگری میں لئے ہوئے تھیں نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد خلیفہ اوّل و دوم ان دو طاقتوں سے بغیر کسی خوف وہراس کے توکل باللہ کرتے ہوئے نبرد آزما ہوئے۔آج کل کے بعض مورخین کا اس حوالے سے کہنا ہے یہ جنگیں خلیفہ اوّل و دوم نے اسلام کے نام سے لڑی ہیں لیکن اسے جنگ اسلامی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ایک قسم کی کشور کشائی تھی جو درست نہیں، اسلام میں کشور کشائی نہیں ہے۔جب آپ کے پاس اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم وتربیت کا بندوبست نہ ہو تو انہیں فتح کر کے ایک مصیبت مول لینا معقول نہیں چنانچہ آج کل کے فقہا کا کہنا ہے جب تک آپ کے پاس بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے وافر وسائل میسر نہ ہوں، بچے پیدا نہیں کرسکتے ہیں اسی طرح جب تک کسی کے کھانے، ذریعہ معاش اور تعلیم وتربیت کا بندوبست نہیں کرسکتے، تو ان کو جبر وتشدد سے دین میں لانا ایک عاقلانہ عمل نہیں کہا جاسکتا لہٰذا اس کو فتوحات اسلامی کہنے کی بجائے کشور کشائی کہنا چاہیے جبکہ عام مسلمان، منصف اور حق بین مورخین کا کہنا ہے یہ حقیقت میں عظیم فتح اسلامی ہے جس کی بشارت خود نبی کریمؐ نے دی تھی جو کہ آپ کے بعد امت اسلامی کو نصیب ہوئی ہے۔جو گروہ یا فرقہ اسے کشور کشائی کہتا ہے وہ یا تو غصہ وطیش میں ایسا کرتا ہے یا ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے جسکی وجہ سے وہ حقائق سے چشم پوشی کررہے ہیں۔انہیں آنکھ کھول کر پیغمبرؐ کی جنگوں کو دیکھنا چاہیے۔کیا نبی اکرمؐ کے مدینہ ہجرت کے بعد دس سالوں کے سریہ اور غزوات میں وقفہ تھا عمر اور ابو بکر نے اس میدان میں جنگ اور طریقہ جنگ میں پیغمبر اکرمؐ سے کسی قسم کی انحرافی روش نہیں اپنائی ہے۔لیکن جہاں لوگوں کو اسلام کے زریں اصول اور حیات بخش آئین کی طرف دعوت دی جاتی ہے یہ عمل کشور کشائی میں شمار نہیں ہوتا کیونکہ کشور کشائی میں بہت سے نامطلوب نتائج بھی ہمراہ ہوتے ہیں۔

ادارہ قضاوت کا قیام:
[مبشرون جلد۹ ص۔۹]

صدر اسلام میں یعنی نبی کریمؐ کے دور سے لیکر ابو بکر اور عمر کے ابتدائی دور تک کوئی ادارہ یا شخص بنام قضاوت یا قاضی نہیں تھا۔اس کی چند وجوہات ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ دائرہ اجتماع محدود تھا۔ دوسری وجہ امت میں بغض وعناد نامی چیزیں جل کر سوکھ چکی تھیں اور تنازع وتخاصم کی کوئی آواز سننے میں نہیں آتی تھی لہٰذا خلیفہ تمام

امور مملکت خود چلاتے تھے جوں ہی مملکت اسلامی میں وسعت آئی اور نازہ اسلام میں داخل ہونے والے جاہل مسلمان اور منافقین انکی صفوں میں گھل مل گئے تو تنازعات و تخاصمات شروع ہوئے۔ یہاں سے ایک مستقل ادارے کے قیام کی ضرورت پڑی۔ خلیفہ مسلمین کی ذمہ داریوں میں دوسرا منصب منصب قضاوت ہے جو کہ فصل خصومات ہے۔ اس کی سند خود قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت داؤد کے بارے میں فرمایا۔ اے داؤد ہم نے آپکو خلیفہ بنایا آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے احکامات کے مطابق فیصلہ کریں۔ ﴿فَلا وَ رَبِّکَ لا یُؤْمِنُونَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فیما شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لا یَجِدُوا فی أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوا تَسْلیماً" پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کردیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں"﴾ (نساء ۶۵) اسی طرح مسلمانوں کے بارے میں فرمایا آپ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں کہلا سکتے جب تک اپنے تنازعات میں پیغمبر اکرمؐ کو حکم نہ بنائیں۔ قرآن کریم کی اسی ہدایت کے تحت جب نبی اسلامؐ خود موجود تھے تو عسکری و انتظامی نظم و نسق خود فرماتے تھے۔ اسی طرح دور دراز کے لوگوں کی فصل خصومات وہاں منسوب والی کے ذمہ ہوتی تھیں۔ نبی اکرمؐ کی وفات کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر بھی خلافت کے نظم و نسق کے ذمہ دار ہونے کے علاوہ قضاوت بھی خود کرتے تھے۔ لیکن جب مملکت اسلامی میں وسعت آئی، لوگوں کے مسائل میں اضافہ ہوتا گیا اور خلیفہ کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا اور ان کی مسئولیات بڑھ گئیں تو یہاں سے ضرورت پڑی کہ منصب قضاوت خود انجام دینے کی بجائے اس پر کسی کو معین کیا جائے۔ حضرت عمر نے حالات کو دیکھا تو ایک شہر کو دوسرے شہر سے الگ کرنے پر اتفاق کیا اور کہا ہر ایک کے قاضی کو مستقل کیا جائے اسی طرح شہروں میں معین والی جو کہ خود حاکم و قاضی دونوں عہدوں پر تعینات تھے لیکن مصروفیات بڑھنے کے بعد انہیں بھی قضاوت کیلئے مخصوص افراد کی ضرورت پڑی۔ یہ افراد یا خلیفہ از خود قاضی کا انتخاب کرتے تھے یا یہ حق اس منصب کے والی کو تفویض کرتے تھے۔ منصب قضاوت کو حکومت سے الگ کرنے کا کام سب سے پہلے خلیفہ دوم حضرت عمر نے کیا۔ اس سے بعض جگہوں پر والیوں کی مصروفیات قضاوت میں مانع ہو رہی تھیں، جہاں وہ حکومت اور قضاوت دونوں عہدوں پر فائز تھے۔ جن کو حضرت عمر نے صرف قضاوت کے منصب پر منتخب کیا وہ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود تھے جو کہ بیت المال اور قضاوت دونوں عہدوں پر فائز تھے اس وقت عمار یاسر کوفہ میں امام جمعہ و جماعت تھے۔ سلمان بن ربیع بصرہ میں اور پھر قادسیہ میں والی تھے۔ نافع خزاعی والی مکہ تھے پھر انہیں معزول کیا گیا اور ان کی جگہ خالد ابن عاص بن ہشام بن مغیرہ کو لگایا گیا۔

قاضی کی شرائط:

آپ نے فرمایا حکم الٰہی قائم کرو۔ خوشامد و چاپلوسی کرنے والوں سے بچو۔ کسی سے لالچ نہ رکھو۔ حکم اللہ قائم نہیں ہو سکتا الا اس شخص سے جب وہ بات کرے تو اس کو توڑا نہ ہو۔ حضرت عمر طمع سے دور رہتے اور نا اہل و نالائق قاضیوں کو عزل کرتے۔ انس ابن سیرین نے نقل کیا عمر نے ایک شخص کو قاضی مقرر کیا۔ دو آدمی ایک دینار کے بارے میں اس کے پاس نزاع لیکر آئے۔ قاضی نے خود سے ایک دینار دیکر مسئلے کو حل کر دیا تو حضرت عمر نے کہا اب تم قضاوت چھوڑ دو۔

حضرت عمر کا والی کے بیٹے سے اس کے حضور میں قصاص: [قصص العرب تالیف جاد مولا ج ۳ ص ۸]

عقد فرید انہوں نے انس سے نقل کیا ہے کہ ایک دن امیر المومنین عمر بن خطاب بیٹھے ہوئے تھے مصر سے ایک شخص فریاد کرتے ہوئے حاضر ہوا، کہا میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں عمر نے کہا میں نے پناہ دی ہے، کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگا میں نے اور آپ کے والی مصر عمرو بن عاص کے بیٹے نے گھوڑا دوڑانے میں مسابقہ کیا تھا وہ بار بار مجھے لاٹھی مارتے ہوئے کہتے تھے میں ابن اکرمین ہوں تو یہ خبر عمرو تک پہنچی تو ان کے باپ ڈر گئے کہ میں یہ شکایت آپ سے نہ کروں، مجھے زندان میں قید کیا، میں اس کے زندان سے بھاگ کر آیا ہوں، آپ سے پناہ مانگتا ہوں، عمر بن خطاب نے عمرو عاص کو خط لکھا جب تمہارے پاس یہ خط پہنچے تو تم اور تمہارا بیٹا دونوں حج کے موقعہ پر مکہ میں ہم سے ملیں۔

مصری سے کہا تم یہیں پر رک جاؤ چنانچہ عمر حج کے موقعہ پر مکہ پہنچے، حج ختم ہونے کے بعد حضرت عمر کے پاس عمرو بن عاص اور اسکا بیٹا بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمر نے اپنا تازیانہ مصری کو دیا، اس نے عمرو بن عاص کے بیٹے پر لگا تار تازیانے مارے، عمر کہتے تھے ابن اکرمین کو مارو، پھر مصری سے کہا کیا تم نے اپنا انتقام لے لیا، مصری نے کہا یا امیر المومنین جس نے مجھے مارا تھا میں نے اسے مار لیا، پھر عمرو سے کہا تم لوگوں نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام گردانا شروع کیا ہے حالانکہ وہ

آزاد پیدا ہوئے ہیں۔

قاضی بصرہ:

عامر نے کہا حضرت عمر نے ابن ثور کو بصرہ اور شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ابو موسیٰ والی و قاضی بصرہ تھے، کہتے ہیں حضرت عمر نے ان کو قاضی بنایا۔ابو عبداللہ ادریس کہتے ہیں کہ میں سعید ابن ابی وردا کے پاس آیا، ان سے حضرت عمر کے خطوط کے بارے میں پوچھا جو وہ ابو موسیٰ اشعری کو لکھتے تھے۔کہا مجھے وہ خط دکھائیں۔لکھا تھا قضا فریضہ محکم ہے اور فریضہ محکم سنت موکدہ ہے اگر آپ کے پاس کوئی آیا۔اس خط میں حضرت عمر نے اصول قضاوت کو بیان کیا اور بتایا کہ قاضی کو کن کن اصولوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

قاضی کوفہ:

خلیفہ دوم نے کوفہ کے لیے قاضی شریح کو نامزد کیا، ان کے دور خلافت میں شریح ہی قاضی رہے، شریح ہمیشہ تسلسل سے قاضی کوفہ رہے یہاں تک کہ ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوگئی، اس وقت وہ اس عہدے سے برطرف ہوئے بعض نے لکھا ہے کہ شریح کوفہ میں ۵۳ سال اور بصرہ میں ۷ سال قاضی رہے، شریح نے قضاوت یمن میں متعین قاضی معاذ سے سیکھی تھی۔

حضرت عمر قاضیوں کا خود تعین کرتے تھے۔اور ان کے مصارف بیت المال مسلمین ہی سے دیتے تھے۔

عمرو عاص مصر کا والی تھا اس نے عثمان بن قیس بن ابی العاص کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔

تقاضائے عدالت کے تحت حضرت عمر کی مار کے ڈر سے ایک شخص نصاریٰ ہوگیا:

کہتے ہیں جبلہ بن آیہن بن ابی شمر غسانی شام کے شہر میں آخری بادشاہ تھا جس نے حضرت عمر کے دور میں اسلام قبول کیا پھر مرتد ہوا اور دوبارہ شام گیا وہاں سے قسطنطنیہ گیا، اس نے ۲۰ ہجری کو وفات پائی۔اس نے اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا اور عمر بن خطاب کو لکھا میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں، عمر اس سے خوش ہوئے، مسلمان بھی خوش ہوئے، کہا آپ آجائیں جبلہ پانچ سو کا لشکر لے کر مدینہ روانہ ہوا، جب مدینہ سے نزدیک ہوئے تو لشکر کو سونے چاندی کے دھاگے سے مزین لباس پہنایا اور تاج پہنایا اور مدینے میں داخل ہوئے جب مدینے میں داخل ہوئے تو لوگوں کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی اسے دیکھنے کے لئے نکلے جب عمر کے پاس پہنچے تو آپ نے اس کا استقبال کیا اور اپنی جگہ کے نزدیک اسے جگہ دی۔

عمر نے جب حج کو جانا چاہا تو جبلہ بھی ان کے ساتھ نکلا جب وہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو بنی ضرارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کی چادر پر پڑا تو اس نے غصے سے اس کو دیکھا اور اسے مارا جس سے اس کی ناک سے خون بہہ نکلا، اس نے عمر بن خطاب سے اس کی شکایت کی تو عمر نے جبلہ کو بلایا اور ان سے پوچھا اے جبلہ! تم نے اس کی ناک سے خون کیوں بہایا اس نے کہا اس نے میری چادر کو پاؤں کے نیچے دیا اگر اس گھر کا احترام نہ ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا تو حضرت عمر نے کہا تم نے اقرار کیا کہ تم نے اسے مارا ہے لہٰذا یا تم اسے راضی کرو ورنہ ہم اسے کہیں گے کہ وہ تم سے قصاص لے، جبلہ نے کہا کیا وہ مجھ سے قصاص لے گا، میں بادشاہ ہوں اور وہ بازاری ہے عمر نے کہا جبلہ اسلام نے آپ کو اور اسے یکجا کیا ہے، اب یہاں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے، جبلہ نے کہا میں امید رکھتا تھا کہ جاہلیت سے اسلام کی طرف آنے کے بعد زیادہ عزت مند ہو جاؤں گا عمر نے کہا اس چیز کو چھوڑو، اگر تم اسے راضی نہیں کرتے تو میں تم سے قصاص لوں گا۔

جبلہ نے کہا پھر تو میں نصاریٰ ہو جاؤں گا عمر نے کہا اگر تم نصاریٰ ہو جاؤ گے تو ہم تمہاری گردن ماردیں گے یہاں تک کہ جبلہ اور ضرارہ کی قوم میں فتنہ برپا ہونے والا تھا کہ جبلہ نے کہا یا امیر المومنین! مجھے کل تک کی مہلت دیں تو عمر نے کہا تمہیں اجازت ہے جب رات قریب ہوئی تو جبلہ اور اس کے اصحاب مکہ سے نکلے اور قسطنطنیہ میں ہرقل کے پاس پہنچے اور نصاریٰ ہونے کا اعلان کیا ہرقل نے اس کو نوازا اور خوشی کا مظاہرہ کیا اور مال و جائیداد دی اور اسے اپنے دربار میں خاص مقام دیا۔

درآمدات دورخلیفہ دوم:[کتاب عمرابن خطاب شخصیۃ واصلۃ ص ۲۴۰]

دورخلیفہ راشد دوم نے اموال درآمدات اور مصارف پر عمیقانہ گہرائی میں وسعت نظری سے مال کو دیکھا ہے مال اللہ کی امانت ہے انسان اس میں اللہ کا امین ہے جو شرائط اللہ نے اس کے بارے میں وضع کی ہیں اور قرآن میں ہدایت آئی ہے وہ اس پر کاربند رہے، مال کے بارے میں قرآن کریم کی سورہ حدید ۷ بقرہ ۲۵۴ بقرہ ۷۷ اذاریات ۲۲ میں ذکر آیا ہے انہی آیات سے استفادہ و استنباط کرتے ہوئے خلیفہ دوم نے درآمدات پر دقت وباریک بینی اور سختی سے توجہ دی کیونکہ اس وقت بہت سی نئی آبادیاں فتح ہوئی تھیں اور بہت سی اقوام وملل خلافت اسلامی کے سامنے خاضع ہوئیں بعض علاقے خلافت اسلامی کے ساتھ صلح کے ذریعے اور بعض فتح کے ذریعے مملکت اسلامی میں داخل ہوئے۔ اس طریقے سے آباد ہونے والی زمینوں کو فقہ اسلامی میں مفتوح العنوۃ کہتے ہیں اور بعض جگہیں وہاں کے شہری خلیفہ مسلمین کے ساتھ مصالحت کر کے چھوڑ کر گئے ہیں ان میں زیادہ تر اہل کتاب یہود و نصاریٰ آتے ہیں تو خلیفہ دوم نے ان کے ساتھ معاملے کو حکم قرآن وسنت کے تحت تنظیم دیا۔ نظام مالی کو بہتر بنانے کیلئے درآمدات و مصارف اور لوگوں کے حقوق کو تنظیم کرنے کیلئے دفاتر قائم کئے ہیں دورخلیفہ دوم میں درآمدات بھی بڑھی ہیں اور مصارف بھی ہم پہلے مصارف کا ذکر کرتے ہیں خلیفہ نے اس کے لیے ادارہ دیوان قائم کیا اور ایک شخص کو اس کا نگران ومشرف بنایا، ان کے دور خلافت میں درآمدات ذرائع سے حاصل ہوئی ہیں زکوۃ، غنائم فیء، جزیہ، خراج اور تجارت کا ٹیکس۔ اس سلسلے میں انہوں نے کتاب اللہ اور سنت نبیؐ پر پابند رہنے اور اپنے نظریے کو مقدم نہ رکھنے کی کوشش کی ہے جہاں کوئی مسئلہ پیچیدہ ہوگیا تو مسلمانوں سے مشورہ کیا ہے۔

مصارف، مخارج خلیفہ دوم:[عشرہ مبشرون جلد ۵ ص ۱۳۱]

حضرت عمر جس دن خلیفہ منتخب ہوئے، انہوں نے اپنے خطاب میں بیت المال سے اپنے حصے کا ذکر کرتے ہوئے کہا میں نے اپنے نفس کو بیت المال مسلمین سے دلی طور پر حد سے نیچے اتارا ہے اگر یہ میرے مصرف سے زیادہ ہو جائے تو میں اس سے کم لوں گا اگر یہ رقم میری ضروریات کیلئے پوری نہ ہو تو میں بقدر معروف استفادہ کروں گا۔ حضرت عمر ایک عرصے تک بیت المال سے کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ ان پر سختیاں آگئیں چنانچہ وہ خاندان بیت المال سے قرضہ لیتے تھے دوسرے راتب سے اس قرضے کو ادا کرتے تھے اس طرح ان کی زندگی بہت سخت حالات میں گزر رہی تھی کتاب خلفاء راشدون ص ۲۲۱ پر آیا ہے ایک دن علی، عثمان اور طلحہ ایک جگہ جمع تھے حالت زار خلیفہ کا ذکر ہوا تو تینوں نے فیصلہ کیا جا کر ان سے دریافت کریں کہ کیا ہم آپ کے راتب میں اضافہ نہ کریں تو کسی کی جرات نہیں ہوئی انہوں نے جا کر حفصہ ام المومنین کو واسطہ بنایا کہ آپ جا کر اپنی طرف سے پوچھیں اور کہیں کہ کچھ اصحاب نے مجھے واسطہ بنایا ہے کہ آپ سے پوچھیں کہ کیا آپ کے لیے بیت المال سے کچھ اضافہ کریں تو کہا وہ لوگ کون تھے جنہوں نے تمہیں واسطہ بنایا تھا تو حفصہ نے کہا میں یہ نہیں بتا سکتی ہوں کہ وہ کون تھے۔

انہوں نے اصحاب رسولؐ کے پاس افراد بھیجے کہ ان سے مشورہ کریں، حضرت عمر نے ان سے کہا میں نے اپنے نفس کو اس منصب میں مشغول رکھا ہوا ہے، آپ بتائیں کہ میں بیت المال سے کس حد تک استفادہ کر سکتا ہوں تو حضرت عثمان نے کہا کھائیں اور لوگوں کو کھلائیں۔ سعید ابن زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ نے بھی یہی بات کہی۔ علی سے پوچھا آپ اس سلسلے میں کیا مشورہ دیتے ہیں تو علی نے کہا صبح وشام کھا سکتے ہیں تو حضرت عمر نے اس سے زیادہ نہ کھایا۔ عبداللہ بن عمر اپنی اور اہل خانہ کے لیے بیت المال سے مقدار رزاق (بیت المال سے معین کردہ حصہ) کھاتے تھے گرمیوں میں ایک چادر پہنتے تھے۔ بسا اوقات قمیض پھٹ جاتی تو پیوند لگاتے تھے۔ جب بھی باہر سے کوئی اموال آتے تو وہ اس میں سے جو لباس لیتے وہ گزشتہ سال کی نسبت پست تر ہوتا۔ چنانچہ ایک دفعہ حفصہ نے ان سے بات کی تو کہا مال مسلمین سے میرا اتنا ہی حق بنتا ہے۔

جب کثرت فتوحات کی وجہ سے آمدنیات اور مصارف بڑھ گئے تو حضرت عمر نے نظام مالی کو تنظیم دینے کے لئے خصوصی توجہ دی اور نظام مالی میں آمدنیات، مصارف ومخارج اور نیازمندوں میں تقسیم کار پر غور کرنا شروع کیا کہ آمدن کہاں کہاں سے آتی ہے، خرچ کہاں ہوتی ہے اور ہمارے ذمے کتنے حقوق طلب افراد ہیں۔

سیاست مالی نظام خلفائے راشدین:[عثمان بن عفان شخصیۃ وعصرہ تالیف صلابی ص ۱۰۷]

مالی نظام اسلامی کے بنیادی عناصر جن پر یہ نظام قائم ہے:

۱۔درآمدات مسلمین کن کن ذرائع ووسائل سے آتی ہیں ان ذرائع و وسائل کو استعمال کرنے کے کیا اصول وضوابط ہیں زیادتی سے پرہیز کرنے کیلئے کیا کیا ہدایات یا اس میں احتیاط برتی گئی ہے۔

۲۔ان اموال کو جمع کرنے والے افراد ہیں جنھیں قرآن میں عاملین کہا گیا ہے ان کے انتخاب کا کیا نظام ہے اور ان کیلئے کیا حقوق معین کئے گئے ہیں۔

۳۔جہاں یہ اموال جمع ہوتے ہیں اصطلاح اسلامی میں اسے بیت المال مسلمین کہتے ہیں۔کون کون بیت المال مسلمین سے اپنے مخارج ومصارف لینے کا مستحق ہے اور اس دور میں اعلیٰ سربراہ مملکت سے ادنیٰ خادم وخدمت گزار کس اصول ومعیار کے مطابق اپنے رواتب اخذ کرتے تھے۔مسلمانوں کے ذمہ واجب اموال کو جمع کرنے والوں کو قرآن میں عاملین کہا گیا ہے۔اصطلاح فقہا میں عمال کہتے ہیں،خراج وزکوٰۃ جمع کرنے والے لوگ درحقیقت حکومت کے نائب ہیں اگر انہوں نے لوگوں سے جمع کیا تو انہوں نے ایک فریضہ جو اپنے ذمہ تھا ادا کیا یہ مسلمانوں سے مال جمع کرتے وقت کسی پر ظلم وزیادتی اور ضرر پہنچایا یا ان کی استطاعت سے زیادہ یا ان کے اوپر واجب سے زیادہ اخذ کرنے سے دین میں منع کیا گیا ہے چنانچہ کہا ہے،جابی یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کے اموال سے اچھی اور بہتر چیز کا انتخاب کرے یہ حق زکوٰۃ دینے والے کے لیے رکھا گیا ہے۔

۴۔جن کے مخارج ومصارف کا بوجھ بیت المال مسلمین پر ہے وہ اپنے مصارف بیت المال سے لیتے ہیں یا خود مومنین سے لیتے ہیں جیسے زکوٰۃ جن پر واجب ہے ان سے خود لیتے ہیں یا اس طریقے سے کہ جہاں حکومت ان سے لیتی ہے پھر حکومت رعایا اور مستحقین میں تقسیم کرتی ہے۔

بیت المال اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں حکومتی اموال جمع ہوتے ہیں اور یہیں سے مال نکال کر ملت میں تقسیم کرتے ہیں یہاں لشکر فوج،قضاۃ،والیان، خادمان،عامہ وخاصہ حکومتی ادارے میں کام کرنے حتی خود امیر المومنین اپنے اخراجات نکالتے ہیں۔ابتدائی دور یعنی پیغمبرؐ کے دور میں بیت المال نامی کوئی جگہ نہیں تھی پیغمبرؐ کی سیرت یہی تھی کہ آنے والے مال کو ایک دن کیلئے بھی روک کر نہ رکھیں اور تقسیم کریں حضرت ابو بکر اسی سیرت پر چلے اور حضرت عمر اپنے ابتدائی دور تک اس پر گامزن رہے۔

اس فکر کی سوچ اس وقت آئی کہ ابو ہریرہ یمن سے پانچ لاکھ درھم لے کر آئے،عمر نے ابو ہریرہ سے پوچھا،کیا لائے ہو تو انھوں نے کہا پانچ لاکھ درھم لایا ہوں عمر نے کہا افسوس ہو تم پر،پتہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو تو انہوں نے کہا جانتا ہوں عمر نے کہا نیند میں ہو،اپنے گھر جاؤ،واپس جا کر نیند پوری کر کے آجاؤ۔جب صبح ہوئی تو ابو ہریرہ آئے تو عمر نے پوچھا کیا لائے ہو تو انھوں نے کہا پانچ لاکھ تو کہا افسوس ہے تم پر،پتہ نہیں چل رہا ہے تم نے کیا کہنا ہے کہا ایک لاکھ پھر پانچ دفعہ گنا اپنی انگلی سے گنا منبر پر گئے حمد وثنا کی اور کہا ایھا الناس ہمارے پاس بہت مال و دولت آئی ہے اگر چاہتے ہو تو ہم وزن کر کے دیں گے اگر گن کے لینا چاہتے ہو تو گن کے لے لو تو کسی نے کہا یا امیر المومنین میں نے عجمیوں کو دیکھا ہے وہ لوگ اپنے لیے ایک دفتر بناتے ہیں یہ سب ایک جگہ جمع کرتے ہیں حضرت عمر کو یہ تجویز پسند آئی چنانچہ دفتر بنانے کیلئے مشورہ کیا گیا مختلف مشورے دیئے گئے،ولید بن ہشام بن مغیرہ نے کہا میں نے شام کے بادشاہ کو دیکھا انہوں نے دیوان بنایا ہے،لشکر ترتیب دیا ہے۔بعض نے کہا یہ بات خالد بن ولید نے کہی ہے بعض نے کہا ہے کسریٰ ایران کے پاس ایک جگہ ہے جہاں وہ اپنی تمام درآمدات،مخارج ومحاسب کا حساب رکھتا ہے ہر چیز کا حساب ہوتا ہے،حضرت عمر نے کہا اچھی بات ہے۔بعد میں ان کا حساب وغیرہ رکھنے کیلئے ایک خاص جگہ معین کرنا پڑی جہاں مال جمع کیا جاتا اور وہاں سے تقسیم بھی کیا جاتا اور یہ سب کچھ تحریر میں لایا جاتا،اس کو دیوان کا نام دیا گیا چنانچہ جب سلطنت اسلامی بڑھ گئی تو وہ اس کو چلانے کی فکر وسوچ میں پڑے اور خاص کر کے جب فتوحات کے نتیجے میں درآمدات بڑھ گئیں جزیہ،خراج اور صدقات اور لشکر بھی بڑھ گئے تو اس حوالے سے ان امور وغیرہ کو باقائدہ لکھنے کی ضرورت پڑی۔درآمدات اور مصارف نے اپنی حدود سے تجاوز کیا تو خلیفہ نے دیکھا خلیفہ یا اس کے والی کے بس کی بات نہیں کہ ان کا حساب کریں اور نہ یہ درست ہے کہ یہ والیوں پر بغیر حساب وکتاب کے ان کے رحم وکرم پر چھوڑا جائے۔

درآمدات بیت المال:

خراج،جزیہ،عشر،زکوٰۃ،خمس،غنائم:

خراج کتاب معجم اقتصادی اسلامی تالیف دکتور احمد شرباصی ص ۱۲۹ پر آیا ہے خراج تاوان کو کہتے ہیں اس کی جمع اخراج۔اخاریج۔اخرجہ ہے خراج خ پر کسرہ

کے ساتھ لغت میں زمین کی فصل یا کرایہ سے درآمد والی آمدن کو کہتے ہیں اصطلاح میں حکومت کے وصول کردہ مال کو کہتے ہیں جس میں ٹیکس جزیہ مال فئے آتا ہے۔

خراج: [عمر ابن خطاب شخصیتہ واصلاحا ص ۲۴۹]

خراج کے دو مصداق و مفہوم ہیں ایک معنی عام ہے یعنی ہر وہ چیز یا ہر وہ مال جو بیت المال مسلمین میں زکوٰۃ کے علاوہ جمع ہوتا ہے اسے خراج کہتے ہیں اس میں فی، جزیہ اور عشر آتا ہے۔ عشر لسان عرب میں آیا ہے عشور جمع عشر ہے۔ یہ مسلمانوں کے اموال میں سے تجارت کیلئے مختص ہے صدقات کیلئے نہیں۔ یہ اس حصے کو کہتے ہیں جس پر دو ملکوں کے درمیان معاہدہ ہوتا ہے یہاں سے جو مال دوسرے ملک میں داخل ہوگا اس سے اتنا مال وصول کریں گے اس کو آج کل کسٹم کہتے ہیں۔ خراج کا دوسرا معنی خاص ہے وہ سرزمین ہے جو مسلمانوں نے طاقت وقدرت سے فتح کی ہو جسے حاکم اسلامی نے ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کیلئے وقف کیا ہو جیسے سرزمین عراق وشام۔ فقہ میں آیا ہے یہ زمین نہ اجارے پر دے سکتے ہیں اور نہ ہی یہ فروخت ہو سکتی ہے جب اسلام کی طاقت وقدرت اور مسلسل فتوحات بڑھتی گئیں خاص کر کے جب انہوں نے وقت کی دو بڑی طاقتوں فارس اور روم پر غلبہ حاصل کیا تو اس وقت سے بیت المال المسلمین کی درآمدات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور ساتھ ہی اس کے مصارف ومخارج بھی بڑھتے گئے۔ اس وسیع وعریض طویل حکومت کو محفوظ رکھنے اور اس کی عزت وسلطنت کو دوام بخشنے کیلئے عامہ وخاصہ کے مصالح کا پاس رکھنے کیلئے ایک نظام مالی صالح رشیدہ کی ضرورت تھی عمر اسی سوچ میں پڑے کہ ایک مالی مصدر ثابت ودائم ہونا چاہیے جو ان ضروریات کو پورا کرے، اس کیلئے انہوں نے خراج کو انتخاب کیا، جب سرزمینوں کی فتح ہوئی اور وہ کافروں کے ہاتھ سے آزاد ہوئیں تو فاتح مجاہدین نے چاہا کہ مال غنائم کے ساتھ زمین بھی غنائم جنگی میں شمار کریں۔ عمر ابتداء میں اس کے حق میں تھے کہ زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کریں لیکن حضرت علی نے اس کی مخالفت کی اور علی کے ساتھ اس مخالفت میں معاذ بن جبل بھی شریک ہوئے، ان دونوں نے عمر کو زمین تقسیم کرنے سے روکا۔ ابو عبیدہ ثقفی نقل کرتے ہیں عمر زمین جابیہ پہنچے اور زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا چاہا تو معاذ نے کہا اگر ایسا کریں گے تو اس کا نتیجہ آپ کی خواہشات اور ارادوں کے خلاف نکلے گا یہ زمین ایک ایسی قوم کے ہاتھوں میں جائے گی کہ وہ قوم چلی جائے گی اور پھر وہ ایک عورت ومرد کے ہاتھوں میں آجائے گی پھر وہ لوگ اسلام کی ضد میں کام کریں گے، ایسا حل تلاش کریں جو ابتداء سے آخر تک کیلئے قابل استفادہ ہو۔ معاذ بن جبل اور حضرت علی کے اس مشورے کے بعد عمر نے آیات قرآن کی تلاش کرنا شروع کیا اور اس کلمہ کے بارے میں سوچنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سورہ حشر میں موجود آیت ﴿ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ پر نظر پڑی اور اس سے واضح ہوا کہ یہ آیت فی ءکی طرف اشارہ کرتی ہے۔

یعنی اس وقت کے مسلمانوں اور آئندہ آنے والے مسلمانوں کیلئے ہے یہاں سے انہوں نے معاذ بن جبل کی رائے کو ترجیح دی اور یہ خبر لشکر میں پھیل گئی اور حضرت عمر اور بعض صحابہ کے درمیان میں اختلاف ہوا، عمر اور ان کے حامیوں کا نظریہ تھا کہ زمین جو فتح ہوئی ہے تقسیم نہ ہو جائے لیکن بعض صحابہ جن میں بلال بن رباح اور زبیر بن عوام شامل تھے، ان کا خیال تھا تقسیم ہو جائے جس طرح مال غنائم تقسیم ہوتے ہیں چنانچہ پیغمبرؐ نے خیبر میں ایسا کیا تھا تو عمر نے تقسیم کرنے سے انکار کیا۔ انھوں نے عمر کو سورہ حشر کی آیت ۶، ۷ پڑھائی لیکن وہ پھر بھی نہیں مانے۔ کہا یہ حکم تمام جگہوں پر چلے گا اسی طرح سورہ حشر کی آیت ۸، ۹ پھر اصحاب کو بھی شامل کیا۔ بعد میں آنے والے غیر اصحاب کو بھی شامل کیا اور ہر مسلمان کو اس حصہ زمین میں شریک کیا یہاں تک کہ عمر نے کہا اگر میں زندہ رہا تو اس کا حصہ صنعائے یمن میں مقیم مسلمانوں کو بھی ملے گا۔ بہت سے لوگوں نے اشکال کیا تو عمر نے کہا میں وہاں روکوں گا جہاں اللہ نے روکا ہے۔

چوتھی درآمد عشور ہے۔ عشور ان اموال کو کہتے ہیں جو اسلامی سرحدوں سے مال باہر لے جانے یا وارد کرنے والوں سے لیا جاتا ہے یہ ایک قسم کی عصر حاضر میں ٹیکس اور کسٹم کی مانند ہے اس کے لینے والے کو عاشر کہتے ہیں یہ ایک قسم کا کسٹم ہے جو اس وقت ملکوں کی سرحدوں پر لیتے ہیں یہ مالیت پیغمبر اور ابوبکر کے دور میں نہیں تھی کیونکہ وہ دور دعوت بہ اسلام اور جہاد راہ اسلام کا دور تھا حکومت اسلامی کی تاسیس کا دور تھا جب خلیفہ دوم کے دور میں مملکت اسلامی میں وسعت آئی اور اس کی حدود شرق وغرب سے تجاوز کر گئیں اور پڑوسی ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوئے تو حضرت عمر نے دیکھا کہ مصلحت عامہ مسلمین اس میں ہے کہ یہ مالیت بھی اسلامی ملکوں میں داخل ہونے اور خارج ہونے والوں پر لاگو کی جائے جس طرح دوسرے ملک مسلمان سے مالیہ لیتے ہیں یہ ایک قسم کا معاملہ بالمثل تھا تمام مسلمان مؤرخین کا اتفاق ہے باہر سے آنے والے اموال پر مالیت (کسٹم) حضرت عمر نے لگائی، جب حضرت عمر کو اُن کے والیوں نے یہ لکھا کہ ہمارے تاجروں سے یہ لوگ

گم رُک لیتے ہیں تو عمر نے اصحاب پیغمبرؐ سے مشورہ کیا اور ان کے صلاح و مشورہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم بھی گم رُک لے لیں، اور جتنی مقدار میں وہ لوگ ہم سے لیتے ہیں ہم ان سے لے لیں۔

جزیہ ج پر کسرہ ز پر سکون کے ساتھ اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمان ملکوں میں رہنے والے ذمیوں کے ذمے لگاتے ہیں اس کے اداء کرنے کے بعد وہ قتل سے بچ جاتے ہیں اور انہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جاتا ہے جب مصر فتح ہوا تو عمرو بن عاص نے عورتوں اور نابالغ بچوں بوڑھوں، فقراء و مساکین اور ناداروں کے علاوہ باقیوں پر دو دینار جزیہ لگایا تو پہلے سال میں ۱۲لاکھ جمع ہوئے۔

اہل ذمہ سے جزیہ لیتے وقت یا ان کو ان کی ضروریات پورا کرتے وقت بھی ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جائز نہیں کہ اہل جزیہ سے جزیہ لیتے وقت ظلم زیادتی کریں وہ اہل کتاب جو حکومت اسلامی کے سائے میں رہتے ہیں جب تک جزیہ دیتے رہیں گے ان کی رعایت حکومت پر واجب ہے چنانچہ پیغمبرؐ نے عبداللہ بن ارقم کو زکوۃ لینے پر معین کیا تو آپ نے ان سے کہا جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے یا ان کی طاقت سے زیادہ وصول کرے یا ان کو دیئے جانے والے روایت میں کمی کرے یا ان کی مرضی کے بغیر کوئی چیز لے لے تو وہی چیز قیامت کے دن ان کی نجات میں رکاوٹ بنے گی چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کی اسی حدیث سے استناد کرتے ہوئے خلیفہ دوم عمر نے وصیت کی کہ اہل ذمہ سے نیک سلوک کریں ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر وفا کریں، اگر وہ کسی سے لڑیں تو ان کے پیچھے ان کی معاونت کریں انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دیں اگر جزیہ لینے والے نے انہیں اذیت دی یا ان کی طاقت و قدرت سے زیادہ تکلیف دی یا کسی بوڑھے سے لیا یا کسی معذور انسان سے جزیہ لیا یا وہ کسی ذمی کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے جزیہ لیا تو یہ ایک قسم کا ظلم و زیادتی ہوگی چنانچہ خلیفہ دوم نے اپنی ہدایات میں عمال کو اس کی طرف اشارہ کیا۔

خمس:

دور جاہلیت میں امراء لشکر تمام غنائم کا چوتھا حصہ لیتے تھے۔ جب اسلام آیا تو نبی کریمؐ نے پانچواں حصہ لیا، اس لئے اس کو خمس کہا گیا ہے۔ خمس میں میدان جنگ میں شکست خوردہ دشمن کافر، یہودی، مسیحی، مجوسی کے تمام اموال کے علاوہ معدنیات و ذخائر شامل ہیں عدی بن حاتم نے کہا ربعت و خمست یعنی جاہلیت میں ربع لیا اسلام میں خمس لیا، اس درآمد کے بارے میں انفال ۴۱ میں آیا ہے معجم ص ۳۴۴ یہ اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں نے کافرین سے لیا ہو جبکہ شیعہ اثناعشری بغیر کسی اسناد و دلیل محکم از قرآن و سنت انسان کی ہر قسم کی آمدنی سے خمس لیتے ہیں اور اس کے مصرف بھی بغیر کسی سند شرعی کے اپنی من مانی و من پسند جگہوں پر بغیر کسی روک ٹوک کے خرچ کرتے ہیں۔

فی ء:

فئے وہ چیز ہے جو اللہ نے اہل دین کو مخالفین دین سے لینے کا حق دیا ہے۔ یہ بغیر جنگ کے لیا جاتا ہے۔ یہ ایک عہد ہوتا ہے جس کے تحت زمین یا باغات سے کچھ حصہ دینے کا معاہدہ طے ہوتا ہے، اس سے حاصل مال کو فئے کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں آیا ہے (سورہ حشر:۶) اس آیت میں آتا ہے کہ تم نے گھوڑے نہیں دوڑائے اور تلوار نہیں چلائی۔ یہ آیت بنی نضیر کے بارے میں آئی ہے جہاں انہوں نے اپنے عہد کو توڑا تھا اور وہ شہر بدر ہوگئے اور شام کی طرف نکل گئے تو پیغمبر اسلامؐ نے انکے اموال گھوڑے وغیرہ لوگوں کے درمیان تقسیم کردئے۔ فئے کی تقسیم غنیمت کی تقسیم سے مختلف ہوتی ہے۔

فی ء وہ مال ہے جو مسلمانوں کو جنگ کے بغیر مشرکین سے ملتا ہے جہاں لشکر کشی کئے بغیر ان کی دولت ملی ہو اس کا پانچواں حصہ مجاہدین میں تقسیم کرتے ہیں جیسے اللہ نے سورہ حشر کی آیت ۷ میں بیان کیا ہے۔ غنائم وہ ہیں جو مسلمان جنگ کے ذریعے اہل کفر سے بزور طاقت حاصل کرتے ہیں اس بارے میں سورہ انفال کی آیت ۴۱ آئی ہے دور خلیفہ دوم میں غنائم کی درآمدات بہت زیادہ ہوگئیں کیونکہ فتوحات زیادہ ہوگئیں اس طرح مسلمانوں کی اقتصادی معیشت اپنے عروج پر پہنچی سربراہان و سربرآوردہ شخصیات روم و فارس اپنی تمام ہیبت اور شوکت سے باہر نکلی تھیں اور مسلمان مجاہدان پر ٹوٹ پڑتے تھے اور بہت سے شہروں و قلعوں کو انہوں نے فتح کیا جیسے مدائن، جلولہ، ری، استخر، اس طرح سے بہت سا مال و دولت ان کے پاس جمع ہوا کہتے ہیں کسریٰ کی قالین جو مدائن میں بچھے ہوئے تھے وہ تین ہزار چھ سو مربع ذراع زمین پر بچھاتے تھے جو سونے اور جواہرات سے تزئین شدہ تھی۔

۱۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ ان درآمدات بیت المال مسلمین میں ہے جس کی درآمد کسی بھی وقت نہیں رک سکتی ہے یہ طہارت و برکت سے پر نہر ہمیشہ جاری رہے گی اس کا چشمہ کبھی خشک نہیں ہوگا۔اس کی اہمیت اور دوام و بقاء کا راز وہاں سے ملتا ہے جہاں اللہ نے اسے اپنے رمز بندگی والے عمل صلاۃ سے متصل کرتے ہوئے اس کا ذکر کیا چنانچہ ان آیات کریمہ میں ملاحظہ کر سکتے ہیں توبہ ۱۰۳، حج ۷۸، معارج ۲۲، بینہ ۵، توبہ ۱۱ لیکن انتہائی تاسف و حیرات کی بات ہے کہ علماء و فقہا اس کی عمودی اور سطح آفاقی پر غور کئے بغیر میرے خیال یا میں سمجھتا ہوں جیسے کلمات سے استناد کر کے دیئے گئے فتاویٰ پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں دوسری افسوسناک بات یہ ہے کہ اس کے مصرف و مستحق کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کی جاتی اور اسلام کی سربلندی اور اسلام کے اصول و فروع پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے معین کردہ مد کو آج سیکولر لادین اداروں اور معذور افراد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس بے اعتنائی کی وجہ سے آج دینے والے اور کھانے والے دونوں پریشان ہیں اور این جی اوز کی دکانوں پر رونق ہے۔

اس وقت آمدنیات میں سے ایک زکوٰۃ تھی یہ اقتصاد اسلامی کا رکن و اساس اول ہے زکوٰۃ وہ حق ہے جو اغنیاء سے لیکر فقراء کو دیا جاتا ہے۔خلیفہ دوم حضرت عمر نے زکوٰۃ اغنیاء سے لینے کا وہ طریقہ اپنایا جو رسول اللہؐ اور خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر نے اپنایا تھا حضرت عمر نے زکوٰۃ لینے اور اس کی تقسیم دونوں میں عدالت کو ملحوظ نظر رکھا۔بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ سے نقل کیا کہ حضرت عمر ایک دن صدقات کی مد میں ملنے والے گلہ گوسفند کے پاس سے گزرے۔ان میں دودھ دینے والے گوسفند بھی تھے امیر المومنین حضرت عمر نے پوچھا یہ کہاں سے لائے ہیں کہا صدقات سے، کہا کیا یہ چیز انہوں نے خوشی و اطاعت سے دی ہے، لوگوں کو مشکل و مصیبت میں مبتلا نہ کرو اور ان کے احساسات کو نہ بڑھکاؤ۔عاصم نے کہا حضرت عمر نے ابی سفیان کو طائف کا والی بنایا اور انہیں وہاں صدقات جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی۔انہوں نے وہاں کے لوگوں سے کھانا کھایا اور ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا انہوں نے کہا اگر آپ ہمارے پاس غذا کھانے کے لئے آئے ہیں تو ہم سے زکوٰۃ نہ لیں چنانچہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا یہاں تک کہ ابی سفیان نے حضرت عمر کے پاس آکر کہا کہ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہم نے ان سے کھانا کھا کے ظلم کیا ہے اس لئے ہم ان سے کچھ نہیں لیں گے تو حضرت عمر نے کہا ان سے غذائیں کھائیں اور ان سے کہیں ہم آپ سے جانوروں کے بچے اور دودھ دینے والے جانور نہیں لیں گے۔اس سلسلے میں خلیفہ دوم نبی کریمؐ اور ابوبکر کے نقش قدم پر چلے ہیں جہاں وہ زکوٰۃ جمع کرنے والے کو اطراف اکناف مملکت اسلامی بھیجتے اور فاتح شدہ جگہوں سے مسلمان ہونے والوں سے یہ مال اخذ کرتے تھے۔اس میں انتہائی حد تک عدالت کا خیال رکھتے تھے لیکن سب کو معلوم ہے کہ ہماری اسلامی ریاست بنکوں سے غریبوں اور ناداروں سے پوچھے بغیر ان کے اکاونٹ سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے پھر کالم نگاروں کے نزدیک اس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے۔

لیکن حضرت عمر کے دور میں جب زیادہ دودھ دینے والے گوسفند روز زکوٰۃ میں لایا گیا تو یہ دیکھ کر حضرت عمر نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جس نے تمہیں یہ زکوٰۃ میں دی ہے وہ خوشی سے نہیں دی ہوگی لوگوں کو مشقت میں مت ڈالو۔ایک گروہ شام سے عمر کے پاس آیا انہوں نے کہا ہمارے پاس اموال زیادہ آئے ہیں درآمدات زیادہ ہوئی ہیں سواریاں ہیں اونٹ ہیں غلام ہیں ہم چاہتے ہیں اپنے مال سے زکوٰۃ دیں تو آپ نے کہا مجھ سے پہلے رسول اللہﷺ اور ابوبکر نے اس حوالے سے کیا کیا ہے، یہ معلوم کرنے کیلئے اصحاب رسولؐ سے پوچھا علی نے کہا لینا اچھا ہے۔

۲۔ جزیہ:

وہ آمدن ہے جو اہل ذمہ سے لیتے ہیں جزیہ ایک ایسا عقد و معاہدہ و معاوضہ ہے جس کا حاکم اسلامی کی طرف سے ایک مال معین پر اتفاق ہوتا ہے اور یہ کافرین سے ہر سال ان کی مرضی سے لیا جاتا ہے جس کے عوض میں انہیں دار اسلام میں سکونت کا حق دیا جاتا ہے۔بعض نے کہا ہے جزیہ وہ خراج ہے جو کفار سرزمین مسلمین میں رہتے ہیں انہیں ذلیل دکھانے کیلئے ان سے رقم لی جاتی ہے چنانچہ اس کیلئے سورہ توبہ ۲۹ سے استدلال کرتے ہیں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جزیہ لینے میں اجماع ہے جنکے اہل کتاب ہونے میں شک ہے جیسے مجوس خلیفہ دوم کو ان کے اہل کتاب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں شک تھا آیا ان سے جزیہ لیا جائے یا نہیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کی حیرت کو یہ کہہ کر ختم کیا کہ پیغمبرؐ نے ہجر کے ایک مجوس سے جزیہ لیا تھا عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ مجوس سے اہل کتاب کا سلوک کریں۔بعض نے کہا ہے مجوس کی اصل اہل کتاب ہے یہ بعد میں آتش پرست ہوئے ہیں چنانچہ پہلے مجوس عراق اور بعد میں مجوس

فارس سے جزیہ لیا گیا۔یہ جزیہ جو اہل کتاب سے لیتے ہیں یہ عورتوں، بچوں، دیوانوں یا غلاموں وغیرہ پر لاگو نہیں ہوتا جو بڑوں کے تابع ہیں، اسی طرح جزیہ مسکین سے بھی نہیں لیا جاتا کیونکہ وہ خود صدقہ کھانے والے ہیں یا زمین گیر اور اندھے سے بھی نہیں لیا جاتا اور راہبان سے بھی نہیں لیا جاتا۔اگر یہ لوگ سرمایہ دار ہیں تو لیں گے۔ اگر خود محتاج مند ہیں تو نہیں لے لیں گے جزیہ مرنے کے بعد ساقط ہوتا ہے اگر یہ جزیہ دینے والا مسلمان ہو گیا تو تب بھی ساقط ہے، جس سال وہ مسلمان ہوا اس سال کا جزیہ نہیں لینا چاہیے سال کی ابتدا میں مسلمان ہو جائے، وسط میں یا آخر میں اگر ایک ہاتھ میں جزیہ دے کر مسلمان ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے اس کو واپس دیا گیا بوڑھوں پر بھی جزیہ ساقط ہوتا ہے۔اس وقت بھی جزیہ ساقط ہوتا ہے جب حکومت ان ذمیوں کی حمایت حفاظت نہ کر سکے چونکہ وہ حمایت کے عوض میں ہے۔مال جزیہ کی مقدار کتنی ہوگی۔کہتے ہیں اس میں اقلیم کے لحاظ سے فرق ہوگا اہل عراق سے ۴۸ درھم بنتا تھا۔اگر غنی ہے تو ۴۸ غنی نہیں ہے تو ۲۴ درھم سالانہ ہوگا۔اگر پیسے کے بدلے میں مال لایا تو قبول کریں گے اہل شام پر شام سے چار دینار لیتے تھے اگر چاندی ہے تو ۴۰ درھم۔غرض جزیہ لوگوں کی اور شہریوں کی مالی حیثیت سے لیا جاتا تھا۔حضرت عمرؓ سختی کرتے تھے کہ لینے میں لوگوں کے ساتھ نرمی و مدارات کریں۔ایک دفعہ مدینہ میں مال کثیر آیا تو آپ نے کہا مجھے گمان ہے تم نے لوگوں پر زیادتی ظلم کیا ہے تو انہوں نے کہا ایسا نہیں ہم نے ان کی خوشی و رضا سے لیا ہے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی گئی۔عمر نے نصاریٰ تغلب سے دگنا جزیہ لیا۔عرب سرزمین میں بعض جگہوں پر نصاریٰ نے جزیہ دینے سے انکار کیا وہ سمجھتے تھے کہ یہ ان کی تذلیل تحقیر ہے تو والی نے رؤسا نصاریٰ اور علماء کو خلیفہ امیر المومنین کے پاس بھیجا۔ان سے کہا جزیہ دو انہوں نے عمر سے کہا ہمارا امن واپس لے لیں اگر جزیہ ہمارے اوپر لاگو کیا تو ہم روم چلے جائیں گے، ہم عرب سے نکل جائیں گے، یہ ہمارے لیے شرمندگی ہے۔حضرت عمر نے کہا تم نے خود کو شرمندہ کیا ہے یا جزیہ دیں یا ذلیل ہو جائیں۔اگر تم روم میں فرار ہو کر گئے تو ہم تمہیں مار بھی ڈالیں گے اور اسیر بھی کریں گے۔ انھوں نے آپ سے کہا ہم سے کچھ لے لیں لیکن اس کا نام جزیہ نہ رکھیں تو عمر نے کہا ہم اس کو جزیہ ہی کہیں گے تم اپنی مرضی سے اسے جو کوئی نام دو۔

مصارف و مخارج بیت المال:

مذکورہ بالا درآمدات کی مصارف یہ ہیں:

جہاں تک زکوٰۃ کے مصارف ہیں اللہ نے سورہ توبہ آیت ۶۰ میں اس کا ذکر کیا ہے، فقراء و مساکین کو اس دور میں زکوٰۃ سے دیا جاتا تھا ان کو اتنا دیا جاتا تھا کہ وہ فقر و مسکنت اور فاقہ و ناداری سے نکل جائیں اور وہ اصحاب مال و دولت کی سطح سے نزدیک ہو جائیں۔فقراء کی دو قسمیں ہیں:

۱)۔فقراء موقت۔ان کے فقر و فاقہ کی وجوہات قابل زوال ہیں ختم ہو جاتی ہیں ان کو اتنا دیا جاتا تھا کہ ان کی وقتی معذوریت ختم ہو جائے۔

۲)۔وہ محتاج مند و نیازمند افراد جن کا عذر دائمی ہے، انہیں مقرر شدہ عطیات دائمی دیئے جاتے تھے۔

۲۔مصارف جزیہ و خراج و عشور:۔ان مدوں سے جمع شدہ اموال ان مصارف میں خرچ کرتے تھے خلفاء کے عطیات عمال خدمت گزاران حکومت، لشکر، آل البیت، بیوگان، مجاہدین اور دیگر نیک خیرات میں خرچ کرتے تھے۔ان میں خلیفہ کے پاس آنے والے نیازمندوں کے لئے خلیفہ کو پانچ یا چھ ہزار درہم دیئے جاتے تھے دیگر شہروں کے والیوں اور امراء کے مصارف بھی تھے خلیفہ دوم نے ہر شہر کیلئے ایک والی و حاکم معین کیا تھا کہ وہاں حکومت چلائیں اور انہوں نے اعوان مساعی اور زکوٰۃ جمع کرنے والے، قاضی، کاتب، خراج جمع کرنے والے، صدقات جمع کرنے والے، نماز کی امامت کرنے والے معین کئے۔ہر ایک کے منصب کی مناسبت سے ان کے لئے رواتب کی رقم معین کی۔

۲۰ھ کو حضرت عمر نے جب قادسیہ، ایران عراق، شام اور مصر سے دولت آئی تو تقسیم اموال میں نیا طریقہ ایجاد کیا جو ابو بکر کے طریقے کے خلاف تھا ابو بکر مال لوگوں میں برابر تقسیم کرتے تھے جبکہ دور عمر میں لوگوں کو دیئے جانے والے رواتب کو اسلام لانے میں سبقت کرنے والے، جہاد میں شرکت کرنے والے پیغمبرؐ کی معاونت کرنے والے کی بنیاد پر تقسیم کرنا شروع کیا۔حضرت عمر حضرت ابو بکر کے دور میں ہی اس فکر کی طرف مائل تھے۔ایک دفعہ آپ نے حضرت ابو بکر سے کہا تھا آیا دو دفعہ ہجرت کرنے والے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے اور فتح مکہ کے بعد بادل ناخواستہ ڈر کر ایمان لانے والے برابر ہیں تو ابو بکر نے کہا اس سے اس کا کیا تعلق ہے اگر کسی نے اچھا کام کیا سبقت کی جہاد کیا اس کا اجر اللہ دے گا دنیا کی زندگی کی ضرورت میں سب برابر ہیں۔حضرت عمر نے کہا آیا جس نے پیغمبرؐ سے جنگ لڑی ہے اور ابھی مسلمان ہوئے ہیں اور جنہوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ دشمن سے جنگ لڑی آیا دونوں برابر ہیں یہ میری سمجھ سے باہر ہے۔حضرت عمر نے اسی فکر کو اپنے دور

میں لاگو کیا اور یہاں سے انہوں نے ترجیحات مقرر کیں:

۱۔ جس جس نے پیغمبرؐ پر ایمان لانے میں سبقت کی وہ دیگران سے زیادہ مستحق ہیں۔

۲۔ جن لوگوں نے مسلمانوں میں جلب منفعت میں معاونت کی ہے جیسا کہ والیان، امراء و علماء جو عام مسلمان کی دین و دنیا کے لیے منافع لاتے ہیں یعنی مجاہدین وعلماء۔

۳۔ جو امتحان و آزمائش سے گزرے ہیں جنہوں نے مسلمانوں سے دفع ضرر کیا اور راہ الٰہی میں جہاد کیا ہے اور اپنی جان و مال کو قربان کیا۔

۴۔ حاجت مندوں کی حاجت کو دیکھ کر تقسیم کرنا۔

ان چار بنیادوں پر حضرت عمر نے بیت المال تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس کام کیلئے عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، جو جوانان قریش تھے، کو کہا انہی درجات کی بنیاد پر لوگوں کی فہرست بناؤ۔ انہوں نے بنی ہاشم سے شروع کیا پھر ابوبکر اور اس کی قوم پھر عمر اور ان کی قوم اور پھر اسی طرح دیگر قبائل کو پھر انہوں نے اس فہرست کو آپ کے سامنے رکھا حضرت عمر نے دیکھنے کے بعد کہا ہم اس طریقے سے نہیں چاہتے تھے ہمارا مقصد یہ نہیں تھا آپ پیغمبرؐ کی قرابت سے شروع کرو جو سب سے زیادہ پیغمبر سے قریب ہے۔ قبیلہ بنو عدی کے لوگ عمر کے پاس آئے کہا جس طرح ابوبکر خلیفہ رسول ہے تم بھی خلیفہ رسولؐ ہو، اس فہرست کی ترتیب میں اپنی قوم کو بھی رکھو تو عمر نے کہا بخ بخ کیا کہنا تم میری پشت پر سوار ہو کر کھانا چاہتے میرے حسنات سے کھانا چاہتے ہو۔

حضرت عمر کا نظام مالی:

نظام مالی چاہے فردی ہو یا اجتماعی یا حکومتی وہ ہمیشہ تغیر پذیری کے زنغے میں رہتا ہے کبھی خزانے میں مال بہت زیادہ مال آجاتا ہے اور اس کے استعمال کی جگہ نظر نہیں آتی ایسے میں کہا جاتا ہے کہ قومی ذخائر بڑھ گئے ہیں کبھی کسی حادثے میں، درآمد کے مقابل میں مخارج و مصارف زیادہ ہوتے ہیں کبھی برابر ہوتے ہیں لہٰذا یہ ایک ثابت و جامد نظام نہیں ہو سکتا ہے اس کا میزانیہ بڑھنا اور گھٹنا ہے دونوں صورتوں میں مصیبت اور کاش کاش کا سبب بنتا ہے اگر حوادث کا شکار ہو جائیں تو ثروت مندوں کی اسارت میں جاتا ہے اور اگر مال بڑھ جائے تو حس استعمار گری و کشور کشائی میں طغیانی آجاتی ہے میزانیہ بڑھنے کی صورت میں سب سے جو زیادہ خطرناک صورت حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ نظام مالی کی انتظامیہ نہ صرف متکبرانہ و باغیانہ اور قارونی روش کو اپنا لیتی ہے بلکہ اس کی ان عادات میں طغیان آجاتی ہے ذخیرہ اندوزی ہونے لگتی ہے اب تو یہ نیا خطرہ بھی موجود رہتا ہے کہ ملک میں اموال و دولت کے اضافے کے بعد کہیں یہ بیرون ملک منتقل نہ ہونے لگیں نبی کریمؐ کے دور اور خلفاء راشدین کے دور میں بیت المال مسلمین میں ذخائر سے آپ حضرات پریشان ہو جاتے تھے کہ اب اس مال کا کیا کریں حضرت عمر روتے تھے کہ کہیں مجھے موت نہ آجائے اور یہ مال تقسیم ہونے سے نہ رہ جائے اس لیے حضرت عمر نے اعلان کیا کہ مال گن کر یا تول کر جیسے لینا چاہیے لیں۔

حضرت عمر نے جب دیکھا مال بڑھ رہا ہے اس کی تقسیم کس بنیاد یا اصول کے تحت کریں، آیا سب کو برابر دیں کیا یہ عدل و انصاف ہے کیا ایک انسان کو اُس کی ضرورت سے زیادہ دیں تاکہ وہ اسے ذخیرہ کرے اور ایک کو ضرورت سے کم ملے اور وہ محتاج رہے تفاضل و برتری کی بنیاد پر دیں تو وہ کون سے تفاضل کی بنیاد پر دیں تو آپ نے انتساب رسول اللہؐ و انتساب با اسلام کو بنیاد بنایا، کسی نے اس پر تنقید نہیں کی، سب نے سراہا ہے لیکن بعد میں اس پر خود پشیمان ہو گئے اور کہا کہ آئندہ تقسیم مال میں کسی کو کسی پر برتری نہیں دوں گا بلکہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے حساب سے ملے گا۔

حضرت عمر اور ابتکار تاریخ اسلامی: [عمر ابن خطاب شخصیۃ و اصلاحات ۱۱۱]

تاریخ اسلام نزول قرآن اور بعثت نبویؐ سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ مکہ میں مسلمان تاریخ نزول قرآن اور بعثت نبیؐ سے حساب کرتے تھے جب نبی کریم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تاریخ ہجرت نبیؐ سے کرنے لگے لیکن سنہ یا مہینہ کا حساب نہیں ہوتا تھا صرف مہینے لکھے جاتے تھے جو عربی میں ہوتے تھے یہ سلسلہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا یہاں تک خلیفہ دوم کے دور میں ایسے حالات پیدا ہوئے جہاں خلیفہ کی طرف سے جاری احکامات و ہدایات جو والیوں کو جاتے تھے ان میں صرف عربی مہینے لکھے جاتے تھے چنانچہ والیوں کی طرف سے یہ سوالات آنے لگے کہ ہمیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ شعبان اس سال کا ہے یا گذشتہ سال کا یہ سوال خلیفہ کیلئے حیران کن تھا اسی سوال نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وہ ایک مستقل تاریخ اسلامی کی بنیاد قائم کریں۔ خلیفہ نے اصحاب رسولؐ کو جمع کیا اور ان سے استفسار کیا

اور تجاویز طلب کیں کہ ایک تاریخ وضع کریں جس پر ہم اپنے مسائل کو اس سنہ سے حساب کریں کسی نے کہا تاریخ روم کے مطابق چلائیں اہل روم تاریخ اس وقت ذوالقرنین سے شروع کرتے تھے بعض نے کہا تاریخ فرس لکھیں تو کسی نے کہا فارس والے یہ کسی بھی نئے بادشاہ کے کرسی اقتدار پر آتے ہی شروع کرتے ہیں پھر ہمیں بھی ان کے مطابق تاریخ بدلنا پڑے گی کسی نے کہا ہم ولادت رسول اللہ ﷺ سے کریں، کسی نے کہا پیغمبر کی بعثت سے شروع کریں یہ تجویز بھی پسند نہیں آئی کیونکہ یہ تاریخ مسلمانوں کیلئے ظلم اور اذیت و آزار کے دور کی تاریخ تھی ۔حضرت علی ابن ابی طالب نے مشورہ دیا پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت سے شروع کریں اس پر سب کا اتفاق ہوا کیونکہ ہجرت رسولؐ وہ تاریخ ہے کہ جس میں پیغمبرؐ نے سرزمین شرک کو چھوڑ کر یہاں آ کر توحید کا پرچم لہرایا ہے استقلال کا پرچم لہرایا ہے پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے اور ۱۲ ربیع الاول کو آپ مدینہ منورہ پہنچے ہیں لیکن تاریخ کیلئے اول محرم کو انتخاب اس لیے کیا ہے کہ ہجرت یکم محرم سے شروع ہوئی ہے کیونکہ پیغمبرؐ وفد انصار مرکب از خزرج و اوس سے ایام حج میں مکہ میں ملے جہاں آپ اور ان کے درمیان میں اتفاق ہوا اس میں طے ہوا کہ پیغمبرؐ مکہ چھوڑ کر مدینہ میں قیام کریں گے اور اہل مدینہ جس طرح اپنی جان و اولاد اور مال سے دفاع کریں گے اسی طریقے سے پیغمبرؐ سے بھی دفاع کریں گے، اس فیصلے کے تحت ۱۲ دن گزرنے کے بعد اس پر عمل ہوا جہاں مکہ میں مظلوم و مقہور مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی یہاں تک کہ ا ربیع الاول کو خود پیغمبرؐ بھی وہاں سے نکلے اور ۱۲ کو پیغمبرؐ مدینہ پہنچے تو اس حوالے سے مہینے کا انتخاب اس مناسبت سے محرم رکھا۔ اس حوالے سے تاریخ اسلام کے انکار کرنے والے خلیفہ دوم عمر ابن خطاب ہیں۔ معلوم ہوا کہ اکابرین اسلام نے چہرہ درخشاں محمدؐ اور اسلام کے آغاز اقتدار اعلیٰ سے شروع کی جبکہ ہم اس وقت آغاز سال موہوم و مشکوک حضرت مسیح سے کرتے ہیں اس طرح یہ لوگ نہ ہمارے نبی مکرمؐ کی ولادت کا خیال رکھتے ہیں اور نہ اقتدار اسلام کا، یہ اسلام محمدؐ تو نہیں ہو سکتا ہے نہ یہ اسلام محمد علی اور علامہ اقبال ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر اور جمع قرآن: [عشرہ مبشروں جلد ۵ ص ۸۶]

زید ابن ثابت نے نقل کیا ہے آپ پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس وحی کی کتابت کرنے والوں میں شامل تھے ۔جنگ یمامہ کے بعد ابوبکر نے مجھے بلایا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بھی بیٹھے تھے ۔حضرت ابوبکر نے کہا میرے پاس عمر آئے ان کا کہنا ہے یمامہ میں بہت سے لوگ قتل ہو گئے ۔ہم ڈرتے ہیں کہیں قرآن نا پید نہ ہو جائے اور کہیں قرآن کے قاری ختم نہ ہو جائیں ۔عمر کہتے ہیں قرآن جمع ہونا چاہیے ۔اس پر ابوبکر نے عمر سے کہا میں کیا کر سکتا ہوں جبکہ رسول پاکؐ نے ایسا نہیں کیا تو حضرت عمر نے کہا یہ کار خیر ہے اس میں کیا حرج ہے ۔حضرت عمر نے اصرار کیا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کا موقف قبول کر لیا۔ زید بن ثابت کہتے ہیں ۔عمر وہاں بیٹھے تھے کچھ بات نہیں کی، ابوبکر نے زید سے کہا تم مرد جوان ہو، تم عاقل ہو ہم تم کو متہم نہیں کرتے تم وحی کی کتابت کرتے تھے ۔قرآن کو تلاش کرو اور جہاں سے ملے اسے جمع کرو۔ زید کہتے ہیں اللہ کی قسم اگر حضرت ابوبکر مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا گراں نہ گزرتا جتنا قرآن جمع کرنا مجھ پر گراں گزرا۔ میں نے اسے جمع کرنے کے بعد ابوبکر کے پاس رکھا ان کی وفات کے بعد یہ قرآن حضرت عمر کے پاس رہا اور حضرت عمر کی وفات کے بعد یہ حضرت حفصہ کے پاس آ گیا۔

حضرت عمر کی غلطی: [قصص العرب ج ۳ ص ۱۸]

یہاں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ایسا نہیں کہ حضرت عمر نے یا دیگر خلفاء نے کوئی غلطی نہ کی ہو، وہ وحی سے بات نہیں کرتے تھے کیونکہ وحی کا سلسلہ پیغمبر اسلامؐ پر ختم ہو چکا تھا جو لوگ اصحاب یا خلفاء کی سنت و سیرت کو بھی مثل سنت و سیرت رسولؐ اللہ گردانتے ہیں، یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی شان میں غلو بھی ہے کیونکہ ہم سب مسلمان نبی کریمؐ کی سنت کو حجت اس لئے مانتے ہیں کہ اللہ انہیں وحی کے ذریعے ہدایت کرتا تھا اگر کہیں غلطی ہو بھی گئی تو اللہ فوراً ان کو روکتا تھا اس طرح پیغمبرؐ اصلاح بھی کرتے تھے چنانچہ نبی کریمؐ کی سنت حجت ہونے میں وحی کی محتاج ہے جب کہ یہ ذوات بغیر وحی کے بات کرتی تھیں اس لئے ان کی ہر بات سنت پیغمبرؐ جیسی ہو ایسا ممکن نہیں۔

عمر بن خطاب ایک دن تاریک رات میں تنہا نکلے اور کسی گھر میں چراغ جلتے ہوئے دیکھا، آپ اس گھر کے قریب گئے اور تجسس کرنے لگے، آپ نے ایک سیاہ غلام دیکھا جس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے وہ پی رہا تھا، اس کے ساتھ ایک گروہ تھا آپ نے دروازے سے اندر داخل ہونا چاہا لیکن دروازہ محکم بند ہونے کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے اور چھت پر چڑھے اور اوپر سے نیچے اترے، آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا جب اس غلام نے عمر کو دیکھا تو اٹھ کھڑا ہوا اور دروازہ کھولا اور بھاگنے لگا

لیکن آپ نے اسے پکڑلیا، غلام کہنے لگا اے خلیفہ آپ نے تین غلطیاں کی ہیں، اس لئے میری ایک غلطی کو معاف کریں، میں تو بہ کرتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے تجسس نہ کریں، آپ نے تجسس کیا اللہ نے کہا ہے دروازے سے گھروں میں داخل ہوں، آپ چھت سے آئے ہیں، اللہ نے کہا ہے اپنے گھروں کے علاوہ کسی اور کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور ان سے اجازت لے کر داخل ہوں لیکن آپ بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں، اس کے علاوہ آپ نے سلام نہیں کیا، ہم اپنی غلطی پر اللہ سے توبہ کرتے ہیں اور دوبارہ ایسا نہیں کرینگے، حضرت عمر کو ان کی بات پسند آئی اور آپ نے ان کا عذر قبول کیا۔

کتاب عمر تالیف محمد رضا ص ۱۲۱ ابو موسیٰ اشعری نے آپ کی بیوی عاتکہ کو ایک ڈیڑھ گز کا قالین دیا، حضرت عمر کی نظر پڑی پوچھا یہ کہاں سے لائی ہیں کہا ابو موسیٰ نے ہدیہ دیا اس کو اٹھایا بیوی کے سر پر مارا پھر کھڑا کر کے کہا ابو موسیٰ کو بلائیں، ابو موسیٰ کو ڈانٹ دیا تم نے کیوں میری بیوی کو یہ ہدیہ دیا ہے ہمیں تمہارے اس ہدیہ کی ضرورت نہیں۔

رواتب میں تفاضل عمر بن خطاب کے مواخذے:

اُس وقت سے عصر حاضر تک خلیفہ دوم پر ہونے والے انتقادات میں سے ایک بڑا انتقاد ان کے تقسیم بیت المال میں نئے اصول کا وضع کرنا ہے خلیفہ دوم نے قرآن کریم، سیرت رسولؐ اور خلیفہ اول سے ہٹ کر تقسیم مال میں نئے اصول وضوابط وضع کئے جن کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ جنہوں نے رسول اللہؐ کی غیر موجودگی میں جنگوں میں شرکت کی ہے اور جنہوں نے خود رسول اللہؐ کے ہمراہ جنگیں لڑی ہیں برابر نہیں ہوسکتے، اس اصول کے تحت جنگ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین وانصار کیلئے پانچ پانچ ہزار دینار معین کئے اور جنہوں نے بدر سے پہلے اسلام قبول کیا اور جنگ بدر میں شرکت نہیں کی ان کیلئے چار ہزار دینار معین کئے۔

۲۔ ازواج نبیؐ کے لیے بارہ ہزار سوائے ''صفیہ'' اور ''جمیرہ'' کے ان کے لیے چار ہزار مقرر کئے لیکن انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کے چچا حضرت عباس کیلئے ۱۲ ہزار دینار۔

۴۔ ''اسامہ بن زید'' کیلئے چار ہزار دینار اور ان کے بیٹے عبداللہ کیلئے تین ہزار دینار معین کئے۔

۵۔ عربوں کو غیر عربوں پر اور اصلی عربوں کو موالیوں پر ترجیح دیتے تھے۔

حضرت عمر کی اس تقسیم بیت المال کی سیاست سے اسلام میں طبقات اور قبیلہ پرستی کا دور شروع ہوا۔ یہ تھے خلیفہ دوم کی تقسیم بیت المال کیلئے کئے جانے والے اقدامات جنھیں اس وقت سے اب تک نقد وانتقاد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کیونکہ ضرورت زندگی کے حوالے سے شریف وغیر شریف عالم و جاہل عرب وغیر عرب مجتہد و مقلد میں کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا خلیفہ دوم نقد وتنقید کا نشانہ بنے۔ جبکہ یہی اصول ہمارے حوزہ جات میں ایک عرصے سے بڑی آب وتاب سے رائج ہے اور اسے سراہا جاتا ہے سرکاری اداروں میں ملازمین کی تنخواہیں مقرر کرتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی ضروریات کیا ہیں۔ یہاں ضروریات کے حوالے سے سب کو برابر سہولتیں نہیں دی جائیں بلکہ مختلف تنخواہیں مقرر کر کے ان میں درجنوں طبقات بنائے جاتے ہیں اور ایک مخصوص طبقے کو بہت سی سہولتوں کے علاوہ بمعہ بال بچے دنیا کے گوشہ و کنار کی سیاحت کے لئے مہنگے ہوٹلوں کے اخراجات اس ملک کے بجٹ سے نکال کر دیئے جاتے ہیں اور پھر یہ لوگ خلیفہ دوم کے نظام خلافت پر تنقید سے اپنا منہ نجس کرتے ہیں۔ اس تقسیم بندی سے دولت چند افراد کے گھروں میں جمع ہوتی ہے اور دوسری طرف گھرانے فقر وفاقہ کا شکار ہوتے ہیں اس صورت حال کو دیکھ کر خلیفہ دوم اپنی سیاست سے پشیمان ہوئے اور عہد کیا کہ آئندہ سال سے پہلی سنت کو رائج کریں گے لیکن یہ اقدام انھیں نصیب نہ ہوسکا۔

عمر بن خطاب اور والیان:

خلیفہ دوم اپنے دور میں اطراف واکناف میں معین کئے گئے حکمرانوں، والیوں اور ذمہ داران کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور انہیں معزول کرنے کے بعد اگر ان کے پاس کوئی اضافی مال دیکھنے میں آتا تو اسے بیت المال میں واپس لاتے تھے چنانچہ انہوں نے اس محاسبے پر سختی کرتے ہوئے ''ابو ہریرہ'' جو بحرین کے والی تھے، سے کہا جب میں نے تمھیں بحرین کا والی بنایا تو اس وقت تمہارے پاس جوتے تک نہیں تھے ابھی تمہارے پاس بہت ساری دولت جمع ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ابو ہریرہ کو تازیانے مارے اور خون نکلا بعد میں ان کے تمام اموال بیت المال مسلمین میں واپس جمع کروائے۔

حضرت عمر بن خطاب اپنی بود و باش میں تواضع اور فروتنی رکھتے تھے اور دین اسلام کے بیان کردہ اصول کے مطابق رہتے تھے جس سے دنیاء مسیح حیران و سرگرداں ہوئی۔ حضرت عمر اپنی جگہ تند و تیز مزاج انسان تھے کیونکہ اسلام سے پہلے ان کا یہی مزاج تھا۔ حضرت علی کے نہج البلاغہ کے تیسرے خطبے میں موجود ان تمام صفات کے حامل انسان کو اس انسان کے برابر سمجھا جو بیت المال مسلمین کو اپنے باغات تصور کرنے والے والیوں سے احتساب نہ کرے، لاکھوں درہم و دینار کے علاوہ جائیداد و املاک بنانے والے اور رعایا کی طرف سے والیوں کی شکایات و فریاد نہ سننے والوں کے برابر سمجھنا عدالت ہے یا اجتہاد؟ کیا اس خلیفہ کا ان سلاطین سے موازنہ کرنا جن کے وزیر و مشیر اپنی جگہ الگ سلطان بنے ہوئے تھے انصاف ہے؟ ان کا دقیق حساب کرنے والی شخصیت سے یہ سوال ہے کہ کیوں معاویہ کے تکبر و غرور، بود و باش اور معاویہ کے اسراف و تبذیر پر تنقید نہیں کرتے؟ لیکن حضرت عمر کے ان کا احتساب نہ کرنے اور خاموشی پر کیوں انتقاد کرتے ہیں؟ گویا عامل سے زیادہ خاموشی جرم ہے۔ اس شخص کو حضرت عمر پر تنقید کا کیا حق حاصل ہے جو حضرت عمر کی خاموشی کو تنقید کا نشانہ بنا کر معاویہ کی اس منطق کو بغیر کسی تجزیہ و تحلیل کے اپناتا ہے جہاں معاویہ نے کہا یہاں مسیحی اور غیر مسلم رہتے ہیں ان کی زندگی سے کمتر زندگی مسلمانوں کی توہین ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی عزت کا مسئلہ ہے، اور اگر یہی جملہ ہمارے بزرگانِ ملت دوسروں کے مقابل میں استعمال کریں تو یہ آیتِ قرآنی کے برابر بنتا ہے جب ہمارے ہاں جناب مولانا جواد ہادی صاحب سینٹ کا ممبر بنے تو ان کے پاس ایک پجیرو تھی لیکن ان کی شان کو بڑھانے کے لئے وہ دو اور پجیرو چاہتے تھے جو آگے پیچھے بھی چلیں لیکن مرکز نے اس کو مسترد کیا تھا جس پر وہ ان کے شاہین سے نالاں ہوئے کیا مولانا جواد ہادی کی طرف سے یہ بے انصافی اور غیر عادلانہ رویہ نہیں ہے۔

خلیفہ دوئم کے ولات و قضات: [مبشرون ج ۷ ص ۲۹]

۱۔ والی مدینہ:

مدینہ جو کہ دار خلافت تھا۔ یہاں خلیفہ خود نگرانی کرتے تھے۔ لیکن جب ہنگامی حالات ہوں جیسے حالت جنگ یا حج کیلئے یا کسی اور ضرورت کے تحت مدینہ چھوڑنا پڑتا تو اپنی جگہ کسی کو جانشین چھوڑتے تھے۔ جن افراد کو حضرت عمر نے مدینہ میں والی چھوڑا وہ درج ذیل ہیں۔

۱)۔ علی ابن ابی طالب: جب حضرت عمر قادسیہ کیلئے نکلے تو حضرت علی کو مدینے میں جانشین مقرر کیا۔ لیکن حضرت عمر حضرت علی کے مشورے پر عمل کر کے نہیں گئے چنانچہ واپس آئے۔ ۲)۔ جب حضرت عمر دمشق کیلئے نکلے تو حضرت علی کو مقرر کیا۔ ۳)۔ زید بن ثابت: ۱۶ ہجری کو حج اور توسیع مسجد الحرام کیلئے نکلے اپنی جگہ زید بن ثابت کو جانشین مقرر کیا۔

۲۔ مکہ میں عبدالبر نے کہا مکہ میں عتاب بن اسید تھے جب وہ کسی سفر پر جاتے تھے تو محرز بن حارثہ کو مقرر کرتے تھے۔

۳۔ طائف میں عثمان بن ابوالعاص تھے۔ خلافت حضرت ابوبکر اور عمر میں بھی یہی والی رہے۔ جب حضرت عمر نے کسی کو والی بحرین مقرر کرنے کے لئے کہا تو کسی نے عثمان بن العاص کا نام لیا۔ حضرت عمر نے کہا رسول اللہ ﷺ نے طائف میں جس کو والی بنایا ہے میں اس کو کیسے معزول کروں پھر کسی نے مشورہ دیا کہ اس سے کہیں کے وہ اپنی مرضی سے کسی فرد کو وہاں کا والی بنائیں تو حضرت عمر کو یہ مشورہ پسند آیا تو حضرت عمر نے اس کو خط لکھا کہ آپ میرے پاس آجائیں تو اس نے اپنی جگہ اپنے بھائی حکم بن العاص کو مقرر کیا۔

والی بحرین:

جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو اس وقت بحرین میں علاء بن حضرمی والی تھے۔ حضرت عمر نے اس کو اپنی جگہ پر رکھا۔ جب علاء نے عمر سے پوچھے بغیر فارس پر حملہ کیا تو ان کو بحرین سے عزل کر کے مصر بھیجا جہاں پہنچنے سے پہلے جاتے وقت راستے میں ۲۱ ہجری کو بحرین میں وفات پائی۔ ابو ہریرہ کو بحرین کا والی بنایا گیا۔ بعض نے کہا کہ عثمان بن ابوالعاص اور اس کے بعد قدامہ بن مضعون کو والی بنایا۔ جارود عبدالاف عمر ابن الخطاب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ قدامہ نے شراب پی ہے اور میں نے اس کیلئے حد دیکھی ہے۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا کہ اس پر حد جاری ہو۔ خلیفہ نے کہا کہ اس بات کی گواہی کون دے گا تو ابو ہریرہ سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے اس کو شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ جبکہ میں نے اس کو سکر کی حالت میں دیکھا ہے۔ اس پر خلیفہ نے کہا تم نے شہادت دینے میں گڑبڑ کی ہے۔ جارود نے حضرت عمر سے کہا کہ اس پر میں شہید ہوں۔ حضرت عمر نے کہا تمہاری گواہی ختم ہوگئی ہے۔ تو جارود چپ ہو گیا۔ اور پھر دوبارہ سزا کیلئے کہا تو عمر نے کہا کہ زبان بند

کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ تو جارود نے کہا یہ حق نہیں کہ آپ کا ابن عم شراب پیئے تو سزا مجھے ملے تو جارود نے کہا اس کی بیوی سے پوچھیں جو کہ ہند بنت ولید ہے۔ اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی اور حضرت عمر نے قدامہ پر حد جاری کرنے کیلئے کہا تو اس نے کہا فرض کریں اگر میں نے شراب پی بھی ہے تو آپ مجھ پر حد جاری نہیں کرسکتے۔ کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت ۹۳ میں ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کرتے ہیں اگر ان سے کوئی غلطی ہو تو اس پر حد جاری نہیں ہوتی۔ حضرت عمر نے کہا تم نے غلط تاویل کی ہے۔ اگر تم اہل تقویٰ ہوتے تو یہ غلطی نہ کرتے حضرت عمر نے کہا قدامہ پر حد جاری ہونی چاہیے مگر وہ بیمار تھے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد حضرت عمر نے کہا قدامہ کو لاؤ اور حد جاری کرو، میں اس کو تازیانے کے نیچے دیکھنا چاہتا ہوں ورنہ قیامت کے دن اس کا یہ گناہ میرے گلے میں ہوگا۔

والی یمن:

حضرت ابوبکر نے عبداللہ بن ابی ربیعہ کو بلاد ہوازن میں مرتدین سے جنگ کے لئے بھیجا تو انھوں نے فتح حاصل کی اور وہیں پر والی رہے۔ حضرت عمر کی خلافت میں بھی وہاں والی رہے۔ اس نے وہاں مال بنایا اور زمین خریدی جب یہ خبر حضرت عمر تک پہنچی تو انھوں نے اس سے کہا کہ تم مدینہ واپس آجاؤ۔ عبداللہ وہاں سے روانہ ہوا ۴ دن بعد جب مدینہ پہنچا تو اسے حضرت عمر کی وفات کی خبر ملی۔

عمار یاسر کوفہ میں کچھ عرصہ ولی رہے:

والی بصرہ میں: ''عثمان بن حنیف الاوسی الانصاری''۔

والی بصرہ ''سہل بن حنیف'' جو بدر میں شریک تھے جب طلحہ و زبیر نے امام کے خلاف قیام کیا تو علی کے طرفداران میں سے تھے

والی مدین ''حذیفۃ بن الیمان العبسی'' سنہ ۲۲ھ ''نہاوند'' گئے ان سے مصالحت کی پیغمبرؐ کے صحابی بھی تھے اور امیر المومنین کے یار و مددگار بھی۔

''البراء بن عازب'' فتح قزوین کے بعد وہاں کے امیر رہے، پیغمبرؐ کے ساتھ ۱۵ جنگوں میں شریک رہے بعد میں کوفہ میں علی کی طرف سے نمائندہ بن کر خوارج سے گفتگو کی اور انھیں آپ کی اطاعت کی دعوت دی، آپ نے عبداللہ بن زبیر کے دور میں وفات پائی۔

والی جبش ''الاحنف بن قیس'' سنہ ۲۲ کو ہرات کو فتح کیا ۶۷ یا ۶۸ یا ۶۹ھ میں وفات پائی، حضرت علی کے ساتھ صفین کی جنگ میں شریک ہوئے، احنف حضرت عمر کی طرف سے مدائن میں والی تھے۔

''سلیمان فارسی'' مدائن کے والی تھے گدھے پر سوار ہوتے تھے، جو کی روٹی کھاتے تھے اور زاہد تھے فتح مدائن میں ''سعد بن ابی وقاص'' ''عدی بن حاتم'' کے ساتھ جنگ میں شامل تھے۔

عمر اور عمیر: [قصص العرب ج ۳ ص ۱۴]

عمر نے شام کے شہر حمس پر عمیر بن سعد کو والی بنایا ایک سال گزرنے کے بعد اس سے کہا آپ ہمارے پاس حاضر ہوں آپ وہاں سے پیدل روانہ ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک عصا ایک تھیلہ اور ایک لوٹا تھا انھوں نے تھیلے کو اپنی پشت پہ باندھا ہوا تھا۔ جب عمر نے دیکھا تو کہا یا عمیر! تم ہمارے کہنے پر اس بدتر شہر کو چھوڑ کر جلدی آئے عمیر نے کہا یا امیر المومنین! اللہ نے آپ کو برے کلمات استعمال کرنے سے منع کیا ہے بدگمانی نہ کریں اور کہا میں آپ کے پاس ایک دنیا کھینچ کر لایا ہوں عمر نے کہا تمہاری دنیا کا کیا مال ہے؟ کہا ایک عصا جس سے سہارا لیتا ہوں اور اس سے اپنی حفاظت کرتا ہوں اور ایک تھیلہ رکھتا ہوں جس میں میرا کھانا ہے، ایک ظرف جس میں میرے پینے اور وضو کا پانی ہے اور ایک برتن ہے جس سے میں وضو کرتا ہوں، سر دھوتا ہوں اور اس میں کھانا کھاتا ہوں یہی میری دنیا ہے۔

عمر اٹھ کر پیغمبر اور ابوبکر کی قبر پر گئے اور بہت روئے اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے جلدی میرے صاحب سے ملا دیں قبل اس کہ میں شرمندہ ہو جاؤں، دوبارہ اپنی مجلس میں آئے اور عمیر سے پوچھا بتائیں وہاں تم نے کیا کیا کام انجام دیئے، انہوں نے کہا صاحب اہل ذمہ سے جزیہ لیا اور ان کو فقرا و مساکین میں خرچ کیا اللہ کی قسم اگر اس سے کچھ بچتا تو میں آپ کے پاس لاتا عمر نے کہا آپ اپنی جگہ واپس چلے جائیں عمیر نے کہا اللہ کا واسطہ مجھے اپنے گھر بھیج دیں وہ اپنے گھر آئے ایک زمانہ گزرنے کے بعد عمر نے ایک آدمی کو جس کا نام حبیب تھا ایک سو دینار دے کر بھیجا اور کہا جاؤ عمیر کے بارے میں مجھے معلومات لا کر دو۔

تین دن اس کے پاس رہو اور دیکھیں وہ کیا کھاتے ہیں، ان کی کیا سرگرمی ہے زندگی ان کی اچھی ہے یا بری، اگر وہ برے حال میں ہیں تو انہیں یہ سو دینار

دے کے آجائیں، حبیب نے عمیر کے پاس تین دن قیام کیا اور ان کے کھانے میں جو اور روغن زیتون کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا تین دن گزارنے کے بعد عمیر نے حبیب سے کہا اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو ہمارے پڑوس میں منتقل ہو جائیں ہماری زندگی سے ان کی زندگی بہتر ہے اس کے بعد عمیر نے تھیلی کھولی اس سے پانچ چھ سات دینار نکالے جو اپنے بھائیوں کیلئے بھجوائے وہ ختم ہوئے حبیب عمر کے پاس واپس آئے اور عمر سے کہا میں آپ کے پاس سب سے بڑے زاہد کی طرف سے آیا ہوں اس کے پاس دنیا کی ضروریات میں سے کچھ بھی نہیں ہے عمر نے اس کو دو وسق گندم (عرب میں گندم تو لنے کا پیمانہ) اور دو بار لباس دیا اس نے کہا امیر المومنین دو لباس تو میں قبول کروں گا لیکن دو وسق گندم کو واپس بھیجا کیونکہ ہمارے پاس ایک وسق گندم ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔

خلیفہ دوم کے دور میں اسلامی معاشرے کے خدو خال:[تاریخ اسلامی ج۳ص ۱۹۵]

خلیفہ اول کا دورانتہائی مختصر دور تھا، اسی مختصر دور میں بڑے بڑے حوادث وجود میں آئے۔طبعی طور پر ایسے حوادث کا سامنا کرنے والی حکومت کا زوال طبعی نتیجہ تھا کیونکہ مملکت اسلامی کے ایک بڑے حصے سے انحراف وارتداد اور بغاوت نے سر اٹھایا لیکن وہ لوگ اپنی اس بغاوت میں کامیاب نہیں ہوئے۔خلیفہ مسلمین نے اپنی بصیرت و فراست، جرأت و شہامت اور درامت کی ان کے اوامر کے سامنے اطاعت اور خضاعت سے سب کو قصہ ماضی بنایا جن شکوک و شبہات و شک ریب نے سر اٹھایا تھا وہ تھوڑی مدت کے لیے تھا اور وہ سب ختم ہوا۔مجتمع اسلامی خلیفہ دوم کے دور میں داخل ہوا ان کا دور ایک نسبت سے طویل دور تھا جو ۱۰ سال سے بھی زیادہ عرصے تک محیط تھا جس وقت خلیفہ دوم نے حکومت سنبھالی، اس وقت وہاں کوئی طبقات امتیازات نامی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ مساوات حقیقی قائم تھی۔یہاں کیمونسٹوں کی اشتمالیت واشتراکیت کی مساوات نہیں تھی۔اگر کوئی فرق و تقسیم بندی نظر آتی تھی تو وہ علم و آگاہی زہد و تقویٰ، سبقت اسلام جہاد، ادائے واجبات اور ادائے مسئولیت وغیرہ کی حد تک تھی لیکن شریعت کے سامنے سب ایک تھے۔سربراہ مملکت خلیفہ اور اجتماع کے ادنیٰ فرد میں تمیز نہیں ہوتی تھی حتیٰ اہل کتاب کی بھی ان سے تمیز نہیں ہوتی تھی خلیفہ اجتماع کا ایک حصہ تھا، انہیں کسی قسم کا خصوصی امتیاز حاصل نہیں تھا یہی امت تھی جس نے ان کو قائد بنایا سلطنت دی تا کہ وہ ان کی محافظت کریں ان کے حقوق کا خیال رکھیں۔عمر اس چیز کا گہرے طریقے سے احساس کرتے تھے، وہ اپنے اوپر خلافت کو ایک بڑا بوجھ سمجھتے تھے ہمیشہ رعیت کے بارے میں دائم الفکر رہتے تھے اور ادائے واجبات میں کوتاہی، تقصیر کا احساس کرتے تھے یہ چیز انہیں ہمیشہ خوفزدہ رکھتی تھی وہ خود کوشش کرتے تھے کم سوتے تھے کم کھاتے تھے سادہ لباس پہنتے تھے جسم کو کمزور کرتے تھے اور اپنے والیوں پر وہ گراں بنے ہوئے تھے۔خوف اللہ میں زیادہ روتے تھے جب کوئی وعید کی آیت سنتے تھے تو گلوگیر ہوتے تھے آنسو نکلتے تھے جب گھر میں آجاتے تھے تو لوگ ان کو مریض سمجھتے تھے ان کے چہرے پر دو قسم کی لکیریں ہوتی تھیں نماز میں گلوگیری کی آواز سننے میں آتی تھی زیادہ صوم و صلاۃ کے پابند تھے کثیر صلاۃ و صیام تھے۔فتوحات جنگی سے آنے والی غنیمت کو اپنے لیے امتحان و آزمائش سمجھتے، کہتے یہ مال کیوں رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں آیا، کیوں ابوبکر کے پاس نہیں آیا کیوں میرے پاس آیا روتے تھے یہ مال کیوں ان دونوں کے لیے نہیں آیا عمر کے لیے دیا ہے تا کہ اس سے امتحان لے لیں وہ اپنے نفس کا تعارف کرنا چاہتے تھے ایک دن لوگوں سے خطاب کیا لوگو! میں نے اپنے آپ کو دیکھا میں اپنے حالات کا خیال رکھتا ہوں میں ایک دن اپنے ماموں بنی مخزوم کے لیے کام کرتا تھا ان کے لیے پانی کھینچتا تھا تو اس کے بدلے میں وہ مجھے کھجور اور انگور دیتے تھے، منبر سے اترے عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا آپ نے یہ بات کیوں کی اس کا مقصد کیا ہے کہا اے ابن عوف میں نے اپنا خلوت میں محاسبہ کیا نفس سے پوچھا تو اس نے کہا امیر المومنین آپ اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں ہے، آپ سے بہتر کون ہے، تو میں نے چاہا اپنی قدر بتا دوں کہ میں کون ہوں آپ کوئی بھی کام کرتے تھے تو اس کا محاسبہ کرتے تھے کہ یہ فعل کیوں کیا اگر پسند آیا تو کرتے تھے اگر پسند نہیں آیا تو نفس کو ڈانٹتے تھے عتاب کرتے تھے احنف بن قیس نے کہا میں عمر ابن خطاب کے ساتھ تھا ایک آدمی ملنے آیا یا امیر المومنین میرے ساتھ چلیں فلاں نے میرے اوپر ظلم کیا عدالت کرو عمر نے تازیانہ ہاتھ میں لیا اس مرد کے سر پر مارا۔ان کے لباس میں حسن تھا کھانے میں آپ ایک ہی سالن استعمال کرتے تھے اچھے اور لذیذ کھانے چھوڑ دیتے تھے، وہ وہی کھانا کھاتے تھے جو عام فقراء اور مسلمین کھا سکتے تھے۔

حضرت عمر و اہل بیت:

ڈاکٹر صلابی اپنی کتاب عمر بن خطاب شخصیتہ وعصرہ ص ۱۲۸ پر لکھتے ہیں اہل بیت کیلئے اہل سنت کے پاس بڑا مقام و منزلت و احترام تقدیس ہے لہٰذا جو حقوق اللہ نے ان کیلئے رکھے ہیں، اس کے وہ پابند ہیں، اسی کے تحت وہ ان سے محبت وولایت رکھتے ہیں اور حفظ وصیت رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں ہر وہ شخص جو اس وصیت

کا پابند ہے وہ سعادت مند ہے اور ہر وہ شخص جو محبت اہل بیت میں کو غالیوں کے طریقہ سے برات کرتا ہے وہ محبت اہل بیت کے وجوب اور ان کو اذیت و آزار پہنچانا ، تکلیف پہنچانا حرام گردانتا ہے چنانچہ عمر بن خطاب اسی نہج پر چلتے ہیں وہ ازواج نبیؐ سے لے کر علی اور اولاد علی سے بے بہا عزت وتکریم وتقدیس کرتے تھے اور علی کی اولاد کو اپنی اولاد پر برتری دیتے تھے۔

چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ ایک دن حسین بن علی فرماتے ہیں حضرت عمر نے ہم سے خواہش کی کہ ہمارے ہاں آیا کریں ایک دن میں گیا تو وہ معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ابن عمر دروازے پر تھے انہوں نے اذن نہیں دیا تو میں واپس آیا تو بعد میں آپ نے کہا آپ کیوں نہیں آئے تو فرمایا آپ معاویہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور عبداللہ دروازے پر تھے اس لئے میں واپس آیا تو عمر نے کہا آپ عبداللہ بن عمر سے زیادہ سزاوار ہیں آپ نے ان کی اجازت کیوں لی آپ میرے سر کا تاج ہیں پھر اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا۔ ابن سعد نے امام سجاد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر کو کچھ لباس یمن سے آئے وہ لوگوں میں تقسیم کیے اور لباس ختم ہو گئے، حضرت عمر کو بہت افسوس وحسرت ہوئی کہ حسین بن علی کے قد کے برابر لباس نہیں تھا تو انہوں نے والی یمن سے ان کے قد کے برابر لباس منگوایا۔

اسی طرح عباس اور حضرت علی سے بھی یہی مدارات وسلوک رکھتے تھے، حضرت علی جنگ فارس میں عمر کو شرکت کرنے سے روکتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ قطب رحاء (چکی کا مرکز) بن کر یہی پر رہیں (نہج البلاغہ خ ۱۴۶) (نہج البلاغہ خ ۲۲۸)۔

حضرت عمر کی حکمت عملی:

عمر ابن خطاب تند وتیز سخت گیری کے ساتھ رحم دل، غریب پرور، وسعت فکری کے ساتھ دوراندیش بھی تھے، وہ صف اول کے اصحاب کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے کیونکہ اسلام سے شغف رکھنے والے مسلمان یا مفاد پرست منافق مسلمان ان کے حد سے زیادہ احترام وتعظیم کریں تو ان کے اندر غرور وتکبر اور ایمانی برتری کا احساس پیدا نہ ہو اور جو بعد میں مسلمانوں کے لئے وبال جان نہ بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عثمان کے زمانے میں مصریوں نے طلحہ کو اٹھایا اور عراقیوں نے زبیر کو اٹھایا۔ حضرت عمر اسلامی معاشرے کے بارے میں گندگیوں اور نجاستوں سے ڈرتے تھے وہ ناپاک لوگوں کا معاشرہ اسلامی میں گھل مل کر رہنے کو پسند نہیں کرتے تھے، وہ ان لوگوں پر رقابت ونظارت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض دفعہ اساس اسلام کے بارے میں جسارت بھی سننے کو ملتی تھی۔

نتیجہ ماسبق:

عمر بن خطاب کے اعلان اسلام سے لے کر بیعت اور اس دن سے یوم ضربت تک کے تمام صفحات تاریخ کو سامنے رکھنے کے بعد دو نکتے روز روشن کی طرح سامنے آتے ہیں ایک جن لوگوں نے ان کے حق میں غلو کرتے ہوئے قرآن ومحمدؐ کو ان کا نیازمند دکھانے کی کوشش کی ہے یہ اللہ اور محمدؐ کے ساتھ اہانت و جسارت ہے اگر قرآن کسی انسان کی خواہش پر نازل ہوتا تو حضرت محمدؐ کی خواہش پر نازل ہوتا (جبکہ ایسا نہیں ہوا) چہ جائیکہ حضرت عمر کی خواہش پر نازل ہو، یہ صرف باطنیہ کی تخریب کاری کا ایک مرحلہ ہے جو ان کے مخالفین کو غصے میں لانے کیلئے کیا ہے اس میں حقیقت نامی کوئی چیز نہیں دوسرا جنہوں نے انہیں وقت کے طاغوت و فرعون ونمرود دکھانے کی مذموم کوشش، ان کی یہ کوشش دراصل ہزیمت خوردہ مسیحی شامی ورومی اور مجوس وفارس کے حقد وکینہ کی ترجمانی کرتی ہے۔

مقتل عمر: [کتاب خلفائے راشدون ص ۲۲۸]

مسلمان پے در پے فتوحات اسلامی شرق وغرب پر سرفرازی مال وغنائم اور اسلام ومسلمین کی روز افزوں عزت ووقار میں اضافہ کی وجہ سے سرور وشادمانی و خوشیوں میں مستغرق ومدہوش تھے۔ اچانک انھیں اس مصیبت کا سامنا ہوا جس میں انہیں مہربان وشفیق خلیفہ کو محراب مسجد میں خون میں غلطاں دیکھنا نصیب ہوا۔ تمام خلائق کی رضا وخوشنودی ایک لا حاصل وناممکن چیز ہے۔ حضرت محمدؐ کی کوشش تھی کہ اپنی عدالت وانصاف کے ذریعے لوگوں کو خوش رکھیں۔ ان کی عدالت قریب و بعید تمام رعیت پر سایہ فگن ہو۔ لیکن یہ مسلمانوں کے لئے تو ہوسکتا تھا۔ لیکن دلوں میں کینہ وحسد اور حقد لے کر آنے والوں کے لئے ممکن نہیں تھا۔ ان کو خوش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے دلوں میں موجود کفر کی وجہ سے وہ مسلمانوں سے کبھی بھی راضی نہیں ہوسکتے تھے۔ قرآن کریم کی سورہ بقرہ ۱۲۰ میں آیا ہے تسق تراض عنک الیھود و نصاری چنانچہ آج بھی یہود ونصاریٰ ومجوس اور ان کے گماشتے غلات کے دلوں میں عداوت محمدؐ موجزن ولبریز ہے اس شہر مقدس مدینہ میں فارس وروم کے شہزادے جن کے تخت وتاج کا خاتمہ ہونے کے بعد وہ عہد وپیان اور دین وایمان کی چھتری میں آ کر اسلام ومسلمین کو نقصان پہنچانے کی خواہش رکھنے والے لوگوں

کے ہاں آیا کرتے تھے۔وہ اپنی سرزمین اورعلاقے کومسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے کی خبریں سنتے رہتے تھے۔وہاں سے لائے جانے والے غنائم سے مسلمان خوشیاں مناتے تھےلیکن وہ حسرت اور ندامت کا سانس لیتے تھے۔ان کے لئے یہ اخبار سوء تھیں۔بعض یہاں انتقام لینے کے لئے وسائل اور مراحل طے کرتے ہوئے موقع ومحل کا انتظار کررہے تھے۔

خلیفہ ڈرتے تھے کہ مفتوحہ علاقے سے آنے والے مجوسی جنگی قیدی کہیں ایسے کام نہ کریں جو اس معاشرہ اسلامی معطرہ کو منہدم کر دیں وہ آج کل کی طرح مسلمانوں کا یہودوہنودونصاریٰ اور سکھوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے اوران کے دوش بدوش چلنے کی منطق کو پسند نہیں کرتے تھے وہ اسلامی معاشرے کو کفروشرک سے پاک رکھنے کی تلقین کرتے تھے لہٰذا آپ نے مفتوحہ علاقے کا ہروہ شخص جو بالغ تھا اسے مدینۃ الرسول میں داخل ہونے سے منع کیا تھا لیکن بعض شہنشاہیت سے وابستہ افراد کسی کے غلام وموالی بن کران کی چھتری میں مدینہ میں داخل ہوئے،ان کے اندران کے پرانے فاسدعقائد موجود تھے وہ اپنی گذشتہ حکومت باز مندگان سے رابطے میں تھے وہ برائے نام اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اندر سے انھوں نے مجوسیت کو چھپا رکھا تھا،وہ حسد کی وجہ سے خلیفہ کے بارے میں خطرناک منصوبے رکھتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھوں حکومت فرس نابود ہوئی تھی۔وہ خلیفہ کے ساتھ دین اسلام کی وجہ سے بھی کراہت رکھتے تھے جسے انہوں نے بادل نخواستہ تسلیم کیا تھا بعض سادہ تھے ابھی تک ان کو دین اسلام سمجھنے اور جاننے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔بغض وکینہ رکھنے والوں کے لیے کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ برگشت کرتے جیسے روم چنانچہ بعض رومی جو مفتوحہ علاقے میں رہتے تھے وہ واپس چلے گئے بعض عرب جو نصاریٰ تھے اور جو اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے تھے وہ بھی مسلمانوں سے فرار ہو گئے انہوں نے روم میں پناہ لی۔

جب فتح ہوئی تو صلیبیوں کی حکومت علاقے سے ختم ہوئی اور اس سے پہلے یہودیوں کی حکومت ختم ہوئی تھی۔جب اسلام غالب ہوا تو انہوں نے دیکھا کوئی چارہ نہیں سوائے اس کہ اسلام کو قبول کر کے اسلام سے جنگ لڑیں،انہوں نے سوچا کہ ان کے لیے بہتر ہے کہ اسلام کو ان کے اندر داخل ہو کر خراب کریں،انہوں نے اسلام کے خلاف اپنے اندر موجود کینہ وبغض وعدوات کو چھپا کر رکھا حتیٰ وہ غیر یہودیوں سے بھی بغض رکھتے تھے لیکن اسلام کے ساتھ وہ زیادہ بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کی سازشوں کو اسلام نے فاش کیا تھا اسلام نے ان کے منصوبوں اوران کے مکروفریب کو فاش کیا تھا لہٰذا انہوں نے تمام تر کوشش اسلام اور اسلام کے قائدین کو ختم کرنے پرلگائیں۔یہودی اور مجوسی اپنے اپنے منصوبوں اور افکار کے ساتھ دوش بہ دوش اسلام ومسلمین کو ختم کرنے پر متحد ہوئے ہیں وہ اسلام میں فتنہ انگیزی کرنے اور قائدین اسلام کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں،اس میں نصرانیت نے اس میدان میں اپنا ڈول بھی چھوڑا،ان سے مل کر سالوں سے ثالوث نامقدس تشکیل دیا،مغیرہ بن شعبہ جو کہ اس وقت امیر کوفہ تھے،انہوں نے امیر المومنین عمر ابن خطاب سے درخواست کی کہ وہ ان کے غلام ابولؤلؤ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اور وہاں مسلمانوں کی خدمت کرنے کی اجازت دے دیں کیونکہ وہ بہت سے ہنر جانتا ہے اوران میں ماہر ہے جو ہمارے معاشرے،اجتماع اور حکومت دونوں کے لیے مفید ہوگا وہ لوہار، نقاش اور ترکھان تھا تو عمر نے اسکو اجازت دے دی لیکن ابولؤلؤ خبیث ومکار تھا اس کے اندر حقد وکینہ چھپا ہوا تھا وہ اپنے اندر شر رکھتا تھا،وہ مجوسی تھا لیکن اظہار نہیں کرتا تھا۔وہ اندر سے عصبیت سے لبریز تھا لیکن اظہار کرنے سے ڈرتا تھا جب وہ اپنے شہر کے چھوٹے بچوں کو اسیر دیکھتا تو ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوئے کہتا عمر نے میرے کلیجے کو کھایا ہے ابولؤلؤ فرصت کے انتظار میں تھا اور حضرت عمر کی نقل وانتقال کی جاسوسی کرتا تھا۔اس نے دیکھا ان کو نماز ہی کے موقع پر قتل کیا جا سکتا ہے۔سب سے مناسب وقت یہی تھا اور اس وقت وہ غفلت میں حملہ کرسکتا تھا۔جب عمر صفوں سے گزرتے تھے تو کہتے تھے صفوں کے درمیان خلاء نہ رکھو صفیں برابر رکھیں بیچ میں کوئی خلاء نہ ہونے پائے وہ آگے بڑھ کر تکبیر کہتے اور نماز میں داخل ہوتے۔۲۳ ذی الحجہ کی صبح تھی،عمر اپنی عادت کے تحت تکبیر کہتے ہوئے آگے بڑھے اتنے میں آواز بلند ہوئی کہ کسی نے مجھے قتل کیا ابولؤلؤ نے چھ ضربتیں ان پر لگائیں اور صفوں سے نکل گیا،اس کے ہاتھ میں چھری تھی جو دونوں طرف سے کاٹتی تھی وہ اس کو دائیں بائیں مارنے لگا یہاں تک کہ اس نے ۱۳ آدمیوں کو زخمی کیا۔جن میں سے اکثر مرگئے جب عبدالرحمٰن بن عوف نے اس کو دیکھا تو فوراً اس پر اپنا عصا مارا تو ابولؤلؤ نے احساس کیا کہ وہ گرفتار ہوا ہے تو اس نے اپنی چھری سے اپنے آپ کو مارا،عبدالرحمٰن جب آگے آئے تو خلیفہ گرے ہوئے تھے ان کے جسم پر زخم تھے اور کہتے تھے ﴿وکان امر الله قدرا مقدورا﴾ عمر نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز کے لیے آگے کیا،اس کے بعد خلیفہ بے ہوش ہو گئے عبدالرحمٰن بن عوف نے بہت تیزی سے یا مختصر وقت میں نماز ختم کی وہ خلیفہ کے ساتھ نزدیک تھے،انہوں نے عمر کی آواز سنی وہ کہہ رہے تھے سبحان اللہ سبحان اللہ جب آواز ختم

ہوئی اور عمر ہوش میں آئے تو فوراً پوچھا لوگوں نے نماز پڑھی ہے یہاں تک وہ نماز کی فکر میں تھے، عبداللہ بن عباس نے کہا ہاں پڑھی ہے عمر نے کہا جس نے نماز کو چھوڑا، اس کا اسلام نہیں ہے پھر عمر نے وضو کیا اور اپنی نماز پڑھی۔ ان کا خون جاری تھا پھر ان کو اپنے گھر لے گئے، ابن عباس سے کہا باہر نکلو اور لوگوں سے پوچھو مجھے کس نے قتل کیا ہے تو کسی نے جواب دیا اللہ کے دشمن ابولؤلؤ غلام مغیرہ نے اس نے بعض کو مارا اور جب خود پکڑا گیا تو اس نے اپنے آپ کو چھری سے مار دیا اور عمر کو جب یہ خبر دی تو عمر نے کہا حمد اللہ کے لیے ہے۔

قتل عمر میں ملوث ٹولے:

ان ہی میں سے ایک ابولولو فیروز ہے، جس نے اپنے مقصد شوم کو حاصل کرنے کے لئے خود کو مغیرہ بن شعبہ کا غلام اور مزدور بنا کر ان کے توسط سے مدینے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ حاقد و کینہ پرور ہرمزان کو بھی رکھا ہوا تھا۔ جب ایران اور فارس سے کوئی اسیر آتا تھا تو وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور روتا تھا۔ فیروز ملقب با ابولولو نصرانی المذہب تھا۔ اس نے ایک دن مغیرہ بن شعبہ کی شکایت خلیفہ وقت سے کی کہ وہ مجھ سے زیادہ مزدوری لیتا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کتنی مزدوری دیتا ہے۔ کہا دو درھم۔ خلیفہ نے پوچھا تم کام کیا کرتے ہو تو اس نے بتایا نجاری، نقاشی، اور حدادی کرتا ہوں تو حضرت عمر نے کہا اس صنعت و ہنر کے مقابلے میں خراج زیادہ نہیں ہے کچھ دن گزرنے کے بعد اس نے دھمکی دے دی، انہی دنوں کعب الاحبار خلیفہ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ آپ اپنی وصیتیں کریں، آپ نے تین دن کے اندر اس دنیا سے جانا ہے۔ یعنی آپ کو موت آنی ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کہاں سے پتہ چلا ہے۔ اس نے کہا میں نے آپ کو تورات میں دیکھا ہے تو عمر نے کہا کیا تم نے مجھے تورات میں دیکھا ہے تو اس نے کہا نہیں میں نے آپ کا حلیہ اور صفات دیکھی ہیں۔ آپ کا دور ختم ہونے والا ہے حضرت عمر کوئی تکلیف اور درد و الم محسوس نہیں کر رہے تھے تو وہ دوسرے دن آیا اور کہا دو دن باقی رہ گئے ہیں ایک دن گزر گیا ہے اور پھر دوسرے دن آیا تو کہا دو دن گزر گئے ہیں اور ایک دن باقی رہ گیا ہے، آپ نے کل اس دنیا سے جانا ہے۔ یہ کعب الاحبار یہودی محسوس ہوتا ہے جو کہ اس سازش میں شریک تھا جو خلیفہ وقت کے قتل کے لئے تیار ہوئی تھی۔ یہ کعب الاحبار خود ساختہ اخبار کو مسلمانوں میں بیان کرتا تھا، اس وجہ سے اس نے مسلمانوں میں بہت قدر و منزلت پائی۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ کتاب تورات میں مستقبل کی پیشن گوئیاں اور ہر چیز کا علم ہے اور جو ہم جو جانتے ہیں وہ آپ نہیں جانتے۔ ہم علم غیب اور پیشن گوئیاں جانتے ہیں، ہم سے پوچھیں۔

قاتل عمر بن خطاب:

ابولؤلؤ یا بابا شجاع قاتل خلیفۃ المسلمین غالیوں کی مکرم و مؤقر ہستی ہے۔ جسکا اندازہ یہاں سے ہوسکتا ہے کہ ابھی بھی ایران کے شہر کاشان میں اس کا مزار غالیوں کی زیارت گاہ ہے۔ علامہ مرزا عبداللہ آفندی اصفہانی اور علامہ مجلسی اپنی کتاب ریاض العلماء و حیاض الفضلاء ج ۵ ص ۵۰۷ پر اسے اس طرح یاد فرماتے ہیں۔ فیروز اعجمی فارسی شیعوں میں بابا شجاع الدین کے نام سے معروف ہے محمد بابا شجاع انہی سے منسوب ہے یہ ۹ ربیع الاول یا بعض کے نزدیک ۲۴ ذی الحجہ الحرام کی بات ہے یہ غلام مملوک مغیرہ بن شعبہ تھے لیکن صاحب ریاض العلماء لکھتے ہیں ابولؤلؤ اصحاب خیار علی میں سے تھے اسے علامہ کرکی نے بقر بطن عمر کے نام سے یاد کیا ہے۔

گرچہ یہ کتاب اپنے موضوع کے حوالے سے علماء و دانشمندان سے مخصوص ہے۔ بابا شجاع کا اس کتاب میں ذکر کرنے کی توجیہ میں لکھتے ہیں مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس نے ایک ایسا عمل انجام دیا ہے جو بڑے سے بڑے علماء و دانشمندان انجام دینے سے عاجز و قاصر ہیں۔ لیکن یہ وہ شخص ہے، جس نے خلیفہ دوم مسلمین سے فتح فارس اور شام کا انتقام لیا ہے، اس کی تلوار میں ایسا اثر تھا کہ جس نے خلیفہ دوم کو جام انتقام نوش کروایا، یہ تلوار خلیفہ دوم سے گزرتے ہوئے سوم و چہارم کی حیات کے خاتمہ تک پہنچی، اس طرح اس نے تسلسل خلافت راشدہ مسلمین کا بھی خاتمہ کیا اس لئے یہ غالیوں کے پاس محترم و مکرم ہے۔ انھوں نے اس کی قبر کو مزار بنایا ہے۔

اس وجہ سے بعض داعیان اتحاد اسلامی نے بھی ۹ ربیع الاوّل کے دن کو حضرت عمر کے قتل کی خوشی کا دن قرار دیا ہے۔

خلیفہ مسلمین عمر بن خطاب کی جنگ و حکمت سے مجوسیوں، یہودیوں اور صلیبیوں کے قتل ہونے کے باوجود بعض مدعیان اور نام نہاد دوستداران اہل بیت کا اس یاد میں خوشیاں منانا حلق سے نہیں اترتا ہے۔ حتیٰ وہ افراد جو امت کی عظیم مصلحت کی خاطر اتحاد ملت اسلامی کے پرچم اٹھائے ہوئے ہیں وہ بھی ۹ ربیع الاوّل کو اس یاد میں خوشی مناتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں جو اعلانیہ طور پر ایسا نہیں کرتے لیکن چھپ کر دلی طور پر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مٹھائیاں کھاتے اور کھلاتے ہیں۔ اگر

ہم حضرت عمر کو ایک حکومت اسلامی کے حاکم اعلیٰ کی بہترین مثال تصور نہ کریں بلکہ ان کے اسلام قبول کرنے کو بھی اسلام واقعی کے بجائے اسلام نفاقی بھی تصور کریں تب بھی ان کا قتل قرآن کریم اور سیرت وسنت محمد مختیٰ سیرت علی بن ابی طالب سے متصادم ومنافی دیکھتے ہیں، آئیں دیکھتے ہیں:

۱۔ جنگ مصطلق میں عبداللہ بن ابی نے لشکر اسلام میں نفاق کی آگ بھڑکائی نیز ام المومنین عائشہ کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔ اس پر ان کے بیٹے عبداللہ نے پیغمبر اکرمؐ سے درخواست کی کہ آپ مجھے میرے باپ کے قتل کی اجازت دیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا نہیں، میں ان کے قتل کا خواہاں نہیں، میں ان کی حیات کا طالب ہوں۔ پیغمبر اسلامؐ عبداللہ ابی کے قتل کے بھی خلاف تھے۔

۲۔ ایک سریہ میں کسی صحابی نے لشکر ہزیمت خوردہ کے کلمہ پڑھنے والے ایک شخص کو اس لیے قتل کر دیا کہ اس خیال میں اس نے قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا تھا، اس نے کہا یا رسول اللہ یہ دل سے نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ انہوں نے قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا تھا تو نبی کریمؐ نے کہا کیا تو نے ان کے دل کو چاک کر کے دیکھا تھا۔

۳۔ جب ہرمزان کو حضرت عمر کے بیٹے عبیداللہ نے اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد اپنے باپ حضرت عمر کے قصاص میں قتل کیا تو علی اور دیگر اصحاب نے عثمان سے عبیداللہ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔

۴۔ کیا اسلام میں یہ حکم ہے کہ منافقین جہاں کہیں ملیں، انہیں قتل کرنا چاہیے، ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی مجوسی نے کسی منافق مسلمان کو قتل کیا تو کیا ہمیں اس مجوسی، نصرانی یا یہودی کو داد دینی چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو یہ کہاں کا اسلام ہے۔ ہم غالیوں اور مخالفین کے نہ چاہتے ہوئے یا ان کی چاہت کے خلاف صدق وصداقت اور سراحت کو اپناتے ہوئے اور توریا وتقیہ سے دوری اختیار کرتے ہوئے دور خلافت حضرت عمر کو خلفاء راشدین کے دور میں مثالی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف عمر کو نبی کے برابر لانے والے غالیوں کے کہنے پر خود کو عمری کہنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ علوی ومحمدی کہلوانے کے روادار بھی نہیں ہیں کیونکہ قرآن کریم میں اللہ نے ہمیں مسلمان جینے اور مرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث کی حاکمیت کے داعیوں، اخباریوں اور اہل حدیثیوں نے قرآن کیطرف دعوت دینے پر مجھے اپنے عتاب کا نشانہ نہ بنایا، میرا رخ دین اسلام کی طرف قرآن سے ہوا ہے، اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو قرآنیون کہنے کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ قرآن نے ہمیں مسلمان جینے اور مرنے کا حکم دیا ہے۔

قتل عمر، حادثہ اتفاقی تھا یا؟:

کوئی ادنیٰ سا فرد اگر کسی حیوان کو بھی مارے تو اس سے سوال ہوتا ہے کہ اس بیچارے کو کیوں اور کیسے مارا لیکن مسلمانوں کے سربراہ جو اپنے دور کے بڑے طاقتور حکمران، رعب دبدبہ کے حامل اور قرآن وسنت کی پیروی میں عدل وانصاف کا عملی مظاہرہ کر رہے تھے، کو اگر کوئی شخص قتل کر دے تو کیا اس کو ایک اتفاقی واقعہ، سرسری بات یا ذاتی غصے کا نتیجہ کہہ کر چھوڑ دینا ایک ناانصافی کی بات نہیں ہوگی اور کیا یہ اور عقل وفکر سے خالی فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس حادثے کا تجزیہ وتحلیل کرنے کی ضرورت ہے، یہ ایک لمبے عرصے سے باندھی گئی منصوبہ بندی کے تحت ہوا ہے یا یہ حادثاتی واتفاقی جذباتی فیصلے کا نتیجہ تھا اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، تحقیق کرنے کیلئے قتل میں ملوث اشخاص پر تحقیق کرنا ہوگی، قتل عمر میں جو لوگ شریک ہیں ان میں ہرمزان، ابولؤلؤ فروز، جفینہ اور کعب احبار وغیرہ شامل تھے۔ حضرت عثمان کے متعلق مزدوروں، اسیروں اور ناداروں کو شکایت تھی کہ یہ عمر کی طرح عادلانہ تقسیم روا نہیں کرتے، ان لوگوں کی یہ شکایت حقائق پر مشتمل تھی یا یہ ایک عناصر باطلہ سے مرکب تھی۔ شام سے ہزیمت خوردہ مسیحی جفینہ، فارس سے ہزیمت خوردہ ابولؤلؤ، یہود سے ہزیمت خوردہ کعب احبار اور عرب جاہلیت کے ہزیمت خوردہ عینہ بن حصین شریک تھے۔ حضرت عمر کے قتل ہونے سے پہلے کعب احبار حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا آئندہ تین دن آپ کی جان کو خطرہ ہے، آپ اپنی حفاظت کریں، آپ نے کہا آپ کو اس چیز کا کس طرح پتہ چلا، تو اس نے کہا مجھے تورات سے پتہ چلا ہے، حضرت عمر نے کہا سبحان اللہ میرا نام تورات میں آیا ہے تو اس نے کہا نہیں، آپ کی صفات کا تورات میں ذکر ہے، کعب نے پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی کہا۔ قتل عمر کے بعد حادثے کی تحقیقات ہوئیں جس میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے گواہی دی کہ میں ایک دن مویشیوں کی چراگاہ سے گزر رہا تھا کہ میں نے لؤلؤ، جفینہ، ہرمزان اور عینہ کو آپس میں سرگوشیاں کرتے دیکھا، مجھے دیکھ کر وہ حیران ہو گئے اور ان میں ایک کا نیزہ گر گیا، پھر ابن ابی بکر نے کہا کہ وہ نیزہ مجھے دکھاؤ تا کہ میں پہچانوں، جب ان کو وہ نیزہ دکھایا تو انھوں نے کہا یہی ہے۔ جب عبد الرحمٰن بن ابا بکر نے یہ بات کی تو اتنے میں عبیداللہ بن عمر نے تلوار نکالی اور اٹھ کر باہر چلے گئے اور جا کر جفینہ، عینہ اور ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کر دیا، جب ہرمزان کو قتل کیلئے تلوار نکالی تو اس نے کلمہ شہادت پڑھا لیکن پھر بھی اسے قتل کر دیا اور بعد میں فیصلہ کیا کہ مدینہ میں جتنے بھی اسیر ہیں ان سب کو قتل کروں گا۔ جس پر اصحاب رسول نے شور مچایا اور

اسے خلاف شریعت قرار دیا۔غرض ابھی عمر زندہ تھے، جب انھوں نے یہ خبر سنی تو حکم دیا کہ عبید اللہ کو پکڑو، اس سے قصاص لینا ہے لیکن ابھی اسے زندان میں ڈالو اور اس کا فیصلہ اگلے منتخب خلیفہ پر چھوڑ دو۔اس کے بعد والے مسائل پر خلافت عثمان میں بحث ہوگی۔

آپ دس سال چھ مہینے خلافت کرنے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں ۲۳ ہجری کو "مغیرہ بن شعبہ" کے غلام "ابو لولو" کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

عمر ابن الخطاب اور شوریٰ:- [عشرہ مبشروں جلد ۵]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ آل عمران آیت ۱۵۹ میں مشورہ کرنے کا حکم اور مشورہ کرنے کی طرف دعوت دی ہے۔نبی کریم اپنی تمام تر تدبیر اور رائے صحیح کے باوجود امت سے مشورہ کرتے تھے تاکہ بعد میں یہ سنت جاری رہے اسی طرح یہ لوگوں کا دل جیتنے اور ان کو عزت دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ مشاورت میں برکت کے ہونے کا اعلان بھی ہے۔فوائد مشاورت میں ہے کہ اگر مشورہ شدہ عمل ناکام ہو تو مخالفین اعتراض نہیں کریں گے۔بعض اوقات انسان کسی عمل کو بہتر سمجھ کر کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو مصالح شناسی سے عاجز دیکھتا ہے۔

خلیفہ دوئم نے حکومت چلانے اور مشاورت میں پیغمبرؐ اسلام کی تاسی کی ہے نبی کریمؐ کوئی کام مشورہ مسلمین کے خلاف انجام نہیں دیتے تھے۔اپنے کاموں میں استبدادیت نہیں دکھاتے تھے، کسی حادثے کے پیش آنے پر جلد بازی نہیں کرتے تھے۔لوگوں کے نظریات معلوم کرتے تھے اور فرماتے تھے لوگوں کی رائے اس دھاگے کی مانند ہوتی ہے جو جوڑتا ہے۔دین اسلام نے عدل و انصاف کی طرف دعوت دی ہے تاکہ اسلامی ریاست میں توازن قائم ہو اور افراد ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور دوستی قائم کریں۔لہٰذا نساء آیت ۵۸ ﴿ بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچا دو اور جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو﴾، سورہ نحل آیت ۹۰ ﴿ بیشک اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے ﴾ میں ہمیں عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور کہا ہے کہ اے اہل ایمان اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ وہ امانتیں ادا کریں جو رعیت کی طرف سے تمہاری گردن میں لٹکی ہوئی ہیں۔ان کے حقوق اموال وصدقات جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اس طرح ادا کریں۔ہر چیز کو اپنی جگہ پر رکھیں۔ہر وہ چیز جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے، اسے نہ اٹھائیں۔اگر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو عدل و انصاف سے کریں۔

خلیفہ اوّل و دوم میں سے ہر ایک نے اپنے بعد زمام مسلمین سنبھالنے والے کے بارے میں اصحاب سے مشورہ کیا کہ میں یہ امانت کس کے سپرد کر کے جاؤں اس خلیفہ کے دین و دیانت کا اندازہ بھی یہیں سے کر سکتے ہیں کہ وہ اس بار امانت کو کہاں اور کس کے دوش پر چھوڑ کے گئے چونکہ یہ امانت ابوبکر کے دوش پر انصار و مہاجرین نے رکھی تھی لہٰذا ان کو مطمئن کرنا ضروری تھا، دیکھو میں نے اس کو کسی غلط اور نامناسب شخص کے سپرد نہیں کیا ہے ہمیں یہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ مشورے کی کیا شرائط ہیں اور خلافت سنبھالنے والے کی کیا شرائط ہیں مشورہ ہمیشہ متعلقہ چیز سے تعلق و آگاہی رکھنے والے واقف اور دیندار و ایماندار انسان سے کیا جاتا ہے لہٰذا دونوں خلفاء نے جن سے مشورہ کیا تھا، وہ اس وقت کے حوالے سے اہل رائے تھے۔

حضرت علی کی شش رکنی شوریٰ میں شمولیت:

حضرت عمر نے ضربت کے موقع پر اپنے بعد خلافت سنبھالنے کے لئے جو چھ رکنی شوریٰ بنائی، حضرت علی کی اُس میں شرکت یقیناً اسلام کے تحفظ کی خاطر جانفشانی تھی لیکن یہ حضرت علی کو خلیفہ منصوص من اللہ سمجھنے اور خلفاء کو غاصب و ظالم سمجھنے والوں کے رخساروں پر ایک کاری ضربت اور طمانچہ ہے لیکن طمانچہ کتنا ہی ضربت آور اور ذلت و کرب والا ہی کیوں نہ ہو، ان پر اُس کا اثر نہیں ہوتا چنانچہ حقیر نے حوزات و مدارس کے بہت ارشدوں اور اساتید کو غیرت و حمیت دینی دلانے کی خاطر کہا کہ آپ کے مذہب کا نہ سر ہے نہ پیر وہ صرف مفروضات اور جھوٹ پر قائم ہے تو وہ اس پر دلیل سے جواب دینے کی بجائے خاموش رہتے ہیں یا لوگوں کو چیخ و پکار، گریہ زاری، جلوس اور دھرنے وغیرہ سے جواب دینے کے ساتھ ساتھ اسلام آباد کے ایک مولانا کے بقول من حیث لا یشعر مثل راوی ابولولو جواب دیتے ہیں ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے ورنہ وہ اپنے مذہب کی حمایت میں کسی بھی دلیل محکم کے طور پر پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں ان کی مثال آج کل کے سیاست دان امثال چودھری برادران، اکابرین پی پی وغیرہ کی طرح ہے جن کی سیاست میں کوئی اصول نہیں، یہ ہر آن، صبح و شام چہرہ بدل سکتے ہیں۔

لہٰذا فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھنے والے تمام فرقے جس شکل وصورت ولباس وسیرت ظاہر و باطن میں ہوں، سب کا کہنا ہے کہ یہ لوگ باطن سے ایمان لائے

ہی نہیں تھے اور اپنے شرک پر باقی تھے۔ یہ لوگ مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت علی کی امامت کو مسترد کیا ہے ان کے بقول جو امامت کو نہیں مانتے ،وہ کافر ہوتے ہیں۔لہٰذا ان کے کفر میں جائے شک وتردید نہیں ۔ یہ لوگ کافر ،مشرک ،فرعون و ہامان ونمرود کو رباچوف ذہرو سے بدتر ہیں ۔

دوسری وجہ :ایک تو حضرت زہراء نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد امت سے شاکی و نالاں حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں، دوسرے وہ آپ کی ناراضگی کا سبب عمر بن خطاب کو قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے آپ کے گھر پر حملہ کیا، نمی دانم وہ اس کے لیے کتنی کہانیاں گھڑتے ہیں ۔ان دونوں وجوہات پر الگ الگ بحث کرنے کی ضرورت ہے ۔جہاں تک یہ بات کہ آپ امت سے شاکی و نالاں دنیا سے رخصت ہوئیں ۔اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مفروضات بنتے ہیں ۔یہ بات حقیقت سے قرین ہے۔

جو افراد ان سے عداوت و دشمنی رکھتے ہیں اور نفرت وبیزاری کا اعلان کرتے ہیں وہ اس فلسفہ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے حضرت علی کو خلافت سے دور رکھنے کی خاطر سقیفہ میں ابو بکر کی بیعت کی اور پھر علی کو بیعت پر مجبور کرنے کے لئے علی کے گھر پر حملہ کیا تھا ،پھر علی کو دور رکھنے کے لئے چھ رکنی شوریٰ بنائی ہے پھر علی کی دشمنی کی خاطر شام میں معاویہ کی حکومت کو مستحکم کیا ۔ہم دیکھتے ہیں ان کے بارے میں قرآن وسنت کیا حکم دیتے ہیں آخر کسی کو دشنام دینے کیلئے قرآن اور سنت سے سند چاہیے بفرض محال زہراء ان سے ناراض گئیں تو کیا زہراء کی ناراضگی کی وجہ سے وہ مشرک قرار پائیں گے یہ بات کہاں سے نکلی ہے ۔انکے نزدیک علی یا زہراء مرضیہ کی تذلیل ان کے خود ساختہ یا من گھڑت عقائد کے مقابل میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کا کہنا ہے علی نے زہراء کو گدھے پر سوار کر کے مدینہ کے گھروں میں ووٹ مانگنے کے لئے بھیجا تھا۔

آج بھی یہی تاریخ دہرائی جارہی ہے چنانچہ سالہا سال اقتدار پر رہ کر عوام کو منہ موڑ کر نہ پوچھنے والے انتخابات کے موقعہ پر شیعوں کی طرف سے خلفاء پر لعنت کو اٹھا کر سنیوں سے ووٹ لینے آتے ہیں اگر کوئی زیادہ روسیاہو تو کسی داڑھی والے کو ساتھ لاتے ہیں جبکہ شیعہ عمائدین کا شعار تکفیری گروہ ہے وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ ملک میں تمہیں کافر کافر کہنے کو رواج دیتے ہیں ،ان سے نجات کے لیے ہمیں اور ہمارے گروہ کو کامیاب بنائیں گویا یہ انتخابات ملک وملت کی ترقی وتمدن اور اسلام ومسلمین کی سربلندی کے لئے نہیں بلکہ یہاں دوسرے فرقوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دینے والوں اور خلفاء کرام اور ان کے حامیوں کو لعن طعن کرنے والوں میں مقابلہ ہے اگر یہاں کوئی اہل فکر ودانش کا گروہ ہو جو ادنیٰ اور اعلیٰ عدالتوں میں دادرسی اور پرچم اسلام کی سربلندی وانصاف کے لیے ماہرین کی ٹیم بنوائے اور اعلیٰ عدالتوں سے ساعت کروائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ شیعوں کا کہنا ہے کہ لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں جبکہ کسی بھی مسلمان کو چاہے وہ کتنا ہی بے دین کیوں نہ ہو اور اس کے اعمال شر ہی شر کیوں نہ ہوں اسے آپ کافر نہیں کہہ سکتے ہیں جب کہ تکفیری گروہ کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ہمارے دین کے بزرگان اور امت اسلام کے ہراول دستے پر لعنت بھیجتے ہیں اس لیے ہم انہیں کافر کہتے ہیں انتخابات جیتنے کے بعد وزراء وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ اور ان کی کابینہ نہ صرف ان گروہوں کو بلکہ انتہائی غربت سے دوچار ضرورتمند عوام کو بھی کو خیر باد کہہ کر اشرفیہ اور خواص کے مطالبات پر کان دھرتے ہیں۔

ان کا حضرت علی یا زہرا مرضیہ سے کوئی رشتہ نہیں ہے بلکہ انھیں کسی نہ کسی بہانے سے اسلام کو لنگڑا بنانا ہے اسے مفلوج اور زمین گیر رکھنا ہے ورنہ انہوں نے یہ موقف اختیار نہ کیا ہوتا کہ علی تو منصوص من اللہ ہیں ۔اگر علی منصوص من اللہ ہوتے تو جمہوری انتخاب میں امیدوار نہ بنتے ۔

خلیفہ اول و دوم خاص کر خلیفہ دوم عمر بن خطاب سے مسیحیوں ،مجوسیوں شیعوں اور عصر حاضر کے قادیانیوں اور اسماعیلیوں کو بہت چڑ ہے ۔انہیں جتنی نفرت عمر سے ہے اتنی یہ ابو بکر اور معاویہ و یزید سے نہیں کرتے حتیٰ حجاج بن یوسف سے بھی نہیں کرتے حضرت عمر اور ان کے ماننے والوں سے نبرد آزمائی کے لئے یہ کافرین وملحدین سے دوستی وآشتی بھی کر سکتے ہیں۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان دونوں نے آئندہ آنے والوں کے لیے باطل کی بنیاد رکھی تھی ۔یہ آئندہ والوں کی برائیوں کے مؤسس تھے ۔اگر ان کی طرح ہم بھی یہ مان لیں کہ چند ایک ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے زہرا ءناراض ہوئیں تو پھر آپ اس ناراضگی میں صرف ابو بکر وعمر کا نام کیوں لیتے ہیں جبکہ آپ جس طرح ان واقعات کو بیان کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ زہراء کی ناراضگی کا سبب تمام انصار ومہاجرین ہیں اس میں کوئی خاص کردار عمر کا نہیں تھا آپ اس ناقابل انکار حقیقت کو کیوں بھول رہے ہیں کہ کفر وشرک صرف انحراف از اصول دین توحید ونبوت ورسالت وآخرت سے ہی ہوتا ہے اس میں زہراء کی ناراضگی نہیں

آتی ہے کیونکہ کوئی انسان صرف کسی کی ناراضگی سے کافر نہیں ہوتا ہے، پیغمبرؐ بہت سے انسانوں سے ناراض تھے اور آپؐ نے، دین پر مکمل عمل پیرا نہ ہونے والے مسلمانوں کی شکایت فرمائی ہے خود اللہ بہت سوں سے ناراض رہتا ہے۔

دوسری تفسیر اہل فارس نے پیش کی ہے کیونکہ انھیں قصر و قصور بادشاہ اور دو ہزار سالہ فارس کی بادشاہت کو ویران و برباد کرنا قابل برداشت نہیں، لہذا بربادی اور ویرانی شہنشاہیت پر دو ہزار سالہ تخت و تاج سے وابستہ افراد ناراض ہو گئے چنانچہ جنگ قادسیہ کے بارے میں آیا ہے کہ عمر خود اٹھ کے نکلے تھے لیکن بعد میں علی اور اکابر اصحاب نے منع کیا کہ اس کے لئے کسی اور کو نامزد کریں لہذا ان کا عمر پر زیادہ غیض و غضب اور نفرت اس وجہ سے ہے۔

عمر بھر غالیوں کا جام غضب:

خلفاء ثلاثہ بالخصوص شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر وہ ذوات ہیں کہ جنہیں غالی عمر بھر غم و غصہ اور نفرت و بیزاری کا نشانہ بناتے ہیں اور جب ان سے پوچھو کہ تم لوگ یہ جرم کیوں کرتے ہو تو جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی کریمؐ کی چہیتی بیٹی کے حق کو چھینا ہے اور اس میں سرفہرست ان کے نزدیک عمر کا بہت کردار رہا ہے کیونکہ وہی ابوبکر کو مشورہ دینے والے تھے اور خود ہی کمانڈو بن گئے انہوں نے انتہائی شقاوت سے دروازے کو لات ماری، دروازہ زہراءؑ مرضیہ پر گرا، پہلو شکستہ ہوا جس سے جنین شکم سقط ہو گیا یہ بات سُن کر صرف غالی نہیں غیر غالی بلکہ خلفاء کو خلیفہ ماننے والے اور ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانے والے بھی بے تاب و بے قرار ہو کر انہیں نفرت کا مستحق گردانتے ہوئے ان سے ناراضگی کا اظہار کرنے لگتے ہیں اگر ایسا ہوا ہے تو یہ ان کی بڑی غلطی تھی لیکن بدقسمتی سے اسلام میں مدرسہ فسطائیزم کھولنے والے اور غلط اجتہاد پر ایک اجر دینے والے اور حضرت عمر اور حضرت زہراءؑ دونوں کے نام گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور عنہما لگانا نہیں بھولتے ہیں کہتے ہیں یہ ان کا اجتہاد تھا دراصل یہ وہی گروہ ہے جو پورے دین کے ستون کو پکڑ کر تقلید سلف و متقدمین سے باندھے ہوئے ہیں یہ تحقیق کو صرف مغرب والوں اور ایران و عرب کے چند گھرانوں تک محدود رکھتے ہیں اور دوسروں کے لئے باریک بینی اور دقت سے تحقیق کرنے کو چار دیواری کے اوپر سے نامحرموں کو دیکھنے جیسا جرم قرار دیتے ہیں اور انہیں پاگل گردانتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اس وقعہ کی تحقیق کرتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا واقعہ ہوتا تو علی و حضرات حسنین کی غیرت دینی اور زہراءؑ سے ہمدردی انہیں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے نہ دیتی، دوسرے خاندان بنی ہاشم اور دیگر اصحاب رسول اس واقعہ کو ہرگز برداشت نہ کرتے یا احتجاج ضرور کرتے جبکہ تاریخ ایسے کسی احتجاج کا ذکر نہیں کرتی جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قصہ محض ابوبکر و عمر کو غیض و غضب اور نفرت کا نشانہ بنانے کے لیے گھڑا گیا ہے۔

اگر کسی نے اتفاقی طور پر یا اسلام و مسلمین سے ہمدردی و محبت میں ان کی مرضی کے ادارے، حوزہ یا مدرسے سے سند یا اجازت لیے بغیر تحقیق کی تو یہ اسے فرعون و یزید سے بھی کئی گنا زیادہ برا جانتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ غالیوں کو نہ زہراءؑ سے ہمدردی ہے اور نہ ابوبکر و عمر سے دشمنی بلکہ اُن کی اصل دشمنی اسلام سے ہے یہاں غلبہ اسلام یا بدنامی اسلام کا مسئلہ ہے غالی دین کو اس کی حدود متعین سے باہر نکالنے والوں کا نام ہے ان کے لئے زہراءؑ کے رونے اور واویلا کی اہمیت ہے نہ ابوبکر عمر سے زیادہ دشمنی کی انہیں دکھ یہ ہے کہ ابوبکر و عمر نے ان کے علاقوں پر پرچم اسلام لہرایا ہے۔

ا۔ ابوبکر و عمر نے مملکت اسلامی کو نبی کریمؐ کے بعد شکست خوردگی اور منتشر ہونے سے بچایا ہے یہ غصہ ان کے دشمنوں ان کے دل میں جاگزیں ہے ان دونوں کو ختم کرو تا کہ نبیؐ سے وصل کا حلقہ ٹوٹ جائے پھر معلوم نہیں اس کی کیا شکل و صورت ہو سکتی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ابوبکر و عمر سے نفرت اسلام کی وجہ سے ہے۔

۲۔ نبی کریمؐ کی فتوحات اسلامی کے بعد یک بعد دیگر حکومت اسلامی کو خطرات نے گھیر لیا، خلیفہ اول و دوم نے داخلی مدعیان نبوت، مرتدین و منافقین کے علاوہ دو طرف کی بڑی طاقتوں فارس اور روم کو یک بعد دیگر شکست دی، یہ کارنامے ان دونوں کے توسط سے ہوئے ہیں لہذا ان کی عداوت ان کے برے عزائم و اعمال یا ان کے دلوں میں پوشیدہ کفر و شرک سے نہیں بلکہ ان کی نفرت اسلام سے ہے لہذا ان خلفاء سے نفرت و بیزاری برتنے والوں کو دشمنی با اسلام میں شمار کیا جائے گا۔ ورنہ جن خامیوں کا یہ ذکر کرتے ہیں ان سے کئی گناہ بڑی خامیاں ان کے بعد آنے والوں میں پائی جاتی تھیں جیسے عثمان بن عفان نے پیغمبر اکرمؐ اور ان دو خلفاء سے ہٹ کر بیت المال مسلمین کا دروازہ اپنے خاندان کے منحرفین کے لیے کھولا تھا۔ وہ مروان اور ان کے باپ کو جنہیں رسول اللہؐ نے شہر بدر کیا تھا ان کو واپس لائے اور بعض اصحاب کو جائیدادیں کاٹ کر دی تھیں، اس سے بھی بدتر عمل معاویہ نے انجام دیا جو شکست و ہزیمت دیکھنے کے بعد لشکر فاتح محمدؐ کے سامنے تسلیم ہوئے تھے اور مؤلف

القلوب میں شمار ہوتے تھے خلیفہ شرعی علی جس کی عامۃ المسلمین نے انتہائی شوق و رغبت اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے بیعت کی تھی، انھیں یک بعد دیگر جنگ و غارت میں تھکایا۔ نیز عمرو عاص کے حیلے سے خلافت سے معزول کروایا نیز امام حسن کو معزول کر کے خود اس منصب پر بیٹھے اور اکابر اصحاب رسول اللہ کی بات نہ مانتے ہوئے امام حسن سے کیئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور پھر اپنے بیٹے کو خلیفہ بنایا، پھر ان کے بیٹے نے نواسہ رسولؐ اور ان کے اعزاء و احباب کو بے دریغی سے دشت و بیابان کربلاء میں قتل کیا پھر مروان اور ان کے بیٹے عبد الملک کے حکم پر وقت کے ہٹلر جابر و سفاک حجاج نے وہ ظلم ڈھائے کہ جن کے تصور سے انسان کانپ اٹھتا ہے پھر اتاترک نے اسلام کا معاشرہ سے اخراج کیا اور اسلام و مسلمین سے بے انتہا دشمنی کی آج مسلمان سربراہان اسلام دشمنوں کی قبروں پر خضوع سے انکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کو ثواب ایصال کرنے کے لیے فاتحہ پڑھتے ہیں، کیا مشرک و ملحد کے لئے بھی فاتحہ ہوتی ہے اللہ رب العزت نے اسلام کو پاکستان میں خود حفظ کیا ورنہ یہاں بھی اتاترک جیسا سامنے آیا تھا جو اپنی کفریات کا مظاہرہ بھی کرتا تھا لیکن افسوس کہ خلفاء اسلام کے حامیوں اور مخالفین کی کثیر تعداد اس اسلام دشمن سے دفاع کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کعبۃ اللہ کو منجنیق کا نشانہ بنایا گیا اللہ کے مہمانوں کو قتل کیا گیا پھر ان کے بعض وارثین ولید بن یزید اور محمد بن مروان نے اسلام و قرآن کا مذاق اڑایا ہے وہ ہر قسم کے فسق و فجور میں پیش پیش تھے۔ ان کے بعد بنی عباس کے ظالم و جابر خلفاء آئے ہیں، فاطمیین کے حاکم بامر اللہ جس نے دعویٰ الوہیت کیا تھا، حسن ثانی بزرگ امید نے تنسیخ شریعت کا اعلان کیا تھا، اکبر بادشاہ نے نیا دین دین الہی کے نام سے پیش کیا تھا سب و شتم صحابہ کرنے والوں کو اگر اسلام و مسلمین سے محبت ہوتی تو وہ ان سے بھی نفرت و بیزاری کا اعلان کرتے، ہلاکو نے بغداد میں ناموس مسلمین کے ساتھ ہر قسم کی جسارت کی لیکن خلفاء مسلمین کے مخالفین کو ان کے مظالم نظر نہیں آتے۔

اگر ان باتوں کی کوئی اساس مبنی ہے تو نعوذ باللہ رسول اللہ نے ابوسفیان کے گھر کو امان گاہ بنا کر انہیں افتخار بخشا، آپ نے ہی ان دو خلفاء کی بیٹیوں کو اپنے عقد میں لاکر انہیں افتخار بخشا اور انہیں کبھی قیادت لشکری کبھی قیادت انتظامی اور کبھی اپنے ساتھ رکھ کر ان کو تقویت پہنچائی ان ناقابل تردید حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکار ہوتی ہے کہ ان کا شیخین سے بغض اسلام کی وجہ سے ہے۔

کبھی کہتے ہیں کہ کچھ چیزیں دین کی مسلمات ہوتی ہیں، کبھی حوزات کے ارشدین کہتے ہیں کہ کچھ چیزیں دین کے اسرار و رموز ہوتی ہیں ان کی دلیل نہیں پوچھی جانی چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلمات دین بننے کے لئے بھی کوئی دلیل چاہیے یا نہیں اور کیا ان مسلمات کی اسناد فرقے کے عمائدین کی آمریت سے ثابت ہوتی ہے۔ ہم تابع دلیل ہیں، اللہ نے ہمیں اپنی الوہیت و ربوبیت کی دلیل دی ہے کسی کے پاس انسانوں کی طرف سے بت پرستی کرنے اور آباء و اجداد اور بزرگان و عمائدین کی تقلید کی کوئی دلیل نہیں ہے، ہم نے اللہ کو دلیل سے قبول کیا ہے ہم نے نبی کو دلیل سے پہچانا ہے۔

آخر میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز کی دلیل نہیں ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کی اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہر چیز کی دلیل نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم دشمن اہل بیت اور دشمن علی و دشمن زہراء ہو۔

ہمارے دلائل عقل عقلاء آیات محکمات سنت معتبرہ سے مستند ہیں۔

۳۔ امامت اعتقادات میں نہیں ہے کیونکہ اعتقادات کے لیے کلمہ ایمان آیا ہے جبکہ امامت پر ایمان لانے کا ذکر قرآن سنت میں کہیں نہیں آیا ہے۔

۴۔ یہ فروع دین اعمال میں سے ہے اگر یہ علم و قدرت رکھتے ہوئے ترک کریں گے تو یہ کفر نعم یعنی کفران نعمت کے زمرے میں آتا ہے لیکن اس بناء پر کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا یہ کلمہ اعتقادات ایمان میں سے نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے اپنے حق کو بغیر کسی شرعی جواز کے ضائع کرنا یا تارک صوم و تارک حج وغیرہ جیسا ہے۔

تاریخ اسلام میں حضرات ابوبکر و عمر کے صفحات سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نبی کریم کی دعوت دین اسلام کو دل و جان اور دماغ سب کو آمادہ کر کے قبول کیا ہے اور جس دن سے وہ اس دین میں داخل ہوئے ہیں اس دن سے رحلت نبی کریم تک ان کی طرف سے اسلام اور نبی کریمؐ کے خلاف کوئی ایسی بڑی حرکت یا بغاوت و سرکشی دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔

۵۔ اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ دشمن اہل بیت تھے اور ان پر لعن کرنا جائز ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو بتائیں کہ کیوں علی اور حضرات حسنین نے ان پر لعن نہیں بھیجا ہے بلکہ آپ نے تو معاویہ اور ان کی جماعت پر بھی لعن کرنے سے منع کیا ہے تو کیسے وہ حضرت عمر پر لعن سے راضی ہو جائیں گے آپ لوگوں کا حضرت عمر کے بارے میں

کہنا ہے کہ وہ معاویہ اور یزید سے بھی بدتر ہیں کیونکہ معاویہ کو اس منصب پر لانے والے بھی یہی ہیں اگر کہیں کسی کو کسی منصب پر لانے سے انسان اس کے جرم میں برابر کا شریک ہوتا ہے تو نعوذ باللہ ابو سفیان کو نبی کریمؐ نے طائف میں صدقات کا والی بنایا تھا، ابو بکر کو کئی دفعہ سریہ میں لشکر کا قائد بنایا تھا، عمر کو حدیبیہ کے موقعہ پر اپنا نمائندہ بنا کر مکہ جانے کے لئے فرمایا لیکن ان کی معذوریت پیش کرنے کے بعد آپ نے عثمان کو بھیجا۔ خالد کو موتہ اور مکہ میں رسول اللہ نے قائد لشکر بنایا تھا، کسی کو بنانا معیار نہیں ہوتا ہے کسی کو موقع کی ضرورت و نزاکت کے تحت یا بعض اوقات کسی مجبوری کے تحت کسی عہدے پر رکھا جاتا ہے، کسی کو جب عہدہ دیا جاتا ہے تو عہدہ قبول کرنے والے پر معیار پر اترنا لازم ہوتا ہے اگر کوئی معیار پر پورا نہیں اترے تو اس کو خائن کہا جاتا ہے۔

۶۔ یہ سادہ احکامات میں آتا ہے کسی مسلمان سے بغض و عداوت رکھنا حرام ہے لہٰذا یہ ایک معصیت ہے جو بھی ان کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھے گا، اس کا یہ عمل ایک بڑا گناہ شمار کیا جائے گا۔

۷۔ ہم ان سے کیوں دفاع کرتے ہیں، ان سوالات کا جواب واضح ہے جب سے میری بصیرت کی آنکھ میں روشنی آئی اور اس سے مجھے واضح ہوا کہ اہل بیت کے نام سے دھوکہ دے اہل بیت قدا حی وغیرہ کی اتباع کروائی جارہی ہے اور اہل بیت حقیقی کے نام پر مشرکین کی بت پرستی کا احیاء کیا جارہا ہے اور رنت نئی بدعات و خرافات کو فروغ دے کر انہیں دین محمدؐ کا نام دیا جارہا ہے، یہاں سے مجھے یقین ہوا کہ حضرت عمر کے بارے میں گھڑی گئی باتیں اکاذیب و کہانیاں ہیں، ان کا دامن پاک تھا وہ مظلوم ہیں اور مظلوم سے دفاع کرنا ہماری ذمہ داری و فرض ہے تاکہ امت محمدؐ جو ان جھوٹی کہانیوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی دشمن بنی ہے اس دشمنی کا خاتمہ ہو۔

وفات حضرت عمر: [دولۃ راشدیۃ فی عصر خلفائے راشدین سید محمد وکیل ص ۲۸۲]

خلیفہ دوم عمر ابن خطاب نے مسلمانوں کے دلوں کو خوشی و مسرت کی موجوں سے لبریز کیا، صلیب و مجوس و یہود کفار کے سینوں کو غم و غصے سے بھر دیا، مشرق و مغرب کی سرزمینوں پر یک بعد دیگر پرچم نصرت بلند کیا، ساتھ ہی اندرون مملکت میں عوام کو ناانصافیوں سے بچانے کے لیے تمام ممکنہ تدابیر کیں اور اس میں کامیاب بھی ہوئے، آپ کا دور عدل و انصاف کا ایسا دور تھا کہ جس میں کوئی مظلوم شاکی نہیں رہا۔ آپ نے ایک مثالی حکومت قائم کی، آخری دنوں میں اپنی موت و اجل کو قریب محسوس کررہے تھے، انہی دنوں میں انھوں نے عالم خواب میں دیکھا کہ ایک مرغی ان پر حملہ کررہی ہے تو انہوں نے خواب سے اپنی موت کو قریب سمجھا لہٰذا وہ دعا کررہے تھے کہ انہیں اسی مدینہ میں موت نصیب ہو۔ ان کو قتل کرنے والا مسلمان نہیں تھا بلکہ وہ فارس کا مجوس تھا جس کے دل میں عمر کے بارے میں غم و غصہ بھرا ہوا تھا۔ وہ جب بھی عمر کو دیکھتا، اسے یاد آتا کہ انھوں نے ان کی مملکت کو خراب کیا، ان کی اولاد، مردوں اور عورتوں کو اسیر کیا وہ جب بھی فارس کا کوئی بچہ مدینہ کی گلیوں میں چلتا دیکھتا تو اس کے دل میں حسرت و افسوس ابھرتا یہ ابولولؤ فیروز مجوسی تھا جو مغیرہ بن شعبہ کے موالیوں میں سے تھا۔ وہ عمر سے بہت زیادہ حقد و کینہ رکھتا تھا جب بھی ابو لولؤ اپنے شہر نہاوند کے بچوں کو دیکھتا تو ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر روتا اور کہتا عربوں نے ہمارا کلیجہ دکھایا ہے۔ اسکا یہ جملہ کس قدر خطرے کی طرف اشارہ کرتا ہے، سمجھدار انسان کو سوچنا چاہیے یہ جملہ اپنی جگہ سادہ ہونے کے باوجود اسباب قتل خلیفہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں جو غم و غصہ تھا وہ کافی تھا کہ اس بڑے جرم کا ارتکاب کریں۔ اس جرم میں تنہا ابو لولؤ نہیں تھا بلکہ ایک سازشی گروہ ایک عرصے سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد اس جرم کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا عبدالرحمٰن بن عوف نے قتل خلیفہ کے بعد کہا کہ ہم نے قاتل کو پچھلے دنوں میں ہرمزان اور جھینہ کے ساتھ دیکھا تھا تو میں نے اس سے کہا اس خنجر سے کیا کرو گے تو اس نے کہا ہم اس سے گوشت کاٹیں گے کیونکہ ہم گوشت کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کہتے ہیں میں ایک دن ابولولؤ کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس کے ساتھ جھینہ اور ہرمزان مشورہ کررہے تھے جب میں اچانک ان کے پاس پہنچا تو وہ پریشان ہو گئے، ان کے ہاتھوں سے خنجر گر گیا، ان دونوں کی گواہی کے بعد مسلمانوں کے پاس کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ یہ قتل سازش کے تحت وجود میں آیا ہے اس سازش کو گردش و چلانے والے ہرمزان، جھینہ اور ابولولؤ ہیں۔ ان دو بڑے اصحاب کی گواہی کے بعد ان کے پاس اپنے آپ کو بری کروانے کی کوئی سند باقی نہیں رہی۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ چندین دفعہ معاہدہ کیا اور جب موقعہ ملا تو انہوں نے عہد توڑا، یہ اسلام میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوئے جب تک انہیں اپنے سروں پر تلوار لٹکی ہوئی نظر نہ آئی۔ ہرمزان کو جب اسیر کر کے مدینہ لایا گیا تھا اور اسے خلیفہ کے مقابل میں پیش کیا تو اس نے خلیفہ کو مسجد میں سوئے ہوئے دیکھا تو اس نے پوچھا اس کا محافظ کہاں ہے تو کسی نے کہا اس کا کوئی محافظ نہیں ہے تو اس نے کہا تو پھر یہ یقیناً نبی ہوگا، لوگوں نے کہا یہ نبی نہیں ہے بلکہ انبیاء کے حکم کے تحت کام کرتے ہیں، خلیفہ جب نیند سے اٹھے تو اسے دیکھا اور پوچھا کہ کیا یہ ہرمزان تو نہیں، کہا ہاں یہ ہرمزان

ہے وہ دیباج سونے چاندی سے بھرا تاج پہنے ہوا تھا تو خلیفہ نے کہا جہنم کی آگ سے ڈرتا ہوں، اللہ سے مدد مانگتا ہوں، حمد اس ذات کے لیے جس نے اسلام کے ذریعے ان کو ذلیل کیا، ان کے پیروکاروں کو ذلیل کیا پھر ہرمزان کو دیکھا کہا تم نے کیسے پایا اللہ نے کفار کو کیسے سزا دی، تمہارا عذر کیا ہے، بار بار تم اٹھتے ہو تو اس نے کہا مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے قتل کرو گے قبل اس کے کہ میں آپ کو حقیقت سے آگاہ کروں تو کہا بولو، مت ڈرو، ہرمزان نے کچھ نہیں کہا، ہرمزان نے سمجھ لیا کہ قتل سے بچنے کا کوئی طریقہ اس کے پاس نہیں جس پر عمر غصّے میں آئے کہ شاید ہرمزان ان کو دھوکہ دے رہا ہے، عمر نے کہا میں دھوکے میں نہیں آتا جب تک تم مسلمان نہیں ہو جاؤ گے۔ اس وقت ہرمزان نے اسلام قبول کیا۔ جو اسلام ہرمزان نے قبول کیا وہ اسلام حقیقی نہیں تھا بلکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے قبول کیا تھا اس کو یقین ہوا کہ یا تو وہ اسلام قبول کرے یا قتل ہو تو اس نے اسلام کو قبول کیا۔ یہ اسلام ان کے کفر و طغیان کو دوام دینے کے لیے تھا اور اپنی بار بار عہد و پیمان توڑنے کی سزا سے بچنے کی خاطر تھا، دوسرا بھفینہ نصرانی تھا یہ سعد ابن ابی وقاص کا دوست تھا، سعد ابن ابی وقاص کو اس کی باتیں پسند آئیں، وہ مدینہ میں لوگوں کو کتابت سکھاتا تھا وہ مسلمانوں کے درمیان زندگی گزارتا تھا اور ان سے میل جول رکھتا تھا اور اندر سے اپنے دین پر قائم تھا وہ اس دین کو نہیں دیکھتا تھا جو ہر صاحب بصریت درک کر رہا تھا۔ یہ دشمن اسلام تھا یہ مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ عداوت رکھتا تھا ان تینوں نے مل کر اس جنایت کا ارتکاب کیا ہے، یہ جنایت جو انہوں نے عمر پر کی ہے اس کا بنیادی و مرکزی نکتہ خلیفہ نہیں تھے، ذات عمر ابن ابی خطاب نہیں تھی بلکہ یہ ظلم خلیفہ مسلمین کے عنوان سے تھا بلکہ پرچم اسلام بلند کرنے کے حوالے سے تھا۔ لوگوں نے ان کے رویے اور حضرت عمر کے ساتھ رفت و آمد نے ان کو متہم کیا تھا، ان کی حرکات صحیح نہیں تھیں۔ یہ سازش انتہائی دقت و باریک بینی اور صلاح و مشورہ سے انجام پائی تھی، خود خلیفہ نے ابولؤلؤ کی تہدید اور دھمکی کو خود سنا تھا چنانچہ آپ نے ضربت کے بعد کہا، اس نے مجھے پہلے دھمکی دی تھی۔ صاحب طبقات نے لکھا ہے جب ابولؤلؤ نے عمر سے کہا میں آپ کے لیے ایک چکی بنا رہا ہوں، شہروں میں اس کا ذکر ہوگا تو عمر اس سے خوفزدہ ہوئے، علی ان کے ساتھ تھے، حضرت عمر نے حضرت علی سے پوچھا یہ کیا کہنا چاہتا ہے تو علی نے فرمایا یہ آپ کو دھمکی دے رہا ہے تو عمر نے کہا مجھے اس کے شر سے اللہ ہی بچائے گا۔ ان سب حقائق کے باوجود خلیفہ نے اپنے لیے محافظ دستہ نہیں بنایا، اگر بناتے تو یہ ان کے لیے ملامت کی بات نہیں ہوتی لیکن حضرت عمر ڈرتے تھے کہ کہیں یہ سنت نہ بن جائے کہ خلفاء اپنے اور لوگوں کے درمیان حجاب قائم کریں۔ واقعے کی درست تجزیہ و تحلیل کرنے والا بخوبی درک کر سکتا ہے کہ ابولؤلؤ کا یہ اقدام قتل خلیفہ اس لیے نہیں تھا کہ جو خراج مغیرہ بن شعبہ نے اس پر لگایا تھا اس نے اس کو زیادہ بھاری سمجھ کر یہ اقدام کیا ہو، اگر ایسا ہوتا تو پہلے مغیرہ بن شعبہ کو نشانا بناتا کیونکہ خراج وصول کرنے والا مغیرہ بن شعبہ تھا، اس کے علاوہ یہ خراج ابولؤلؤ کے لیے زیادہ نہیں تھا، دن میں چار درھم اس کو دینا تھے جبکہ وہ بہت سے ہنر کا حامل تھا عمر نے بھی اس کے مطالبہ کو اس لیے رد کیا تھا کہ یہ اتنا زیادہ نہیں کہ وہ ادا نہ کر سکتا ہو۔ بہر حال اس نے جس جرم کا ارتکاب کیا، یہ انتقام حقد و کینہ سے وجود میں آیا ہے۔

اس حادثے کے واقع ہونے میں ہرمزان، ابولؤلؤ، ھفیہ اور کعب بن احبار اور رعینہ بن حصن کا کردار بتایا جاتا ہے لیکن ہماری روایات و تاریخ میں جعل سازوں کو پناہ دینے والے گروہ عبد اللہ بن ابی سلول جیسے اسلام دشمن شور شرابہ کر کے کعب بن احبار اور وہب بن منبہ جیسوں کو پناہ دینے پر مصر ہیں ورنہ کعب کو کہاں سے علم ہوا کہ حضرت عمر ان دو تین دنوں میں قتل ہو جائیں گے۔

مواخذات و تحفظات خلیفہ دوم:

خلیفہ دوم عدالت و انصاف اور امور مسلمین میں دقت و باریکی میں مشہور و معروف ضرب المثل ہونے کے باوجود انسان ہونے کے ناطے ان کی فکر و سوچ میں بعض خلل اور خامیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کی توجیہ، فلسفہ تراشی اور علت تراشی سے ازالہ ناممکن نہیں ہے، اس کیلئے بہتر و مناسب یہ ہے کہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوگئی تھی نیز انہیں ہر قسم کی غلطیوں سے پاک گردانیے اور آج کل کے موازین و مقیاس میں مغربی فکر و سوچ سے موازنہ کرنے یا اس کی مثال دینے والوں کیلئے جو روشن عبرت ہے وہ یہ ہے کہ تقسیم دولت و ثروت میں ہر قسم کے امتیازی سلوک سے گریز کریں بیت المال مسلمین میں درآمدات اور جمع شدہ رقوم کو امتیازی بنیاد پر تقسیم نہ کریں۔ نبی کریمؐ اور خلیفہ اول ابوبکر اور خلیفہ چہارم علی اس اصول پر قائم تھے کہ وہ اس مال کو تمام شہریوں میں برابری کی بنیاد پر تقسیم کرتے تھے جب حضرت عمر کا دور آیا تو اتفاق سے درآمدات میں بے تحاشا اضافہ ہوا اور بیت المال ان سے بھر گئے تو آپ نے تقسیم رواتب کے لیے ایک معیار و مقیاس تفاضل کو سبقت اسلام سے جوڑ کر اس بنیاد پر فہرست مرتب کرنے کا حکم دیا کہ تقسیم اموال میں قرابت رسول اللہ ﷺ کو معیار و بنیاد بنا کر ایک فہرست مرتب کریں، چنانچہ اس

کیلئے عقیل ابن ابی طالب مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم کو انتخاب کیا کہ وہ اس کو ترتیب دیں تو انہوں نے اس طرح ترتیب دیا بنو ہاشم، حضرت ابوبکر اور ان کی قوم، پھر حضرت عمر اور ان کی قوم کے حساب سے ترتیب دے کر خلیفہ کو پیش کیا تو عمر کو یہ پسند نہیں آیا، کہا بخ بخ یا بنی عدی تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی حسنات تم کو بخشوں اور تم میری پشت پر دستر خوان بچھا کر کھاؤ، میں نے اس طرح نہیں سوچا تھا، بلکہ ترتیب اس طرح سے دیں کہ بنیاد قرابت رسول اللہ ﷺ ہو۔ قانون جذباتی کے تحت کوئی مسلمان اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن جلد ہی حضرت عمر اس پر خود پشیمان ہو گئے۔

عمر ابوبکر سے ان کے نظام تقسیم سے اختلاف رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ کیا اسلام کی راہ میں دو ہجرتوں کی صعوبتیں برداشت کرنے والے اور ایک میں فرق نہ کروں، کیا میں حالات خوف وہراس میں ایمان لانے والے اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والوں میں فرق نہ کروں، کیا میں رسول اللہ کی معیت ورکاب میں جنگ کرنے والے اور خود رسول اللہ سے لڑنے والوں کے درمیان میں فرق نہ کروں لیکن ابوبکر نے ان کی تجویز اور ان کے دلائل پر توجہ نہیں دی، وہ اس سنت پر چلے جس پر رسول اللہ چلے تھے لیکن عمر جب خود خلیفہ بنے تو انہوں نے قرابت رسول اللہ کو بنیاد بنا کر فاضل وامتیاز سے بیت المال مسلمین کو تقسیم کرنا شروع کیا چنانچہ زوجات رسول اللہ کو پہلے مرحلے میں رکھا، اس سلسلے میں کتاب عمر بن خطاب محمد رضا مصری ص ۲۷ پر آیا ہے زینب بنت جحش کو بہت بھیجا، زینب نے تعجب میں آ کر پوچھا کیا انہوں نے دوسروں کو بھی اسی طرح خرچ بھیجا ہے تو کہا اللہ خلیفہ پر رحم کریں، یہاں پھینکیں اور اس کے اوپر چادر لگائیں پھر لبرزہ بنت رافع سے کہا اپنا ہاتھ چادر کے نیچے لگائیں جتنا کچھ ہاتھ میں آئے، اسے لے کر فلاں کو پہنچا دیں۔

حضرت عمر کا ابوبکر سے اختلاف:- [جلد ۵ ص ۔۷۹]

جب حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ کو کافر قرار دیا اور ان سے جنگ پر اصرار کیا تو حضرت عمر نے کہا آپ ایک ایسے انسان سے کیسے جنگ کریں گے جو کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ ارشاد پیغمبر اکرمؐ ہے مجھے حکم ہوا ہے کہ لوگوں سے جنگ لڑیں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھیں۔ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہمارے ذمہ ہے اور ان کے اعمال کا حساب اللہ کرے گا اس پر حضرت ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم زکوٰۃ سے انھوں نے مجھے گوسفند کا ایک بچہ بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کیا جو یہ رسولؐ اللہ کو دیتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر کہتے ہیں حضرت ابوبکر کے اس جملہ سے میری شرح صدر ہوئی اور میری سمجھ میں آیا کہ انہوں نے حق کہا ہے۔

حضرت عمر کا تولیت اسامہ سے اختلاف:- [کتاب عشر مبشرون جلد ۵ ص ۔۷۹]

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اسامہ بن زید کا لشکر مدینہ سے نکل کر قرف میں خیمہ زن ہوا جس میں حضرت عمر اور حضرت ابوبکر شامل تھے۔ پیغمبرؐ اسلام کا مرض تیز ہوا تو انہوں نے وہاں انتظار کیا۔ جب حالات زیادہ خراب ہوئے تو یہ لوگ مدینہ کی خبر گیری کیلئے آتے رہے اور جب پیغمبرؐ دنیا سے رخصت ہوئے اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنے تو لشکر اسامہ کے بارے میں اختلاف ہوا کہ اس لشکر کو جانا چاہیے یا نہیں۔ کیونکہ اطراف مدینہ میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ منافقین نے اپنی جگہ سر اٹھایا۔ ادھر مرتدین زکوٰۃ کا فتنہ اٹھا سوائے مکہ اور مدینہ کے نماز جمعہ بند ہوگئی تو ایسے حالات میں اصحاب کبار نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ آپ لشکر اسامہ کو واپس بلا لیں کیونکہ مدینہ کی حفاظت مقدم ہے یہاں ہماری عورتیں اور بچے ہیں۔

حضرت ابوبکر نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ جس لشکر کو پیغمبرؐ نے مقرر کیا ہے میں اس کو واپس نہیں بلاؤں گا، جس پرچم کو رسول اللہ نے باندھا ہے میں اس کو نہیں کھولوں گا حضرت ابوبکر کی یہ بات مہاجرین کو گراں گزری تو اکابر مہاجرین جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابی عبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید شامل تھے نے حضرت ابوبکر کو مشورہ دیا کہ جو لشکر آپ نے روم سے لڑنے کیلئے تیار کیا ہے اس کو منتشر نہ کریں اور اس کو مرتدین سے لڑنے کیلئے بھیجیں، مدینہ میں ہماری عورتیں اور بچے ہیں اور خود مدینہ کے امن کو خطرہ ہے۔ روم والے ابھی امن میں ہیں، وہ ہم سے جنگ کیلئے آمادہ نہیں ہیں وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ اطراف مدینہ کے فتنوں سے پہلے دفاع کریں، جب ادھر امن ہو جائے تو روم کی طرف لشکر کو روانہ کر دیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا آپ کوئی اور بات کرنا چاہتے ہیں یا آپ کی بات ختم ہوگئی ہے تو انہوں نے کہا اور کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر مجھے میری جان کے بارے میں یقین ہو جائے کہ اس کو درندے کھا جائیں گے تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔ یہ وہ وقت تھا جب پیغمبرؐ دنیا سے وفات پا گئے تھے اور فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا اور منافقین، یہودیوں اور نصاریٰ نے اسلام کو نقصان

پہنچانے کے لئے اپنی اپنی جگہ سازشیں شروع کر رکھی تھیں ۔ مسلمان بارش میں بھیگی ہوئی بھیڑ بکریوں کی مانند گھوم رہے تھے اور وہ دشمن کو طاقتور اور خود کو کمزور سمجھ رہے تھے۔

اسامہ کے حکم پر حضرت عمر مدینہ آئے اور حضرت ابو بکر کو اس بات سے آگاہ کیا تو حضرت ابو بکر نے کہا کہ میرے علاوہ کوئی بھی نہ رہے تب بھی لشکر کو روانہ کروں گا تو حضرت عمر نے کہا کہ انصار نے کہا ہے کہ کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار کو قائد لشکر بنائیں تو حضرت ابو بکر کو بہت غصہ آیا اور حضرت عمر کی داڑھی پکڑ کر کہا کہ تمہاری ماں تم پر روئے جس کو رسول اللہ نے امیر مقرر کیا ہے میں اس کو کیسے معزول کروں اور دوسرا امیر مقرر کروں یہ سب سننے کے بعد حضرت عمر واپس گئے اور ان لوگوں سے کہا تمہاری مائیں تم پر روئیں تمہاری وجہ سے میں نے خلیفہ سے بے عزتی کرائی اور بہت کچھ سننا پڑا۔

علی کا خلفاء سے سلوک: [الائمہ اثناعشر تالیف ہاشم معروف حسنی ج ا ص ۳۶۶]

ہاشم معروف لکھتے ہیں کہ کسی مورخ نے یہ نقل نہیں کیا کہ حضرت علی نے حضرت عمر بن خطاب کے دور خلافت میں ایک معارض ومخالف انسان جیسا مظاہرہ کیا ہو ان کی طرف سے کوئی ایسے کلمات وحرکات ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ ان سے تعاون میں آپ اپنے آپ کو دیگر عام مسلمانوں جیسا سمجھتے تھے آپ خلیفہ اول ابو بکر اور بعد میں آنے والے عمر بن خطاب دونوں کے بارے میں ان کے محاسن کے علاوہ کچھ اور ذکر نہیں کرتے تھے آپ انہیں اپنے بہترین مشورے دینے سے بخل وکوتاہی نہیں کرتے تھے جب بھی کوئی حادثہ یا مسئلہ ان کیلئے رونما ہوا تو آپ نے مصلحت اسلام کی خاطر اس کے حل کے لیے سبقت کی ۔ آپ حاکم اور ان کے حکم کو اسلام کی مصلحت کے تناظر میں دیکھا کرتے تھے یہ وہ وقت تھا جب اسلام تیزی سے حدود حجاز سے باہر پھیل رہا تھا ظالمین وطاغوت کے مینار سلطنت زمین بوس ہو رہے تھے اور فاتحین کے قدم وہاں جم رہے تھے، بلند عمارتوں سے دشت وبیابان میں اذان بلند ہو رہی تھی، ہر جگہ اسلام سربلندی کی طرف جا رہا تھا، مسلمان اپنی جگہ خیر وعافیت میں تھے، آپ سے یہ جملہ نقل ہے کہ اللہ کی قسم میں سر تسلیم خم ہوں جب تک امور مسلمین سلامتی سے چل رہے ہیں اور زیادتی تنہا میری ذات تک محدود ہے (نہج البلاغہ خطبہ ۷۲)، جتنا ہو سکا آپ نے عام وخاص کے اجتماعات میں حصہ لیا اور اپنی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھایا ۔ تاریخ میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب حضرت علی کے قول، موقف اور نظریہ کا احترام کرتے تھے وہ کہتے تھے اللہ مجھے کسی ایسی مشکل کے لئے زندہ نہ رکھے جس کے حل کے لیے ابو الحسن نہ ہوں ۔ تاریخ میں بہت سے نصائح علی جنگ فارس وروم کے بارے میں ملتے ہیں جنہیں شریف رضی نے نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے ۔

خلیفہ دوم حضرت عمر کی مدح میں حضرت علی کا فرمان: [خطبہ ۲۲۳ شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۳]

لکھتے ہیں اللہ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے، اس شخص پر رحمت ہو، اس نے کجی کو سیدھا کیا، نابینوں کی مدد کی، اللہ اس کی مجلس پر رحم کرے، اللہ تعالیٰ اس پر رونے والے پر رحم کرے ۔ اس خطبے میں کلمہ فلاں سے مشارالیہ کے بارے میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا ہے یہ خلیفہ دوم کی شان میں ہے لیکن حضرت نے بطور تقیہ اصحاب کو اپنی طرف جلب کرنے کے لیے کہا ہے بعض زیدیوں کا کہنا ہے یہ حقیقی معنوں میں عمر کی تعریف کی ہے ۔ جارودیوں کا کہنا ہے یہ کلام عثمان کی مذمت میں کہا ہے لیکن یہ تفسیر درست نہیں ہے ۔ امیر المومنین اس شخص کی تعریف کرتے ہیں جس میں کوئی جائے ریب (شک) کی گنجائش نہ ہو، فرمایا اس نے سنت کو زندہ کیا، اس کا لباس صاف ستھرا، عیب ونقص سے پاک ہے، اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے، تقویٰ کو اپنایا ہے یہ ایک مقتدر صاحب رعایا کی شان میں بتایا ہے لہذا یہ کسی اور صحابی کی شان میں صادق نہیں آتا ہے مغیرہ بن شعبہ نے نقل کیا ہے کہ عمر کے دفن ہونے کے بعد ہم علی کے پاس آئے اور ان سے عمر کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے حضرت اپنے سر اور محاسن کو خشک کر رہے تھے فرمایا ابن خطاب پر اللہ رحم کرے، وہ خیر کو اپنے ساتھ لے گئے برائیوں سے بچے رہے ۔

کہتے ہیں ایک دفعہ عمر کے پاس کچھ مال آیا تو عبد الرحمن ابن عوف نے کہا: یا امیر المومنین اس مال کو بیت المال میں محبوس رکھیں تا کہ کسی ناگوار حالات میں کام آئے تو عمر نے کہا یہ کلمہ کسی شیطان کے منہ سے نکل سکتا ہے اللہ نے مجھے ایسی باتوں اور ایسی احتیاجوں سے بچایا ہے اللہ ہی مشکلات سے نکالنے والا ہے پھر سورہ طلاق کی آیت ۳ کی تلاوت کی ۔

ابو موسیٰ اشعری کو حضرت عمر کا دو ٹوک جواب:

ابو موسیٰ اشعری نے ایک نصرانی کو کاتب رکھا تو عمر نے انہیں خط لکھا اس نصرانی کاتب کو عزل کریں اور اس کی جگہ کسی مسلمان کو رکھیں تو ابو موسیٰ اشعری نے

اس کے جواب میں کہا وہ ایک بے نیاز اور نیک انسان ہے اس کو اس بارے میں اچھا تجربہ ہے حضرت عمر نے کہا جو بھی ہو ہم ان پر بھروسہ نہیں کر سکتے، ہم ان کو امین نہیں سمجھتے جنہیں اللہ نے خائن کہا ہو، ہم ان کو عزت نہیں دے سکتے جنہیں اللہ نے ذلیل کیا ہو، ہم دین میں ان سے نصیحت و مشورہ نہیں لے سکتے جبکہ اسلام نے ان کو ہمارا دشمن قرار دیا ہے ہم ان کی عزت نہیں کرتے وہ ذلیل و خوار ہیں کیونکہ اللہ نے ہمیں ان سے جزیہ لینے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عمر کے اقوال:

معاویہ کو حضرت عمر کی نصیحت:

معاویہ کو ایک خط میں لکھا تمہارے اور لوگوں کے درمیان کوئی حاجب اور پردہ نہیں ہونا چاہیے، ضعیف کو اپنے پاس حاضر ہونے کی اجازت دو تا کہ وہ کھلے چہرے اور زبان کھول کر تم سے بات کر سکیں، اور ان کے دل میں جرأت پیدا ہو جائے۔ غریبوں کی احوال پرسی کریں، اگر ان کو دور رکھا تو ان کے دل ضعیف ہو جائیں گے اور انکا حق ضائع ہو جائے گا۔

حضرت عمر نے زیاد کو کتابت سے معزول کیا تو زیاد نے پوچھا آیا ہم اس میں قاصر تھے یا خائن تو کہا دونوں نہیں لیکن ہمیں کراہت ہے کہ لوگوں پر تمہاری عقل کو ٹھونسا جائے۔

ایک دن عمر نے کسی چیز کے بارے میں ایک شخص سے پوچھا تو اس نے کہا اللہ جانتا ہے تو کہا پھر تو ہم بد بخت ہو گئے اگر ہم کہیں کہ اللہ جانتا ہے، اگر تم سے کوئی کسی چیز کے بارے میں پوچھے جو تم نہ جانتے ہو تو کہو: لا ادری مت کہو لا اعلم یا ان اللہ اعلم۔

ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس پہنچے تو اس کے پاس ایک گوشت کا ٹکڑا کباب پایا تو کہا یہ کونسا گوشت ہے تو اس نے کہا میری خواہش ہوئی تو میں نے خریدا تو عمر نے کہا جس چیز کا تمہارا دل چاہے کیا وہی کھا لو گے؟ انسان کے مصرف ہونے کے لیے کافی ہے کہ جو چاہتا ہے وہ کھاتا ہے۔

حضرت عمر ایک دن گندگی و کباڑے سے گزرے تو اصحاب نے اس کی بدبو سے اذیت اور کراہت کا مظاہرہ کیا تو عمر نے کہا یہ تمہاری دنیا ہے جس پر تم اتنے حریص ہو۔

حضرت عمر نے احنف سے کہا جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے، جو زیادہ مذاق کرتا ہے وہ ہلکا انسان ہے، جو زیادہ کلام کرتا ہے وہ زیادہ غلطی کرتا ہے، جو زیادہ غلطی کرتا ہے، وہ بے شرم ہوتا ہے، جو بے شرم ہوتا ہے وہ پرہیز گار کم ہوتا ہے اور جو تقویٰ کم رکھتا ہے اس کا دل قصی ہوتا ہے۔

اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا اللہ سے ڈریں، اللہ تمہیں بچائے، اللہ کو قرضہ دے دو، اللہ تمہیں جزا دے گا، اللہ کا شکر کرو وہ زیادہ کرے گا کوئی مال نہیں جس میں رفق و کمی نہ ہو، کوئی جدید نہیں جو پرانا نہ ہوتا ہو، کوئی عمل نہیں جس کی کوئی نیت نہ ہو۔

حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا: اے عبداللہ بن عباس تم اہل بیت رسول اللہ ﷺ میں سے ہو، ان کے چچا زاد ہو، آپ کی قوم نے آپ کو خلافت سے کیوں محروم کیا، تو ابن عباس نے کہا مجھے یہ راز پتہ نہیں، ہم نے آپ کے لیے خیر ہی دل میں رکھی ہے، تو حضرت عمر نے کہا اللہ آپ کی مغفرت کرے۔ آپ کی قوم نے آپ کو خلافت اس لیے نہیں دینا چاہی کہ اس طرح نبوت اور خلافت دونوں آپ کے گھر میں جمع ہونے سے کہیں آپ کے اندر تکبر و غرور نہ آ جائے اور تم کہو گے ابو بکر تھے جس نے تمہیں پیچھے کیا اگر ابو بکر کے دل میں نہ ہوتا تو خلافت آپ کا نصیب ہوتا۔

زوجات، بنین و بنات عمر بن خطاب: [کتاب مبشرون ج۲، ص۸۱ پر لکھتے ہیں]

۱۔ اسلام لانے سے پہلے انہوں نے زینب بنت مظعون خواہر عثمان بن مظعون سے تزویج کی، ان سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور حفصہ پیدا ہوئی۔

۲۔ ملیکہ بنت جرول، ان سے عبیداللہ پیدا ہوئے، پھر ان کو طلاق دی۔

۳۔ قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی پھر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے عقد میں گئیں۔

۴۔ ام حکیم بنت الحارث بن ھشام کو ان کے شوہر کے مرنے کے بعد عقد میں لیا، ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔

۵۔ جمیلہ بنت عاصم بن ثابت کو عقد میں لیا۔

۶۔عاتکہ بنت زید عمرو بن نفیل۔ام کلثوم بنت ابی بکر سے منگنی کی،انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کی کہ ان کی طبیعت میں تشدد،تندی وخشونت پائی جاتی ہے۔

۷۔لھیہ نامی عورت جو یمن سے تعلق رکھتی تھی،کو عقد میں لیا۔

۸۔ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب۔ ان سے زید و رقیہ پیدا ہوئے،اس طرح ان کی کل زوجات کی تعداد سات یا آٹھ بتائی جاتی ہے کل تعداد اولاد ۱۳ بتائی جاتی ہے۔ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب کی خلیفہ دوم کے عقد میں ہونے کو قداحی شیعہ انتہائی غیض وغضب سے رد کرتے ہیں لیکن تاریخی اسناد کو رد کرنے کے موازین واصول ہوتے ہیں قداحی شیعہ کسی بھی بات کو کبھی بھی اصولوں کے تحت رد نہیں کرتے،ان کا اصول گالی ہے۔علامہ عاملی اور ہمارے ہاں وکیل آل محمد استاد جامع منتظر نے انتہائی کلمات غلاظت وغیر اسلامی اور بغض وعناد سے لبریز صفحات میں کتاب اللھم المسموم فی نکاح ام کلثوم لکھی ہے یہاں انہوں نے اہل بیت اطہار کو اپنے مرام سوء کے لئے استعمال کیا ہے۔انہوں نے سب سے زیادہ حضرت زہراء کو اپنے لئے مثل قمیص عثمان استعمال کیا ہے ورنہ اس نکاح میں قرآن وسنت محمدؐ کی رو سے کوئی قباحت نہیں ہے۔

یہ ایک نقل تاریخی ہے نقد تاریخ کے بھی اصول ہوتے ہیں۔نقد کے پہلے مرحلے میں نقولات تاریخ سے جوڑ کر رد کیا جاتا ہے اس کے بعد قرآن اور سنت و سیرت نبی کریمؐ،سیرت اصحاب وائمہ کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے اس نقل کو رد کیا ہے ان کے پاس قابل قبول اصول نہیں،ان کے پاس جو اصول ہے وہ بغض صحابہ ہے خاص کر عمر بن خطاب سے بغض ہے،یہ ان کی واحد کسوٹی ہے،وہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت وسیرت اہل بیت کو نہیں مانتے،اس سلسلہ میں وہ حضرت علی،حضرات حسنین،زہرا مرضیہ کی شان میں جسارت واہانت سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

چنانچہ انھوں نے اپنے مذموم مقاصد کی خاطر حضرت زہرا کی شان میں نازیبا الفاظ وکلمات پر مبنی حکایات گھڑی ہیں ورنہ موجودہ دور میں جاری شرائط ازدواج قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔یہ ایک ضرورت ہے اور حالات کے تحت چلتی ہے۔ازدواج ایک ضروری عمل ہے جس کی بنیادی شرائط پابند اصول وفروع اسلام کا مظاہرہ ہے۔جو شرائط اس وقت چل رہی ہیں ان پر نہ رسولؐ چلے ہیں،نہ اصحاب نہ آئمہ طاہرین بلکہ یہ سابق دور میں فرقہ باطنیہ کی اختراع ہیں جنھیں بعد میں فرقہ غربیہ سیکولر نے چلایا ہے جس کی وجہ سے آج لاکھوں مسلمان مردوعورتیں جوان لڑکے لڑکیاں شقاوت و بدبختی سے دوچار ہیں اسی کے نتیجے میں فساد اخلاق نے رواج پایا ہے۔

انصار و مہاجرین اور جانشین:

نبی کریمؐ اور ابو بکر کی وفات کے بعد انصار و مہاجرین میں سے کسی خاص فرد کی یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ خود خلیفہ بنے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس سے ان کی زندگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور انہیں معاشرے میں اٹھتے بیٹھتے وقت اس میں کوئی خاص امتیاز اور سہولتیں بھی نظر نہیں آتی تھیں اور نہ وہ گھر کی آسائش وآرائش میں اضافہ دیکھتے تھے۔

خلیفہ اول و دوم دونوں حریص تھے کہ وہ آئندہ امیر المومنین کے انتخاب کا بوجھ اپنے کاندھے پر نہ لیں بلکہ اس کو خود امت کیلئے چھوڑیں جب کہ انصار و مہاجرین کی انتہائی کوشش رہتی تھی کہ یہ مسئلہ خود خلیفہ حل کر کے رخصت ہو جائیں،آخر میں دونوں نے انصار و مہاجرین کی خواہش کا کچھ نہ کچھ پاس رکھتے ہوئے ان کے بوجھ کو نصف کیا مثلاً ابو بکر نے انصار و مہاجرین سے اپنے بعد کے جانشین کے لئے مشورہ لیا انہوں نے خود خلیفہ کو اختیار دیا کہ وہ خود انتخاب کریں اور حضرت عمر کی دفعہ جیسا کہ خلفاء الراشدون تالیف عبد الوہاب نجار ص ۲۲۳ پر آیا ہے جب عمر کو ضربت لگی تو لوگوں نے عمر سے خواہش کی کہ مسئلہ خلافت حل کر کے رخصت ہوں تاکہ یہ مسئلہ بعد میں اختلاف وانتشار کا سبب نہ بنے تو عمر نے غصّے میں کہا میں کس کو بناؤں اگر ابو عبیدہ ہوتا تو ان کو بناتا،اگر سالم ہوتا تو ان کو بناتا تو کسی نے کہا آپ اپنے فرزند عبداللہ کو بنائیں تو عمر نے کہا اللہ تمہیں قتل کرے،میں نہیں چاہتا ہوں کہ جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کی صلاحیت وطاقت وجرات نہیں رکھتا ہو وہ امیر المومنین منتخب ہو جائے اگر خلافت میں کوئی خیر ہے تو آل خطاب کے لئے میں ہی کافی ہوں،اگر شر ہے تو میں نے یہ بوجھ اٹھایا میں نے بہت سوچا کہ اس مسئلہ کو حل کروں لیکن کوئی حل نظر نہیں آیا،اگر میں نے کسی کو منتخب کیا تو یہ میری مجھ سے پہلے خلیفہ کی کوتاہی ہوگی اگر چھوڑ کر گیا تو رسول اللہ بھی چھوڑ کر گئے تو عمر کے انکار کے باوجود مہاجرین دوبارہ واپس آئے،ان سے التماس کی کہ کسی کو بنا کر جائیں تاکہ یہ فساد کی جڑ نہ بنے تو عمر نے کہا میں نے بہت سوچا ہے۔

اصحاب رسول انتہائی احساس خطر کررہے تھے کہ کہیں عمر دنیا سے بغیر انتخاب جانشین رخصت نہ ہوجائیں تو مسلمان منتشر ہوجائیں گے اور بہت سے اصحاب اس منصب کی طرف طمع باندھیں گے، اس وقت زمین میں فتنہ و فساد برپا ہوگا، انہوں نے دوبارہ حضرت عمر سے درخواست کی کہ آپ کسی نہ کسی فرد کو منتخب کر کے جائیں تو عمر نے کہا میں نے تمہیں پہلے جواب دینے کے بعد دوبارہ سوچنا شروع کیا کہ کوئی فرد معین کروں جو اس منصب کی ذمہ داری کو سنبھالے، وہ شخص آپ میں سے اس منصب کے لئے سب سے زیادہ لائق و سزاوار ہے، اگر وہ اس منصب پر بیٹھے گا تو آپ کو حق کے راستہ پر گامزن کرے گا، انہوں نے علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں علی کو معین کروں تو سب سے سزوار کو معین کیا ہے اس ارادے کے بعد مجھے خواب آیا اور ایک شخص کو جنت میں داخل ہوتے دیکھا کہ اس نے ایک پودا لگایا، پھر اس کے پکے اور کچے سب پھل کو توڑ کر اپنے قدموں میں جمع کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اللہ خود فیصلہ کرنے والا ہے ارادہ مشیت الٰہی اس میں غالب ہے، اب میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری زندگی اور ممات دونوں میں اس منصب کی ذمہ داری میں ہی اٹھاؤں، میں تمہیں ایک ایسی جماعت پر چھوڑتا ہوں کہ پیغمبر ان سے راضی تھے۔

وہ گروہ یہ ہے علی، عثمان یہ دونوں فرزندان عبد مناف ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، جو پیغمبرؐ کے ماموں زادوں میں سے ہیں، زبیر بن عوام حواری رسولؐ ہیں اور ان کی پھوپھی زاد ہیں طلحہ بن عبید اللہ ان چھ میں سے کسی کو انتخاب کریں، اگر ان میں سے کوئی والی بنے تو ان کی مدد کریں، اگر کسی کو امین بنایا تو اس کی امانت کو ادا کریں، اس کے بعد یہ لوگ باہر نکلے تو عباس نے علی سے کہا کہ آپ ان چھ آدمیوں میں شامل نہ ہوجائیں، مجھے ڈر ہے کہ اختلاف ہوگا۔ عباس چاہتے تھے کہ اس اختلافی مسئلہ میں علی شامل نہ رہیں اور دامن علی اس مسئلہ میں پاک صاف رہے۔ جب دوسرا دن ہوگیا تو عمر نے علی، عثمان، طلحہ، سعد عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام کو بلایا اور ان سے کہا میں نے جب دیکھا تو آپ ہی اس قوم کے سربرآوردہ قائدین میں سے ہیں اس منصب پر آپ چھ میں سے باہر کوئی نہیں بنے گا، صرف آپ میں سے ہی بننا چاہیے کیونکہ رسول اللہ آپ سب سے راضی تھے۔

مجھے لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے اگر آپ استقامت دکھائیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ حضرات آپس میں خود اختلاف نہ کریں، یہاں سے ابھی عائشہ کے کمرے میں نکل جاؤ، مشورہ کرو، کسی کو انتخاب کرو پھر کہا عائشہ کے حجرہ میں جاؤ بلکہ اس سے قریب رہو پھر سر سرہانے پر رکھا، زخم سے خون نکلنا شروع ہوا تو یہ لوگ آ گئے، ایک دوسرے سے گفتگو کی، شور شرابہ شروع ہوا۔ عمر نے کہا میں گمان کرتا ہوں یہ منصب آپ میں سے دو کی طرف جائے گا ایک علی اور ایک عثمان۔ اگر عثمان بنے تو وہ نرم مزاج ہیں، جلدی متاثر ہوتے ہیں اگر علی کو بنائیں گے تو علی مزاح کا مزاج رکھتے ہیں لیکن یہ تم لوگوں کو حق کے راستے پر گامزن کریں گے۔ علی اس کے لیے سب سے زیادہ لائق و سزاوار ہیں اگر سعد کو بنائیں گے تو وہ اس کا اہل ہے ورنہ ان سے مدد لے لیں۔

اسی طرح جلد ۹ صفحہ ۱۴۱ کتاب عشرہ مبشرہ میں ہے، جب خلیفہ دوم عمر ابن الخطاب کو ضرب لگی اور انہیں یقین ہوا کہ میری موت قریب ہے تو اصحاب ان کی خدمت میں آئے اور ان سے کہا: ''بہتر ہوتا کہ آپ اپنا کوئی جانشین معین کرتے''۔

آپ نے کہا: ''میں کس کو مقرر کروں اگر ابو عبیدہ بن جراح ہوتے تو میں ان کو جانشین معین کرتا، اگر اللہ مجھ سے پوچھتا تو میں کہتا کہ تیرے نبیؐ سے سنا تھا کہ یہ اس امت کا امین ہے، اگر سالم مولی زندہ ہوتے تو میں اس کو بناتا''۔

کسی نے کہا: ''ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو معین کریں''۔

انھوں نے کہا: ''اللہ تمہیں قتل کرے میں نے یہ نہیں چاہا، ہمیں تمہارے امور میں کوئی خواہش نہیں، میں نے اس کی تعریف نہیں کی تا کہ اسے خلافت میں رغبت دلاؤں، اپنے خاندان کیلئے یہ کافی ہے، ان میں سے ایک کا حساب ہوگا اور ان سے امت محمد کے بارے میں ایک آدمی سے پوچھیں، میں نے تمام تر کوشش کی اور اپنے اہل کو محروم رکھا، اگر نجات پاؤں تو یہ کافی ہے، نہ میں نے گناہ لیا، نہ اجرت حاصل کی، میں تب سعادت مند ہوں گا کہ جس سے سب کا اتفاق ہوا اور کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا تو اس کو خلیفہ بنا لو تو اس وقت لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ آپکے بعد کس کو خلیفہ منتخب کریں تو عمر نے کہا اگر میں نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تو میں نے کوئی غلطی نہیں کی کیونکہ میں نے اپنے سے برتر و بزرگ تر سب سے بہتر ہستی حضرت محمدؐ رسول اللہ کی سنت و سیرت کو جاری کیا۔ جب رسول اللہ کا نام لیا تو لوگوں کو یقین ہوگیا کہ خلیفہ نامزد نہیں کرینگے، اگر میں نے کسی کو نامزد کیا تب بھی غلطی پر نہیں ہونگا کیونکہ ہم سے افضل و اشرف نے نامزد کیا تو سب نکل گئے، ڈر گئے

کہ عمر گزر رہے ہیں بغیر تعین خلافت تو لوگ دو بارہ ان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی: ’’آپ اپنے اس عہدے پر کسی کو نامزد کریں‘‘۔انھوں نے جواب دیا آپ لوگ اس گروہ کے ساتھ رہیں جن سے رسولؐ اللہ راضی تھے یہ لوگ اہل جنت ہیں ان میں علی بن ابی طالب،عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص،عبد الرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام ،طلحہ بن عبید اللہ ہیں۔

عبد اللہ بن عمر کو ان کے ساتھ رکھو اس شرط کے ساتھ کہ وہ خلیفہ نہیں بنیں گے اور وصیت کی کہ خلافت اس انسان کیلئے ہوگی جس میں عبد اللہ بن عمر فریق نہیں ہوگا۔اگر عبد اللہ بن عمر کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ تو اس گروہ کے ساتھ بیٹھو جس میں عبد الرحمٰن بن عوف ہو نگے پھر سب سے کہا خلافت آپ میں سے جس کسی کو بھی ملے گی،رسولؐ اللہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ سب سے راضی تھے، میں آپ لوگوں کے بارے میں کوئی خوف نہیں رکھتا،اگر استقامت دکھائیں لیکن مجھے ڈر ہے آپ آپس میں اختلاف کریں گے۔تو انتخاب خلیفہ کو اسی امت پر چھوڑا،اگر چہ بعض لوگ اس پر تنقید کرتے اور اس کو جمہوریت کہہ کر سرے سے رد کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو جمہوریت تسلیم کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اپنی مرضی کا خلیفہ بنانے کے لئے ماحول سازگار کیا ہے،اس کی کوئی دلیل ہونی چاہیے۔

حضرت عمر نے جو شرائط عائد کی ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔اس شوریٰ میں سعید ابن زید بن عمر بن نفیل جوان کے ابن عم تھے اور برجستہ اصحاب میں سے تھے،ان کو نام لیکر اس سے دور کیا تاکہ وہ کسی طریقے سے اس شوریٰ میں داخل نہ ہو جائیں۔

۲۔اپنے بیٹے عبد اللہ کو اس میں داخل نہیں کیا اس کو اس حق سے محروم رکھنے کے لئے حکم دیا کہ تم خلیفہ نہیں بن سکتے۔

۳۔خلیفہ منتخب ہونے تک ان افراد میں سے کسی کو امام جماعت مقرر نہیں کیا تا کہ اس عمل کا کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔لہٰذا امام جماعت کے لئے صہیب بن سنان رومی کو مقرر کیا۔

۴۔صلاح و مشاورت ان کی اجازت سے حضرت عائشہ کے گھر میں ہوگی،عبد اللہ کو اس میں مشورہ دینے اور ناظر بننے کی حد تک اجازت ہوگی۔

۵۔مشورہ کرنے کی مدت تین دن تک ہوگی چوتھا دن نہ آئے،خلیفہ منتخب ہونا چاہیے۔

۶۔اگر یہ تین تین برابر ہو جائیں تو عبد اللہ بن عمر کو حکم بنائیں اور اگر اس کو پسند نہ کریں تو عبد الرحمان بن عوف کو حاکم مقرر کریں۔اور جس طرف عبد الرحمان بن عوف ہو،اس کو خلیفہ بنائیں۔

۷۔حکم دیا کہ ۵۰ اصحاب ان مشاورین کو گھیرے میں رکھیں گے۔اور ابا طلحہ بن انصاری اور مقداد بن اسود کندی کو ان کی نظارت کیلئے رکھا۔عبد الرحمان بن عوف نے کہا آپ لوگ اپنا اختیار تین کو دے دیں تو زبیر بن العوام نے اپنا اختیار علی کو دے دیا جبکہ طلحہ نے اپنا اختیار عثمان کو دیا۔سعد نے کہا میں اپنا اختیار عبد الرحمان بن عوف کو دیتا ہوں۔عبد الرحمان نے کہا علی اور عثمان دونوں کے سپرد کرتے ہیں اس طرح عبد الرحمان نے علی اور عثمان سے الگ الگ ملاقات کی،ان کے فضائل بیان کرنے کے بعد ان سے عہد لیا کہ جس کو میں خلیفہ منتخب کروں گا دوسرے کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی اس پر دونوں نے اتفاق کیا اور کہا آپ جس کو بھی خلیفہ منتخب کریں،آپ کو اختیار ہے۔عبد الرحمان نے حضرت علی سے کہا اگر میں آپ کو خلیفہ منتخب نہ کروں تو آپ کیا مشورہ دیں گے،علی نے کہا میں عثمان کے حق میں مشورہ دوں گا۔عبد الرحمان نے عثمان سے کہا اگر میں آپ کو خلیفہ نہ بناؤں تو آپ کیا مشورہ دیں گے تو عثمان نے کہا میں علی کے حق میں مشورہ دوں گا۔عبد الرحمان نے عوام اور بزرگوں سے ایک ایک، دو دو کر کے اعلانیہ بھی اور مخفی بھی حتیٰ کہ ان عورتوں سے بھی جو حجاب میں تھیں تین دن تک مسلسل رائے اور مشورہ کیا۔

خلیفہ دوم عمر ابن خطاب ۲۶ یا ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں یہود و مجوس و صلیب کی ثالوث نحوست کے ذریعے قتل ہوئے خلیفہ دوم نے ۶۳ سال کی عمر میں ضربت لگنے کے چند دن کے بعد وفات پائی،ان کی نماز جنازہ صہیب رومی نے پڑھی،عمر کو عائشہ کی اجازت سے اسی حجرے میں دفنایا جہاں حضرت محمدؐ اور ابو بکر مدفون ہیں۔ان کی قبر میں عثمان،سعید بن زید،صہیب ،عبد اللہ بن عمر اترے۔حضرت عمر نے اصحاب شوریٰ میں سے کسی کو نماز پڑھانے سے اس لیے روکا تا کہ اس سے خلیفہ انتخاب کرنے کا رجحان نہ بنے۔

حضرت عثمان کا انتخاب:

عبدالرحمان نے حضرت عمر کی وفات کے چوتھے دن اپنے خواہر زادہ مسعود بن مخرمہ سے کہا میں تھوڑی دیر سوتا ہوں اور آپ علی اور عثمان کو بلا کر لائیں۔ مسعود نے کہا پہلے کس کو بلاؤں تو عبدالرحمان نے کہا تمہاری مرضی ہے وہ پہلے علی کے گھر گئے تو علی نے کہا عبدالرحمان نے پہلے کس کو بلانے کا کہا ہے تو اس نے کہا کہ وہ میری مرضی پر چھوڑا ہے تو علی اس کو لے کر عثمان کے گھر گئے اور علی باہر کھڑے ہوئے وہ اندر گیا اور عثمان کو لے کر آیا۔ علی اور عثمان دونوں اکٹھے عبدالرحمان کے پاس آئے۔ پھر وہاں سے مسجد میں گئے اور لوگوں کو بھی مسجد میں بلایا۔ عبدالرحمان منبر پر گئے اور تھوڑی دیر بعد بات شروع کی کہ میں نے آپ سے مشورہ کیا ہے اور عبدالرحمان نے علی کا بازو پکڑ کر کہا کہ کیا اللہ کی کتاب قرآن اور سنت محمدؐ اور سنت ابوبکر و عمر پر عمل کرو گے۔ تو علی نے فرمایا میں قرآن و سنت محمدؐ اور اپنی فہم و فہراست کے مطابق اپنی رائے کے مطابق چلوں گا یہاں اس بات کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے کہ علی خلیفہ اول و دوئم کے دور میں ان کے بعض اقدامات سے اتفاق نہیں فرماتے تھے اور ان اقدامات کو غلط گردانتے تھے۔ چنانچہ ان کے لئے ان کے اقدامات کو شرعی حیثیت دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی تھی ان کی وفات کے بعد ان بعض اقدامات کو مسترد کرنے کے بعد وہ انہیں صحیح نہیں کہہ سکتے تھے۔ یہ دلیل ہے کہ علی عمل فکری اور علمی میں ان دونوں خلفاء سے زیادہ تھے جس کا اعتراف وہ ذوات بھی کرتی تھیں۔ دوسرا نکتہ علی کسی کے فعل کو اس وقت تک حجت نہیں کہتے تھے جب تک قرآن وسنت سے استناد نہ ہو۔ لہذا علی کہنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ لوگ فقہاء اور مجتہدین کے قرآن وسنت سے متضاد و متصادم فتویٰ کو کیسے حجت مانتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان سے کہا آجاؤ اور ان سے پوچھا تم اللہ کے حکم، پیغمبرؐ کی سنت اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر چلو گے تو عثمان نے کہا امنا۔ پھر عثمان کا بازو پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا اے اللہ تو شاہد و گواہ ہے اور شاہد گواہ رہنا کہ میں نے وہ امانت جو میرے گلے میں لٹکی ہوئی تھی میں نے وہ عثمان کے سپرد کر دی ہے۔ یہ سننا تھا کہ لوگوں نے عثمان کی طرف بیعت کیلئے ہجوم کیا۔ پھر عبدالرحمان نے انھیں اٹھایا اور سب نے باری باری بیعت کی اور علی نے بھی بیعت کی۔

یہاں اہل فکر و دانش سے پہلے اس نکتہ معطوف تاریخی پر غور کرنے کی ضرورت ہے جسے عبدالرحمٰن صحابی رسول بقول بعض عشرہ مبشرہ میں سے ہیں نے انتخاب خلیفہ مسلمین کے بارے میں اضافہ کیا اور علی اس شرط اضافی کو مسترد کرنے کی وجہ سے استحقاق خلافت سے محروم ہو گئے اہل فکر و دانش کے لئے یہاں چند نکات پر غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ شرط جو عبدالرحمٰن بن عوف نے اضافہ کی یہ کہاں سے استنباط کی گئی ہے یہاں اس بارے میں تین فریق ہیں:

۱۔ عبدالرحمٰن نے یہ شرط کس دلیل و منطق کے تحت اضافہ کی۔

۲۔ اگر یہ شرط عقل و شریعت کے مطابق تھی تو علی نے کس منطق کے تحت اسے مسترد کیا تھا نعوذ باللہ یہ غرور علمی تھا یا افتخار خاندانی جبکہ یہ دونوں چیزیں اس بات کی اجازت نہیں دیتیں۔

۳۔ اصحاب برجستہ پیغمبرؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے استفسار و احتجاج کیا کہ تم نے اس شرط کا کیوں اضافہ کیا، یہ ایک زیادتی ہے، ایسی کوئی خبر تاریخ میں نہیں ملتی اور نہ علی کی کسی نے ملامت کی کہ آپ نے کیوں اور کس منطق کے تحت اس شرط کو مسترد کیا۔ ہمیں خلفاء اور اصحاب پر انتقامی غصے میں طنز و طعن کرنے اور فتنہ و فساد قائم کرنے کی بجائے اس شرط کی شرعی حیثیت پر بلا عناد و تعصب و غصہ یا حمایت و جانب داری کو ایک طرف رکھتے ہوئے قرآن وسنت اور عدل و انصاف کے تحت قواعد و اصول مقررہ کے تحت عام پہلو پر بحث کرنی چاہیے۔

ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو کہتے ہیں کہ اگر عبدالرحمٰن بن عوف اس شرط کو نہ لگاتے تو خلافت علی کو مل جاتی اور قیام قیامت تک اقتدار اسلام صالحین کے ہاتھ میں رہتا۔ اس منطق کا وزن تار عنکبوت کے برابر بھی نہیں کیونکہ علی کو ایک دن جانا تھا اور خلافت نے بھی ایک دن جانا ہی تھا لہذا علی نے اپنے بعد کسی فرد یا جماعت کو خلافت صالحین کے قبضے میں رکھنے کی خاطر کسی قسم کی سفارش نہیں کی اور مستقبل میں خلافت کے بارے میں کسی قسم کی ذمہ داری دیئے بغیر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آئیں دیکھتے ہیں اس شرط کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

۱۔ قرآن وسنت میں کہاں نقص و کمی تھی کہ اس خلاء کو پر کرنے کے لئے عبدالرحمٰن نے یہ اضافی شرط بھی شامل کی تھی۔

۲۔ اگر اس شرط کی ضرورت تھی تو کیوں خلیفہ اول ابوبکر اس شرط کو نظر انداز کر گئے، انہیں چاہیے تھا کہ عمر کو اپنی سنت کا بھی پابند کرتے یا اصحاب اس شرط کے ساتھ راضی

ہو جاتے کہ آپ کی سیرت پر چلیں۔

۳۔حضرت عمر نے اس انتخاب میں دیگر شرائط کے ساتھ اس کا اضافہ کیوں نہیں کیا تھا۔

۴۔کیا حضرت عمر خلیفہ بننے کے بعد ابو بکر کی سیرت پر چلے تھے تا کہ ان کے بعد آنے والے اس کے پابند ہوں۔

۵۔کیا حضرت عثمان جنہوں نے اس شرط کو قبول کر کے خلافت حاصل کی تھی انہوں نے اس شرط پر عمل کیا تھا۔

۶۔جب مسجد کوفہ میں لوگ امام حسن کی بیعت کے لئے جمع ہوئے تو ہر ایک نے ان کی بیعت کرتے وقت یہ شرط لگائی کہ میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ قرآن و سنت پر عمل کریں گے تو بعض خاص اصحاب نے اپنی طرف سے یہ شرط عائد کی کہ دشمن کے مقابل مل کر لڑیں تو امام حسن ان سے ناراض ہو گئے کہ تم نے یہ شرط کیوں اضافہ کی کیونکہ دشمن سے مل کر جنگ لڑنا قرآن و سنت میں شامل ہے، وہ کافی ہے۔اس وقت پوری امت شرطوں کی دلدل میں ڈوبی ہوئی ہے قرآن و سنت سے اجنبی شرائط نے انہیں زوال و بدبختی کی طرف دھکیل دیا ہے۔

خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان:

خاندان قریش سے تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قرشی ہیں۔عثمان پیغمبرؐ سے عبد مناف سے جا ملتے ہیں۔حضرت عثمان عام الفیل کے چھٹے سال ہجرت سے ۴۷ سال پہلے طائف میں پیدا ہوئے،اس طرح وہ رسول اللہ سے عمر میں چھ سال چھوٹے ہیں، آپ خاندان بنی امیہ کے قبیلہ عاص بن امیہ سے تعلق رکھتے ہیں،آپ کی ماں اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد الشمس ہیں ان کی نانی بیضا بنت عبد المطلب رسول اللہ کی پھوپھی ہیں۔مکہ میں پرورش پائی کنیت ابو عبد اللہ ہے جو فرزند رقیہ سے رکھی ہے جس نے چھ سال کی عمر میں وفات پائی لہٰذا بعد میں ابی عمر کہلوانے لگے۔

[تاریخ اسلامی محمود شاکر ج۳ص ۲۱۱] حضرت عثمان کے باپ عفان صاحب ثروت تھے،وہ تجارت کرتے تھے اور شام میں اپنے ایک سفر تجارت کے دوران وفات پا گئے، بیٹے کے لیے اچھی خاصی دولت چھوڑی۔حضرت عثمان نے بھی تجارت کا فائدہ اٹھایا انہوں نے اپنے مال سے قوم کے لیے جود و سخا کی،قوم نے آپ سے محبت کی اور آپ کو آگے رکھا۔لوگوں کے درمیان اور خاص کر اپنی قوم بنی امیہ کے درمیان ان کا چہرہ محبوب و وجیہہ تھا آپ اعیان قریش میں شمار ہوتے تھے۔آپ ۳۴ سال کی عمر میں اسلام قبول کر کے سابقین اسلام میں شمار ہوئے ہیں۔آپ اپنے اسلام کے بارے میں کہتے ہیں میں طلحہ بن عبید اللہ کے ساتھ شام کی تجارت کے سفر سے واپس آیا اور سو رہا تھا تو نیند اور بیداری کے درمیان میں ایک آواز سننے میں آئی کہ مکہ میں محمد مبعوث ہوئے ہیں۔عثمان کی خالہ سعدی بنت کریز زمانہ جاہلیت میں کاہن تھیں انہوں نے ان کو خبر دی کہ محمد مبعوث ہوئے ہیں ان کی باتیں میرے دل میں داخل ہوئیں۔ایک دن ابو بکر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے،ان کے پاس کوئی اور نہیں تھا،آپ نے مجھے پریشان پایا، پوچھا کیا ہوا، کیوں پریشان ہو، میں نے ان کو اپنی خالہ کی باتیں سنا دیں،انھوں نے کہا افسوس ہو تم پر،تم عقل مند انسان ہو، تمہیں حق اور باطل میں تمیز ہونی چاہیے،حق تم سے نہیں چھپنا چاہیے۔یہ بت جن کی ہماری قوم پوجا کرتی ہے یہ کیا ہیں کیا یہ پتھر سے نہیں بنے ہیں نہ یہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، میں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ابو بکر نے کہا واللہ تمہاری خالہ نے تمہیں سچ کہا ہے،یہ محمد ہیں جنھیں اللہ نے رسالت سے نوازا ہے اور مبعوث کیا ہے،اگر جاننا اور سننا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔عثمان نے کہا نہیں۔ایک دن رسول اللہ علی ابن ابی طالب کے ساتھ گزر رہے تو ابو بکر نے جا کر پیغمبر کے کانوں میں کچھ بتایا تو رسول اللہ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا یا عثمان میں اللہ کی جنت کی طرف دعوت دیتا ہوں، دعوت قبول کریں، میں اللہ کی طرف سے رسول ہوں، یہ سن کر میں اپنے پر قابو نہیں کر پایا یا فوراً میں نے کہا اسلمت،عثمان کے اسلام لانے سے قریش پر بہت اثر پڑا کیونکہ قریش میں یہ شخص اپنی جگہ محبوب اور ان کے پاس مقام و منزلت رکھتے تھے ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے کوشش کی کہ وہ انہیں اسلام سے روکے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے، انہیں اذیت و آزار پہنچائی لیکن وہ ان کے عزم کو متزلزل نہیں کر سکے جب انہیں اپنے عقیدے میں راسخ پایا تو انہوں نے ان کو اپنے حال پر چھوڑا پھر عروۃ بن کریز نے بھی کوشش کی کہ ان کو ان کی رائے سے روک دیں اور راستہ بدل دیں، وہ بھی ناکام ہوئے اور آپ اسی نہج پر چلتے رہے۔

کتاب تاریخ اسلام حسن ابراہیم حسن ج ا ص ۲۰۶ پر لکھتے ہیں عثمان جود و سخا، حیا، رقت قلبی، احسان اور حلم و بردباری میں معروف تھے، کہتے ہیں آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے سوائے ان ایام کے جن میں روزہ رکھنا حرام تھا یا کراہت رکھتا تھا،عثمان اور ان کی زوجہ رقیہ ابو بکر کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔جب مشرکین قریش نے

مسلمانوں کو اذیت دینا شروع کی تو انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ حبش کی طرف ہجرت کی لیکن جب انھیں پتہ چلا کہ پیغمبرؐ اور مشرکین میں معاہدہ ہوا ہے تو واپس مکہ آئے پھر پیغمبرؐ کے ساتھ رہے پھر بعد میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ سوائے بدر کے تمام جنگوں میں پیغمبرؐ کے ساتھ شریک رہے تھے۔ بدر میں اپنی زوجہ کی بیماری کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے چنانچہ جن دنوں میں مسلمانوں کو بدر میں فتح نصیب ہوئی، اس دن ان کی زوجہ کا انتقال ہوا۔ پیغمبرؐ نے اپنی اس بیٹی کے انتقال کے بعد اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم ان کے عقد میں دی۔

حضرت عثمان سوائے بدر کے تمام جنگوں میں شریک رہے کیونکہ ان کی زوجہ مریضہ تھیں وہ ان کی تیمارداری کے لیے پیغمبرؐ سے اجازت لے کر گھر میں رہے، اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے ان کو بدر میں شرکت کئے بغیر انہیں بدرین میں شمار کیا اور انہیں مال غنیمت میں حصہ دیا۔ حدیبیہ کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے عمر بن خطاب سے فرمایا ہماری طرف سے یہ پیغام لیکر مکہ جائیں اور اہل مکہ کو یہ بتائیں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں بلکہ تعظیم اور زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں تو عمر نے کہا یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں میرے اور قریش کے درمیان، بہت عداوت و نفرت ہے مکہ میں میرا کوئی ناصر و مددگار و حامی نہیں، میں آپ کو اس کے لئے ایک ایسے شخص کا نام بتاؤں گا جن کے مکے میں حامی و ناصر ہیں آپ ان کو بھیجیں، وہ عثمان بن عفان ہیں۔ عمر کی تجویز پر نبی کریمؐ نے عثمان کو مکہ پیغام لے جانے کا حکم دیا تو عثمان سفیر بن کر مشرکین کے پاس گئے، مشرکین نے انہیں روک کر قتل کرنے کی افواہ اڑائی، اس پر پیغمبر اسلامؐ نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر لوگوں سے بیعت جہاد حتی الموت طلب کی تا کہ مشرکین سے آخر دم تک جنگ کی جائے جسے سب نے خوشی سے استقبال کیا نبی کریمؐ نے عثمان کی نیابت میں اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا، اللہ سبحانہ نے ان بیعت کنندگان سے اپنی رضایت کا اعلان اس آیت کریمہ سے فرمایا۔ ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ ''یقیناً اللہ صاحبانِ ایمان سے اس وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انہیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی'' (فتح۔۱۸)

تبوک کی جنگ اپنے عناصر ترکیبی میں مشکلات سے بھری ہوئی جنگ تھی لہٰذا اس جنگ کو جنگ عسر کہتے ہیں، اس میں تیس ہزار کا لشکر تھا اور ان کے اخراجات بھاری بھرکم لاگت کے تھے پیغمبرؐ نے مسلمانوں سے اس حوالے سے انفاق کا کہا تو عثمان نے پورے لشکر کی ضروریات کو پورا کیا، کوئی اونٹ اور رباغ نہیں رکھا، سب اس راستے میں دیئے، کہتے ہیں انھوں نے نوسو پچاس اونٹ دیئے اور پچاس گھوڑے اور ہزار دینار عطیہ دیا۔ اسی طرح انھوں نے ایک یہودی سے رومۃ نامی کنوئیں کو ۲۰ ہزار دینار میں خریدا اور مسلمانوں کیلئے صدقہ کیا۔

پیغمبرؐ نے فرمایا جتنا آج انہوں نے دل کھول کر انفاق کیا ہے اتنا پہلے نہیں کیا۔ رسول اللہ ان سے حالت خوشنودی میں اس دنیا سے گزرے، ابو بکر کے دور میں عثمان خلیفہ کے کاتب تھے، اس دور میں بہت قحط پڑا، لوگوں نے ابو بکر کے پاس شکایت کی، آسمان نے بارش برسانا چھوڑ دی، زمین نے سبزی اُگانا چھوڑ دی، لوگ ہلاک ہونے کو ہیں، آپ کیا کر سکتے ہیں، ابو بکر نے کہا، واپس جاؤ، صبر کرو، اللہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے گا۔ جب دن ڈھلنے کو تھا تو خبر آئی کہ حضرت عثمان کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آیا ہے۔ جب مدینہ پہنچے تو لوگ اس قافلے سے ملنے گئے تو اس میں ایک ہزار اونٹوں پر گندم، روغن اور انگور لدھے ہوئے عثمان کے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ تاجر حضرات آئے تو عثمان نے کہا کیوں آئے ہو، تم لوگ کیا چاہتے ہو، تاجروں نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں، یہ جو مال آپ کے لیے پہنچا ہے، اسے ہمیں فروخت کریں، لوگ محتاج مند ہیں۔ عثمان نے کہا سر آنکھوں پر، جس قیمت سے میں نے خریدا ہے بتاؤ اس پر کتنا فائدہ دو گے تو انہوں نے کہا درھم پر دو درھم دیں گے، آپ نے کہا ہمیں اس سے زیادہ ملا ہے تو انہوں نے کہا ہم چار درہم دیں گے تو عثمان نے کہا اس سے بھی زیادہ ملا ہے تو انہوں نے کہا ہم پانچ درھم دیں گے۔ عثمان نے کہا اس سے بھی زیادہ ملا ہے تو انہوں نے کہا مدینہ میں ہمارے علاوہ کوئی تاجر ہم سے پہلے یہاں آیا نہیں تو پھر آپ کو یہ فائدہ کس نے دیا تو آپ نے کہا اللہ نے مجھے ہر درھم کے مقابلے میں دس درھم دیئے ہیں، پھر کہنے لگے میں اللہ کو گواہ رکھتا ہوں کہ میں نے یہ تمام مال مساکین و فقراء مسلمین کے لیے صدقہ دیا ہے۔

حضرت ابو بکر کی طرف سے حضرت عمر کے استخلاف کا خط حضرت عثمان نے لکھا ہے حضرت عمر کے دور خلافت میں حضرت عثمان دوسری شخصیت تھے جو اس حکومت کو چلاتے تھے۔ عثمان اپنی جگہ دو اہم زاویوں سے اچھی صفات کے حامل اور دوسروں سے ممتاز تھے ایک وہ شرمیلے تھے، ان سے شرمیلا کوئی نہیں تھا، دوسری

صفت آپ صاحب جود و سخا تھے، خاندان قریش میں ان سے زیادہ کوئی سخی نہیں تھا۔

حضرت عثمان کی آٹھ زوجات تھیں عثمان جب قتل ہوئے تو اس وقت ان کے پاس تین بیویاں تھیں ام البنین بنت عینیہ، نائلہ بنت فراغصہ اور فاختہ تھیں ان کے لیے نو اولادیں تھیں، ان میں سے تین چھوٹی عمر میں وفات پا گئے عبداللہ، عبداللہ اصغر اور عبدالملک باقی کے نام عمرو، خالد، ابان، عمر، ولید اور سعید تھے۔ ان کی چھ بیٹیاں تھیں مریم، ام سعید، عائشہ، ام ابان، ام عمرو، و مریم صغراء۔ عثمان راویان حدیث میں سے تھے۔ عثمان پہلے ایمان لانے والوں اور پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں عثمان نے پیغمبرؐ سے ۱۴۶ احادیث نقل کی ہیں، انھوں نے پیغمبرؐ، ابوبکر اور عمر سے روایات نقل کیں ہیں اور خود انہی سے عمر، ابان، سعید اور مروان بن حکم، عبد اللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، زید بن ثابت اور ابو ہریرہ وغیرہ نے احادیث نقل کیں ہیں تابعین میں احنف بن قیس محمد بن حنفیہ بن علی، سعید بن مسیّب وغیرہ نے ان سے احادیث نقل کیں ہیں، بخاری نے ان سے ۱۸ احادیث نقل کیں ہیں اور مسلم نے ان سے ۵ احادیث کو نقل کیا ہے پیغمبرؐ نے جب وفات پائی تو ابوبکر نے انھیں اپنا کاتب اور مشیر بنایا۔

۲۳ ہجری میں حضرت عمر کی طرف سے مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ میں سے آپ خلیفہ مسلمین منتخب ہوئے آپ کی خلافت کے دوران بہت سے اہم کارنامے انجام دیئے گئے۔ آپ کے دور میں ارمینہ، قوقاس، خراسان، کرمان، سجستان، افریقہ اور قبرس فتح ہوئے۔ آپ نے اپنے آخری چھ سالوں میں اپنے خاندان بنی امیہ کو زیادہ اور اعلیٰ عہدوں پر رکھنا شروع کیا اور انہیں مبسوط الید وسیع امتیازات و اختیارات اور سہولیات سے نوازا جس کی بنیاد پر مصر اور کوفہ کے عوام وہاں کے والیوں کی شکایات لے کر مدینہ آئے اور انھیں معزول کرنے کا مطالبہ کیا جس کی اجابت نہ ہونے کی وجہ سے چالیس دن تک محاصرے میں رکھنے کے بعد آپ کو قتل کیا گیا۔

تاریخ میں آپ کے فضائل کثیرہ کے مقابلے میں آپ کے بارے میں کچھ منفی ملاحظات بھی آئے ہیں۔ جس میں سے ایک جنگ احد میں میدان سے فرار ہونا آپ کیلئے ایک سیاہ داغ بنا، اس کے علاوہ خلافت کے چھ سال گزرنے کے بعد اچانک آپ کے اعزاء و اقربا جو نبی کریم کی نظر میں مردود اور انصار و مہاجرین کے نزدیک مطعون تھے، آپ نے ان کے دباؤ میں آ کر اہم عہدوں سے لائق اور قابل افراد کو ہٹا کر انھیں بٹھایا اور بعد میں آپ ان کی ناروا حرکتوں کا خود نشانہ بن گئے اور آخر میں سبقت اسلام، سبقت ہجرت، سبقت انفاق جیسے جزیل و جسیم اعمال کی حامل شخصیت اپنے خاندان کے بدکردار اور برے افراد کیلئے قربان ہوگئی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر کی وفات کے تین دن کے بعد اہل شوریٰ نے حضرت عثمان بن عفان کی خلافت کا فیصلہ کیا۔ خلفاء راشدین کے تابناک و روشن صفحات پر آپ کا آخری دور خلافت ایک سیاہ داغ بن گیا، آپ کی حیات میں اس اجمال و ابہام کی تفصیل آگے بیان کریں گے لیکن یہاں ایک گروہ کے ناروا سلوک کا اشارہ کئے بغیر گزرنا موقعہ ہاتھ سے دینے کے برابر ہوگا کہ وہ اسلامی خلافت میں ہر قسم کی اقرباء پروری سے پاک و منزہ خلیفہ دوم کو کیوں طعن کا نشانہ بناتے ہیں۔

آپ خلیفہ دوم کی طرف سے تعین کردہ چھ رکنی شوریٰ کے تام الاختیار عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے سے خلیفہ منتخب ہوئے اور اپنی ناقص کارکردگی اور بعض مالی تصرفات کی وجہ سے اُمت اسلامی کی تنقیدات اور اعتراضات کا نشانہ بنے جس کا آپ نے خود بھی اعتراف کیا ہے لیکن جب امت کو اپنے بجا اعتراضات کا اطمینان بخش جواب نہ ملا تو آپ کو خلافت سے معزول کیا گیا اور آخر کار اسی تنازعہ میں قتل کیے گئے لیکن آپ کی معزولی کے عوامل و اسباب اور اس سلسلہ میں حضرت علی کا کیا کردار اور موقف رہا ان کلمات میں ملاحظہ فرمائیں: ''جن دنوں حضرت عثمان ابن عفان محاصرہ میں تھے تو عبداللہ ابن عباس ان کی ایک تحریر لے کر حضرت علی کے پاس آئے جس میں آپ سے خواہش کی تھی کہ آپ مدینہ سے کچھ دنوں کیلئے باہر چلے جائیں تاکہ خلافت کے لیے جواُن کا نام پکارا جا رہا ہے اس میں کچھ کمی آجائے اور وہ ایسی درخواست پہلے بھی کر چکے تھے۔ جس پر حضرت علی نے ابن عباس سے فرمایا۔ اے ابن عباس! عثمان تو بس یہ چاہتے ہیں کہ وہ مجھے اپنا شتر آب کش بنا لیں کہ جو ڈول کے ساتھ کبھی آگے بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹتا ہے، انھوں نے پہلے بھی یہی پیغام بھیجا تھا کہ میں مدینہ سے باہر نکل جاؤں اور اس کے بعد یہ کہلوا بھیجا کہ میں پلٹ آؤں۔ اب پھر وہ پیغام بھیجتے ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں (جہاں تک مناسب تھا) میں نے ان کو بچایا، اب تو مجھے ڈر ہے کہ میں (ان کو مدد دینے سے) کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔'' (خطبہ ۲۴۰، ۱۶۴، ۴۳، رسائل ۲۸، ۱)

خطبہ عثمان بیعت کے بعد: [ص ۲۷۰]

صاحب کتاب طبری سے نقل کیا گیا ہے کہ جب شوریٰ نے حضرت عثمان کی بیعت کی تو آپ غم و حزن کے عالم میں منبر رسولؐ پر گئے لوگوں سے خطاب کیا حمد

وثناء الٰہی کو بجالائے، نبیؐ پر درودو سلام بھیجا۔ بیعت کے بعد کہا: بتحقیق شوریٰ نے خلافت میرے کاندھے پر چھوڑی ہے، میں نے اس کو قبول کیا ہے، میں اس کا تابع ہوں، میں بدعت گزار نہیں ہوں ۔آپ کیلئے میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے ساتھ ہم سے پہلے گزرنے والے دو خلفاء کی سنت وسیرت سے تمسک اور اس کے بعد ہر اہل خیر نے جس کی بنیاد رکھی ہے اس کی پیروی کرنی ہے دنیا ایک سرسبز باغ ہے جو لوگوں کو پسند ہے اور بہت سوں کی اس کی طرف گرائش ہے، دنیا سے تکیہ نہ کریں اور اس پر بھروسہ مت کریں کیونکہ یہ قابل ثقہ نہیں ہے دنیا آپ کو چھوڑنے والی نہیں بلکہ دنیا اس کو چھوڑتی ہے جس نے دنیا کو چھوڑا ہو۔

خطبہ نمبر ۱۴۱:

حمد اس ذات کے لئے جس نے محمدؐ کو نبی بنا کر مبعوث کیا، حمد اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے ہمیں ان کے تابع اور ان کے اوامر کا ہدایت یافتہ بنایا، وہ ہمارے لئے نور ہیں، ہم ان کے اوامر کے تحت قیام کریں گے۔ جب خواہشات منتشر ہوں متفرق ہوں ہم ان کے دشمن سے جنگ لڑیں گے۔ حمد اس ذات کیلئے ہے جس نے اپنے فضل وعنایت سے اپنے اوامر کی اطاعت کرنے کا شرف بخشا ہے ہم ان کے اوامر کے دائرے سے نہیں نکلیں گے نہ غیر ہمارے اندر داخل ہونگے مگر وہ افراد جو حق سے آشنا ہوں، جادہ مستقیم سے منحرف نہ ہوں میں بن خوف آپؐ کی دعوت قبول کرنے والا ہوں، میں آپ کی طرف دعوت دینے والا ہوں، جو میں کہہ رہا ہوں اس کا میں ضامن ہوں، میں اللہ سے اپنے اور آپ کیلئے استغفار کا طالب ہوں۔

آپ جب خلیفہ بنے تو کسی نے آپ کی مخالفت نہیں کی لیکن اختلافات اس وقت بڑھے جب ہرمزان کو عبیداللہ بن عمر نے قتل کیا ، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جس نے خلیفہ مسلمین عمر کو قتل کیا تھا، وہ بڑا مجرم تھا اور اس جرم میں مجوس اور یہود و نصاریٰ سب شریک تھے یہ منافقین کا ٹولہ تھا ان کے نقشے تھے۔ خلیفہ کے قتل میں شریک تمام افراد سے قصاص لیا جاتا تا کہ جرم وجرائم کا سلسلہ بند ہو اور دشمنان اسلام کو روکا جا سکے لیکن ان کو قتل کرنے کا کام خلیفہ مسلمین کے توسط سے باقاعدہ عدالت میں سماعت کے بعد ہونا چاہیے تھا تا کہ خلیفہ مسلمین کی عدالت طلبی کا نام روشن ہو جائے اور نظم وانضباط مملکت اسلامی میں ثابت ہو جائے۔ جب عبیداللہ بن عمر نے اس جرم کے مرتکب کو قتل کیا تو اس کا حساب ہونا چاہیے تھا، عدالت ہونی چاہیے تھی، خلیفہ کو اس کا احتساب کرنا چاہیے تھا جب عبیداللہ کو جیل میں ڈالا تا کہ خلیفہ اپنی رائے دیں لیکن جب عثمان خلیفہ بنے تو ان کی راہ میں پہلا مشکل مسئلہ یہی تھا، ان کو چاہیے تھا کہ اقامہ حدود کریں چنانچہ علی اور بعض صحابہ نے عثمان کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ان کو قتل کریں لیکن بعض لوگوں نے ایسے بہانے بنائے کہ کل عمر قتل ہوئے آج ان کا بیٹا قتل ہوگا۔

کسی شخص کا اقتدار میں آنے سے پہلے حسن سابقہ کافی نہیں بلکہ اقتدار میں آنے کے بعد اپنی جگہ نفس کا شیطان دشمن موجود رہتا ہے۔ یہاں دیکھنا ہوگا کہ انھوں نے اس کے سامنے کس حد تک استقامت دکھائی اور کس حد تک خاضع ہوئے، اور سب سے قریبی دشمن جن کی قرآن نے تصریح کی ہے اولاد، بیوی اور اقربا ہیں وہ ان سے کہاں تک محفوظ رہ سکے۔

حضرت عثمان کے خلیفہ بننے سے پہلے کے حالات: [تاریخ اسلامہ محمود شاکر ج۳ ص۲۳۱]

کہتے ہیں حضرت عمر کے دور میں بہترین اور متحد وہم آہنگ پُرسکون حکومت تھی گر چہ لوگ عمر سے زیادہ عثمان سے خوش تھے کیونکہ عثمان نرم مزاج تھے لوگ عمر کی سختیوں کی وجہ سے تھک چکے تھے لیکن عزم وارادے کے فقدان کی وجہ سے دوبارہ پلٹ کر عمر کی تعریف کرتے تھے اور عثمان کو بھول گئے تھے۔

خلیفہ دوم کی تمام تر کوشش وکاوش یہ تھی کہ دار الخلافہ کو عناصر مشکوک سے بچایا جائے لیکن دور دراز کے علاقے جو فتح ہوئے، وہ ان کی دسترس سے باہر تھے۔ جیسا کہ سرزمین عراق، کوفہ، حیرہ، بصرہ، مصر اور فارس کے مفتوحہ علاقے، یہ وہی لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن نے کہا، قالت الاعرب آمنا، یہ لوگ اپنے علاقوں میں اسلام سے نالاں وناراض اور اپنی حکومتوں کی واپسی کے لئے اپنی خون کی نالیوں میں اسلام سے انتقام لینے کا طوفان اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے چاہے وہ اپنے ہی وطن میں ہوں یا ہجرت کرکے دیار اسلام میں آئے ہوں، یقیناً منافقین ومخالفین پس پردہ تقیہ میں اسلام کے خلاف سرگرم ہونے اور اس کا پھل چننے کی طاق میں تھے۔ مگر اس کے لئے وقت درکار تھا۔ جیسے انگریزوں کی امریکہ جیسی عالمی طاقت کو بھی مسلمان ملکوں کے حالات بگاڑنے اور اپنی مرضی کے تابع کرنے یعنی مقدرات پر قبضہ کرنے کے لئے ۵۰،۶۰ سال لگے۔

دور عثمان میں فتوحات کا تسلسل ختم ہوا یعنی خلافت حضرت عثمان میں اچانک فتوحات کا سلسلہ رک گیا۔ چھ سال کے عرصے میں جو لوگ جنگ جو اور جنگ خو

مار دھاڑ کرنے والے تھے، ان کی زندگی میں سکون آیا یہ بات ان کے لئے سازگار نہیں تھی ۔یقیناً عسکری و لشکری گروہ جب بیرونی دشمنوں سے لڑنے سے فارغ ہوئے تو وہ پلٹ کر اندر ہی لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے جس طرح انسان بیرون خانہ کسب و کاج کے مواقع ختم ہونے پر اندرون خانہ لڑتا ہے۔

اہل تجربہ کا کہنا ہے کہ حاکم کی حکومت کی شدت کے ساتھ نرمی بھی ہوتا کہ عوام استبدادیت محسوس نہ کریں اسی طرح اس نرمی کے ساتھ حاکم میں شدت بھی ہوتا کہ لوگ ان میں ضعف و کمزوری محسوس نہ کریں ۔حضرت عثمان میں تشدد و تختی ناپید اور رزم مزاجی اور شرمیلا پن معروف تھا لہٰذا عثمان بن عفان کا مسند خلافت پر آنے کے بعد خود بخود ایسے نتائج کا ہونا یقینی تھا۔ کہہ سکتے ہیں کہ عثمان کے خلیفہ بنتے ہی اس کا بیج بویا گیا اور اس کے حمل ہونے سے جنم لینے تک چھ سال لگ گئے۔

حضرت عثمان کے چند کارنامے:

توحید قرأت عثمان: [شخصیت و عصر صفحہ ۲۰۸]

عثمان بن عفان کے دوران خلافت انجام دیئے جانے والے کارناموں میں سے ایک توحید قرأت ہے یعنی لوگوں کو ایک قرأت پر رکھنا ہے۔ نبی کریمؐ آغاز نزول قرآن سے آیات کی کتابت کے لئے بعض شخصیات کو موکل کئے ہوئے تھے۔ وہ بعد میں کاتبان وحی کے نام سے معروف ہوئے۔ ان میں سرفہرست زید ابن ثابت تھے جو ہجرت سے پہلے مکے میں بھی کتابت وحی کرتے تھے۔ قرآنی آیات کی کتابت پر مامور افراد میں سے ایک عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ہے۔ جسے کتابت میں خیانت کرنے پر اللہ علیم و خبیر نے پیغمبر اکرمؐ کو اس کی خیانت سے آگاہ کیا۔ قرآنی آیات کی کتابت کرنے والوں میں سرفہرست خلفاء راشدین ہیں۔ مکہ ہی میں قرآن کی کتابت شروع ہوگئی تھی۔ اس کی دلیل قصۂ اسلام عمر بن خطاب ہے جب حضرت عمر بن خطاب اپنی بہن کے گھر پہنچے تو ان کے ہاتھ میں ایک صفحہ پر سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ نبی کریمؐ کے دور ہی میں تمام کا تمام قرآن لکھا ہوا موجود تھا لیکن اس کی آیات یکجا جمع نہیں تھیں۔ ہر ایک کے پاس قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ تھا۔ بعض کے پاس مصحف میں اور بعض کے سینوں میں قرآن محفوظ تھا۔ چنانچہ سال میں دو دفعہ پیغمبر اکرمؐ پر ابتداء سے انتہا تک تلاوت ہوتی تھی۔ دور حضرت ابو بکر میں جب جنگ یمامہ میں حافظین قرآن کی کثیر تعداد قتل ہوگئی تو حضرت عمر کے مشورہ اور اصرار پر ابو بکر نے زید ابن ثابت انصاری کے توسط سے جہاں جہاں قرآن کریم ہے وہاں وہاں سے تمام قرآن کریم کو یکجا جمع کیا۔ گرچہ ابتدائی مرحلہ میں حضرت ابو بکر نے اس تجویز کو مسترد کیا لیکن عمر کے اصرار اور یہ کہنے پر کہ یہ ایک عمل خیر ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، اس پر ابو بکر نے حضرت زید بن ثابت کو قرآن کریم کو یکجا جمع کرنے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے حضرت زید بن ثابت کو آیات قرآن کے جمع کرنے میں سب سے زیادہ امین پایا۔ اوراق، قطعات اور سینوں سے قرآن حکیم کو یکجا جمع کرنے اور ایک ہی جگہ پر مجموعۂ قرآن کی صورت میں قرآن کے جمع ہونے کے بعد قرآن حکیم کے ضائع ہونے اور گم ہونے کے خطرات ہمیشہ کے لئے ٹل گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت خاص و عام مسلمان کس حد تک اسلام کے بنیادی ستون کو کھڑا رکھنے پر توجہ دیتے تھے۔ قرآن کے جمع ہونے اور اس کے ضائع ہونے سے بچ جانے پر مسلم معاشرہ میں بہت سکون و اطمینان پیدا ہوا۔ تیسرا دور وہ ہے جو خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے دور میں انجام پایا، اس سلسلے میں کہتے ہیں حذیفہ یمانی جو شام کی سرحد پر یا کبھی عراقی سرحد پر کفر و شرک سے جنگ لڑ رہے تھے انہوں نے لوگوں کی قرأت قرآن میں اختلاف دیکھا تو مدینہ میں آئے اور عثمان بن عفان سے مخاطب ہو کے کہا کہ اس قرآن میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف کرنے سے پہلے لوگوں کو اس کی ایک ہی قرأت پر متحد کریں۔ حضرت حذیفہ کے کہنے پر عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ جو قرآن ان کے پاس امانت ہے، ہمیں بھیج دیں تاکہ ہم لوگوں کے پاس موجود قرآن کو اس سے ملائیں۔ حفصہ نے قرآن عثمان کے پاس بھیج دیا۔ عثمان نے زید ابن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبدالرحمان بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ وہ اس کی نسخہ گیری کریں اور حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت سے کہا اگر تم کسی جگہ قرأت میں اختلاف پاؤ تو وہاں قرآن کو قرأت قریش میں لکھو کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے، نسخہ گیری کے بعد قرآن کے اس کے مطابق نسخے بنائے گئے اور باقی مصحف جلا دیئے گئے۔

اس طرح جو فتنہ کتاب اللہ کے بارے میں وقوع پذیر ہونے والا تھا وہ ظہور ہونے سے پہلے ہی ختم و نابود ہوگیا اور شریعت اسلامی کا اصل مصدر و منبع و مآخذ، دین کا ستون اور امت اسلامی کی اجتماعی، سیاسی، اخلاقی اور تاریخی اساس، ہمیشہ کے لئے امت کی فکر و روح، ان کی جانوں اور دلوں اور عمل میں راسخ ہوئی۔ حضرت عثمان نے قرأت قرآن کو قرأت واحدہ پر منحصر کرنے اور تمام مملکت اسلامی میں ایک ہی قرأت کی تلاوت کرنے کی اور دوسری تمام قرائتوں پر مشتمل مصحف کو جلانے کا

جو حکم دیا ہے عثمان اس میں منفرد نہیں بلکہ عثمان نے اس عمل سے پہلے اس وقت کے مہاجرین و انصار کے باقی ماندہ برجستہ، لائق وسزاوار اور منتخب اصحاب سے مشورہ کیا اور نسخہ گیری کرنے کے بعد سب سے اس پر اظہار نظر کروایا اور جب سب اس پر متفق ہوئے تو متفقہ قرآن کو اطراف میں موجود والیوں کو بھیجا۔ یہ کہنا کہ اس میں بہت سوں کو اختلاف ہے یا یہ حضرت عثمان کا انفرادی و شخصی عمل ہے یا انہوں نے یہ عمل کر کے نعوذ باللہ جرم و جنایت کا ارتکاب کیا، یہ سب باتیں حقیقت خارجی سے متصادم و متعارض ہیں، اگر کوئی ایسا عمل ہوتا تو منافقین و باطنین قدیم و جدید اسکو خود قمیص عثمان سے زیادہ اٹھاتے لیکن ایسا نہیں ہوا

حضرت عثمان تنخواہ خوار بیت المال نہیں تھے: [شخصیۃ وعصرہ ص ۱۲۴]

امیر المومنین عثمان بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے کیونکہ آپ بڑے سرمایہ دار اور صاحب ثروت تھے۔ آپ اپنے گھر والوں کے علاوہ آس پاس کے بہت سے لوگوں کی بھی کفالت کرتے تھے۔ چنانچہ چندین مواقع پر حضرت عثمان کا انفاق ضرب المثل بنا رہا ہے البتہ عثمان کے دور میں ان کی طرف سے منسوب والی و قاضی وغیرہ اپنے اخراجات کے لئے بیت المال سے تنخواہیں لیتے تھے۔ وہ اپنے علاقے کو شریعت اسلامی کے مطابق چلاتے تھے۔ اگر حضرت عثمان کی طرف سے بیت المال پر کوئی بھی شخص نامزد نہ ہوتا تو عثمان یا والی بیت المال کی نگرانی کرتے۔ جزیہ، خراج اور عشر یہ سب والی متعلقہ امور میں خرچ کرتے تھے۔ اگر کچھ بچ جاتا تو اسے بیت المال میں جمع کروانے کے لئے خلیفہ کو بھیج دیتے تھے، زکوٰۃ علاقے ہی کے فقراء میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت عثمان لشکر و عسکر کو بیت المال مسلمین سے تنخواہ دیتے تھے۔ اس کے علاوہ مال غنیمت سے جو ان کا حصہ بنتا وہ اضافی ہوتا تھا۔ حضرت عثمان نے ہمیشہ لشکر اور عسکریوں کے لئے فراوانی ارزاق کی سفارش کی۔

ابوذر اور غلام عثمان: [قصص العرب ج ۲ ص ۴۰۷]

حضرت عثمان نے اپنے غلام کے ہاتھ گندم کا ایک تھیلا ابوذر کو بھیجا، ان سے کہا اگر وہ یہ تم سے قبول کریں تو تم آزاد ہو گے۔ بندہ ابوذر کے پاس آیا، ان سے کہا یا ابوذر ہم آپ کے پاس ایک وسیلے کے لئے آئے ہیں آپ کی مہربانی ہو گی، آپ یہ عطیہ قبول کریں، اگر یہ عطیہ قبول کریں گے تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔ ابوذر نے اس کو شک کی نظر سے دیکھا، اس سے کہا تم چاہتے ہو کہ ہم یہ عطیہ تم سے قبول کریں کیونکہ اس میں تمہاری آزادی ہے، ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کو تمہارے لئے رد کریں کیونکہ اس کو قبول کرنے میں میری غلامی ہے۔

نظام عطیات:

تقسیم بیت المال میں خلیفۂ دوّم نے اپنی سوچ کے مطابق اخلاص کی بنیاد پر بیت المال کی تقسیم میں طبقات بندی شروع کی جس کے بُرے نتائج دیکھ کر انھوں نے از خود اس تقسیم بندی کو ختم کرنے کا ارادہ کیا لیکن زندگی نے انھیں موقع نہ دیا، حضرت عثمان نے اس کو انتہا تک پہنچایا جبکہ علی چاہتے تھے کہ وہ تقسیم مال میں پیغمبرؐ اور خلیفہ اوّل کے دور کو سامنے رکھیں۔

بنائے مساجد:

بیت المال سے توسیع مسجد نبوی حضرت عثمان کے دور میں ہوئی، اسی طرح توسیع مسجد الحرام بھی خلیفہ کی طرف سے انجام پائی۔ وہ وسائل جنگی پر فراوانی میں خرچ کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بیت المال مسلمین سے جنگی کشتی سب سے پہلے حضرت عثمان کے دور میں بنائی گئی۔

انہوں نے مدینہ میں کنویں بنوا کر مسلمین کے لئے پینے کے پانی کا بندوبست کیا۔ ۳۰ھ میں حضرت عثمان کنویں کے سر پر کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھ میں پیغمبر اکرمؐ کی انگشتری تھی، وہ کنویں میں گر گئی۔ انہوں نے کنویں کا پورا پانی نکلوایا لیکن وہ انگوٹھی نہیں ملی، اس پر انعام و جائزہ رکھا گیا، پھر بھی وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ چنانچہ عثمان نے ایک نئی انگوٹھی بنوائی اور اس پر ﴿محمد رسول اللہ ﷺ﴾ لکھوایا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد معلوم نہیں اس انگوٹھی کو کس نے چرا لیا۔ موذن حضرات کو سب سے پہلے بیت المال مسلمین سے خرچ دینے کا آغاز حضرت عثمان نے کیا۔ **بنائے مساجد:**

بیت المال سے توسیع مسجد نبوی حضرت عثمان کے دور میں ہوئی، اسی طرح توسیع مسجد الحرام بھی خلیفہ کی طرف سے انجام پائی۔
وہ وسائل جنگی پر فراوانی میں خرچ کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بیت المال مسلمین سے جنگی کشتی سب سے پہلے حضرت عثمان کے دور میں بنائی گئی۔

انہوں نے مدینہ میں کنویں بنوا کر مسلمین کے لئے پینے کے پانی کا بندوبست کیا۔ ۳۰ھ میں حضرت عثمان کنویں کے سر پر کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھ میں پیغمبر اکرمؐ کی انگشتری تھی، وہ کنویں میں گر گئی۔ انہوں نے کنویں کا پورا پانی نکلوایا لیکن وہ انگوٹھی نہیں ملی، اس پر انعام و جائزہ رکھا گیا، پھر بھی وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ چنانچہ عثمان نے ایک نئی انگوٹھی بنوائی اور اس پر ﴿محمد رسول اللہ ﴾ﷺ لکھوایا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد معلوم نہیں اس انگوٹھی کو کس نے چرا لیا۔ مؤذن حضرات کو سب سے پہلے بیت المال مسلمین سے خرچ دینے کا آغاز حضرت عثمان نے کیا۔

خلافت عثمان: [دائرہ المعارف اسلامی ج ۱ص ۱۱۱]

جس وقت حضرت عثمان نے خلافت اسلامی سنبھالی تو اس وقت مملکت اسلامی کے دس صوبے تھے جن میں مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، کوفہ، بصرہ، مصر، حمص، دمشق، فلسطین اور بحرین وغیرہ یہ سب مدینہ کی مرکزی حکومت کے خاضع تھے۔ ان سب کا ایک رئیس جیش تھا جو لشکر کی جنگی آمادگیوں کا اہتمام کرتے تھے۔ ابتدائی سنہ میں کسی بھی والی کو جسے عمر نے منتخب کیا تھا تبدیل نہیں کیا، ان میں سے سوائے معاویہ ابن ابی سفیان کے کوئی بھی بنی امیہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا عثمان نے اپنے دور خلافت میں ابتکاری عمل شخصیات کے رواتب میں بے پناہ اضافہ کیا تھا اس طرح حضرت عثمان لوگوں کو اور عام طور پر شخصیات کو خاموش کرنے یا ان کی رضایت جلب کرنے میں بہت حد تک کامیاب ہوئے انھوں نے زبیر ابن عوام اور طلحہ وغیرہ کو اتنے مال سے نوازا کہ وہ اس پر خوش تھے۔

اسلام کی نظر میں مناصب حاصل کرنے والوں کی اہلیت:

ا۔ اسلام میں اعلیٰ مناصب پر منصوب کیئے جانے والوں کے بارے میں قرآن و سنت نبی کریمؐ کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ جن افراد کو حضرت عثمان نے منصوب کیا ہے، وہ اس منصب پر پہنچنے کے لئے اور اس منصب کو سنبھالنے کے لئے درکار قابلیت اور اہلیت و صلاحیت کے حامل تھے یا نہیں، قابلیت و صلاحیت ایک بنیادی شرط ہے۔ اس میں جائے شک و تردید نہیں ہے۔ قرآن میں کثیر آیات ایسی آئی ہیں جن میں اس شرط پر پورا نہ اترنے والے حکمرانوں کی اطاعت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱)۔ وہ آیات جن میں فرمایا ہے کہ کافرین کی اطاعت نہ کریں۔

۲)۔ وہ آیات جن میں فرمایا ہے کہ منافقین کی اطاعت نہ کریں۔

۳)۔ مکذبین کی اطاعت نہ کریں۔

۴۔) بار بار قسم کھانے اور عذر خواہی کرنے والوں کی اطاعت نہ کریں۔

۲۔ صلاحیت و اہلیت کو بعض حدود میں معین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ حالات اور وقت کے تحت بدلتی رہتی ہیں جیسے تازہ تازہ مفتوحہ علاقوں میں وہاں کے مقامی افراد سے انتخاب ناگزیر ہے جیسے فتح مکہ کے بعد عتاب بن اسید کا انتخاب ہوا نیز صلاحیت و اہلیت کے معنی بھی واضح ہونا ضروری ہیں مثلاً صلاحیت جنگی، صلاحیت سیاستمداری اور سب سے اہم صلاحیت دین و ایمان و ضمیر و امانت داری کا حامل ہونا اور طمع خیانت سے دوری ہے۔ ضرورت حاکم سب سے زیادہ ضروری ہے یا صلاحیت اور اہلیت رکھنے والے حاکم کا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔ یہاں عقل کے لحاظ سے اہلیت و صلاحیت پر اتفاق ممکن ہے بطور مثال لشکر اسلام ایک ملک کو فتح کرے اور وہاں ایک حاکم چھوڑنے کے لئے ان میں سے کسی بہتر اور باصلاحیت کو انتخاب کرے۔

۳۔ جس شخص کو منتخب کیا ہے اگر وہ اس عہدہ کے ساتھ اور اپنے موکل کے ساتھ امانت داری کے ساتھ کام کر رہا ہے اور اس شرط پر ممکن حد تک عمل پیرا ہے اور کسی قسم کی خیانت، بے وفائی اور جرم و جنایت سے گریز کرتا ہے تو اس کی خلیفہ یا سربراہ مملکت سے قرابت داری و رشتہ داری چنداں نقصان دہ اور قابل نقد نہیں بنتی ہے، لہٰذا ناقدین عثمان کا یہ کہنا کہ عثمان نے اپنے اعزا و اقرباء کو عہدوں پر فائز رکھا ہے، یہ چنداں نقد و اعتراض کا سبب نہیں بنتا کہ جس کی بنیاد پر انہیں قتل کیا جائے یا بعد میں لعنت بھیجی جائے۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ جن کو حضرت عثمان نے ان عہدوں کے لئے انتخاب کیا ہے، وہ پہلے آزمودہ خیانت کار اور اہل اسلام کے نزدیک مردود نہ ہوں نیز یہ دیکھنا ہو گا کہ انھوں نے عہدوں پر پہنچنے کے بعد کسی قسم کی جنایت و خیانت کا ارتکاب تو نہیں کیا ہے۔

۴۔ جن افراد کو اس منصب کے لئے منتخب کیا جاتا ہے، ان کی زندگی کے سابق صفحات میں انہیں خیانت کاری اور جرم و جنایت کا مرتکب نہیں ہونا چاہیئے، ان کا

تنہا اسلام لانا کافی نہیں ہے۔ اگر ان کے جرم و جنایت پہلے سے ثابت ہوں تو وہ خواہ کتنی ہی اہلیت و صلاحیت رکھتے ہوں ان سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ مجرمین، خائنین اور منافقین ہی ہوتے ہیں اور قرآن میں منافق کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عثمان کے والیوں میں سے چند افراد کا ذکر کرتے ہیں جن کی خیانت و غداری اور حضرت محمدؐ سے عداوت و دشمنی سب پر عیاں ہے لہٰذا جس شخص نے رسول اکرمؐ کے لئے دل میں حسد و کینہ، بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا ہو اور با دل نخواستہ تسلیم ہوا ہو، اسے اس منصب پر فائز نہیں کرنا چاہیے ورنہ یہ اسلامی حکومت سے خیانت ہوگی، یا اگر مجالست کسی کو کسی کی جگہ لیں تو اس کا احتساب ہونا ضروری ہے چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب نے معاویہ کو چندین بار اپنے عتاب کا نشانہ بنایا تھا۔

والیان عثمان: [عثمان بن عفان شخصیۃ وعصرہ تالیف علی محمد اصلابی ص۔۲۵۱]

ناقدان عثمان بن عفان کا ایک اعتراض ان کا مناصب حکومت پر اقرباً کو فائز کرنا ہے یعنی انھوں نے اعلیٰ عہدوں سے اپنے عزیز ترین اقارب اور خاندان بنی امیہ کو نوازا ہے۔ ناقدین و مدافعان دونوں کو قرآن و سنت اور عقل و شریعت کے تناظر میں اس مسئلہ کا تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد ہی کوئی نظریہ قائم کرنا چاہیے ورنہ ان کا یہ عمل اپنی جگہ دور جاہلیت کی سنت ہوگی۔ جہاں وہ حق و باطل میں تمیز اپنے قریب و بعید کے رشتے سے کرتے تھے اور ان کے خیال میں جو قریب ہے، وہی حق پر ہے جو بعید ہے وہ باطل پر ہے۔ یہاں چند زاویوں سے بحث کرنے کی ضرورت ہے:

ا۔ جن لوگوں کو حضرت عثمان نے اسلامی مملکت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا ہے انہی کو مسلمانوں نے اپنے نقد و انتقاد کا نشانہ بنایا ہے ان کا انتقاد اس وجہ سے نہیں تھا کہ یہ لوگ خلیفہ کے اقرباء ہیں ان کو اقتدار پر نہیں لانا چاہیے بلکہ ان کا اعتراض ان کے سابقہ اور حاضر برے کردار کی وجہ سے تھا ان میں یہ افراد نمایاں تھے:

ا۔ معاویہ بن ابی سفیان۔ معاویہ شام میں ملوکانہ روش اپنائے ہوئے تھے اس حوالے سے لوگ عثمان پر تنقید کرتے تھے۔ حضرت عثمان پر یہ انتقاد عائد نہیں ہوتا کہ انھوں نے معاویہ کو شام میں والی کیوں بنایا، کیونکہ معاویہ شام میں ابوبکر و عمر کے دور سے تھے۔ لوگوں کا اعتراض اسے بے لگام چھوڑنے پر تھا۔

۲۔ عبداللہ بن عامر بن قریش بن ربیعہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔

۳۔ ولید بن عقبہ بن ابی معیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد المناف۔

۴۔ سعید ابن عاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔

۵۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

۶۔ مروان بن حکم جو حضرت عثمان کے سب سے قریب اور صاحب اختیار مطلقہ تھے زیادہ تر اعتراض ان کی وجہ سے تھا۔

بعض مورخین و مصنفین ان سے دفاع کرتے ہوئے معیار نصب کو آج کل کی اصطلاح کے مطابق معیار میرٹ کو قرار دیتے ہیں گویا اگر کسی کو ملازمت یا اعلیٰ عہدے پر رکھنے کے لیے میرٹ کو قابلیت کی بنیاد بنایا گیا تو یہ عدل و انصاف ہوگا میرٹ کی بات وہ لوگ کرتے ہیں جو مغرب میں جا کر پڑھنے کے بعد اپنے دین و ایمان کو اپنے آئندہ یا اپنے مستقبل کے عوض میں وہاں چھوڑ کر آتے ہیں تو یہاں انہیں ملازمت دینے والے میرٹ کا رٹ لگا کر خود کو منصف قرار دیتے ہیں اگر اس ملک میں انتہا کی کرپشن اور لوٹ مار آئی ہے اور اس ملک کی دولت سے سیاستدانوں سربراہان اور افسران نے اندرون ملک اور بیرون ملک دولت بنائی ہے تو یہ میرٹ والوں ہی کا کارنامہ ہے اس میں جائے شک نہیں اسلام کہتا ہے کہ ہم تمہارا میرٹ اس وقت قبول کریں گے جب تم جو چیز دین و ایمان یہاں سے لیکر گئے تھے اس کو ساتھ لائیں۔ اسلام میں دین و ایمان سے عاری میرٹ بکرے کی چھینک کے برابر ہے۔

والیان معتوب عثمان، معاویہ بن ابی سفیان:

معاویہ اور اس کا خاندان فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ کے سامنے تسلیم ہوئے تھے۔ ان کا شمار مولفۃ القلوب میں ہوتا ہے یہ وہ افراد ہیں جو با دل نخواستہ تسلیم حضرت محمدؐ ہوئے۔ یہ افراد فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں آپ کے ساتھ رہے اور جنگ حنین میں حاصل غنیم کی تقسیم میں نبی کریمؐ نے دیگران کی نسبت ان کو زیادہ حصہ عنایت کیا تھا۔ ان میں یہ افراد شامل ہیں ابوسفیان بن حرب، معاویہ بن ابی سفیان، صفوان بن امیہ، حکیم بن حزام، النضر بن الحارث بن کلدہ، الحارث بن هشام، سهیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ، العلاء بن جاریۃ، عیینۃ بن حصن، اقرع بن حابس، مالک بن عوف النصری۔ معاویہ اور ابوسفیان کا جنگ حنین میں

شرکت کرنا انکی مدح ومنقبت کا سبب نہیں بنتا کیونکہ انھوں نے اس جنگ میں بطور رغبت اور رضا کارانہ شرکت نہیں کی جبکہ نبی کریمؐ نے ان کے یہاں ہونے سے احساس خطر کر کے انہیں اپنے ساتھ لیا تھا اور انہوں نے میدان جنگ میں کوئی کردار بھی ادا نہیں کیا ہے جیسا کہ صلابی اور ان کے ہم خیال اس میں شرکت کو ان کے فضائل میں گنتے ہیں۔

جوبات دلیل بنے کہ واقعاً اب اسلام ان کے دلوں میں داخل ہو چکا ہے تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ انھوں نے کوئی ایسا کردار ادا کیا ہو۔ معاویہ اور اس کے باپ کو پیغمبرؐ از راہ خوف مکہ سے اپنے ساتھ لے گئے تھے اور وہاں بھی ان کو خوش کرنے کے لئے اور جرم وجنایت سے دور رکھنے کے لئے زیادہ مال غنیمت دیا۔ اگر پیغمبرؐ ان سے مطمئن ہوتے تو واپسی پر مکہ کا حاکم معاویہ یا اسکے باپ ابوسفیان کو معین کرتے کیونکہ یہ دونوں اس وقت مکہ کے سب سے اونچے مقام پر فائز شخصیت تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان کو والی مکہ معین نہیں کیا بلکہ ان کی بجائے اسید کو معین کیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ چونکہ معاویہ کو حضرت عمر نے منتخب کیا ہے ان کو والی کے عہدہ پر برقرار رکھنے یا انہیں آئندہ والی بنانے کے لئے دلیل نہیں بنتی کیونکہ اطاعت و پیروی صرف قرآن و محمدؐ کی ہے اور خلفاء کی سیرت جزو شریعت نہیں ہے ہاں جہاں کہیں ایسے کوئی ناگزیر حالات آجائیں کہ جہاں ان کے بغیر اسلام ختم ہونے کا خطرہ ہونا ہوتو یہ اور بات ہے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح:- [کتاب عثمان ص۔ ۲۶۸]

یہ حضرت عثمان کا رضاعی بھائی ہے۔ عثمان نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی کو مصر کا والی بنایا۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ مصر کی حق حکومت کے حق دار عمرو بن عاص تھے کیونکہ عمرو نے مصر کو فتح کیا تھا حالانکہ اصول ومقررات اسلام اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اسلام کی جنگیں طوائف الملوک کی جنگوں جیسی نہیں کہ جس نے جہاں ڈاکہ اور کشور کشائی کی اور فتح حاصل کی، وہ وہاں حاکم ہوگیا۔ عمرو بن عاص نے مصر کو فتح کیا تھا لیکن وہ خود عیش کرتے تھے اور جزیہ خلیفہ کو نہیں پہنچاتے تھے اس لیے ہم مصر میں عمرو بن عاص کے حق حکومت کے قائل ہیں اور نہ ہی عبداللہ بن سعد کو منصوب کرنے کو حق سمجھتے ہیں۔ ہمیں اعتراض خود عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی ماضی کی خیانت کاری پر ہے اور یہی خیانت کاری ہمارا نشانِ نقد ہے، عبداللہ بن سعد وہ شخص تھا جو کہ مسلمان ہوکر مدینہ آیا اور پیغمبرؐ کا کاتب وحی بنا۔ یہ قرآن کو ہیر پھیر کر کے غلط طریقے سے لکھتا تھا۔

یہ ظالمین کی جگہ پر کافرین لکھتا تھا، حلیم کی جگہ پر حکیم لکھتا تھا اور قریش سے کہتا تھا ہم ایسا کلام لائیں گے جیسا محمدؐ لائے ہیں اس کی رد میں آیت قرآن نازل ہوئی جس کے ذریعے اللہ نے اپنے نبیؐ کو متنبہ کیا اور کہا یہ غلط لکھتا ہے۔ آیت نازل ہونے پر عبداللہ بن سعد مرتد ہوکر دوبارہ مکہ فرار ہوگیا۔ فتح مکہ کے موقع پر پیغمبر نے چند افراد جن میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی شامل تھا، کے بارے میں حکم دیا کہ وہ جہاں ملیں ان کو قتل کردیں، اس پر عبداللہ بن سعد روپوش ہوگیا۔ جب اہل مکہ تسلیم پیغمبرؐ ہوئے تو عثمان نے اس کو پیغمبرؐ کے سامنے لاکر اس کی جان بخشی کیلئے اصرار وتکرار کیا تو نبی اکرمؐ نے بادل نخواستہ ناراضگی کے عالم میں اس کی جان بخشی کی، یہاں تک کہ پیغمبرؐ نے اسے معاف کردیا اور فرمایا تم میں کوئی ایسا فرد نہ تھا کہ اس کتے کو امان سے پہلے قتل کردیتا۔ لہٰذا ایسے شخص کو ایسے منصب پر فائز کرنا عین خیانت ہے۔

مروان بن حکم:

مروان ابن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف کنیت اباعبد الملک۔ مروان کا باپ حکم اور دادا عاص ان افراد میں سے ہیں جو حضرت محمدؐ کی دعوت کے مقابلے میں سینہ تان کر اترے، یہ لوگ اسلام کے زوال وخاتمے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ اللہ نے ان کے جسارت آمیز اور اہانت آمیز جملے کے جواب میں قرآن کریم میں فرمایا کہ نبیؐ آپ کا دشمن ہی ابتر ہوگا۔ ان کا باپ فتح مکہ کے موقع پر بادل نخواستہ تسلیم ہوا، اس نے مدینہ میں آنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کے ساتھ سلسلہ اہانت جاری رکھا۔ مروان ۳ھ کو طائف میں پیدا ہوا۔ جب اسے اپنے باپ کے ساتھ طائف میں جلاوطن کیا گیا تو یہ بچہ تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا تھا۔

حکم ابن عاص فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے مؤلفۃ القلوب میں سے تھے حکم کو پیغمبرؐ نے مدینہ سے جلاوطن کر کے کیوں سزا دی، اس کے اسباب ووجوہات کے بارے میں صاحب نہج البلاغہ لکھتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ جو اسرار اپنے اکابر اصحاب سے فرماتے تھے، یہ وہ اسرار مشرکین وکافرین کو پہنچاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب اپنے خانوادہ کے پاس ہوتے تھے تو یہ دیوار کے پیچھے سے جاسوسی کرتا تھا جو باتیں وہ سنتا تھا، انہیں فاش کرتا تھا اور انہیں منافقین تک پہنچاتا تھا پھر یہ مسخرہ کرتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ پیغمبرؐ کی حرکات و سکنات اور انداز گفتگو کی نقل اتارتا تھا، یہ پیغمبرؐ کا سرسخت دشمن تھا لہٰذا پیغمبرؐ نے اس کو اور اس کے بیٹے کو مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کیا یہاں تک کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں یہ واپس آئے چونکہ حضرت عثمان اس کے چچا زاد بھائی تھے اس لئے انہوں نے اسے اپنے ساتھ رکھا اور پھر یہ ان پر مسلط ہو گیا۔

۱)۔عثمان نے مروان اور ان کے باپ حکم بن عاص بن وائل جنھیں رسول اللہؐ نے مدینہ سے باہر نکالا تھا انھیں دوبارہ مدینہ واپس لانے کے ساتھ ساتھ مروان کو اپنا داماد اور صاحب اسرار و مشیر بنایا اور تمام امورات اور تصرفات کا مکمل اختیار اس کے سُپرد کیا، حضرت عثمان کا یہ اقدام نہ تنہا سیرت رسول اسلامؐ کے خلاف تھا بلکہ یہ حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت کے بھی خلاف تھا۔ پیغمبرؐ نے اسکی حرکتوں سے تنگ آکر اس کو مدینہ بدر کیا اور اس نے تا حیات طائف میں شہر بدری کی زندگی گزاری، خلیفۂ اوّل و دوّم دونوں نے اس حکمِ رسولؐ کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی جلاوطنی ختم کرنے سے انکار و گریز کیا۔ لہٰذا جس کو پیغمبرؐ نے جلاوطن کیا ہو، اُس کی جلاوطنی ختم کرکے اُسے دوبارہ مدینہ واپس لانا ایک جرم و جنایت ہے۔ اگر اس کو خلیفہ اول یا دوم واپس لاتے تو یہ ان کا جرم ہوتا۔ یہ حق حاکمِ اسلامی کو نہیں کہ وہ اپنے اقتدار کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو بھی پس پشت ڈالیں۔ لہٰذا اس جرم و جنایت کا ارتکاب خلیفہ سوم نے کیا ہے۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبرؐ اور حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت کے خلاف کیا جانے والا ایسا کام نیک کام ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور جو کام لائق تعریف و ستائش نہیں، کیا اس پر تنقید نہیں ہونی چاہیے؟

۲)۔مروان کی تنہا ملک بدری ہی ختم نہیں ہوئی بلکہ یہ بیت خلافت میں پہنچا اور وہاں اعلیٰ منصب پر فائز ہوا جسے آج کل کی اصطلاح میں وزارت عظمیٰ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے ایسے تصرفات کئے کہ لوگوں کو اس نے بدتمیزی اور ڈرا دھمکا کر خود عثمان کی خلافت کے خلاف اکسایا اور بیت خلافت پر چڑھائی کروائی، مروان کے اختیار کی وجہ سے خلیفہ برائے نام تھے، یہ ان کا نام استعمال کرتا تھا۔ اس کے ان اعمال کی کیا کوئی توجیہ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مروان کی اولیٰ بالتصرف ہونے کا دفاع کرنے کو جانب داری، فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کہیں گے۔ اسے اسلام و مسلمین کی خاطر خلیفہ سے دفاع نہیں کہیں گے۔

حضرت عثمان کے والیان:

۱۔حضرت عمر کے دورِ خلافت میں اطراف و اکناف عالمِ اسلام میں والیان و قاضیان وہ خود معین کرتے اور مدینہ کا انتظام وہ خود چلاتے تھے۔ اگر خلیفہ کو کبھی سفر پر جانا ہوتا تو وہ کسی صحابی کو پیچھے چھوڑتے تھے اور اکثر و بیشتر وہ زید ابن ثابت کو مدینہ کا والی مقرر کرتے تھے۔

۲۔مکہ میں خالد ابن عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی تھا، انہی کو مکہ میں برقرار رکھا۔ حضرت عثمان کے قتل ہونے تک خالد ابن عاص مکہ میں رہے، انہوں نے حضرت عثمان کی کسی قسم کی معاونت نہیں کی یہاں تک کہ جب علی امیر المومنین بنے تو علی نے ان کو معزول کیا۔

۳۔طائف میں سفیان بن عبد الله الثقفی تھے انہی کو برقرار رکھا۔

۴۔بحرین میں مروان بن حکم کو والی بنایا پھر عبداللہ بن سوار کو وہاں کا والی بنایا۔

۵۔یمن میں یعلی بن منبہ کو والی بنایا۔ اس نے اپنے لیے یمن میں جگہ بنائی اور زمین حاصل کی جس کی وجہ سے اس کو معزول کر دیا گیا۔ پھر عثمان نے انہیں صنعا میں والی بنا دیا اور یہ حضرت عثمان کی وفات تک والی رہے۔

۶۔شام میں معاویہ کو برقرار رکھا۔ معاویہ تمام والیوں میں سے قدرت مند اور بااثر مطلق العنان والی تھے۔

۷۔حمص میں عمیر ابن سعد والی تھا۔ عمیر ابن سعد بیمار ہونے پر مستعفی ہوئے تو حمص کو معاویہ کی ولایت میں دے دیا گیا۔

۸۔مصر میں عمرو بن عاص کو دو سال تک باقی رکھا اور پھر انھیں معزول کرکے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا والی بنایا۔ وہ وہاں والی تھا کہ حضرت عثمان قتل ہوئے۔

۹۔بصرہ میں ابوموسیٰ اشعری والی تھا۔ وہ جنگ پر جاتے تو عمر ابن حصین کو والی بنایا جاتا اور کبھی وہ زیاد کو والی بناتا تھا۔ حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری کو ہٹایا اور ان کی جگہ عبداللہ بن عامر بن کریز کو ۲۹ھ میں والی بنایا۔

۱۰۔کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کو کچھ عرصہ برقرار رکھا لیکن پھر سعید ابن عاص کو والی بنا دیا پھر اہل کوفہ نے انہیں نکال دیا اور ابو موسیٰ اشعری کو اس منصب ولایت پر لے آئے، عثمان نے انہی کو برقرار رکھا۔

۱۲۔بجستان میں عبداللہ ابن عامر کو بھیجا، صنعا میں حکیم بن جبلہ العبدی کو والی بنایا پھر یہ مکران آئے تو عثمان نے وہاں کے حالات پوچھے تو حکیم بن جبلہ نے وہاں کے لوگوں کی شکایت کی اور واپس مدینہ آگئے۔

انتخاب حضرت عثمان اور خلافت اسلامی کا پس منظر:[کتاب جولیۃ التاریخیہ عصر خلفائے راشدین تالیف محمد سید وکیل صفحہ ۳۲۱]

۱۔حضرت عثمان اس وقت خلیفہ بنے جب سربراہ مسلمین یا خلیفۃ المسلمین کے لئے انتہائی تدبر اور حکمت کی ضرورت تھی۔خلیفۂ دوئم کا اچانک قتل اس پیش آمد خطرے کی گھنٹی تھی جسے مخفی ہاتھ چلا رہے تھے جو اسلام و مسلمین کے درپے تھے۔یہاں یہ واضح ہونا ضروری تھا کہ یہ کوئی وقتی مشکل نہیں اور ایسا نہیں کہ اب مستقبل میں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔اس پر غور وفکر کرنے کی ضرورت تھی۔ان حالات میں خلیفہ کو انتہائی تدبر اور احتیاط سے پالیسی اور تدابیر اپنانی چاہیے تھیں۔

۲۔بصرہ و کوفہ جو مملکت اسلامی کے بڑے صوبے یا ضلع تھے اور دار الخلافہ سے دوسرے نمبر پر تھے،ان میں طغیان وسرکشی،انحراف اور بے راہ روی اپنے عروج پر تھی۔یہاں آئے دن لوگوں کی طرف سے والی کی تبدیلی کے مطالبے زور پکڑ رہے تھے۔یہ دونوں جگہیں فتنوں کا گہوارا بن چکی تھیں۔حضرت عمر چونکہ سخت مزاج تھے اور انتہائی سختی سے پیش آتے تھے اور کسی لیت ولعل سے کام نہیں لیتے تھے۔ جب آپ نے مغیرہ بن شعبہ کی جگہ ابو موسیٰ اشعری کو والی بنایا تو انہیں کہا میں تمھیں ایسی جگہ والی بنا کر بھیج رہا ہوں جہاں شیطان نے انڈے اور بچے دے دیئے ہیں۔کوفہ کے لوگ ہمیشہ اپنے والی کے خلاف مزاحم رہے ہیں،یہ والی سے خوش نہیں ہوتے اور والی بھی ان سے راضی نہیں ہوتے تھے۔دو سال میں کوفہ میں چار امیر بدلے گئے۔انہوں نے فاتح عراق کو متہم کیا تو حضرت عمر نے انکی جگہ عمار یاسر کو منصوب کیا،جب وہ انکی شکایت کرنے لگے تو سعد بن ابی وقاص کو امیر بنایا،جب انکے خلاف ہوئے تو جبیر ابن معطم کو بھیجا اور جب یہ ان سے بھی ناخوش ہوئے تو مغیرہ بن شعبہ کو والی بنایا۔حضرت عمر ان حالات سے بہت پریشان رہتے تھے کہ ان پر اگر کسی قوی کو والی بناتے تو یہ لوگ اسکی سختی کی شکایت کرتے اور اگر کسی نرم مزاج کو والی بناتے تو یہ اسے حقیر اور پست کرتے تھے۔یہ صورت حال ابھی جاری ہی تھی کہ حضرت عمر قتل کر دیئے گئے۔یہاں حضرت عثمان کے لئے پہلے مرحلے میں ضروری تھا کہ آپ ان حالات کو مدنظر رکھتے اور اپنی حکمت عملی کو سامنے لاتے۔

اقتصادی خوشحالی:

کثرت فتوحات کی وجہ سے جنگی غنائم اسلامی مملکت میں آنا شروع ہوئے جس سے لوگوں کے رہن سہن اور عادات میں تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ہر آئے دن مال غنیمت آیا،حضرت عثمان کا منادی ندا دیتا،آج ارزاق آئے ہیں،آج ریشم و شہد آیا ہے۔چنانچہ لوگوں نے معنویات سے دوری اختیار کی اور مادیات کو اپنا مطمع نظر بنایا جبکہ بعض افراد دوسرے مشاغل مثلاً کبوتر بازی وغیرہ میں مشغول ہوگئے۔حضرت عثمان ایک نرم دل انسان تھے،کوئی آپ سے کسی چیز کا مطالبہ کرتا تو آپ اسکا انکار نہیں کرتے تھے۔کتاب تاریخ اسلامی جلد ۳ صفحہ ۲۳۲ پر محمود شاکر لکھتے ہیں لوگوں نے حضرت عثمان سے والیوں کی تبدیلی کا مطالبہ کیا چنانچہ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کی جگہ سعد بن ابی وقاص کو لگایا گیا،پھر عوامی مطالبہ پر ولید بن عقبہ کو بنایا،اسکے بعد سعید ابن عاص کو لگایا گیا،پھر اسکی جگہ ابو موسی اشعریؒ کو لگایا گیا۔اسی طرح بصرہ میں عبداللہ بن عامر بن قریض کو والی بنایا گیا،عمر بن عاص کو ہٹا کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بنایا گیا۔حضرت عثمان نے اپنی نرم پالیسی کو بدلا نہیں جس سے لوگ جری ہوئے اور سامنے آنے لگے۔حضرت عثمان نے ان حالات سے نکلنے کیلئے کوئی نئی پالیسی نہیں اپنائی اور کوئی تدبیر نہیں کی۔اس حوالے سے کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کسی کے مطالبے سے انکار نہیں کرتے تھے جس پر لوگوں نے آپ پر اقربا پروری کا الزام لگانا شروع کیا۔اس وقت مدینہ موالیوں اور کنیزوں کا مرکز بن چکا تھا جبکہ اصحاب کبار دوسرے علاقوں میں مال و دولت کے حامل تھے اور وہاں زندگی گذار رہے تھے۔ان حالات میں کوفہ،بصرہ اور مصر میں مفاد پرستوں اور اسلام کے پس پردہ دشمنوں نے جو ان حالات کے انتظار میں تھے،شورش برپا کی اور والیوں سے مزاحمت کا سلسلہ شروع کیا۔یہ اس مہم جوئی کا ابتدائی نکتہ ہے۔یہاں سے لوگوں میں اختلاف رونما ہونے لگے،اجتماع منتشر ہونے لگا۔ان حالات میں فتنہ عبداللہ بن سبأ کا آغاز ہوا۔عبداللہ بن سبأ کو ابن سودا بھی کہتے ہیں،یہ یمن کے صنعاء کا ایک یہودی تھا،جس نے حضرت عثمان کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔اسکے بعد اس نے مختلف شہروں میں آمد و رفت جاری کی اور خود کو اسلام کا ایک خیر خواہ اور عالم

کے طور پر پیش کیا، یہ کوفہ سے جب شام گیا تو شامیوں نے اسے وہاں گھسنے نہیں دیا پھر اس نے مصر میں اقامت اختیار کی۔اس نے لوگوں کے سامنے خود کو پہلے پہل ایک عالم کے طور پر پیش کیا پھر کہنے لگا کہ اگر عیسیٰ واپس آسکتے ہیں تو محمدؐ کیوں نہیں آسکتے۔کبھی کہتا قرآن میں آیا ہے کہ محمدؐ واپس آئیں گے،اس طرح سے اس نے عقائد میں تشویش پیدا کرنا شروع کی۔ان حالات میں عبداللہ بن سبأ نے درک کیا کہ مسلمانوں کے درمیان ایک محترم اور پسندیدہ شخصیت حضرت علی ہیں۔عوام انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس نے آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کئے۔

حضرت عثمان کے پاس سعید بن عاص کی شکایت کرنے والوں میں مالک بن حارث اشتر،ثابت بن قیس،زید بن سوعان عبدی،جندب بن زہیر،جندب بن کعب،عمرو بن جند اور عمق خزاعی ہیں۔اس شکایت پر ۳۴ھ میں حضرت عثمان نے اپنے والیوں کو حکم دیا کہ وہ حج کے بعد مدینہ آپ کے پاس تشریف لائیں۔ان افراد میں معاویہ بن ابی سفیان،عمرو بن عاص،عبداللہ بن ابی سرح،سعید بن عاص،عبداللہ بن عامر وغیرہ شامل تھے۔حضرت عثمان نے وہ شکایات انکے سامنے رکھیں اور ان سے مطالبہ کیا وہ اس حوالے سے کیا مشورہ دیتے ہیں کہ ان شکایات کا ازلہ کیا جا سکے۔کسی نے کہا لوگوں کو محاذ جنگ پر بھیج دیا جائے تا کہ وہ اس میں مصروف ہوں اور ان معاملات میں نہ پڑیں،کچھ نے رواتب کے بند کرنے کا کہا تا کہ یہ اطاعت کریں۔حضرت عثمان نے ان تجاویز سے اتفاق نہیں کیا۔ایک شکایت یہ تھی کہ سعید بن عاص کو ہٹا کر ابی موسیٰ اشعری کو نصب کیا جائے،آپ نے اسے قبول کیا۔آپ نے اہل کوفہ کے نام ایک خط بھی لکھا جس میں کہا گیا کہ میں نے تمھارے مطالبات کو قبول کیا اور جس شخصیت کو تم نے خود چنا ہے،اسے تمہارا والی بنایا ہے،میں اپنی عزت وحیثیت کو مسلمانوں پر قربان کرنے کیلئے تیار ہوں،میں تمہاری مصلحت کو سمجھنے کی کوشش کرونگا،جن امور میں اللہ کی معصیت نہ ہو،انہیں قبول کرونگا لہٰذا تم اللہ کی معصیت کے علاوہ اپنے معاملات میں آزاد ہو۔

حضرت عثمان کے تصرفات:

۱۔ تقسیم بیت المال مسلمین سے اپنے داماد مروان بن حکم کو تین لاکھ درہم اور اس کے علاوہ اونٹوں کا صدقہ بھی دیا،مدینہ میں موجود ایک بازار بھی انہیں دیا اور افریقہ کا خمس جو پانچ لاکھ دینار تھا اور اسکے علاوہ ۱۰۵۰ اروقیہ سونا چاندی بھی دیئے۔

۲۔ ابوسفیان کو دو لاکھ دینار بیت المال مسلمین سے دیئے۔

۳۔ ولید بن عقبہ جو ان کی ماں کی طرف سے رشتہ دار تھا اس نے بیت المال مسلمین سے قرضے کے بہانے سے کثیر رقم لی لیکن اس سے یہ رقم واپس نہیں لی گئی۔

۴۔ طلحہ کے لیے دو لاکھ،زبیر کیلئے ۶ لاکھ دینار دیئے،جب زبیر کو چھ لاکھ دینار ملے تو وہ حیران ہو گئے کہ اتنی بڑی رقم کو کہاں خرچ کریں۔

۵۔انہوں نے جو زمین،باغات وغیرہ اپنے والیوں،گورنروں اور بنی امیہ کو دیئے،وہ اس کے علاوہ تھے،یہ اس وقت کے حوالے سے ایک بڑی ناانصافی تھی لیکن ایک منصف کو حضرت عثمان پر نقد وانتقاد کرتے وقت بنی امیہ اور بنی عباس کی طرف سے اپنے وزیروں کو دی گئی املاک و جائیداد اور سلاطین،آل بویہ،صفوی اور فاطمی کی فضول خرچیوں،اسراف وتبذیر اور مال و دولت کے بے جا استعمال اور بخشش کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے اور بعض مراجع کی اپنی مرجعیت کے دور میں دامادوں اور تعلقات کی بنیاد پر دی جانے والی دولت کو بھی ساتھ ساتھ اپنے نقد و اعتراض کا نشانہ بنانا چاہیے۔

۶۔ نیز آپ نے مبغوض و ناپسند افراد جیسے ''ولید بن عقبہ'' اور معاویہ وغیرہ کو والی بنایا۔

۷۔حضرت ابوذر کو ''ربذہ'' جلاوطن کیا جہاں انہوں نے غربت کے عالم میں وفات پائی۔

۸۔حضرت عمار یاسر اور ابن مسعود کو ضرب وشتم کا نشانہ بنایا۔

۹۔بیت المال کی تقسیم میں خاندان بنی امیہ کو دیگر قریشیوں پر ترجیح دی گئی۔

مواخذات بر حضرت عثمان:

مطاعن ومثالب عثمان میں سے ایک تبعید ابوذر غفاری ہے ابوذر کے بارے میں تفصیل سے اس دور کی شخصیات میں بیان کریں گے کہ وہ کیسے تھے یہاں صرف ابوذر اور عثمان کے درمیان متنازعہ مسئلہ کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں حضرت ابوذر حضرت عثمان کی انتظامیہ کے مالی تصرفات کے ناقد تھے لیکن یہ جو تنقید دیگر مخالفین عثمان نے عثمان پر کی تھی ابوذر کی تنقید ان سے کچھ مختلف تھی دیگر ان کا کہنا تھا کہ بیت المال مسلمین سے اقرباء پروری جائز نہیں،اس کو رد کا جائے لیکن

ابوذر جو اعتراض کرتے تھے وہ اس سے وسیع اور اونچی سطح کا تھا، ان کا کہنا تھا مال ذخیرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے ضروریات پر خرچ کرنا چاہیے ابوذر تنہا عثمان کے پاس موجود مال کے بارے میں ناقد نہیں تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ جس کسی کے پاس بھی مال ہو وہ ذخیرہ نہ کرے اسے باہر لائیں۔

وہ اس کے بارے میں سورہ توبہ کی آیت ۳۴ کی تلاوت سناتے تھے تو عثمان نے کہا یہ اہل کتاب کے بارے میں ہے تو ابوذر نے کہا نہیں یہ دونوں کے لئے ہے، ان کے لیے بھی اور ہمارے لیے بھی۔ یہاں سے کمیونسٹوں اور مارکسیوں نے اپنے مذہب کے جواز میں مسلمانوں کو خاموش کرنے اور انہیں ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا کہ ابوذر اشترا کی تھے حالانکہ اشترا کیت کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے کیونکہ نظام اقتصاد اسلامی لنگڑا نہیں کہ وہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو اور جب تھک جائے تو ترمیم کر کے اسے کسی اور مذہب کا سہارا دینا پڑے۔

اسلام خود اپنا نظام رکھتا ہے، اسلام سرمایہ داری نظام ہے اور نہ اشترا کی اسلام میں مال امانت اللہ ہے انسان اس کا امین ہے اگر صاحب مال نے اسراف و تبذیر کیا تو اس نے خیانت کی ہے، ہم سمجھتے ہیں بڑی بڑی مساجد و مدارس بنانے والے سرمایہ دار دین سے مخلص نہیں بلکہ وہ خائنین میں سے ہیں اگر وہ مساجد و مدارس خوشنودی الٰہی کے لیے خرچ کرتے تو پہلے اس بارے میں پوچھتے، اس سلسلے میں فساد و فتنہ، برائیوں اور عدم توازن کی صورت حال کے ذمہ دار حکومت کے بعد یہی سرمایہ دار ہیں، جب عثمان اور ابوذر کے درمیان اختلافات بڑھ گئے تو عثمان نے مروان سے کہا ان کو ربذہ میں بدر کریں ان کے بدر کرنے سے منع کرنے کے لیے تو کوئی نہیں نکلا سوائے علی، عمار یاسر، عبد اللہ اور حضرات حسنین اس وقت یہ منظر ان کے لئے نا قابل برداشت تھا تو علی نے ان سے خطاب کر کے فرمایا ملاحظہ کریں: ''جب حضرت ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا گیا تو ان سے خطاب کر کے فرمایا: اے ابوذر! تم اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے تو پھر جس کی خاطر یہ تمام غم و غصہ ہے اسی سے امید بھی رکھو ان لوگوں کو تم سے اپنی دنیا کے متعلق خطرہ ہے اور تمہیں ان سے اپنے دین کے متعلق اندیشہ ہے لہٰذا جس چیز کے لیے انہیں تم سے کھٹکا ہے وہ انہیں کے ہاتھ میں چھوڑ دو اور جس شے کے لیے تمہیں ان سے اندیشہ ہے اسے لے کر ان سے بھاگ نکلو۔ جس چیز سے تم انہیں محروم کر کے جا رہے ہو کاش کہ وہ سمجھتے کہ وہ اس کے کتنے حاجتمند ہیں اور جس چیز کو انہوں نے تم سے روک لیا ہے اس سے تم بہت ہی بے نیاز ہو اور جلد ہی تم جان لو گے کہ کل فائدہ میں رہنے والا کون ہے اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں، اگر یہ آسمان و زمین کسی بندے پر بند پڑے ہوں اور وہ اللہ سے ڈرے تو وہ اُس کے لیے زمین و آسمان کی راہیں کھول دے گا تمہیں صرف حق سے دلچسپی ہونا چاہیے اور صرف باطل ہی سے گھبرانا چاہیے۔ اگر تم ان کی دنیا قبول کر لیتے تو وہ تمہیں چاہنے لگتے اور تم اس میں کوئی حصہ اپنے لیے مقرر کرا لیتے تو وہ تم سے مطمئن ہو جاتے۔'' (خطبہ ۱۲۸)

اہل کوفہ کا نمائندہ حضرت عثمان کی خدمت میں: [کتاب عثمان بن عفان محمد رضا ص ۹۳]

کوفہ میں بعض مسلمانوں نے حضرت عثمان کے والیوں کے کردار کے بارے میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے یہ سوال اور استفسار کرنا شروع کیا کہ یہ والی کیا کر رہے ہیں۔ وہ والی کی غیر اسلامی حرکات و سکنات کو زیر بحث لائے۔ یہاں تک کہ یہ گفتگو، مذاکرے اور مباحثے اس نتیجے پر پہنچے کہ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی شخص کو خلیفہ عثمان کی طرف بھیجیں اور ان سے استفسار کریں یا ان کے علم میں لائیں اور اگر وہ نہیں جانتے تو ان کو کوفہ کے حالات سے آگاہ کریں۔ اس کام کے لئے انھوں نے عامر بن عبد اللہ تمیمی اور عامر بن عبد قیس کا انتخاب کیا۔ یہ شخص علم و زہد اور پرہیزگاری میں مشہور تھے، عامر بن عبد القیس مدینہ پہنچے، خلیفہ عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عثمان سے مخاطب ہو کر کہا بعض مسلمان جمع ہوئے اور انھوں نے آپ کے عمال کے بارے میں غور و خوض کیا تو انہوں نے آپ کو قصوروار ٹھہرایا، اللہ سے ڈریں اور ان عمال سے باز پرس کریں تو عثمان کو غصہ آیا اور کہا دیکھو لوگ انہیں قاری کہتے ہیں۔

حضرت عثمان کا فتنہ کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ:

حضرت عثمان نے اہل رائے سے مشورہ طلب کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے معاویہ بن ابو سفیان، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، سعید بن عاص، عمر بن عاص اور عبد اللہ بن عامر سب کو جمع کیا تا کہ جو خبریں ان کو ملی ہیں ان مسائل میں ان سے مشورہ لیں۔ یہ سب جمع ہوئے تو عثمان نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہر شخص کے لئے نصیحت کنندہ ہوتا ہے تم میرے وزیر، رشتہ دار، معتمد اور نصیحت کرنے والے ہو، لوگوں نے جو کہا ہے آپ جانتے ہیں، لوگوں نے ہم سے کہا ہے، والیوں کو معزول کریں۔ ہم ہر اس چیز سے کراہت کریں جس سے لوگ کراہت کرتے ہیں اور اس کو پسند کریں جو لوگ پسند کریں، آپ کوشش کریں اور مجھے مشورہ دیں۔

عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین کیلئے میری رائے یہ ہے کہ انھیں محاذ جنگ پر بھیجیں تا کہ وہ معاملات سے الگ رہیں اور آپ کے لئے ذلیل و خاضع ہو جائیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے نفس وسواری کیلئے سوچے، اپنے لباس کی جوں اور کھٹل کے بارے میں سوچے۔عثمان نے اس تجویز کے بارے میں کہا، اس رائے کی تمام خرابیوں کے باوجود عبداللہ بن عامر چاہتا ہے کہ فتنہ کی تمام جڑیں ختم ہو جائیں تا کہ تمام مکاروں اور جاسوسوں سے ایک ہی مرتبہ نجات ملے لیکن اس میں ایک عیب ہے پھر معاویہ کی طرف رخ کیا اور کہا آپ تجویز دیں معاویہ نے کہا میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے عمال کو کہیں کہ وہ ان کاموں سے باز آئیں اور اپنی سابقہ کفایت شعاری کی طرف آئیں، ہم آپ کو ضمانت دیتے ہیں وہ آئیں گے۔عمر بن عاص سے پوچھا گیا آپ کی رائے کیا ہے، اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ آپ نے اس کام کا ارتکاب کیا ہے جو لوگ پسند نہیں کرتے۔آپ ارادہ کریں کہ عدالت کریں گے اگر آپ عدالت نہیں کرنا چاہتے تو پھر معزول ہو جائیں۔اگر معزول ہونا نہیں چاہتے تو پھر بہتر ہے آگے بڑھیں۔عمرو بن عاص جانتا تھا کہ عثمان عدل نہیں کریں گے گویا ان سے مطالبہ کیا کہ آپ معزول ہو جائیں۔عثمان کو اس پر غصہ آیا اور کہا یہ آپ کے لباس میں بسی ہوئی جوں ہے، عمر عاص چپ ہو گیا، جب سارے لوگ چلے گئے تو اس نے کہا امیر المومنین آپ میرے لئے ان باتوں سے بہت معزز و مکرم ہیں لیکن میں چاہتا تھا کہ لوگوں کے پاس یہ بات بھی پہنچے کہ فلاں فلاں نے کیا کہا تا کہ وہ لوگ میرے اوپر اعتماد کریں اور آپ کی کوئی خدمت کرسکوں۔انکو آپ کی طرف کھینچوں اور بدی کو دور کروں لیکن حقیقت میں عمرو بن عاص کا مشورہ فتنہ کو بڑھانا تھا اور عثمان کے خلاف ناراضگی میں اضافہ کرنا تھا۔جب عثمان عدالت نہیں کریں گے تو کیسے لوگوں کو کھینچیں گے؟ مشورہ کے بعد عثمان نے تمام والیوں کو اپنے عہدوں پر واپس بھیجا اور حکم دیا کہ جو مخالفت کرے اس پر سختی کریں اور کہیں تمہارے رواتب بند کر دیں گے۔

حضرت علی کی حضرت عثمان سے فتنہ کے بارے میں گفتگو:

۳۴ھ کو مدینہ میں موجود اصحاب رسول اللہ نے مدینہ سے باہر اصحاب کو خط لکھا کہ اگر تم جہاد کرنا چاہتے ہو تو ہمارے پاس آؤ۔لوگ عثمان کے خلاف ہو گئے اور کہنے لگے کہ عثمان ایسی برائیاں کرنے لگے جیسے عام لوگ کرتے ہیں۔اصحاب رسول اللہ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے لیکن امر و نہی نہیں کرتے کوئی دفاع نہیں کرتے تھے زید بن ثابت، ابوسعید خدری، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت علی کے پاس آئے علی سے بات کی۔علی ان کا پیغام لے کر عثمان کے پاس گئے، علی نے کہا لوگ میرے پیچھے ہیں، اور انہوں نے مجھے آپ سے بات کرنے کو کہا ہے، مجھے پتہ نہیں کہ میں کیا بات کروں، میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جو آپ کے علم میں نہ ہو۔میں ایسی راہنمائی نہیں کرسکتا جسے آپ نہیں جانتے۔میں نے آپ سے کسی چیز میں سبقت نہیں لی ہے۔آپ یہ سب دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں۔آپ صحابی رسولؐ ہیں۔ابی قحافہ آپ سے عمل کرنے میں زیادہ سزاوار نہیں تھے، نہ ابن خطاب کو کسی بات میں آپ سے زیادہ برتری ہے۔آپ رسول اللہ ﷺ کے داماد ہیں اور رشتہ کے لحاظ سے آپؐ کے قریب ہیں۔اللہ اللہ اپنے نفس کو بچاؤ۔راستہ واضح ہے، جان لیں کہ اللہ کے نیک بندے اللہ کے نزدیک امام عادل ہیں۔جو ہدایت یافتہ ہے وہ ہدایت کرتا ہے، سنت کو زندہ کرتا ہے، بدعتوں کو دفن کرتا ہے، دونوں واضح ہیں، نیک سنتوں کی اپنی نشانی اور بدعتوں کی اپنی نشانی ہے۔بدترین انسان امام ظالم ہے جو خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اور جو سنتوں کو مردہ اور بدعتوں کو زندہ کرتا ہے۔رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے دن امام ظالم کو بلائیں گے تو نہ اس کا کوئی نصیر ہوگا نہ کوئی عذر پیش کرنے والا۔اسے جہنم میں پھینک دیں گے، وہاں وہ چکر کھائے گا جیسے چکی چکر کھاتی ہے، ہم آپ کو اللہ کے غضب و عذاب سے ڈراتے ہیں وہاں عذاب شدید ہے، ایک امام قتل ہوا تو قیامت تک قتل کا سلسلہ شروع ہوسکتا ہے، امور مشتبہ ہوں گے، ایسے حالات میں حق نظر نہیں آتا اور باطل چھا جاتا ہے۔لوگ موجیں مارتے ہیں، عثمان نے کہا جو آپ کہہ رہے ہیں آپ کو قسم دیتا ہوں، اگر آپ میری جگہ بیٹھے ہوتے تو ہم ملامت نہ کرتے، نہ چھوڑتے، نہ عیب جوئی کرتے، نہ انکار کنندہ کی حیثیت سے ہم آپ کے پاس آتے۔میں نے ان افراد کو والی بنایا جن کو عمر نے بنایا، اللہ کی قسم کیا مغیرہ بن شعبہ وہاں نہیں تھے، عمر نے ان کو والی بنایا ہے۔معاویہ کو عمر نے بنایا تھا، علی نے کہا عمر جس کو والی بناتے تھے، اس کے سر پر کھڑے ہوتے تھے۔جونہی اس کے خلاف بات سنتے تو اس کا پیچھا کرتے تھے جبکہ آپ ایسا نہیں کرتے، آپ ضعیف ہیں کمزور ہیں۔رشتہ داروں کے مدارا کرتے ہیں۔عثمان نے کہا کیا یہ صرف میرے رشتہ دار ہیں۔علی نے کہا میرے بھی رشتہ دار ہیں لیکن دیکھو افضل کوئی نہیں ہے۔عثمان نے کہا عمر نے معاویہ کو پورے دور خلافت میں والی بنایا، علی نے کہا اللہ کی قسم میں گواہی دیتا ہوں کہ معاویہ عمر سے ایسے ڈرتا تھا جیسے غلام مالک سے۔اب معاویہ آپ سے پوچھے بغیر کام کرتا ہے، آپ سے پوچھے بغیر لوگوں کو کہتا ہے یہ حکم عثمان کا ہے لیکن آپ احتجاج

نہیں کرتے پھر علی گھر سے نکلے، عثمان بھی پیچھے نکلے اور سیدھا منبر پر گئے۔

حضرت علی سے گفتگو کے بعد حضرت عثمان کا مسجد میں خطاب:

ہر چیز کی ایک آفت ہوتی ہے اور نعمتوں کیلئے بھی ایک آفت ہے، اس امت کی آفت اسی امت کی نعمت سے ہوئی ہے۔ اس امت کی نعمت کی مصیبت عیب جوئی کرنے اور گمان کرنے والے ہیں، یہ تمہارے سامنے اس چیز کا اظہار کرتے ہیں جو تم چاہتے ہو اور اس چیز کو چھپاتے ہیں جو تم پسند نہیں کرتے ہو، وہ بات کرتے ہیں جو تم کہتے ہو، یہ لوگ بہت برے لوگ ہے۔ وہ ہر آواز کے پیچھے جاتے ہیں۔ تم لوگوں نے عمر ابن خطاب کی بہت سی چیزوں کو قبول کیا جو آج میرے لیے قبول نہیں کرتے۔ ابن خطاب نے تم کو پاؤں سے روندھا تھا، ہاتھوں سے مارا تھا اور تمہیں دبایا تھا۔ قہر کیا تھا تم ان کے چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے مطیع ہوئے، میں لوگوں کیلئے نرم ہوا، میں نے اپنے بازو کو نرم رکھا، ہاتھ کو باندھ کر رکھا، زبان نہیں کھولی جس سے تم میرے خلاف جری ہوئے۔ میرے بھی مددگار ہیں، میرے ساتھ بھی افراد ہیں۔ میری بھی بات سننے والے ہیں، میں نے تمہارے لیے ایسے افراد کو تیار کیا ہے۔

امت اسلام پہلے بیس سال میں:

پہلی خصوصیت: ایمان باللہ و آخرت ان کے دل کی گہرائیوں میں جاگزین تھا۔ تعلیمات اسلامی واضح صورت میں تطبیق ہوئی تھیں۔ ہر ایک شعار اسلام کا پابند تھا۔ تاریخ بشریت میں یہ دور ایسا تھا کو یا ان کے لئے دوسرے معنوں میں دین ہی حیات تھا۔ حیات اور دین میں ان کیلئے چنداں فرق نہیں تھا۔ دین ان کی زندگی میں حاشیہ، کنارہ یا غیر ضروری چیز نہیں تھا جس طرح آج کل کے سیکولر افراد سمجھتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ جب حج کو آتے ہیں تو وہ دین سے اتنے ہی آگاہ اور اتنا ہی تعلق رکھتے ہیں کہ جس طرح حج کو آنے والے اداکار۔ ان کے منہ سے اس کلمہ خبیث کی بو نکلتی ہے کہ ہم دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہم سے اداکاروں، رقاصوں کے بارے میں پوچھیں تو بتائیں گے یہ سیکولر دراصل دین سے بغاوت کرنے والے لوگ ہیں ان سے اس سے زیادہ اور کیا توقع رکھ سکتے ہیں لیکن جو خود کو دیندار و انقلابی اور ولی فقیہ کے پرستار سمجھنے والے اور ہمیں اپنے دائرے میں گھیر کر رکھنے والے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم نے کبھی کوئی کتاب یاد رکھنے کے لئے نہیں پڑھی یا وہ کہتے ہیں کہ دینی کتاب پڑھنے سے وقت گزر جاتا ہے اور نیند آجاتی ہے۔ پہلے دین داروں کی اسی حالت نہیں تھی جیسی کہ یورپ والے ہفتے میں ایک دن دین کو دیتے ہیں یا بقول صوفی جو صوم وصلوٰۃ کی حد تک محدود رہتے ہیں، بلکہ دین ان کے افکار و اقتدار اور اجتماعی روابط کا حصہ تھا۔ لوگ گھر میں ایک دوسرے سے، پڑوسیوں سے، بازار میں، سفر میں، کسب ارزاق میں، امانت داری میں، معذور افراد کی کفالت میں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں، حکومت وسلطنت میں غرض تمام مجتمع میں اور ہر جگہ پر کامل دین کے پابند تھے۔ کسی اجتماع میں اس طرح سے دین کی حاکمیت رسول اللہ کے غیاب کی وجہ سے ممکن نہیں تھی ۔ یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے معاشرے کو نصیب ہوا ہے۔ دین تمام شعبوں پر محیط تھا لیکن منافقین موجود تھے۔ منافقین اسلام کے خلاف تلے ہوئے تھے لیکن کمزور تھے۔ ان کی قدرت اور بس میں نہیں تھا کہ اجتماع اسلامی کے رخ کو جس پر مسلمان متوجہ تھے اپنی جان و مال کے ساتھ اس کا رخ موڑتے۔

دوسری خصوصیت: معاشرہ اسلامی اپنے اعلیٰ مصداق کا حقیقی حامل تھا۔ امت اسلامی کا مفہوم وہ گروہ نہیں تھا جو ایک زبان اور ایک جغرافیائی حدود اور ایک مسلک پر متفق تھا۔ وہ ایسے متحد نہیں تھے کہ جس طرح آج فتنہ پرور، فتنہ وران اور فرقہ وران بغیر کسی شرم و حیاء کے کہتے ہیں ہم ایک ہی پرچم کے تلے جمع ہے لیکن بقول امیر المومنین ایھا المجتمعہ ابدانہم المختلفہ اھواءہ، ایسی چیزوں پر مسلمان متفق ہوتے تو اسے امت اسلامی نہیں کہہ سکتے تھے بلکہ یہ امت عقیدے سے جڑی ہوئی تھی۔ ایسی وحدت تاریخ کے کسی حصہ میں وقوع پذیر نہیں ہوئی جیسی امت اسلامی میں ہوئی تھی عشائر و قبائل سیاہ و سفید، عربی، حبشی، رومی اور فارسی آزاد شدہ اور رفاتح سب میں اخوت دینی تھی۔ صدر اسلام کا یہ دور بہترین دور ہے جس میں اسلام کے صحیح معنوں کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

تیسری خصوصیت: اسلامی معاشرہ واضح وروشن اور اعلی وارفع اقدار تو جہات دین کے اخلاق پر قائم تھا وہ دوجنسوں کے تعلقات جیسا نہیں ملا۔ یہ معاشرہ بے پردگی، عریانی، فحاشی، غیر اخلاقی حرکات وغیرہ سے پاک معاشرہ تھا، اگر کسی جگہ کوئی ایسی چیز تھی تو وہ نہ ہونے کے برابر تھی۔ عقائد اسلامی، سیاست، اعتقاد، اجتماعات، افکار و نظریات اور ثقافت سب اخلاق اسلامی کے اندر تھے۔ وہ دور ثقافت قرآن کا دور تھا۔ لوگوں کا ایک دوسرے سے ربط، امانت داری، اخلاق، تعاون ومحبت پر تھا اور وہ عیب جوئی، نقص گیری، چغلی اور تہمتوں سے پاک معاشرہ تھا۔

حضرت عثمان کے خلاف فتنہ نے کیسے جڑ پکڑی: [عثمان بن عفان محمد رضا ص ۔۱۹۷]

عمرو بن عاص وہ شخص ہے جس نے عمر بن خطاب کو یہ مشورہ دیا کہ مصر کو فتح کرنا چاہیے۔حضرت عمر مرحلہ وار مصر میں لشکر بھیجتے رہے یہاں تک کہ عمرو ابن عاص نے مصر فتح کرلیا اور اسے حکومت اسلامی میں ضم کیا گویا مصر کی فتح کا سہرا عمرو ابن عاص کو جاتا ہے۔عمرو ابن عاص کو خلیفہ کی طرف سے ایک خط لکھا گیا کہ تم اہل مصر سے جزیہ لینے میں کوتاہی کرتے ہو، کم لیتے ہو اور دیر کرتے ہو، حضرت عمر اس حوالے سے عمرو بن عاص سے ناراض تھے لیکن عمرو بن عاص یہ منطق استعمال کرتے کہ وہ اہل مصر پر سختی کرنا نہیں چاہتے تھے، وہ جزیہ اتنا بڑھانا نہیں چاہتے تھے جو مصریوں کی برداشت سے باہر ہو کیوں کہ مصریوں کو رومیوں سے بھی جزیہ کے زیادہ ہونے کی شکایات تھیں۔حضرت عمر اسی شکوہ کے ساتھ اس دنیا سے گزر گئے۔عمرو بن عاص وہاں والی رہے۔جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انھوں نے دو سال تک عمرو ابن عاص کو برقرار رکھا، اس کے بعد اسے معزول کرکے اس کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو عثمان کے برادر رضاعی تھے کو والی مصر مقرر کیا۔

ا۔اس معزولی کے سبب عمرو بن عاص خلیفہ سے ناراض ہوئے اور وہ کبھی اندرخانہ اور کبھی علانیہ حضرت عثمان پر تنقید کرنے لگے۔اس سلسلے میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان کے تصرفات پر اعتراض کرنے والوں میں سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس فتنے کا سبب اور اس آگ کو روشن کرنے والے عمرو بن عاص تھے عمرو بن عاص فاتح مصر ہیں، لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ ان کو وہاں سے معزول کرنا حضرت عثمان کی غلطی ہے کیونکہ اس معاملے میں عمرو بن عاص سے ناانصافی ہوئی ہے ،جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کی یہ منطق درست نہیں، فتح شام و ایران و مصر سابقہ سلاطین کی کشور کشائی کی طرح نہیں تھے، اسلام میں مفتوح علاقے فاتحین کی جاگیر نہیں بنتے، وہ صرف اتنا استحقاق رکھتے ہیں کہ وہ اس وقت تک وہاں کے والی رہیں جب تک خیانت کاری کا ارتکاب نہ کریں عمرو بن عاص مصر سے مرکز خلافت کو جزیہ نہیں دیتے تھے، لہٰذا خلیفہ دوم حضرت عمر کی بھی عمرو سے یہی شکایت رہی، عمرو نے حضرت عمر کی اس شکایت پر یہ جواب دیا کہ ہم مصریوں سے جزیہ لینے میں سختی نہیں کرسکتے کیونکہ وہ پہلے بھی رومیوں سے شاکی رہے ہیں، کہ وہ ان سے زیادہ جزیہ لیتے تھے۔خلیفہ کا خیال ہے کہ عمرو نے انہیں صحیح جواب نہیں دے رہے کیونکہ جزیہ و خراج میں کمی بیشی اور بات ہے لیکن بالکل جزیہ نہ دینے میں خیانت کی بو آتی ہے۔تاریخ میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ عمرو نے مصر کے خراج سے طائف میں محلات و باغات خریدے ہیں بہرحال حضرت عمر بن خطاب کے گزرنے کے بعد حضرت عثمان نے عمرو بن عاص کو دو سال تک مصر میں والی کے منصب پر برقرار رکھنے کے بعد معزول کیا تھا۔چنانچہ ان کو معزول کرنا حضرت عثمان کی غلطی شمار نہیں ہوگی۔حضرت عثمان کو یہ حق حاصل تھا وہ عمرو کو معزول کریں۔

حضرت عثمان پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے عمرو بن عاص کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو معین کیا، عبداللہ سرح وہی شخص ہے جو پیغمبرؐ پر ایمان لانے کے بعد آپؐ کی اہانت و جسارت کرنے لگا تھا، وہ کتابت وحی میں تحریف اور تغیر و تبدیلی کرتا تھا، اللہ نے آیت کے ذریعے پیغمبرؐ کو متنبہ کیا، اس راز کے فاش ہونے کے بعد وہ مرتد ہوگیا اور پھر مدینہ سے مکہ فرار ہوگیا۔فتح مکہ کے موقع پر جہاں پیغمبرؐ نے اپنے تمام لشکر کو قتل و خون ریزی کرنے سے منع کیا تھا وہاں کچھ محدود افراد کے لیے یہ حکم بھی دیا تھا کہ وہ جہاں ملیں قتل کردو خواہ خانہ کعبہ کے ساتھ لپٹے ہوں، ان میں ایک عبداللہ بن سرح بھی تھا لیکن وہ چھپ گیا، فتح مکہ اور امن مکہ کے بعد حضرت عثمان نے ان کو چپکے سے نبیؐ کے سامنے لاکر اس کو توبہ کروائی۔پیغمبرؐ نے حضرت عثمان کے اسرار پر عبداللہ بن سرح سے صرف نظر کیا۔جو شخص مغفور نبیؐ ہو، حضرت عثمان کا ان کو اسلام کے ایک اعلیٰ منصب پر فائز کرنے کو ان کی غلطی کہا گیا ہے، البتہ اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ تاریخ میں قلم و بیان سے یہ بات بھی ملتی ہے کہ حضرت عثمان نے اقرباء پروری کی تھی، وہ اپنے اقرباء کو آگے لائے تھے، یہ اعتراض اپنی جگہ درست نہیں ہے کیونکہ خلیفہ نے مملکت اسلامی کا نظام چلانا ہے تو اس میں زیادہ تر ان کی صوابدید کا خیال رکھنا ضروری ہے۔اقرباء میں سے کسی اہل کو کوئی منصب دینے میں کوئی شرعی اشکال نہیں ہے چنانچہ حضرت علی نے بھی اپنے دور خلافت میں اپنے بعض خاص اصحاب، بھائی اور چچازاد کو مناصب پر بیٹھایا ہے لہٰذا اقرباء پروری میں اعتراض والی بات نہیں ہے لیکن چونکہ اساس اسلام حضرت محمدؐ ہیں، اس لیے حضرت محمد کی نظروں میں مغفور انسان کو اتنے اہم منصب و اقتدار پر بٹھانا ایک ایسا عمل ہے جو لوگوں کی نظروں میں قابل بخشش و معافی نہیں ہے۔

اسباب فتنہ جواُن کے قتل پر منتج ہوا: [عثمان شخصیتہ وعصرہ ۔ ڈاکٹر علی محمد صلاتی ۔ص ۔۲۹۳]

امام زہری نے کہا ہے کہ حضرت عثمان بارہ سال خلیفہ رہے لیکن پہلے چھ سال ان پر کسی نے انگلی نہیں اٹھائی ہے، حضرت عثمان لوگوں کے لئے اور خاص کر قریش کے لئے حضرت عمر سے زیادہ پسندیدہ تھے کیونکہ عمر بن خطاب ان پر زیادہ سختی کرتے تھے جبکہ عثمان ان پر نرمی اور وصل رکھتے تھے۔ مؤرخین اسلامی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے خلافت ابوبکر و عمر اور خلافت عثمان کے پہلے چھ سال امن وسکون اور اخوت و برادری سے گزارے۔ یہ فتنہ خلافتِ عثمان کے دوسرے نصف یعنی ۳۰ سے ۳۵ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ فتنہ آخر میں حضرت عثمان کے قتل کا سبب بنا۔

حضرت عثمان کو طعن کا نشانہ محمد بن ابی حذیفہ نے غزوہ صوری کے بعد بنایا۔ کہا ہم اپنے پیچھے جہاد چھوڑ کے آرہے ہیں۔ ان سے پوچھا کون سا جہاد، جواب میں کہا عثمان نے کیا کیا نہیں کیا ہے، تمام لوگوں کا دین خراب کیا ہے۔ اپنے ملک میں آجاؤ، اظہار حق کرو جو یہ لوگ نہیں کررہے۔

محمد حذیفہ کے علاوہ حضرت عثمان کی مخالفت کرنے والوں میں محمد ابن ابی بکر تھے انہوں نے عثمان کے خون کو مباح گردانا، ان کا کہنا تھا کہ عثمان نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو اپنا والی بنایا جس کا پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقعہ پر خون مباح قرار دیا تھا اسکے خلاف آیت نازل ہوئی تھی۔ حضرت عثمان نے ولید بن عقبہ سے وہ رقم واپس نہ لی جو اس نے قرض کے بہانے بیت المال مسلمین سے لی تھی ولید جو کہ عثمان کے رضاعی بھائی تھے انہیں بھی والی بنایا حالانکہ اس کے فاسق ہونے کے ثبوت میں آیت نازل ہوئی تھی، سعد بن ابی وقاص کو معزول کیا۔ سعد ابن ابی وقاص سے سب واقف ہیں کہ وہ حضرت عمر کی اس چھ رکنی کمیٹی کے رکن تھے جو خلیفہ تعین کرنے کے لئے بنائی گئی تھی' جنہوں نے اللہ کی راہ میں خون دیا، ان کو لقب فارس اسلام دیا گیا تھا۔ حضرت عمر ابن خطاب نے انھیں جنگ فارس میں لشکر کا سربراہ بنایا تھا۔ انھوں نے قادسیہ میں فارس کو شکست دی، انہی کو عمر ابن خطاب نے عراق کا والی بنایا۔ فتنہ زور پکڑتا گیا اور بعض اشراف کوفہ نے اور بھی کاری ضرب لگائی اور انہوں نے عثمان کی ہدایت پر کچھ لوگوں کو شام بھیجا۔ معاویہ اور ان کے درمیان کدروت تھی۔ جب وہ واپس آئے تو فتنہ اور پھیلا۔ صحابہ کرام نے ایک دوسرے کو خط لکھے، سب مل کر علی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ بات کریں کیونکہ حضرت علی بھی حضرت عثمان کے غیر ضروری تصرفات اور اپنوں کی جانبداری سے راضی نہ تھے۔

اختلافات کے بارے میں حضرت عثمان اور حضرت علی کے درمیان مزاکرات:

حضرت علی نے حضرت عثمان سے کہا کہ آپ کی قدر و منزلت زیادہ ہے، آپ صحابی رسول بھی ہیں اور داماد رسول بھی ہیں لیکن پیغمبرؐ کی امام ظالم کے بارے میں حدیث ہے لیکن حضرت عثمان کا نظر یہ یہ تھا کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے، میں نے عمر ابن خطاب کی پیروی کی ہے اور اس وقت کسی کی جرأت نہ تھی کہ عمر کی عیب جوئی کرے۔ حضرت علی نے جواب دیا عمر ان لوگوں پر سختی کرتے تھے لیکن معاویہ آپ کے نام پر بہت کچھ کرتا ہے، اس بات نے انھیں نرم کیا۔ علی وعثمان کے مزاکرات ختم ہونے کے بعد عثمان مسجد کے ممبر پر گئے، خطبہ دیا، اس خطبہ میں لوگوں کو مزید ڈرایا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آئے تو اچھا نہیں ہوگا اور اپنے حق میں عذر تراشی کی اور دھمکی دی کہ آپ لوگوں پر سختی کی جائے گی۔ ۳۰ھ کو حضرت عثمان کے ہاتھ سے پیغمبرؐ کی انگوٹھی اریس کے کنویں میں گرگئی جس پر مسلمانوں نے غصہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی مہر ضائع ہوگئی ہے جس کا برا اثر مرتب ہوا۔ کچھ لوگوں نے تاویل کی کہ عثمان سیرت پیغمبرؐ سے ہٹ رہے تھے، اس لئے انگوٹھی غائب ہوگئی۔ بد قسمتی سے اسی سال حضرت ابو ذر جو زہد و تقویٰ کے مالک تھے، معاویہ کے خلاف اٹھے اور کہا فقراء کی بدحالی کو دیکھو اور سورہ توبہ کی آیت کی تلاوت کی۔ جب فقراء نے اغنیاء کے خلاف قیام کیا اور معاویہ سے شکایت کی، معاویہ فتنہ سے ڈر گیا اور حضرت عثمان کو خط لکھا کہ ابو ذر نے کیا کیا ہے۔ عثمان نے ان کو مدینہ طلب کیا اور بعد میں ابو ذر کو مدینہ شہر سے ربذہ بدر کیا اور وہ وہیں مر گئے۔ بعض نے کہا کہ حضرت عثمان نے ان کو شہر بدر کیا کیونکہ وہ معاویہ کے خلاف ابن سودا کو اٹھارہے تھے۔ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا۔ حضرت عثمان کے دور میں مسلمان ہوا، بعد میں اس نے مسلمان ملکوں میں گشت کی اور لوگوں کو گمراہ کیا، یہ حجاز سے شروع ہوا اور بصرہ تک گیا لیکن شام میں کچھ نہ کر سکا۔ وہاں سے مصر میں گیا اور لوگوں کو کہا عیسیٰ واپس نہ آئیں گے بلکہ پیغمبرؐ واپس آئیں گے، انہیں رجعت کی احادیث سنائیں، کہا محمدؐ واپس آئیں گے، کئی لوگوں نے مان لیا، پھر کہا نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور اس نبی کا وصی علی ہے، ان میں سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جس نے وصی رسول کا پاس نہ رکھا اور وصیت رسولؐ پر عمل نہ کیا۔ پھر کہا حضرت عثمان نے بغیر حق کے خلافت کو لیا ہے جب کہ رسولؐ کا وصی موجود ہے۔ اٹھو حرکت میں آؤ اور امراء کے خلاف بولو، امر و نہی کرو، لوگوں کو راغب کرو، اپنے اپنے داعی بھیجو۔ لوگوں نے امر و نہی کرنا شروع کیا اور اپنے دوستوں کو خط لکھنا شروع کیا اور والیوں کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ ہر شہر کے لوگوں

نے دوسرے شہر والوں کو مطلع کیا، اس کے بعد یہ مدینہ آیا اور پروپیگنڈا کیا، یہ شخص ایک سے دوسرے شہر تک لوگوں کو دعوت دیتا رہا، اس کا مقصد فتنہ پیدا کرنا تھا۔

حضرت عثمان کا والیان کے نام ہدایت نامہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ پاک نے محمدؐ کو بشیر و نذیر بنا کے مبلغ کے طور پر بھیجا۔ وہ دنیا سے گزر گئے۔ انہوں نے فرائض و واجبات اور حلال و حرام میں تمیز بتائی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمران کے بعد تھے۔ پھر مجھے شوریٰ میں شامل کیا گیا، مجھے اس کا علم نہیں تھا اور نہ امت میں کوئی ایسا مسئلہ چل رہا تھا کہ اب کون خلیفہ بنے گا، مجھے پتا نہیں تھا پھر اہل شوریٰ عام اہل مدینہ کے محضر میں جمع ہوئے۔ خلافت میں نے نہیں طلب کی اور نہ ہی یہ میری خواہش تھی۔ جو افراد بھی ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں اور اس کی قدرت رکھتے ہیں، وہ آجائیں۔

حضرت عثمان کی اس طلب پر لوگ عثمان سے دفاع کرنے کے لئے شہروں سے آنا شروع ہو گئے۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن ابی سرح ہے جو ۳۵ھ میں پہنچے۔ انہوں نے مصر میں عقبہ بن عامر الجہنی یا سائب بن ہشام عامری کو رکھا لیکن ان کے خلاف محمد ابن ابی حذیفہ بن عتبہ اموی سامنے آئے۔ انہوں نے سائب کو ہٹادیا اور خود حاکم مصر بن گئے لہذا عبداللہ بن سرح واپس گیا تو محمد ابن حذیفہ نے انہیں شہر میں داخل ہونے سے روک دیا، وہ وہاں سے عسقلان چلا گیا اور وہیں قیام کے دوران میں وفات پا گیا، اس نے نہ تو علی کی بیعت کی اور نہ ہی معاویہ کی۔

دار الخلافہ کیوں تماشائی بنا:

دار الخلافۂ اسلامی، جائے ہجرت، رسول اللہﷺ و مسلمین اور اہل حل و عقد کے شہر میں آخری آرام گاہ رسول اللہؐ میں اطراف و اکناف اقطار اسلامی عراق و فارس اور شام و مصر وغیرہ سے تازہ مسلمان جوق در جوق، بغیر کسی روک ٹوک اور پوچھ گچھ کہ اس شہر میں داخل ہوئے، خلیفۂ مسلمین کے گھر کو اپنے محاصرے میں لیا، امہات المومنین کی نصیحت بھی کارآمد نہیں ہوئی، حضرت ام حبیبہ اور حضرت عائشہ ناراض ہو کر مکہ چلی گئیں، امیر المومنین علی کی ثالثی کا کردار بھی کارآمد ثابت نہیں ہوا، خلیفۂ مسلمین کو ان کے گھر والوں کے سامنے بے دریغ قتل کر دیا گیا، یہاں تک کہ اہل مدینہ نے افسوس و واویلا تک نہیں کیا۔ عالم دنیا میں مستضعف و مسکین انسانوں کے نجات دہندہ اور بغیر فریاد "ھل من ناصر ینصرنا" کے فریادرس کی فریاد کو پہنچنے والے انسان کے لیے شہر رسولؐ کے باسیوں یعنی اہل مدینہ میں اتنی جلدی شقاوت و بے رحمی کا آنا قرآن کی اس آیت کا مصداق بنا ہے کہ "ان کے دل پتھر یا شاید اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں"۔ حضرت عثمان جو اِدھر محصور تھے وہ پیکر شرم و حیا تھے، نظام قسط و عدل کیلئے بے قرار تھے اور نبیؐ پر فدا تھے لیکن ان کی فریاد و فغان کو کسی نے نہیں سنا۔ کیا مدینے والوں کا یہ رویہ غلط تھا یا حضرت عثمان اسی کے مستحق نہیں تھے اور وہ اہل مدینہ کی ہمدردی کے لائق و سزاوار نہیں تھے۔ محاصرین کے حصار اور اس پر اہل مدینہ کی خاموشی کے جواز میں اگرچہ بہت کچھ کہا گیا ہے جس کی وجہ سے حضرت عثمان کو اس مصیبت و حادثے کا سامنا کرنا پڑا لیکن ابھی تک محاصرین کے حصار اور اہل مدینہ کے اس سلوک اور اس پر خاموشی کے حامیان کوئی تسلی بخش و مدلل اور عقلی و منطقی جواب نہیں دے سکے۔

مثلاً حضرت عثمان کا مروان اور اس کے باپ حکم جن کو رسولؐ اللہ نے شہر بدر کیا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے بھی ان کو واپس آنے کی اجازت نہیں دی، اس کے باوجود عثمان کا ان کو مدینہ آنے کی اجازت دینے، اور ان کو آج کی اصطلاح کے مطابق صدر یا وزیر اعظم بنانے، اس کے علاوہ عبداللہ بن سعد بن ابی سراح جو نبی کریمؐ کے اعزاز و افتخار کے مقابلے میں کتابت قرآن میں ردوبدل کر کے مرتد ہو گیا تھا اور ولید بن عتبہ جس کے بارے میں آیت قد جاءکم فاسق نازل ہوئی ان کو اعلیٰ اقتدار پر فائز کرنے کیلئے کوئی عقلی و شرعی دلیل موجود نہیں تھی۔ البتہ حضرت عثمان کے خلاف شرع کاموں پر اگر اصحاب و مہاجرین و انصار ان کا محاسبہ کرتے تو شاید اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا مگر کوفہ و بصرہ و مصر والوں کا یہ اختیار نہیں تھا اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری تھی۔

اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اس وقت کے مہاجرین و انصار نے دین اسلام کے اصول و فروع کو کلی طور پر آج کل کے سیکولروں کی طرح رخصت نہیں کیا تھا وہ ہر قیمت پر ملک و ملت کی بربادی و ویرانی کی قیمت پر جمہوریت کو بچانے والے نہیں بننا چاہتے تھے اور نہ ہی وہ لوگ آج کل کے بعض لادینی احزاب کی طرح مجرموں کو بچانا چاہتے تھے ان کی سیاست کا محور یہ نہ تھا کہ مجرم جو بھی ہو اسے بچانا چاہیئے وہ جرام ارتکاب کرنے کے حق میں تھے اور نہ مجرم کو بچانے کے۔

محاصرہ عثمان: [عثمان بن عفان محمد رضا ص ۔۱۰۵]

۳۵ھ میں مصر میں محمد ابی بکر اور محمد ابن ابی حذیفہ دونوں عثمان کے خلاف تحریک چلائے ہوئے تھے اور لوگوں کو ان کے خلاف اُبھار رہے تھے۔ مصریوں میں عبدالرحمٰن بن عدلیس البلوی پانچ سو افراد کے ساتھ نکلے۔ محاصرہ کرنے والوں کے سربراہ مصر سے تعلق رکھتے تھے ان میں کنانہ بن بشر، اللیثی، سودان بن حمران السکونی، قتیرہ بن السکونی ان کے سربراہ تھے۔ ان کے سرپرست اعلیٰ غافقی بن حرب العکی تھے۔ کوفہ سے زید بن صوحان العبد۔ مالک اشتر النخعی، زیاد بن نضر حارثی، عبداللہ بن اصم عامری تھے۔ بصرہ سے حکیم بن جبلہ العبدی، ذریح بن عباد، بشیر ابن شریح القیسی اور ابن محرش تھے، ان کی تعداد بھی مصری لشکر کے برابر تھی ان کے سربراہ قوصی بن زہیر السعدی تھے۔ طبری نے لکھا ہے ابن سودا بھی مصروالوں کے ساتھ نکلے تھے۔ اہل مصر علی کو چاہتے تھے جبکہ اہل بصرہ طلحہ اور اہل کوفہ زبیر کو خلیفہ بنانے کے خواہاں تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ سے تین میل کی منزل پر پہنچے تو بصرہ سے ایک گروہ آیا۔ جس نے ذاخشب کے مقام پر قیام کیا۔ کچھ لوگ کوفہ سے خواص کے مقام پر آئے۔ مصر سے کچھ لوگوں نے ذی مروہ کے مقام پر قیام کیا۔ انہی میں سے کچھ اہل مصر و اہل بصرہ زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم کے ساتھ نکلے تھے۔ انہوں نے کہا جلدی نہ کرو ہم سے آگے نہ نکلو۔ ہم مدینہ میں جاتے ہیں اور وہاں کے حالات دیکھتے ہیں ۔ہمیں خبر ملی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے لئے لشکر کشی کی ہے اور وہ ہم سے مقابلے کے لئے آمادہ ہیں، اگر یہ لوگ ہمیں ڈرانا چاہتے ہیں یا ہم سے جنگ جائز سمجھتے ہیں تو انہیں ہمارے بارے میں آگاہی نہیں۔ اگر وہ جان لیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ ہمارا قتال جائز نہیں اور اگر ہم تک جو باتیں پہنچی ہیں وہ باطل ہیں تو ہم وہاں سے خیر و سلامتی کے ساتھ تمہارے پاس واپس آجائیں گے۔ لوگوں نے کہا ٹھیک ہے تم دونوں جاؤ۔ وہ دونوں شہر میں داخل ہوئے اور ازدواج نبیؐ سے ملے اور علی و زبیر سے بھی ملاقات کی۔ ان دونوں سے کہا ہم اس گھرانے کا احترام کرتے ہیں ہم صرف اس گھرانے کے والی کو نہیں چاہتے ۔ ہماری درخواست صرف اتنی ہے کہ ہم سے بات کریں اس پر سب نے انہیں اس سے روک دیا۔ چنانچہ یہ لوگ واپس ان کے پاس آئے ۔ اہل مصر کے کچھ لوگ علی کے پاس، اہل بصرہ کے کچھ لوگ طلحہ کے پاس اور کوفہ کے لوگ زبیر کے پاس آئے ، ہر ایک نے کہا کہ ہمارے نامزد کردہ کی بیعت کریں اور اسے خلیفہ منتخب کریں ورنہ ہم جنگ کریں گے اور فتنہ برپا کریں گے، مصریوں نے علی کو اٹھایا تو حضرت علی نے ان کو باہر نکالا اور فرمایا صالحین جانتے ہیں کہ ذی مروۃ، ذی حشب اور اعوض ملعون ہیں لہٰذا سب واپس جاؤ۔ جیش ذی مروہ پر مصری اور ذی حشف پر اہل بصرہ اور اعوض پر اہل کوفہ تھے ۔ یہ تینوں مقام مدینے سے قریب تھے اہل بصرہ کا ایک گروہ طلحہ کے پاس آیا۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں کو حضرت عثمان کے پاس بھیجا۔ اور بصرہ والوں کو ان کے گھر تک پہنچایا۔ حضرت عثمان نے انہیں چیخ کر نکال باہر کیا۔ لوگ ذی مروۃ، ذی حشف اور اعوض سے جہاں وہ قیام کر رہے تھے پہنچ گئے تاکہ اہل مدینہ متفرق و منتشر ہو جائیں ۔ جب یہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو اہل مدینہ بھی منتشر ہو گئے ۔

باغی مدینہ چھوڑنے کے بعد دوبارہ واپس آئے تو علی نے فرمایا، تم لوگ یہاں سے جانے کے بعد پھر واپس کیوں آگئے اور اپنی رائے سے کیوں پھر گئے تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک چھٹی رساں کو پکڑا ۔ اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جس میں ہمیں قتل کرنے کا حکم لکھا ہوا تھا۔ ان کے پاس طلحہ آئے تو مصریوں نے بھی اس طریقے سے بات کی اور جب زبیر آئے تو اہل کوفہ نے بھی اس طرح جواب دیا۔ کوفہ اور بصرہ والوں نے کہا کہ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کریں گے اور ہم مل کر ان کی حفاظت کریں گے گویا وہ سب ایک ہی وعدے پر جمع تھے، علی نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا اور بصرہ سے آنے والے کیسے مصروالوں سے جا ملے۔ تم وہاں سے مراحل و منازل طے کر کے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں یہ شخص نہیں چاہیئے ، یہ ہٹ جائے دراں حالانکہ یہ لوگ عثمان کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے لیکن حضرت عثمان انہیں انتہائی حقارت اور ذلت سے دیکھتے تھے، وہ کسی کو بات کرنے اور مسجد میں آنے سے نہیں روکتے تھے۔ علی نے فرمایا تین شہروں سے عثمان کے گھر محاصرہ کرنے والوں کی کل تعداد ۱۵۰۰ سے ۳۰۰۰ تک ہے، یہ اہل مدینہ کے لئے کوئی بڑا لشکر نہ تھا کہ جسے وہ نہ روک سکیں ۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اہل مدینہ کس حد تک حضرت عثمان کا دفاع کرنے کے خواہاں تھے اور کیا وہ دل سے چاہتے تھے کہ ہجوم کو واپس بھیجا جائے ۔ شام سے کوئی لشکر نہیں آیا۔ مدینہ والوں کو پتہ نہیں چلا کہ یہ لوگ پھر واپس آرہے ہیں چنانچہ ایک دفعہ پھر یہ لوگ اچانک نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مدینہ کی گلیوں میں پہنچے اور حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور کہا جس نے اپنے ہاتھ باندھے، وہ امن میں ہے۔ لوگ حضرت عثمان کے گھر کے گرد جمع رہے، اس دوران بھی حضرت عثمان نماز کے لئے مسجد میں جاتے تھے۔ انہوں نے کسی کو بات کرنے سے منع نہیں کیا۔ وہ لوگوں کے سامنے آتے اور ان سے بات کرتے تھے۔

حضرت عثمان کا محاصرہ ہو گیا: [خلیفہ الراشدون ص۔۳۳۴]

فتنہ پرور فتنہ انگیزوں نے دیکھا کہ انہیں دو کاموں میں سے ایک کام کرنا ہے تا کہ انکی جان و مال کا تحفظ یقینی ہو۔

۱۔عثمان خود اپنے آپ خلافت سے معزول ہو جائیں ۔اگر ایسا ہوا تو انکے والی جو مختلف علاقوں میں ہیں، خود بخود معزول ہو جائیں گے۔ نئے خلیفہ کے بننے کے بعد ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہو گی جب کہ یہ لوگ معزولی کے بعد اپنے گھروں میں ہونگے۔

۲۔ان کو قتل کیا جائے تا کہ انکے والیوں سے نجات مل جائے ،اس طرح سب کو ہر قسم کی اذیت سے نجات مل جائے گی۔سب حضرت عثمان کے محاصرہ کرنے کیلئے جمع ہو گئے۔ان کے اس احتجاج کا خلیفہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔انہوں نے سوچا کہ جب حاجی واپس آ جائیں گے اور اسکے علاوہ بھی مختلف گروہ آئیں گے تو بات ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ چنانچہ یہ لوگ اندرون خانہ عثمان کے گھر تک ہجوم لے گئے اور گھر میں بغیر اجازت داخل ہو گئے، انہوں نے روکنے والوں کی بات نہیں سنی۔حضرت عثمان کے گھر میں موجود سارے کے سارے افراد عثمان کی حمایت میں تھے،ان میں مغیرہ بن شریر، حسن ابن علی، عبداللہ بن زبیر، مروان اور ابو ہریرہ بھی موجود تھے۔حملہ آوروں میں سے بعض قتل ہوئے اور بعض زخمی۔اب مظاہرین نے دیکھا کہ محاصرین کو گھر میں داخلہ کی قیمت چکانا پڑی تو انہوں نے بغیر دروازہ کے داخلہ کا مشورہ کیا، چنانچہ وہ ان کے گھر کے ساتھ جڑے ہوئے گھر سے دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے۔یہ گھر عمرا بن ہضم کا تھا۔دیوار پھلانگ کر آنے والوں سے حضرت عثمان نے کہا افسوس ہو تم پر! کبھی بھی میں نے جاہلیت کے دور میں بھی اور اسلام میں بھی عورت کی ہتک حرمت نہیں کی ، میں نے کوئی گانا نہیں گایا۔جس وقت سے میں نے پیغمبرؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، میں اس لباس خلافت کو نہیں اتاروں گا جسے مجھے اللہ نے پہنایا ہے، مجھے اللہ نے عزت دی ہے یہ کہہ کر عثمان وہاں سے نکلے کہ میں نے کسی کا خون بہانے والی بات نہیں کی۔محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان بن عفان کو داڑھی سے پکڑا،حضرت عثمان نے کہا افسوس ہے تجھ پر، تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے۔آیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔

[عثمان بن عفان محمد رضا]حضرت علی اور حضرت عثمان کے درمیان مصریوں کے مطالبات کے حوالے سے مزاکرات ناکام ہونے کے بعد حضرت عثمان نے اپنے خطبہ میں جو سختی کرنے کی دھمکیاں دیں ان سے حالات مزید خراب ہوئے جب حالات قابو سے باہر ہونے لگے تو حضرت عثمان خود حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے انھیں اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیا اور کہا میرا آپ پر حق ہے میرے پاس آپ کا بہت مقام ہے آپ میری رشتہ داری کی خاطر ایک بار پھر مصریوں سے بات کریں انھیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکیں، وہ آپ کی بات سنتے ہیں ان کی نظر میں آپ کا بہت مقام ہے۔حضرت علی نے کہا میں پہلے کافی کوشش کر چکا ہوں اب اُن کو کس دلیل سے روکوں میں نے آپ کو بہت مشورے دیئے آپ میری بات نہیں سنتے آپ اپنے مشیروں کی بات پر ہی عمل کرتے ہیں۔حضرت عثمان نے کہا اس بار ایسا نہیں ہو گا آپ کی بات سنوں گا اور اپنے مشیروں کی مخالفت کروں گا۔حضرت علی انصار و مہاجرین میں سے ۱۱۵ افراد کو لے کر نکلے،مصریوں سے بات کی وہ واپس مصر جانے پر راضی ہو گئے، حضرت علی نے واپس آ کر حضرت عثمان کو حالات سے آگاہ کیا حضرت عثمان اپنے والی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام خط لکھا اور اسے تنبیہ کی کہ وہ عوام کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئے اور اُن کی شکایات دور کریں۔مصریوں کا نمائندہ یہ خط لے کر مصر روانہ ہو گیا۔مروان نے حضرت عثمان سے کہا ممبر پر جا کر اس کا اعلان کریں کہ جو باتیں پھیلائیں گئیں تھیں جھوٹ تھیں افوائیں تھیں جب یہ اعلان حضرت عثمان نے کیا تو عمرو بن عاص نے حضرت عثمان سے کہا اللہ سے ڈرو تو بہ کرو کہ تم نے غلطی کی ہے، حضرت عثمان نے قبلے کی طرف رخ کر کے کہا اے اللہ میں معافی چاہتا ہوں اپنے ہر گناہ سے یہ دیکھ کر تمام حاضرین رونے لگے،لوگ خوش ہو گئے کہ حالات بہتر ہو گئے ہیں۔جب حضرت عثمان گھر گئے تو مروان نے ڈانٹا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو بہ کیوں کی۔ادھر مصر میں حضرت عثمان کے والی سرح نے مصریوں کے نمائندہ کو جو حضرت عثمان کا خط لے کر گیا تھا مارا پیٹا کہ خلیفہ سے اُس کی شکایت کیوں کی مصری واپس آئے اور والی مصر کی حضرت علی سے شکایت کی تو حضرت علی نے اس بارے میں حضرت عثمان کو آگاہ کیا، حضرت عثمان نے کہا آپ بتادیں آپ اب کیا تجویز کرتے ہیں اصحاب نے مشورہ دیا کہ والی مصر ابی سرح کو معزول کیا جائے اور اُس کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی مصر بنا دیا جائے حضرت عثمان نے اپنے والی مصر کے نام معزولی کا خط لکھا جس میں محمد بن ابی بکر کو نیا والی مصر مقرر کیا ،یہ خط لے کر محمد بن ابی بکر مصریوں کے ساتھ مصر روانہ ہو گئے۔

محمد ابن ابی بکر نے مصر جاتے وقت مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک سیاہ غلام کو دیکھا جو ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار تیزی سے جا رہا تھا، انہوں نے اسے

روک کر پوچھا تم کون ہو تو اس نے کہا میں غلام امیر المومنین ہوں، انہوں نے مجھے مصر بھیجا ہے، پوچھا تمہارے پاس کیا ہے تو اس نے کہا کچھ نہیں۔ محمد نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی خط ہے تو اس نے کہا نہیں تو انہوں نے تفتیش کی تو اس کے پاس سے خط نکلا، جب انہوں نے خط کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ جب یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو محمد اور فلاں فلاں کو قتل کرو اور خط کو مٹا دو اور اپنے عہدے پر باقی رہو یہاں تک کہ میری ہدایت آجائے۔ محمد بن ابی بکر یہ خط اور اس غلام کو بھی لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آئے اور علی کو ساتھ لے کر عثمان کے پاس گئے، حضرت علی نے کہا یہ آپ کا غلام ہے تو حضرت عثمان نے جواب دیا ہاں، علی نے سوال کیا یہ اونٹ آپ کا ہے کہا ہاں پھر ان سے کہا یہ خط آپ نے لکھا ہے تو کہا نہیں، نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، حضرت نے پوچھا یہ مہر آپ کی ہے عثمان نے جواب دیا جی، علی نے کہا آپ کا غلام، آپ کے اونٹ اور آپ کی مہر کے ساتھ نکلا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کا علم نہ ہو تو عثمان نے قسم کھائی، نہ میں نے خط لکھا ہے اور نہ ہی میں نے یہ حکم دیا اور نہ ہی میں نے اس کو وہاں بھیجا تھا۔ معلوم ہوا کہ خط مروان کی طرف سے لکھا گیا تھا، انہوں نے عثمان سے کہا مروان کو ہمارے حوالے کرو تو عثمان ڈر گئے کہ کہیں مروان کو قتل نہ کریں کیونکہ وہ انہی کے پاس بیٹھے تھے، وہ جانتے تھے عثمان جھوٹی قسم نہیں کھاتے، لوگوں نے کہا جب تک مروان کو ہمارے سپرد نہیں کریں گے، ہم نہیں جائیں گے تو یہاں سے انہوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا اور ان پر پانی تک بند کر دیا۔

ابوامامہ باھلی کہتے ہیں ہم عثمان کے ساتھ تھے، انہیں گھر پر محصور کیا گیا، انہوں نے کہا مجھے کس بات پر قتل کرتے ہو پیغمبرؐ نے فرمایا کسی کا خون نہیں بہانا مگر تین چیزوں کی وجہ سے، وہ مرتد ہو جائے، گناہ کبیرہ کرے یا کسی کو قتل کرے، میں نے اپنے دین کو بدلا نہیں اور میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا، مجھے کس جرم میں مارتے ہو، جب پیاس سے مرنے کو پہنچے تو انہوں نے آواز دی کہ تمہارے درمیان علی ہیں تو انہوں نے کہا نہیں، کہا سعد ہے کہا نہیں، آیا تمہارے درمیان کوئی ہے جو علی کی طرف میرا پیغام لے جائے اور مجھے پانی دے دے، جب یہ خبر علی تک پہنچی تو علی نے پانی سے بھری ہوئی تین مشکیں عثمان کی طرف بھیجیں، بنی ہاشم اور بنی امیہ کے جوان پانی پہنچاتے ہوئے زخمی ہوئے، جب علی کو خبر ملی کہ عثمان محصور ہیں اور لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو علی عمامۂ رسولؐ پہن کر، تلوار لے کر امام حسن اور عبداللہ بن عمر اور بعض صحابہ انصار کو لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے، علی نے ان کو سلام کیا اور تین مشورے دیئے، پہلا یہ کہ آپ باہر نکل کر ان سے جنگ کریں، میں آپ کا ساتھ دوں گا، آپ حق پر ہیں، یہ لوگ باطل پر ہیں یا آپ گھر کے پچھلے دروازے سے نکل آئیں ہم آپ کو مکہ پہنچائیں گے مکہ میں ان لوگوں کی جرات نہیں ہوگی کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا سکیں یا آپ شام جائیں کیونکہ شام کے لوگ آپ کے حامی ہیں، وہاں معاویہ ہے تو عثمان نے کہا میں مکہ نہیں جاؤں گا، میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے مکہ میں ایک آدمی ملحد ہوگا، اس پر نصف عالم کا عذاب ہوگا، میں وہ انسان نہیں بنوں گا، شام بھی نہیں جاؤں گا، دار ہجرت اور رسولؐ کے جوار کو چھوڑ کر وہاں نہیں جاؤں گا تو علی نے کہا پھر ہمیں اجازت دیں ہم ان سے جنگ کریں اور لوگوں کو ہٹائیں تو عثمان نے کہا میں امت محمدؐ سے جنگ کی اجازت نہیں دیتا، اس پر علی وہاں سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے چلے گئے۔ اور امام حسن اور امام حسین سے کہا تلوار لے کر دروازے پر رہیں، کسی کو اندر جانے نہ دیں، اسی طرح زبیر اور طلحہ نے بھی اپنے بیٹوں کو ان کا خیال رکھنے کے لئے کہا، یہاں حضرت عثمان کی منطق درست تھی۔ باغیوں نے کہا مروان کو باہر نکالیں۔

قاتلین و ضاربین حضرت عثمان: [تاریخ اسلامی تالیف محمود شاکر جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۴۹]

حضرت عثمان کو محاصرے میں لینے والوں کو جب یہ خبر ملی کہ حضرت عثمان کو بچانے والے جلد ان کے حامی مدینہ آرہے ہیں تو محاصرہ کرنے والوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ حضرت عثمان کے حامی مدینہ میں باہر سے آجائیں اور حالات ان کے قابو سے باہر ہو جائیں، انھوں نے حضرت عثمان کے گھر پر حملہ کیا اُس وقت حضرت عثمان کی حفاظت کیلئے اُن کے گھر میں حسن بن علی، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن طلحہ، مروان بن حکم اور سعید ابن عاص وغیرہ موجود تھے۔ لوگوں نے تیر مارنے شروع کئے، ان میں سے ایک تیر امام حسن کو لگا، محمد بن ابو بکر ڈر گئے کہ کہیں بنی ہاشم مخالف نہ ہو جائیں اور عثمان سے دفاع نہ کریں تو اہل مصر کے آدمیوں کو پکڑا اور ہمسائے کے گھر گئے اور دیوار توڑ کر عثمان کے گھر میں داخل ہو گئے دروازے کو آگ لگائی ہاں صرف عثمان اور ان کی بیوی تھیں، عثمان قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت عثمان نے فرزندان اصحاب سے کہا کہ اسلحہ پھینک دو ان سے مقابلہ نہ کرو، جب سب نے اسلحہ پھینک دیا تو سب سے پہلے غافقی بن حرب العکی نے خلیفہ پر ضربت ماری اس کے بعد قتیرہ بن الکونی نے نائلہ پر حملہ کیا ان کی انگلی کاٹی، اس کے بعد خلیفہ پر سودان بن حمران السکونی نے حملہ کیا پھر عمر ابن حمق خلیفہ کے سینے پر

بیٹھا اور ان کو مارا پھر عمر ابن صابی ان کے پیٹ پر بیٹھا اور ان کی پسلی کو توڑا پھر حضرت عثمان کے غلام کو مارا گھر میں موجود سامان کو قبضے میں لیا اس طرح ۱۸ ذا الحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان ۱۲ سال ۱۲ دن خلافت پر رہنے کے بعد باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ ان کی بیوی نے چیخ و پکار کی اور چھت پر جا کر اعلان کیا کہ امیر المومنین قتل ہو گئے ہیں، جب لوگ اندر داخل ہوئے تو وہ اپنے خون میں قرآن کے ساتھ ڈوب گئے تھے۔ جب یہ خبر علی اور طلحہ و زبیر اور سعد کو ملی تو وہ حیران و سرگرداں اور پریشان ہوئے اور عثمان کے پاس گئے اور دیکھا وہ قتل ہو چکے ہیں، انہوں نے انا للہ پڑھا، حسنین سے کہا کیسے قتل ہوئے جبکہ تم دونوں دروازے پر تھے، حضرت نے حسنین کو ملامت کی کہ تم دونوں کے ہوتے ہوئے عثمان قتل ہوئے۔

محمد بن ابی بکر اور اصحاب سب غصے میں باہر نکلے، لوگ جمع ہوئے اور حضرت علی سے کہا ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی امیر ہونا چاہیے۔ علی نے کہا مجھے گوارا نہیں کہ ان لوگوں سے بیعت لوں جنہوں نے عثمان کو قتل کیا، میں اللہ سے شرم کھاتا ہوں کہ بیعت لے لوں جبکہ عثمان ابھی دفن بھی نہیں ہوئے، لوگ منتشر ہوئے، حضرت نے کہا بیعت کا حق صرف اہل بدر کیلئے ہے، اہل بدر جس کی بیعت کریں، وہی خلیفہ بنے گا، اس کے بعد لوگ جمع ہوئے اور کہا آپ سے بہتر خلافت کے لیے کوئی نہیں، حضرت کا ہاتھ کھینچ کر آپ کی بیعت کی پھر مروان اور اس کا بیٹا علی کے پاس آئے اور عثمان کی بیوی سے پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا تو کہا محمد بن ابی بکر کے ساتھ دو آدمی آئے تھے محمد ابن ابی بکر کو بلا کر پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ سچ کہتی ہیں، میں گیا تھا لیکن انہوں نے مجھے اپنے باپ کی یاد دلائی تو میں نے اللہ سے توبہ کی اور میں نے انہیں قتل نہیں کیا، اس پر نائلہ نے کہا وہ سچ بولتا ہے، انہوں نے ان دو آدمیوں کو اندر داخل کیا تھا۔ عثمان ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن قتل ہوئے انہیں مغرب اور عشاء کے درمیان بقیع قبرستان میں دفنایا گیا، اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی، انھوں نے ۱۲ سال خلافت کی، ان کی نماز جنازہ زبیر نے پڑھائی۔

حضرت عثمان کے خلاف فتنہ پروران وفتنہ گراں: [کتاب عثمان بن عفان عشرہ مبشرون ص ۱۱۱]

خلیفہ مسلمین کے خلاف کس نے فتنہ پروری کا بیج بویا اور کس کس نے اس کی آبیاری کی۔ اس فتنے کا بیج بونے والے، اس کی پرورش کرنے والے اور اس کو اٹھانے والے سب اغراض سوء، عزائم سوء اور مقاصد سوء رکھنے والے تھے، یہ اسلام سے متصادم دین و ملت رکھنے والوں کی اسلام و مسلمین کے ساتھ ایک جنگ تھی۔ انہیں وعظ و نصیحت سے سمجھایا گیا لیکن وہ اپنے بُرے عزائم سے باز نہ آئے۔ بعض مقررین و مورخین اس فتنے کا بیج بونے کا ذمہ دار عبداللہ بن سبا صنعانی کو گردانتے ہیں، وہ کہتے ہیں یہ شخص یہودی تھا، اس نے بصرہ و کوفہ اور مصر میں جا کر لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف اٹھایا جبکہ بعض محقق نما افراد کا اصرار ہے کہ عبداللہ بن سبا نامی کوئی شخص نہیں ہے لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جن عقائد کو عبداللہ بن سباء نے ترویج دی ہے، وہ عقائد آج بعض مدعیان و دوستداران علی کے پاس ہیں یا نہیں، کیا وہ عقیدہ غیبت امام یا عقیدہ رجعت رکھتے ہیں یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس فتنے کے ذمہ دار خود حضرت عثمان ہیں۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ یہ تن تنہا ایک شخص کا کام ہے کیونکہ کبھی بھی اتنا بڑا اور اتنا خطرناک فتنہ ایک سبب سے وجود میں نہیں آتا ہے بلکہ اس میں بہت سے اسباب و عوامل کا دخل ہوتا ہے۔ اس فتنے کا بیج بونے والے سارے منافقین، یہودی، صلیبی و مجوسی ہیں۔ یہ اسلام و مسلمین کے خلاف ایک متحدہ محاذ کا کام ہے جس میں کسی ایک خطے کے لوگ شامل نہیں تھے۔ منافقین نے اپنی تیس سالہ عمر میں جب مسلمانوں کی مسلسل فتح و کامیابی اور توسیع دیکھی تو پہلے مرحلے میں انہوں نے سیاسی میدان میں اسلام کی شان میں غلو کا آغاز کیا وہاں سے ضدا سلام اور ضد خلفاء اور اسلام کے نزدیک مکرم و محترم شخصیات کے خلاف جنگ شروع ہوئی۔ حضرت عثمان کے خلاف اٹھنے والے گروہوں کا چند گروہوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ ان میں سر فہرست وہ افراد ہیں جو دین میں غلو پھیلاتے ہیں، انہوں نے بہت جرم و جنایت کا ارتکاب کیا ہے۔

۲۔ وہ افراد ہیں جو عصبیت کے راستے پر گامزن ہوئے، ان میں بعض شیوخ بزرگان ہیں جنہوں نے قریش کی حمایت پر آنکھ بند کی ہوئی تھی۔ وہ اسلام کے حامل اولین مسلمانوں کے ساتھ حسد برتتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان کے مقابلے میں دیگران کو بھی مقام و منصب ملنا چاہیے۔

۳۔ بعض وہ افراد ہیں جنکے بڑے جرم و جنایت کیوجہ سے ان پر حدود شرعی لاگو ہوئیں۔ ان حدود شرعی کی وجہ سے ان کے اندر جذبات انتقام ابھرے اور ان کے دل کینہ وحسد سے لبریز ہو گئے۔

۴۔بعض احمق، سادہ وجاہل و نافہم افراد ہیں جنہیں غالیوں نے اپنے لئے استعمال کیا ہے اور انہیں فتنہ و فساد اور گمراہ عقائد پر تربیت دی ہے ان پر شرعی تعزیرات وعقاب گراں گزرے ہیں۔

۵۔بعض افراد ہیں جو اقتدار پرست و ریاست پرست تھے، وہ خود کو جلدی اقتدار پر لانا چاہتے تھے لہٰذا وہ اپنی فتنہ پروری سے اقتدار کے راستہ میں حائل صاحبان لیاقت و قابلیت کے حامل افراد کو داغدار بنا کے راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔بعض کو پکڑا گیا اور انہیں وعظ و نصیحت کرنے کے بعد اور ان سے توبہ کرانے کے بعد انہیں حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا گیا، وہاں بھی انہوں نے توبہ کی اور پھر وہ منتشر ہوئے تو انہوں نے فتنے کا بیج بویا اور لشکر تشکیل دیا۔آخر میں یہ لوگ حضرت عثمان کے گھر پر آ گئے تو حضرت عثمان نے اپنے گھر کی دیوار سے ان سے خطاب کیا۔انہیں اللہ کی یاد دلائی اور اپنا خون بہانے سے منع کیا۔علی اور طلحہ نے بھی انہیں خون عثمان میں ہاتھ رنگنے سے منع کیا لیکن انہوں نے یہاں آ کر حضرت عثمان سے یہ کہا کہ طلحہ و زبیر اور علی نے انہیں ان کے خلاف قیام کی دعوت دی کہ عثمان نے سنت الٰہی کو تغیر دیا ہے۔لہٰذا تم لوگ یہاں آ کے اس سنت کو تبدیل کرنے والے کو بھی تبدیل کرو اور جب ہم یہاں پہنچے تو یہ حضرات اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے جبکہ یہ تو سراسر جھوٹ تھا۔شاید یہ جھوٹ قتل حضرت عثمان کے بعد میں گھڑا گیا ہو۔

باغیوں نے حضرت عثمان پر یہ الزامات لگائے:

۱۔انہوں نے عمار یاسر کے پیٹ کو اندر سے یعنی معدے تک زخمی کیا ہے۔

۲۔ابن مسعود کی پسلی توڑی ہے۔

۳۔انہوں نے جمع قرآن اور ترتیب قرآن کی بدعت اپنائی ہے اور بہت سے مصاحف (قرآن) کو جلایا ہے۔

۴۔مدینے کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے۔

۵۔ابوذر کو شہر بدر کیا ہے۔

۶۔شام سے ابو دردا کو نکالا ہے۔

۷۔حکم کو جسے پیغمبر اسلامؐ نے شہر بدر کیا تھا، واپس لائے ہیں۔

۸۔سفر حج میں نماز قصر کو ختم کیا ہے۔

۹۔معاویہ کو والی بنایا ہے۔

۱۰۔عبداللہ بن عامر کو قریز کا والی بنایا ہے۔

۱۱۔ولید بن عقبہ کو والی بنایا ہے حالانکہ وہ فاسق تھا اس سلسلے میں آیت موجود ہے۔

۱۲۔مروان کو اپنا مشیر اور متصرف امور بنایا ہے۔

۱۳۔افریقہ کا پورا خمس مروان کو دیا ہے۔

۱۴۔حضرت عمر تعزیر کے لئے چمڑے کی رسی سے کوڑے مارتے تھے۔اس کے مقابلے میں انہوں نے عصا مارا ہے۔

۱۵۔یہ غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے۔

۱۶۔جنگ احد میں یہ فرار ہو گئے۔

۱۷۔عبیداللہ بن عمر سے ہرمزان کے قتل پر قصاص نہیں لیا۔ہرمزان وہ تھا جس نے ابولولو کو چھری دی تھی۔

۱۸۔اپنے غلام کو ایک خط دیا جس میں عبداللہ بن ابی سرح کو محمد بن ابی بکر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔

مدینۂ رسول بلاامام وراعی رہ گیا: [شرح نہج البلاغ ابن ابی الحدید ج۲ص ۱۲۶]

۱۔قتلِ عثمان یا محاصرۂ عثمان تاریخِ خلافت میں ایک اہم آفت و امتحان اور آزمائش تھی، اس دور میں بعض لوگ فتنہ و آشوب کی آگ بھڑکانے والے تھے جنہیں انقلابی یا

ناقمین کہا جاتا ہے۔

۲۔بعض دور اندیش مصلحت تراش افراد نے اپنے آپ کو اس مصیبت کی گھڑی میں خود کو بچانا اور غیر جانب دار رکھنا بہتر سمجھا اور منظر سے غائب و ناپید ہو گئے۔وہ اس مصیبت میں کسی قسم کا مثبت و منفی کردار نہیں رکھتے تھے۔

۳۔بہت سے ایسے حادثات اور حالات حضرت عثمان اور ان کے والیوں اور ان کے حامیوں نے پیدا کئے تھے جس کی بنیاد پر اہل اسلام یا مفاد پرستوں نے اسے بہانہ ووسیلہ بنا کر عثمان کے خلاف بغاوت کی۔

۴۔ایک وہ گروہ ہے جو مدینہ کے حالات پر حاضر و ناظر رہا،وہ اس آگ کو بجھانے، فتنے کو کم کرنے اور کسی حل کی تلاش میں اپنی کاوش مبذول رکھے ہوئے تھے،وہ حضرت علی اور آپ کے حامی افراد تھے،یہ تاریخ میں ثابت ہے کہ عثمان کی جان کو بچانے کے لیے حضرات حسنین محمد بن حنفیہ اور دیگر بعض جوانان بنی ہاشم یا علی کے شیدا عثمان کی جان کی حفاظت کررہے تھے،وہ ان کی ضروریاتِ آب و نوش ان تک پہنچانے میں مصروف تھے اور اس سلسلے میں خود امیر المومنین چندین بار انقلابیوں اور خلیفہ کے درمیان سفارتی و مصالحتی کردار ادا کرتے رہے،اس کے باوجود انجام وہی ہوا جو انقلابی چاہتے تھے،یہاں اس حادثے نے علی کو دو تحفے دیئے،ایک زعامت وریاست اسلامیہ دوسرا تہمت والزام،مخالفت،مخاصمت اور دشمنی خاندان بنی امیہ یا بطور عموم ارباب زر پرست اور اقتدار پرستوں کی طرف سے علی کو بے جا قتل عثمان میں شریک ہونے کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تو اس سلسلے میں علی نے یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔"اللہ کی قسم!انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف برتا۔وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود ہی انہوں نے چھوڑ دیا اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں،جسے انہوں نے خود بہایا ہے اب اگر اس میں میں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں،ان کا بھی حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں تو پھر اُس کی سزا انہی کو بھگتنا چاہیئے جو سب سے بڑی دلیل وہ میرے خلاف پیش کریں گے وہ انہی کے خلاف پڑے گی۔"[خطبہ۲۲]۔

قتل عثمان کے بعد کی صورت حال:-[تاریخ اسلامی تالیف محمود شاکر ص۲۵۱]

حضرت عثمان کے قتل کے بعد مدینہ بغیر حاکم رہ گیا،انقلابیوں کے ٹولے مدینہ پر مسلط ہوئے،ان کا سربراہ غافقی بن حرب تھا جو باغیوں کی سرپرستی کرتا تھا دوسری طرف اہل مدینہ جو کہ اصحاب رسولؐ،تابعینِ اصحاب اور اولادِ اصحاب تھے،وہ عاجز و ناتواں دست بستہ نظارہ کرتے رہے یہاں تک کہ پانچ دن گزر گئے،نئے خلیفہ کا انتخاب ضروری اور ناگزیر تھا تاکہ حالات دوبارہ اپنی عادی روش پر آجائیں اور باہر سے آنے والے لوگ واپس اپنے گھروں میں جائیں،نئے خلیفہ کا انتخاب جلد از جلد ہونے کی ضرورت پر دونوں انقلابی اور اہل مدینہ متفق تھے۔انقلابی ڈر رہے تھے کہ کہیں باہر سے کوئی نہ آجائے یا اہل مدینہ طیش میں آکر انہیں دبوچ نہ لیں لیکن یہ کون کرے،یہ ذمہ داری مہاجرین و انصار کی تھی کہ وہ خلیفہ کا بندوبست کرتے کیونکہ باغیوں کا خیال تھا کہ خلیفۂ سابق کے قتل کے بعد ان کی ذمہ داریاں ختم ہوگئی ہیں لیکن وہ لوگ نئے خلیفہ پر متفق نہ تھے کہ کس کو خلیفہ بنائیں،وہ لوگ آپس میں اختلاف فکری و نظری کا شکار تھے مصر سے آنے والوں کی خواہش تھی کہ علی کو خلیفہ بنائیں لیکن علی ان کی ساتھ ان کی امنگوں میں ہاں نہیں ملاتے تھے،ان سے اتفاق نہیں کرتے تھے بصرہ سے آنے والوں کی خواہش تھی کہ وہ طلحہ بن عبید اللہ کو خلیفہ بنائیں لیکن وہ ان کو نہیں مل رہے تھے،وہ شہر سے غائب تھے کوفہ والوں کی خواہش تھی کہ زبیر کو بنائیں،وہ بھی چھپ گئے تھے وہ اس خلافت کی لالچ اور امید میں نہیں تھے۔اہل کوفہ اور بصرہ والے دونوں مجبور ہو گئے کہ مصریوں کے تابع ہو جائیں کیونکہ وہ اپنے چاہنے والوں کو شہر میں موجود نہ پاتے تھے۔اہل مصر کا سربراہ اس وقت امیر مدینہ بنا ہوا تھا،بہت سخت حالات گزر رہے تھے۔مدینہ کے اصحاب و انصار کی کسی بھی صورت میں ان انقلابیوں کے ساتھ نہیں بنتی تھی تو انہوں نے سعد ابن وقاص سے خواہش کی کہ وہ خلیفہ بنیں کیونکہ وہ بھی اہل شوریٰ کے افراد میں سے ایک فرد تھے لیکن انہوں نے بھی اس پیشکش کو مسترد کیا۔اس کے بعد لوگ عبد اللہ بن عمر سے متوسل ہوئے تو انہوں نے بھی خلافت کو رد کیا۔یہاں سے منحرفین پریشان ہو گئے،وہ ڈر گئے کہ ایک خلیفہ کو تو قتل کر دیا اور دوسرے کسی کو وہ خلیفہ نہیں بنا سکے۔اہل مدینہ بھی پریشان ہو گئے کہ ان کے شہر میں باہر سے آنے والوں کا قبضہ ہے،وہ سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور وہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ان کا کہنا تھا کہ کوئی بھی خلیفہ بنے،بس ان کو ان حالات سے نکال دے،اُن کو اس مصیبت سے نجات دلائے اور حالات اپنی پہلی صورت پر واپس آجائیں،انہوں نے دیکھا کہ اب بس ایک ہی چارہ ہے کہ علی کو خلیفہ بنائیں کیونکہ وہ بھی شوریٰ میں سے ایک ہیں،وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں،تاریخ اسلام جہاد و دعوت میں سرفہرست ہیں،ان کی مثال

نہیں ملتی تمام شرائطِ صلاحیتِ خلافت ان میں موجود ہیں، چنانچہ یہ لوگ علی کے پاس گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ خلافت کو قبول کریں، علی نے رد کیا، حضرت نے کہا مجھے تمہاری خلافت کی کوئی خواہش نہیں، میں تمہارا وزیر بن کر رہوں گا، یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا امیر بنوں، میں تمہارے ساتھ ہوں، تم جس کو امیر منتخب کرو گے، میں اس سے راضی ہو جاؤں گا، حالات جب ایسے ہو گئے تو منحرفین ڈر گئے کہ دیگر شہروں سے لوگ یہاں آ جائیں گے اور خلافت سنبھال لیں گے اور خلیفہ کے قاتلین کو پکڑ کر ان پر حد جاری کریں گے، اس لئے وہ تمام تر کوشش کر رہے تھے کہ وہ نئے خلیفہ کی بیعت کر کے یہاں سے جلد رخصت ہو جائیں کیونکہ وہ خود خلیفہ نہیں بن سکتے تھے، یہ حق مہاجرین و انصار کا تھا، انہی میں سے کسی کو انتخاب کرنا ان کے فائدہ میں تھا کیونکہ یہاں کا خلیفہ ان سے منحرفین کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اگر باہر سے لوگ آ گئے تو وہ اُن سے لڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ مدینہ والے باہر سے آنے والوں کا ساتھ دیں گے اور ہم سے جنگ لڑیں گے اور پھر ہم پھنس جائیں گے اور پھر انصار و مہاجرین اپنی پسند سے کسی کو خلیفہ منتخب کریں گے۔لہٰذا اس وقت مدینہ انتہائی حرج و مرج، بے سرو سامانی، نا سمجھی کے حالات سے گزر رہا تھا تو انہوں نے اہل مدینہ کو تہدید کی کہ وہ آئیں، اگر اہل شوریٰ اور بزرگ صحابیوں میں سے کوئی بھی خلافت کو قبول نہ کرے تو ان سب کو قتل کر دیں۔انہوں نے اہل مدینہ سے کہا کہ اے اہل مدینہ، ہم تمہیں دو دن کی مہلت دیتے ہیں، اگر تم دو دن میں خلیفہ نہیں بناؤ گے تو ہم علی، زبیر اور بہت سوں کو قتل کریں گے تو اس صورت حال سے نجات حاصل کرنے کے لیے اصحاب نے علی پر دباؤ ڈالا، ان سے کہا آپ جانتے ہیں کہ اس وقت ہمارے سر پر کیا پڑی ہوئی ہے، اسلام و مسلمین خطرے میں ہیں علی نے فرمایا مجھے چھوڑو کسی اور کو پکڑو، مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو۔منحرفین چلے گئے اور انہوں نے کہا کہ پھر دوسرے دن آئیں گے، دوسرے دن وہ طلحہ اور زبیر کو لے کر آئے۔یہاں علی کے لیے یہ مسئلہ دو حال سے خالی نہیں تھا یا تو وہ بالکل اکڑے رہتے اور خلافت قبول کرنے سے انکار پر اصرار کرتے یہاں تک کہ سرکش منحرفین کو مدینے میں قیام کرنے کا جواز فراہم ہوتا کہ وہ مدینے میں جو کچھ کریں، اب وہ اس کے لیے آزاد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یوں ہر دن پہلے سے زیادہ بری صورت اختیار کرتا اور یہی لوگ سرزمین مدینہ میں بدترین فساد برپا کرتے ہوئے قتل عام کرتے کیونکہ جو شخص اپنے امام کو قتل کرنے کی جرأت و جسارت کر سکتا ہو، وہ زیادہ جری و قصی ہو جاتا ہے اور وہ عام لوگوں کو قتل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا چنانچہ انہوں نے خود اعلان کیا تھا کہ علی یا کسی اور کی طرف سے خلافت قبول نہ کرنے کی صورت میں وہ سب کو قتل کریں گے، یہ بُرے حالات سب علی کے سامنے تھے، ان تمام حالات کے تناظر میں ایک ضدی انسان کی طرح یا غیر منطقی یا چہ میگوئیوں اور احتمالات پر خلافت کو مسترد کرنے کا کوئی شرعی و عقلی جواز علی کے پاس نہیں بنتا تھا دوسرا موقف علی کے لئے یہ تھا کہ وہ خلافت کو قبول کرتے اور مسلمانوں کو اس قتل و غارت گری، حرج و مرج اور فتنہ و فساد سے نجات دلاتے اور لوگوں میں دوبارہ اعتماد و اطمینان بحال کرتے اور انقلابیوں کو شہر مدینہ سے نکال دیتے، امن و امان بحال کرتے اور خلافت کو اپنی نئی شکل و صورت جو اللہ اور رسولؐ چاہتے تھے، وہ دیتے لیکن علی یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بھی ان کے لیے اتنا آسان نہیں، یہ بھی ایک بڑی مشقت اور فتنہ و فساد کا مرحلہ ہے کیونکہ خلیفہ ان لوگوں سے انتقام نہیں لے سکتے ہیں اور اس کے لیے کچھ عرصہ گزارنے کی ضرورت ہے، علی جانتے تھے کہ اگر میں خلافت کو قبول کروں تو وہیں سے میری مخالفت شروع ہو جائے گی اور اگر خلافت قبول نہ کروں تو فتنہ و فساد کھڑا ہو جائیگا۔

یہاں قارئین سے چند سوالات ہیں:

۱۔اہل مصر نے کیوں علی کو پسند کیا تھا جبکہ علی وہاں نہیں گئے تھے بلکہ وہاں علی کا مخالف شخص عمرو بن عاص مطلق العنان والی تھا پھر انہوں نے کیوں علی کو پسند کیا، اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی علی کی تعریف کرتا تھا۔

۲۔اہل بصرہ نے کیوں طلحہ بن عبیداللہ کو منتخب کیا تھا، وہ قریشی تھے، وہ مکی تھے، وہ فاتح بصرہ نہیں تھے اس لئے انتخاب کیا تھا کہ طلحہ نے وہاں جائیداد بنائی تھی اور زبیر نے کوفہ میں جائیداد بنائی تھی۔

۳۔طلحہ اور زبیر کیوں چھپ گئے تھے جبکہ ان کے چاہنے والوں کے ہاتھ میں سب کچھ تھا، اس لئے غائب ہو گئے تھے کہ علی کا انتخاب ہو جائے تو ان کی مخالفت کے لئے جواز بنائیں کہ ہم وہاں نہیں تھے، ہمیں نظر انداز کیا گیا ہے۔

۴۔آخر میں یہ لوگ کیوں سامنے آئے، اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ اس وقت کوئی بھی خلافت کو لینے کیلئے تیار نہیں ہے اور ادھر سے قتل کی دھمکی بھی ملی ہے لہٰذا وہ اپنے مریدین کی خواہشیں پوری کرنے کیلئے علی کے پاس گئے۔

قتل عثمان اور بیعت علی:۔[کتاب ایام العرب تالیف علی محمد بجاری ص ۳۴۱]

جب حضرت عثمان قتل ہوئے تو اصحاب رسولؐ مہاجرین و انصار جن میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں ایک امام کی ضرورت ہے اور آپ کے علاوہ ہم کسی کو اس منصب کے اہل نہیں سمجھتے ہیں۔علی نے فرمایا مجھے آپ کی اس حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔آپ لوگ جس کی بیعت کریں گے، میں بھی اس کی بیعت کرلوں گا۔لیکن انھوں نے کہا ہم آپ کو ہر لحاظ سے اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔یعنی آپ سبقت اسلام اور علم وفضل کے حوالے سے فضلیت رکھتے ہیں۔علی نے فرمایا میں تمہارا وزیر بن کر رہنا پسند کرتا ہوں لیکن بحث وتکرار کے بعد علی نے ان سے فرمایا آپ سب مسجد میں جائیں یہ کام اندر یعنی گھر میں کرنے والا نہیں ہے،سب لوگ مسجد میں گئے اور حضرت علی بھی سر پر عمامہ پہن کر مسجد میں گئے اور تیر کی کمان پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوئے تھے کہ سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی اور بعد میں زبیر نے بیعت کی تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں تمہاری بیعت کیلئے آیا تھا لیکن ان دونوں نے حضرت علی کی بیعت کی۔اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کو لے کر آئے تو اس نے کہا میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک باقی سب لوگ آپ کی بیعت نہیں کرلیتے لیکن میں یہ بھی ضمانت دیتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔اس کے بعد عبداللہ بن عمر کو لایا گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ جب باقی سب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا تو حضرت علی نے کہا آپ کا کوئی ضامن ہے کہ کوئی مخالفت اور گڑبڑ نہیں کروگے تو اس نے کہا کہ اس کا کوئی ضامن نہیں ہے اس پر مالک اشتر نے کہا کہ میں اس کو قتل کردوں گا۔حضرت علی نے فرمایا اس کی ضمانت میں دیتا ہوں۔اس طرح ایک گروہ نے علی کی بیعت سے منہ موڑا اور شام کی طرف چلے گئے اور باقی بیعت کرنیوالے اپنے اپنے گھروں میں چلے گئے تو طلحہ و زبیر کچھ افراد کو لے کر حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے آپ کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ عدل قائم کریں گے۔لہٰذا آپ ان لوگوں کو جو کہ عثمان کے قتل میں ملوث تھے ان پر حد جاری کریں اور ان کو قتل کریں۔حضرت علی نے کہا کہ جو کچھ آپ لوگ چاہتے ہیں، میں اس سے غافل نہیں ہوں لیکن یہ لوگ ہماری حکومت کے زیر سایہ نہیں ہیں، جبکہ یہ ابھی ہم پر حکومت کررہے ہیں ان کے ساتھ تمہارے بچے بھی ہیں اور عرب کے بدو بھی ہیں اور تم لوگ یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے پاس وہ طاقت وقدرت نہیں ہے کہ ہم ان پر حد جاری کرسکیں لیکن آپ کی رائے درست ہے، میں اس پر عمل کروں گا۔اس وقت لوگ منتشر ہیں۔ایک گروہ وہ ہے جو تمہاری مدد نہیں کرے گا اور ایک گروہ تم دونوں سے اختلاف رکھتا ہے۔جب حضرت علی نے چاہا کہ وہ تمام والی جو کہ حضرت عثمان کے دور میں مقرر کئے گئے تھے پہلے مرحلے میں ان سب کو معزول کیا جائے تو بعض نے حضرت علی کو ایسا کرنے سے روکا جن میں مغیرہ بن شعبہ اور ابن عباس شامل ہیں۔حضرت علی نے ان کے مشوروں کو نہیں مانا۔ابن عباس نے کہا کہ حضرت عثمان نے مجھے امیر حج بنا کر مکہ بھیجا اور میں امیر حجاج کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا اور جب میں مکہ سے واپس آیا تو لوگ مدینہ میں حضرت علی کی بیعت کررہے تھے۔اور جب میں علی کے پاس پہنچا تو مغیرہ بن شعبہ حضرت علی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کچھ باتیں کررہا تھا حضرت علی نے مجھے مغیرہ کے جانے تک روکا اور میں رک گیا، جب مغیرہ چلا گیا تو میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ یہ مرد کیا کہہ رہا تھا فرمایا کہ یہ کہہ رہا تھا کہ آپ عبداللہ بن عامر اور امیر معاویہ کو معزول نہ کریں کیونکہ اگر یہ اپنے منصب پر باقی رہتے ہیں تو لوگوں کو قابو میں رکھیں گے اور آپ کے خلاف کوئی شورش نہیں ہوگی لیکن میں نے اس کے مشورے کو نہیں مانا اور وہ خاموش ہوگیا اور چلا گیا اور کہا میں نے غلط کیا ہے اور دوسرے دن پھر آیا اور کہنے لگا میں آپ کو وہی مشورہ دیتا ہوں اور آپ کو میرے مشورے پر ضرور عمل کرنا چاہیے اس پر ابن عباس کہتے ہیں میں نے کہا پہلے دن اس نے آپ کو نصیحت کی ہے اور دوسری دفعہ آپ کو دھوکا دیا ہے۔آپ کو پتہ ہے کہ اس نے نصیحت کیوں کی، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ معاویہ اور اصحاب معاویہ اہل دنیا ہیں اور جب ان کو اقتدار سے ہٹایا جائے گا تو وہ بغیر کسی شوریٰ کے اپنے آپ کو اقتدار پر جمائے رکھیں گے اور اہل عراق وشام ان کا ساتھ دیں گے۔ابن عباس نے کہا کہ مجھے تشویش ہے کہ طلحہ و زبیر بھی آپ کی مخالفت کریں گے۔حضرت علی نے فرمایا کہ یہ آپ نے مشورہ دیا ہے کہ میں ان کو معزول نہ کروں، یہ درست ہے اور میری دنیا کیلئے بہتر ہے لیکن حق ومعرفت کے حوالے سے میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں ان کو معزول کروں اور کوئی اور والی مقرر کروں اور جو مجھ سے اس بات پر مخالفت کرے، اس کے خلاف تلوار سے جنگ کروں۔اس پر ابن عباس نے کہا اس وقت آپ اپنے گھر میں بیٹھیں اور جلدی نہ کریں، اپنے دروازے کو بند رکھیں اور دیکھیں عرب اِدھر اُدھر گردش کریں گے اور آپ کے علاوہ ان کو کوئی نہیں ملے گا اور آپ دیکھیں کون آپ کی پیروی کرتا ہے اور کون نہیں۔اگر آپ ان لوگوں کے خلاف قیام کریں گے تو وہ لوگ خون عثمان کو بہانہ بنا کر آپ کے خلاف شورش برپا کریں گے لیکن حضرت علی نے حضرت ابن عباس کا مشورہ نہیں مانا اور ابن عباس کو شام کا والی مقرر کیا تو ابن عباس نے کہا یہ درست نہیں ہے، اگر میں وہاں بحیثیت

والی جاتا ہوں تو وہ مجھے قتل عثمان میں ملوث کر کے گرفتار کریں گے کیونکہ میں آپ کا قریبی رشتہ دار ہوں، آپ ایک بات کریں کہ معاویہ کیلئے ایک اجازت دیں کہ معاویہ کو بعد میں والی مقرر کریں گے تو میں جاؤں گا۔

علی خلافت قبول کرنے، ولات کو درھم برھم کرنے میں اپنی فکر اور سوچ پر کیوں انحصار و اصرار کرتے تھے جہاں انہوں نے عقلاء، احباب دوستدار ان تجربہ کار سب سے پوچھا بھی، ان سے مشورے بھی لیے اور پھر عمل ان کے خلاف ہی کیا، آپ اس سلسلے میں کیا اور کتنے مفروضے پیش کر سکتے ہیں، ان کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

ا۔علی صرف اور صرف تابع وحی تھے، وہ کسی کی بات کو نہیں سنتے تھے کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ آپ کو اس سلسلے میں علی کے نام سے جتنے بھی الفاظ و کلمات اور حکایات سنائی جاتی ہیں کیا وہ وحی یا الہام ہوتی تھیں یا وہ خواب دیکھتے تھے یا صاف و پاکیزہ نفس کی وجہ سے وہ یہ باتیں سمجھ لیتے تھے یہ سب جھوٹ باطنیوں کا خود ساختہ ہے کیونکہ یہ ختم نبوت سے متصادم و متعارض بات ہے۔

۲۔آپ کسی کی تقلید میں نہیں تھے، آپ خود مجتہد تھے اجتہاد ایسی نعمت جلی ہے کہ اس وقت سے الی یومنا ھذا اچھا ہے آپ بڑے بڑے جرم و جنایت کا ارتکاب کریں آپ کو اس کے حق میں فتویٰ مل جائے گا یہ جو اجتہاد چلا ہے اس کے تحت سب صحیح ہے، علی بھی صحیح ہے، طلحہ وزبیر کا عمل بھی صحیح ہے، معاویہ، عمرو عاص اور ابو موسیٰ اشعری سب صحیح ہیں آج کے امریکا کا ساتھ دینے والے اور کیمونزم سوشلزم کی مخالف غیر مسلم حکومتوں کو اسلامی بنانے والے بھی صحیح اور اسلام کے دشمن کیمونسٹ اور سوشلٹ بھی صحیح اور جو یہ کہتے ہوں کہ ایک یا دو سے زیادہ بچے پیدا نہ ہوں وہ بھی صحیح، الحاد پرستوں کا فتویٰ بھی صحیح، آپ کا بھی صحیح یہ لوگ اس بات پر خوش ہیں کہ یونان میں سقراط سے پہلے چلنے والے سوفسطائیزم کو آج اجتہاد کے نام سے چلا رہے ہیں جس طرح کہ سکڑی ہوئی مچھلی کو دریا کے کنارے تازہ کہہ کر فرخت کیا جاتا ہے۔

۳۔پرویزیوں اور پی پی کے ساتھ ساتھ اسلام کے نام پر سیاست کرنے والوں کا بھی آج کوئی اصول نہیں ان کے خیال میں جو بھی کریں وقت گزرنا چاہیے چند دن کے اقتدار کا موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے یہ اس پرویز مشرف کو بھی صحیح کہتے ہیں کہ جس نے ساری پارٹیوں کو جمع کر کے کابینہ بنائی کو یا سیاسی و اسلامی پارٹیوں اور قرآن و سنت کو چھوڑ کر فتووں کا سہارا لینے والوں کی سوچ ان کالم نگاروں کی طرح ہے جنکے فتوے کے تحت جو فیصلہ انتظامیہ کرتی ہے وہی اسلامی ہے اگر ایسا ہے تو پی پی نواز لیگ حکومت قائم کریں۔

۴۔علی نہ معصوم تھے اور نہ وہ عصمت کا دعویٰ کرتے تھے، نہ ان پر وحی ہوتی تھی نہ وہ اجتہاد سوفسطائیزم کی بات کرتے تھے جہاں غلطی کے لیے ایک اجر اور صحیح اجتہاد کے لیے دو اجر ہیں اور نہ وہ چند دن کے اقتدار کو لیلۃ القدر خیر من الف الشہر کے برابر سمجھتے تھے علی صرف اور صرف قرآن و سنت محمدؐ کے تابع تھے انہی دو کی ناسی میں خلافت کے خواہاں اور انہی دو کی ناسی میں خلافت سے بے نیاز و بیزار تھے آپ آئیں، اسی آخری مفروضے کی روشنی میں علی کے خلافت قبول کرنے اور والیوں کو معزول کرنے کے اصرار پر گفتگو کرتے ہیں۔

اہل مدینہ ڈر گئے کہ قتل خلیفہ ان کے گلے میں نہ پڑ جائے، وہ عراق کی طرف گئے، حضرت عائشہ کیساتھ مذاکرات کر کے غوغا کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ بھی علی کی بیعت سے خارج ہو گئے، ان دونوں گروہوں کی جنگ میں ۱۲۰۰۰ افراد قتل ہو گئے جن میں طلحہ وزبیر بھی شامل تھے، اس کے بعد لشکر دمشق حرکت میں آیا اور بیعت علی کا انکار کر دیا، علی ۷۰ ہزار کا لشکر لے کر نکلے اور ادھر سے معاویہ ۶۰ ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور فرات کے دہانے پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔

خلیفۂ چہارم علی ابن ابی طالب:

یہاں پر رفعِ تو ہم و اشتباہ کی خاطر یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ چوتھے خلیفۂ مسلمین سے مراد کون سے علی ہیں کیونکہ ہمارے معاشرۂ دینی میں دو علی کا چرچا ہے اور دونوں کے ماننے والے ایک دوسرے سے نزاع و جدال میں رہتے ہیں اس وجہ نزاع کو سمجھنے کے لئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔جہاں بھی کوئی اسم اپنی جگہ دو مسمی رکھتا ہو تو اس اسم کو نکرہ کہا جاتا ہے یعنی تشخیص نہیں ہوتی کہ اس اسم سے مراد کون سا مسمی ہے، یہاں ہمارے پاس علی کے نام سے دو شخصیات ذہن میں آتی ہیں، ان دونوں کا ایک دوسرے سے ممتاز و مشخص ہونا ضروری ہے، ایک علی خلیفہ بلا فصل رسول اللہ ﷺ ہے جبکہ دوسرا علی تین خلفاء کے بعد خلیفۂ چہارم بننے والا علی ہے لہذا ضروری ہے کہ دونوں الگ الگ بیان ہو جائیں لہذا مخاطب سامع کو واضح کرنے کے لیے ایک امتیاز اس کے ساتھ ملانا ضروری ہے جس کے بارے میں خبر

دینا چاہتے ہیں۔

خلیفۂ بلافصل والے علی کو اللہ نے امام بنایا ہے۔لوگوں کے بیعت نہ کرنے سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے دوسرے لوگ انہیں خلیفہ کہتے ہیں، کیونکہ خلیفہ بیعت سے نہیں بنتا، خلیفہ نص سے بنتا ہے، لہٰذا کوئی بیعت کرے نہ کرے، وہ امام خلیفۂ بلافصل رسول اللہ ﷺ ہے، اس کو لوگ امام کہتے ہیں۔اس علی کے چاہنے والوں کا کہنا ہے کہ معرفت امام کے بغیر مرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ علی کی معرفت یا امام کی معرفت حاصل کرنا آسان نہیں کیونکہ ان کے بقول اس علی کی معرفت سوائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی کو نہیں ہے لہٰذا ان کی امامت کے قائلین سب جاہلیت کی موت پر مرتے ہیں اس علی کی معرفت نہج الاسرار کے خطبہ البیان سے ہوتی ہے کہ جس میں آیا ہے کہ ہم ہی ظاہر ہیں اور ہم ہی باطن، کائنات کو ہم نے خلق کیا ہے، آدم کو ہم نے بنایا ہے، نار نمرود میں ہم تھے، کشتی نوح میں ہم تھے، یہ علی وہ ہے جو مرتا نہیں۔وہ کبھی چاند پر نمودار ہوتا ہے، اور کبھی مرنے والے دوست کے سرہانے پہنچتا ہے۔یہ علی، علی عنقائی ہے جسے کسی نے نہیں دیکھا ہے۔

۱۔علی عنقائی کے باپ کا نام عمران ہے اسی وجہ سے اس علی کے ماننے والے بہت سے لوگ اپنی اولاد و ادارے کا نام عمران رکھتے ہیں ان کے نزدیک سورۂ آل عمران کی آیت ﴿ان اللہ اصطفیٰ آدم و آل ابراھیم و آل عمران﴾ میں عمران سے مراد حضرت علی کا باپ ہے۔دونوں باپوں کی کنیت ابو طالب ہے لیکن حقیقی تشخص کے موقعہ پر یہ ابو طالب بھی دو ہیں، پہلے علی کے باپ کی کنیت ابو طالب تھی، وہ نبی کریمؐ کے والد عبد اللہ کے بھائی تھے، ان کا نام عبد مناف کنیت ابو طالب تھی جنہوں نے نبی کریمؐ کی پرورش اور سرپرستی کی، جب آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تو ابو طالب نے اپنی تمام توانائیوں اور تن ومن سے نبی کریمؐ کا دفاع کیا، ان کے لیے پشت پناہ بنے لیکن وہ آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے یا نہیں لائے یا ایمان کو چھپا کر رکھا، اس بارے میں امت میں اختلاف ہے، امت مسلمہ میں سے اکثر و بیشتر کا کہنا ہے کہ ابو طالب ایمان نہیں لائے لیکن شواہد و قرائن و کلمات سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ایمان کو چھپا کر رکھا تھا تا کہ غیر جانبدارانہ انداز میں محمدؐ کا دفاع کریں چنانچہ حضرت عباس جو ابو طالب کے دوسرے بھائی ہیں اور رجوع فتح مکہ سے چند دن پہلے ایمان لائے۔ان کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کو چھپا کر رکھا تھا لیکن دوسرے ابو طالب جو علی عنقائی کے والد ہیں وہ ان کے ماننے والوں کی نظر میں صرف مومن ومسلمان نہیں بلکہ ان کے خیال میں وہ نبی تھے چنانچہ علامہ شیخ غدیری صاحب کے والد نے ان کی نبوت پر نبوت ابو طالب کے نام سے کتاب لکھی ہے، یہ لوگ ابو طالب کو نبی کے برابر یا نبی سے اونچا دکھاتے ہیں۔علی کا انتساب وتعارف کرواتے وقت عمران کنیت ابو طالب سے کراتے ہیں، اسی پر جنگ وجدال چلتی ہے۔غرض دوسرے علی عنقائی کے باپ عمران نبی یا نبی کے برابر تھے۔

۲۔علی عنقائی نے پیغمبرؐ کی بعثت سے دس سال پہلے کعبے میں ظہور پایا تا کہ دنیا کو یہ بتائے کہ یہ علی عام علی جیسا نہیں اس علی کا زچہ خانہ کعبہ ہے، یہ علی پیدا ہوتے ہی وہیں سجدے میں گرے اور محمدؐ پر قرآن نازل ہونے سے پہلے آپ نے سورہ قد افلح المومنون کی تلاوت کی جس کا نزول نبی کریمؐ پر دس یا بارہ سال بعد ہوا تھا۔

۳۔علی عنقائی آدم سے پہلے تھے، وہ آدم کے ساتھ رہے، گذشتہ انبیاءؑ کے ساتھ رہے لیکن ظاہری طور پر ان کا پیغمبرؐ کی نبوت سے پہلے کعبے میں ظہور رہوا، یہ عقیدہ تناسخ ہے، جس کی برگشت مذہب بوذی کو جاتی ہے۔ان کے محبان کا کہنا ہے کہ علی عنقائی کی ولادت خلقت کائنات سے پہلے ہوئی تھی یہاں ان کا اختلاف اس بات پر ہے کہ آیا کائنات انھوں نے اللہ کی شراکت سے خلق کی ہے یا اللہ نے پہلے انہیں خلق کیا ہے اور بعد میں انھوں نے خود تمام کائنات کو خلق کیا ہے۔کشتی نوح کو طوفان سے اور ابراہیم کو آگ سے انھوں نے نجات دلائی اور موسیٰ کو غرق ہونے سے انھوں نے بچایا ہے آخر میں ابو طالب کی پشت میں آئے۔وہاں سے فاطمہ بنت اسد میں منتقل ہوئے اور پھر کعبہ میں ظہور رہوا۔وہ علی جو بغیر پدر و مادر آدم سے پہلے موجود تھے، آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ کے معاصر تھے، آخری نبی محمدؐ بن عبد اللہ آپ کی امامت کے اعلان کرنے کیلئے مبعوث ہوئے۔آپ ظاہری شکل وصورت میں بشر تھے اس حقیقت کا ترجمان خطبہ البیان ہے جس کے تحت آپ لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی شکوہ وشکایت، فریاد وفغاں سننے والے رب ہیں، ان کی حاجتیں اور نیازیں برآوردہ کرتے ہیں مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور مریضوں کو شفایاب کرتے ہیں۔

ابن ملجم نے آپ پر ضربت ماری تو مثل عیسیٰ آپ کی شبیہ پر ماری، پھر اس شبیہ والے جسد خاکی کو چھوڑا تو نجف میں دفن ہوئے۔کہتے ہیں کہ علی خلقت کائنات سے

پہلے موجود تھے اور امام تھے، تو اس صورت میں حدیث اعلان غدیر اور قرطاس بھی جھوٹی ہی ہو گی اس امام میں تضاد ہے۔

غدیر کے کردار کے بارے میں تفصیلی بحث دور الرسالۃ کتاب "قرآن میں محمد مصطفیٰ" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔اس اجتماع میں رسولؐ کے خطاب میں علی کے بارے میں آپ نے کیا فرمایا ہے، اور اس کے عناصر ترکیبی کے بارے میں دیکھنا ہے۔کہتے ہیں کہ یہاں علی کی امامت کا اعلان ہوا جسے ایک لاکھ انصار و مہاجرین نے سنا اور علی کی امامت کے لئے بیعت لی گئی، لوگوں نے تہنیت دی۔ایک واقعہ کے ثبوت لئے حد سے زیادہ چار گواہ چاہیے ہوتے ہیں تو اتر کیلئے دس بیس کی نقل کافی ہے لیکن کہتے ہیں کہ جب نبیؐ کے وصال کا وقت نزدیک ہو گیا تو۔

۱۔خود رسول اللہ ﷺ مطمئن نہیں تھے، لہٰذا کہہ سکتے ہیں کہ حالت احتضار میں اس واقعہ کو تکرار کر کے اس پر عمل کرنے کی یاد دہانی کرانے کی کوشش کا اہتمام کیا جو ناکام ہو گیا چنانچہ آپؐ پریشان ہو گئے۔

۲۔حضرت محمدؐ اور علی کے مہربان چچا حضرت عباس نے اس وقت پوچھا، کیا ہم نبیؐ سے آپ کے جانشین کے بارے میں پوچھیں، کیا ہمارا کوئی حصہ و کردار ہے یا نہیں تو علی نے منع کیا۔

۳۔حضرت علی نے اپنے احتجاج کے دوران کسی بھی وقت حدیث غدیر یا حدیث قرطاس سے استناد کرتے ہوئے احتجاج نہیں کیا۔

۴۔انصار میں سے کسی کو بھی یاد نہیں رہا کہ یہ امر طے شدہ ہے حالانکہ انھوں نے دیگر انصار سے اختلاف کا بھی مظاہر کیا پھر بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا۔

۵۔مہاجرین نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا، امت کی دیگر شخصیات نے بھی حتیٰ خود علی کے حامی افراد عبداللہ عباس، عبداللہ فضل، خالد بن عاص اور سلمان وغیرہ میں سے کسی نے بھی احتجاج نہیں کیا، حضرت زہراء نے بھی ان واقعات کے حوالے سے احتجاج نہیں کیا۔

۶۔خود رسولؐ اللہ خلافت کے بارے میں نص کے حامی نہیں تھے۔

۷۔اگر نبی کریمؐ اپنے بعد اپنے جانشین کا تعین خود کرتے تو قیام قیامت تک اس دین کو سنت و سیرت سلاطین و بادشاہان سے جدا کرنا ناممکن ہوتا۔۸۔اگر پیغمبر اکرمؐ اپنے جانشین کا تعین کر جاتے تو آپ کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اعلان کہ آپ پورے عالم کے لئے رحمت ہیں، اس کی تفسیر ناممکن ہو جاتی کیونکہ اقتدار اعلیٰ کو ہمیشہ کے لئے اپنے خاندان میں محصور کرنے سے آپ خاندان کیلئے رحمت ہوتے نہ کہ رحمۃ العالمین۔

۹۔کیا دین اسلام کی طرف دعوت دینے کیلئے محمدؐ کی ضرورت تھی یا محمدؐ اور ان کے اہل بیت کی شان بتانے کیلئے دین اسلام چاہیے تھا۔

۱۰۔کیا خود رسول اللہ ﷺ غدیر خم میں فرمائے گئے کلمات پر مطمئن نہیں تھے اور کیا وہ علی کی جانشینی کیلئے اپنے بیان کردہ خطاب کو کافی نہیں سمجھتے تھے کہ اپنی رحلت کے موقع پر قلم و کاغذ لانے کیلئے اصرار کیا؟ اور قلم و کاغذ نہ لانے کی وجہ سے ناراض ہوئے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا سابقہ فرمان نصِ صریح نہیں تھا؟

منصوص من اللہ کی دلیل حدیث قرطاس ہے:

حدیث قرطاس کے راوی کے بقول 'آپؐ' کا امت اسلامیہ سے ایک ناقابل جبران رشتہ تھا آپؐ ہمیشہ کے لئے امتِ اسلام کو جادہ مستقیم پر سوار کرنا چاہتے تھے لیکن ابن خطاب کی جسورانہ مداخلت کی وجہ سے اس مقصد میں ناکام رہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ اس کو ایک سنجیدہ موثر عمل نہیں سمجھتے تھے ورنہ کسی اور سے بھی لکھوا سکتے تھے اور نبی کریمؐ ایسا آسانی سے کر سکتے تھے اگر علی کو نصب ہی کرنا تھا تو زبانی بھی حکم دے سکتے تھے جبکہ کسی کو نصب کرنا استبداد و آمریت کا مصداق جلی ہے جسے قرآن کریم کی کثیر آیات نے مسترد کیا ہے۔اور جس عمل کو قرآن کریم نے مسترد کیا ہو پیغمبر اکرمؐ اس کو انجام دینے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر کسی بھی موقع پر علی کی جانشینی کا اعلان کرنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۱۔کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے قلم و کاغذ کا مطالبہ اس لئے تھا کہ امت کو ایسا پیمانہ دیا جائے جس کی موجودگی میں امت اختلاف کا شکار نہ ہو نقل نسائی کے تحت عمر کی مداخلت اور اعتراض کے باعث اسے عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا، اس روایت کو جس کتاب میں نقل کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر دور رسول اللہ ﷺ کے ناقل تک اسے ملانے اور یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا اس کے درمیان کے تمام راویان صحیح اور موثق ہیں یا یہ نسائی کی مرسلات میں سے ہے؟

یہ روایت اپنے متن کے حوالہ سے چند خدشات کی حامل ہے:

۱۔ایسا فیصلہ صادر کرنے کے لئے گواہان حاضر کرنے کی ضرورت ہے۔قرآن کریم نے بھی گواہ رکھنے کا حکم دیا ہے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ نے گواہ کیلئے کن کن افراد کو بلایا اور انہوں نے بعد میں کیوں گواہی نہیں دی،اگر نہیں بلایا تو یہ ایک غیر عقلی اور باطل عمل ہے جبکہ آپ کبھی بھی غیر عقلی اور باطل عمل انجام نہیں دے سکتے۔

۲۔اس حدیث کے راوی ابن عباس ہیں،یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث نقل کرنے والے کون ہیں کیونکہ ابن عباس کے نام سے کثیر روایات منسوب کی گئی ہیں جس طرح عبداللہ بن عمر،ابو ہریرہ اور ام المومنین عائشہ کے نام سے بہت سی روایات پیش کی گئی ہیں،یہاں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ بفرض محال حضرت عمر نے نبی کریم سے حالت احتضار میں یہ جسارت کی ہے کہ جس کی وجہ سے باقی امت اس خطبہ کے فیض سے محروم رہ گئی ہے تو کیا ابن عباس نے اس کے بعد عمر سے کوئی احتجاج کیا تھا جبکہ اس کے برخلاف ابن عباس نے خلیفہ دوم سے دوستانہ رویہ اپنایا تو معلوم ہوا کہ یہ روایت جھوٹ ہے۔

۳۔اگر ہم اس بات کو تسلیم کریں کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد خلیفہ اوّل و دوّم اور ان کے دوست احباب نے اپنی سابقہ سازش کے تحت اس نص سے چشم پوشی کرتے ہوئے اور نص رسول اللہ ﷺ کو نظر انداز کر کے یہ مقام حاصل کیا تب بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ امت کے دیگر افراد سے تو یہ مسئلہ پوشیدہ نہیں تھا خاص کر کے پیغمبرؐ اسلام کی نصرت و معاونت اور ہمدردی کرنے والے مہاجرین و انصار اور اس گھرانے کے مخلص افراد نے کیوں بروقت اس کی مزاحمت نہیں کی۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ نہ تو اعلان غدیر میں علی کو جانشین پیغمبرؐ بنانے کی کوئی بات ہوئی اور نہ ہی حدیث قرطاس کو سچ کہا جا سکتا ہے۔

۴۔یہ عقیدہ اثناعشری کا نہیں،ان کی امامت کا تسلسل رک گیا ہے۔

۵۔نظریہ منصوصیت کی وجہ سے شیعوں کو لادینیت کے دروازے پر دستک دینا پڑی ہے۔کیونکہ جب انھیں اپنے مسائل کے حل کے لیے کوئی منصوص من اللہ رہبر نظر نہیں آتا تو وہ ہر صاحب اقتدار اور قوت و طاقت کے حامل افراد کے سامنے جھکنے لگتے ہیں اور انہیں رہبر قرار دیتے ہیں چاہے وہ ظلم و جبر و استبداد،فسق و فجور کے ارتکاب اور آمریت و لادینیت میں مشہور و معروف ہی کیوں نہ ہوں۔

علاوہ ازیں یہ روایات آیت قرآن اور خود اہل بیت کے کلمات معتبرہ سے متصادم ہیں۔اہل بیت سے مراد پیغمبرؐ کے گھرانے سے وابستہ شخصیات ہیں۔امت مسلمہ کے پاس انکا محترم و مکرم اور لائق تعظیم و احترام ہونا ایک نا قابل انکار حقیقت ہے حتیٰ بعض لوگ جنھیں دشمنان اہل بیت کہتے ہیں،ان کی گفتگو اور خطابت و کتابت اہل بیت پر صلوٰۃ و درود سے پر ہیں لہٰذا یہ ان کے بارے میں گھڑی ہوئی عداوت و دشمنی پر مبنی ایک تہمت و الزام ہے،یہ ان کی اپنی تاویلات ہیں کیونکہ اہل بیت خلفاء راشدین کے نزدیک اور رائی یو مناھذا محترم تھے۔لیکن یہ کہنا کہ اہل بیت منصوص من اللہ ہیں یہ فکر بہت سی آیات سے متصادم ہونے کے علاوہ نبی کریمؐ کے بہت سے فرمان حتیٰ حجتہ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں دیئے گئے خطبے کی روشنی میں عصبیت کے خاتمہ کے برخلاف ہے،یہ مزاج دین اسلام کے بھی خلاف ہے بلکہ یہ بات دین اسلام کو قیصر و کسریٰ یا روم و فارس کے دین و دیانت پر چلانے کی ایک سازش ہے،جس سے ہر مسلمان کو آگاہ ہونا چاہیے۔

علی بن ابی طالب:

وہ علی جسے عامۃ المسلمین خلیفہ چہارم مانتے ہیں ہم بھی اس علی کو خلیفہ چہارم مانتے ہیں ذیل کی سطورات اصلی علی کی ترجمانی کرتی ہیں۔

۱۔فرزند ابو طالب۔

۲۔کنیت ابالحسن۔

۳۔ربیب و پرورده نبی کریمؐ۔

۴۔شوہر فاطمۃ الزہراء

۵۔والد حضرات حسنین و دیگر بنین و بنات

۶۔کثیر غزوات وسریات میں زخم کھانے والے اور آخر میں ملجم مرادی کی ضربت سے قتل ہونے والے علی ہیں۔

۷۔منافقین وخوارج کی عہد شکنی، نافرمانی اور معاویہ کی طرف سے پے در پے غارات سے تنگ آکر تمنائے موت کرنے والے علی ہیں۔

۸۔سقیفہ بنی ساعدہ کے انتخاب خلیفہ کی مجلس شوریٰ میں اپنے آپ کو نظر انداز کیئے جانے کی شکایت کرنے والے علی قتل عثمان کے بعد شورش یا ان منافق ومومنین کے مخلوط گروہ کے تکرار واصرار پر خلیفہ چہارم بننے والے علی عام الفیل کے تیس (۳۰) سال گزرنے اور بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہونے والے علی، یہ علی تمام تر توقعات اور صلاحیت واہلیت کے باوجود خلیفہ بلافصل رسول اللہ نہیں بن سکے، تین خلفاء کا دور گزرنے کے بعد چوتھے نمبر پر امت کی حالت بکھرنے کے بعد بادل نخواستہ خلافت کو قبول کیا بعض نے سرے سے ہی علی کی بیعت سے انکار کیا بعض بیعت توڑ کر جنگ کیلئے سامنے آئے اور بعض نے بیعت کے بعد عدم تعاون سے علی کو رلایا اور انھیں پریشان کیا، اس علی پر گذرنے والے مظالم ان کی اپنی زبان سے نہج البلاغہ کے نام سے شریف رضی نے جمع کیے ہیں، آخر میں مسجد کوفہ میں قتل ہوئے قتل ہونے کے بعد بھی ابھی تک ان پر ڈھائے جانے والے مظالم میں سے ایک ان کی قبر مقدس کے بارے میں اختلاف ہے۔وہ کہاں دفن ہیں تفصیلات کیلئے اعیان شیعہ محسن امین جلد اول سے منقول بحث مدفن علی میں ملاحظہ کریں۔

آپ کے والد ابو طالب ابن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن کلاب اور آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن کلاب ہیں، کنیت ابا الحسن ہے۔علی کو پیغمبر اکرمؐ نے بچپن وطفولیت ہی سے اپنی کفالت میں لیا تھا اور ان کی پرورش کا یہ افتخار علی کو دیگر ہاشمیوں پر حاصل رہا جس پر آپ فخر کرتے تھے۔آپ نے نبی کریمؐ کے سایہ نظارت میں پرورش پائی، دعوت اسلام قبول کرنے میں خدیجہ کے بعد دیگران سے سبقت لی شب ہجرت محاصرۂ قریش کے موقع پر نبی کریمؐ کے امین بن کر قریش کی امانتوں اور اہل خانہ کے محافظ بنے، ہجرت رسول اللہ ﷺ کے بعد فوراً مدینہ کی طرف اہل بیت رسول اللہ کو لے کر ہجرت کی، بدر سے لے کر غزوات وسرایا میں حلیف وردیف رسول اللہ ﷺ رہے جنگ تبوک کے موقع پر جب نبی اکرمؐ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تو منافقین نے علی پر طنز کیا کہ محمدؐ آپ کو بچوں کے پاس چھوڑ کر گئے ہیں تو نبی کریم نے فرمایا **یا علی انت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی.**

منافقین کے عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے علی کی شکایت پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپ مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہیں جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی نبی کریم کی وفات پر آپؑ کی تجہیز وتکفین آپ ہی نے کی۔سقیفہ بنی ساعدہ میں نبی کریمؐ کے جانشین کے انتخاب میں آپ شریک نہیں ہوئے کیونکہ آپ اپنے منصب زعامت وریاست مسلمین کیلئے نبی کریمؐ کے بعد خود کو اس کا لائق وسزاوار اور قابل سمجھتے تھے لیکن مہاجرین وانصار اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے میں رکاوٹ بنے۔

لیکن آپ کی امید پر یکے بعد دیگر مایوسی سایہ فگن ہوئی یہاں تک کہ تین بار آپ سے صرف نظر کے بعد انصار ومہاجرین کے ہجوم اور اصرار پر آپ نے اس منصب کو قبول فرمایا اور رسولؐ اللہ کے بعد ہونے والی بہت سی تبدیلیوں کو پلٹایا یہاں تک کہ آپ کو یکے بعد دیگر میدان جنگ میں دھکیلا گیا اور اقامہ عدل وقسط کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہوئے بغیر آپ جوار رحمت رب میں چلے گئے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کو خلافت سے دور رکھنے کی منطق دو حوالے سے قابل مذمت ہو سکتی ہے۔

۱۔کہتے ہیں کہ آپ کو نبی کریمؐ نے اس منصب کے لیے نامزد کیا تھا لیکن انصار ومہاجرین نے اسے نظر انداز کیا تھا۔اگر یہ حقیقت ثابت ہو جائے تو یقیناً یہ انتخاب باطل ہو گا کیونکہ یہ سراسر نبیؐ کی تعلیمات وسنت سے انحراف ہو گا۔

۲۔علی اس منصب کے لیے اپنے آپ کو دیگر انصار ومہاجرین سے زیادہ لائق وسزاوار سمجھتے تھے، لائق وسزاوار کو نظر انداز کرنے کی مذمت ہو سکتی ہے، یہ اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ دونوں مفروضے کس قدر اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو کیسی سزائیں ملنی چاہئیں؟ ان کا تعین خود امیر المومنین اور آپ کے فرزندان عزیز کے توسط سے یا ان کے قول وفعل اور رویے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی اور ذرائع نہیں لیکن ہمیں اس سلسلے میں کوئی واضح وروشن اور دوٹوک فیصلہ نہ آپ کی طرف سے، نہ حضرات حسنین کی طرف سے اور نہ ہی کسی اور امام کی طرف سے ملا ہے۔جو کچھ اس سلسلے میں ہم تک پہنچا ہے وہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی، احتجاج طبرسی، الامامہ وسیاسیہ اور دیگر مجہول المؤلف کتابوں سے منقل ہوا ہے جنہیں علمائے رجال نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔

آخر میں ہم یہاں تاریخ اسلام میں گزرنے والے سقیفوں (اسمبلیوں) کے بارے میں کچھ وضاحت اور روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے بلکہ اہل فکر ودانش

سے علم و حقیقت کے متلاشی حضرات سے بلکہ اسلام کی سربلندی چاہنے والوں سے وضاحت یا سوال کریں گے کہ تاریخ اسلام میں بہت سے سقیفے (اسمبلیاں) گزرے ہیں تو کیوں پھر پہلا سقیفہ ہی مسلمانوں کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہے۔ اگر آپ کی آنکھوں میں سقیفہ خار کی مانند رہنا ہے تو کچھ افراد ایسے بھی ہیں جن کی آنکھوں میں یہ سقیفہ نہ خار بنا ہے اور نہ اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں دھند پڑی ہے۔ اب تک بہت سے سقیفے تاریخ میں گزرے ہیں اور نمی دانم آئندہ کتنے گزریں گے، لیکن جو سب سے پہلا سقیفہ گزرا ہے تاریخ اسلام بلکہ تاریخ بشریت میں گزرنے والی اسمبلیاں اس کی مثال پیش نہیں کرسکتیں، اگر اس اسمبلی کی روئیداد اور قرارداد کو کسی اسمبلی میں بطور نمونہ پیش کریں گے تو گریجویشن، ماسٹر اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں رکھنے والے، بلکہ قانون و آئین میں تخصص اور اعلیٰ سند رکھنے والوں کو بھی شرم سے اپنا سر نیچے کرنا پڑے گا اور ان کو منہ چھپانے یا اپنے آپ کو چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ اس سقیفہ کی روئیداد اور قرارداد مختصر الفاظ میں ملاحظہ کریں پھر ہم آگے بننے والے سقیفوں کا ذکر کریں گے اور پھر انکا اس سقیفے سے موازنہ کریں گے، پھر پتہ چلے گا کہ کیوں یہ سقیفہ ان لوگوں کی آنکھوں میں کانٹا بنا ہے۔ مطلب کو بنیاد سے اٹھائیں، جس طرح تعلیم ا، ب، پ سے شروع ہوتی ہے، اسی طرح تاریخ بھی مرحلہ وار سمجھنے کی ضرورت ہے، اس میں مرحلہ وار نکات ہیں۔ اس لئے سب کو ملا کر پڑھنا پڑے گا، لہٰذا خرابیوں کو یا خامیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھونک مارنے سے انسان عاقل یا پیرو کار شریعت نہیں بنتے۔ آئیں دیکھتے ہیں کہ یہ روئیداد کیسی ہے، اس کا آغاز کس نے کیا، کس نے کوتاہی کی، کس نے بدمزگی پیدا کی یا اس کا انجام کتنا برا نکلا۔ اس بارے میں سقیفہ (اسمبلی) سے باہر لوگوں نے اس کے خلاف کیا اقدامات کئے، کیا اجلاس کے بعد دھرنا ہوا یا اس میں کتنی برائی تھی اور اس نے امت کو کس راہ پر لگایا۔

موخذات سقیفہ:

نبی کریمؐ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ثقیفہ میں اجتماع کو کس نظریہ سے ناپنا ہوگا، اس اجتماع کو کس نظر سے دیکھنا صحیح ہے، اس سلسلہ میں تین نکات ہیں:

۱ نظریہ اتفاق: چنانچہ خلیفہ دوم نے کہا ہے، یہ غیر ارادی طور پر اور اچانک وجود میں آیا ہے، اس کا کوئی اچھا یا بُرا پس منظر نہیں ہے۔

۲۔ اہل بیت کا نظریہ: اس بارے میں اہل بیت کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ پہلے نبی کریمؐ کی تجہیز و تکفین مقدم تھی، بعد میں خلافت کا مسئلہ حل کرنا چاہیے تھا۔

۳۔ انصار و مہاجرین کا نظریہ: پہلے خلیفہ کا انتخاب ہونا چاہیے اور بعد میں تدفین و تکفین پیغمبرؐ۔

اس میں جائے شک و تردید نہیں کہ پہلے خلیفہ کا انتخاب کرنا اہمیت کا حامل ہے لیکن مواخذہ اس میں تقدیم و تاخیر پر نہیں بلکہ مواخذہ ثقیفہ پر یہ ہے کہ چونکہ ثقیفہ والے وہاں سے اٹھ کر حضرت علی کے گھر نہیں آئے جہاں نبی کریمؐ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، وہ آکر وہیں پر اس مسئلہ کا حل تلاش کرتے یا تھوڑی دیر کے لئے پیغام بھیجتے اور علی کو ثقیفہ میں بلاتے، ایسی صورت میں علی کو چاہیے تھا کہ اگر خود نہیں آسکتے تو چند برجستہ شخصیات کو خاص کر کے اپنے چچا حضرت عباس کو وہاں بھیجتے، بہر حال انتخاب خلیفہ اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اس سلسلہ میں ہر طرف سے کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوئی ہے لیکن آپ یہ حقیقت بھی تسلیم کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہاں امور جلد ہی طے پا گئے تھے اور کوئی نزاع اور جھگڑا فساد وقوع پزیر نہیں ہوا ہے۔

سقیفہ:

۱) جیسا کہ صفحات گذشتہ میں بیان ہوا ہے، لہٰذا اسے تکرار کی ضرورت نہیں۔ سقیفہ کے بانی مبانی اور بنیاد گزار اوس وخزرج تھے جنھوں نے اس کی بنیاد رکھی لیکن سوال یہ ہے کہ اس پر بعض لوگ لعنت و مذمت کس کی کررہے ہیں اور کس کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔

۲) اوس وخزرج کیوں اس کام میں پیش پیش ہوگئے اور سبقت لی، کیا اوس وخزرج اپنے اسلام لانے سے پہلے کی جہالت کی طرف برگشت کرنا چاہتے تھے، عصبیت قومی کو زندہ کرنا چاہتے تھے یا یہ ان کی تشویشات یا احتیاطی تدابیر تھیں۔

۳) مہاجرین کی نمائندگی میں حضرات ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ بن جراح شامل تھے یہ افراد اس سقیفہ کے بانی نہیں بلکہ اس اسمبلی کے ممبر ہیں۔

روئیداد:

یہاں پہلے اوس وخزرج نے یہ قرارداد پیش کی کہ جو شخص رسول اللہؐ کی جگہ لے گا، ان میں سب سے زیادہ حق دار وہ اہل انصار ہیں کیونکہ انصار نے ہی رسولؐ کو بلا کر طاقت والے اقتدار پر بحال کیا تھا، پیغمبرؐ کو طاقت و اجتماع اور جو مقام و منصب ملا ہے، وہ ہماری ہی وجہ سے ملا پیغمبر ۱۳ سال مکہ میں رہے لیکن نہ یہ کہ وہ

اپنا دفاع نہ کر سکے بلکہ انہوں نے وہاں نہایت ہی مظلومانہ مجبور زندگی گزاری، ہم نے مہاجرین اور رسول کریمؐ کو بلایا اور اپنا آشیانہ اور خانہ ان کیلئے وقف کیا، لہٰذا ہم ہی اس منصب کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر مہاجرین کے نمائندے نے انصار کے جواب میں کہا جو کچھ آپ اپنی خدمت جلیلہ پیش کرتے ہیں، وہ بہت عظیم ہیں اور اللہ آپ کو اس کا اجر عظیم دے لیکن جو کچھ آپ نے کیا ہے، اللہ کیلئے کیا ہے لیکن آج مسئلہ اور ہے، اس منصب پیغمبرؐ کو آپ نہیں سنبھال سکتے، اس کی دو جوہات ہیں، ایک یہ کہ عرب کے دیگر قبائل و عشائر آپ کی سرپرستی کو قبول نہیں کریں گے کیونکہ آپ کا عرب میں کوئی مقام نہیں ہے، عرب صرف قریش کو تسلیم کرتے ہیں اور قریش سے مربوط ہیں اور قریش کو ہی اس کا اہل سمجھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ سالہا سال جنگ و جدال او ردشمنی و عداوت میں رہے ہیں، اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ آپ اتفاق سے رہیں گے، اگر آپ کی آپس کی جنگ چھڑ گئی تو اس منصب امت اسلامی کا کیا انجام ہوگا، اس پر انصار خاموش ہو گئے اور بعض انصار نے اٹھ کر مہاجرین سے بھی پہلے حضرت ابو بکر کی بیعت میں سبقت کی۔

انجام:

امت اسلامی کے عظیم رہبر ﷺ، شرق و غرب کو تحدی کرنے والے، دین و شریعت کا پرچم لہرانے والے، پوری بشریت کو دعوت اسلام دینے والے، اس عظیم ہستیؐ کی جگہ پر بغیر ہاتھا پائی، بغیر گالی گلوچ، بغیر گریبان پکڑے، بغیر تھپڑ مارے اور بغیر کرسی و میز مارے، ایک شخص کو معین کیا گیا، آپ بتائیں ایسی کوئی مثال یا ایسا کوئی انتخاب پوری تاریخ بشریت میں کہیں مل سکتا ہے یا آئندہ کہیں ایسی مثال ملنے کی امید ہے؟

فیصلے کے خلاف:

اس فیصلے کے خلاف امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے گھر میں موجود بنی ہاشم اور بعض اصحاب جو نہایت قلیل تعداد میں وہاں بیٹھے ہوئے تھے نہ انہوں نے اور نہ کسی نے کوئی جلسہ یا جلوس نکالا، نہ کوئی دھمکی یا مظاہرہ دیکھنے میں آیا اور نہ کوئی دھرنا دیا گیا حالانکہ یہاں بیٹھنے والے زیادہ تر شجاع تھے حتیٰ خود علی جن کی شجاعت کی کوئی مثال نہیں، انہوں نے بھی اس انتخاب سے صرف اختلاف کیا کہ ہم اس سے مطمئن نہیں۔ دوسرے دن جب مسجد میں اعلان بیعت عمومی ہوا تو لوگوں کو بلایا گیا جس میں حضرت علی کے حامی افراد نے ان کی بیعت کی، جو بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم پر مشتمل تھے۔ اس بیعت کو امت نے سقیفہ کا ایک ہنگامی فیصلہ قرار دیا نہ کہ اس انتخاب کو ایک اصول بنایا۔

اس کے ثمرات:

اس فیصلے کے ثمرات تقریباً بیس سال پر امن و سکون سے چلے، اس فیصلے کے تحت حکومت نے تمام بغاوتی اور انحرافی گروہوں کو اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کروایا۔ ہر دن اسلام کے پرچم کو مزید بلندی نصیب ہوتی گئی۔ سقیفہ سے اختلاف کرنے والے حضرات حتیٰ حضرت علی بھی اسلام کے خلاف تمام طاقتوں کو کچلنے میں کامیاب ہوئے اور دو بڑی طاقتوں روم و فارس کو فتح کیا، اب بتائیں کیا اس سقیفہ سے کوئی برا نتیجہ نکلا یا اس کے ثمر آور نتائج سامنے آئے۔ اب آئیں اور دیکھیں کہ اس کے بعد پیدا ہونے والی ضدِ اسلام اسمبلیوں کے بارے میں علماء کرام، دانشور حضرات اور روشن خیال کیوں خاموش ہیں، ان کے ان سقیفوں (پہلا اور بعد والے) پر خاموشی کی مثال اس عربی مثل جیسی ہے جس میں کہا گیا کہ "بلی جس نے بچوں کا دودھ پی لیا" ۔ حیرانگی ہے کہ پہلے پر امن سقیفے میں ہاتھا پائی نہیں ہوئی مگر یہ علماء وغیرہ اس کے نام سے یہاں ہاتھا پائی کرواتے ہیں، وہاں کسی باہر والے نے اس میں سے مکھیاں نہیں نکالیں مگر یہ حضرات ادھر مکھیاں نکالتے ہیں، وہاں حزب اختلاف کے قائد اور پوری حزب اختلاف نے نہ کوئی گالی دی اور نہ لعنت کی لیکن یہ حضرات اِدھر ممبر پر سرِ عام لعنت کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اگر آپ علی کے شیعہ ہیں تو ان کی پیروی پر چلیں لیکن آپ کیسے شیعہ ہیں، آپ سے سوال یہ ہے کہ جو کام علی او رعلی کے حامی و پیروکار عمار اور سلمان فارسی وغیرہ نے نہیں کیا، وہ کام آپ کس بنیاد پر اور کس کے کہنے پر کرتے ہیں، آپ کس کی پیروی کرتے ہیں؟ حقیقت میں آپ بعد میں قائم ہونے والی اسمبلیوں کی قرارداد کو نشر کر رہے ہیں۔

بعد کی اسمبلیاں:

۱) حضرت عثمان کے خلاف قائم اسمبلی: حضرت عثمان اپنا شرمیلا چہرہ، رحم دلی، کسی کی جان و مال و ناموس کو کبھی نقصان پہنچائے بغیر سخی اور داماد رسولؐ ہونے کی وجہ سے

لوگوں میں حضرت عمر سے زیادہ محبوب تھے، لوگ ان سے زیادہ محبت کرتے تھے مگر ان سے کچھ غلط کام آخر میں صادر ہوئے لیکن ان کو ہٹانے والے مصر اور عراق سے آئے تھے۔ حضرت عثمان نے ان کے مطالبات پورے کیے، مگر انھوں نے پھر بھی ایک اسمبلی (سقیفہ) کے تحت عثمان کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ تاریخ میں اس سقیفہ کا نام اور جگہ کا ذکر نہیں آیا لیکن ان کا منظم لشکر ایک اسمبلی (سقیفہ) کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یہ پہلی اسمبلی تھی جو اسلامی ریاست و مملکت کو درھم برھم کرنے کیلئے وجود میں آئی تھی۔

۲) جنگ صفین میں علی کو خلافت سے کنارے لگانے کیلئے جو لشکر شام اور عراق کے اتحادیوں کی صورت میں وجود میں آیا اور جس میں علی کی ہر بات کو انھوں نے مسترد کیا، تو یہ ساری شورش بھی ایک سقیفہ کے اندر طے پائی، ایسا نہیں کہ قرآن اچانک نیزوں پر اٹھ گئے پھر کثیر افواج نے جنگ رکوائی، پھر ان میں سے ۱۲۰۰۰ الگ ہوئے، پھر انھوں نے جنگ کی، کیا یہ سب اتفاقی باتیں تھیں حتیٰ علی کے خلاف اٹھنے والوں کو آج بھی "رضی اللہ" کا خطاب دیا جاتا ہے۔

۳) بغداد کی جیل کے سقف کے نیچے ایک اور سقیفہ وجود میں آیا، اس کے تین ممبر تھے جنھوں نے یہ قرارداد پیش کی کہ اندرونِ خانہ اسلام کو برباد کریں گے، اس سقیفے میں پاس ہونے والی قرارداد پر عوام تو چھوڑیں علماء و دانش ور حضرات بھی اسے داد دے رہے ہیں اور اسکے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور اس کی ترقی پر کام کر رہے ہیں۔

پہلے سقیفے کے فیصلے کو جمہوریت کہنا جسارت ہے:

سقیفہ میں جمع شخصیات میں نقباء انصار تھے جنھوں نے نبی کریمؐ کو اپنی طرف اپنے شہر میں دعوت دی، جان و مال سے تحفظ کرنے کا وعدہ کیا، نبیؐ بمعہ مہاجرین کو اپنے خانہ و آشیانہ میں ٹھہرایا، ایک عرصے تک مرنے والوں نے ان کو اپنی وراثت میں شامل کیا یہاں تک کہ جن کی دو بیویاں تھیں، انہوں نے ایک کو طلاق دے کر دوسرے کے عقد میں دیا، یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نبی کریمؐ کی آمد سے پہلے پرچم اسلام کو لہرایا، نماز جمعہ و جماعت کو قائم کیا، عقائد و فروعات شرعی کو پھیلایا اور قرآن کریم کو سکھایا، اس سقیفہ کے دیگر شرکاء ان سابقین اسلام میں سے تھے جو بغیر کسی طمع و لالچ کے دھمکیوں اور اذیت و آزار کی فضا میں نبیؐ پر ایمان لائے اور ایمان لانے کے جرم میں سزائیں جھیلیں اور اپنے آشیانے کو چھوڑ کر خالص اسلام کو لے کر ہجرت کی۔ اس سقیفے میں ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ نبیؐ کی تدفین سے پہلے سارے احتمالی خطرات کے پیش نظر حافظ و نافذ رسالت کا تعین ہو جائے، یہاں اسلام کے دردمند، پیروانِ اسلام سے محبت رکھنے والوں نے اور دشمن اسلام سے نفرت و بے زاری کرنے والوں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ جبکہ جمہوریت میں قرآن و شریعت کے تمام احکام و تعلیمات کو پس پشت ڈال کر چراگاہوں کے چور افراد جو اسلام سے اجنبی، اسلام سے ناواقف، نماز نہ پڑھنے والے، کلمہ نہ پڑھنے والے، اسلام کے قوانین کو پس پشت ڈالنے والے، بے حجاب اور باحجاب عورتوں کو الیکشن کے نام سے آگے لانے والے ٹیکنوکریٹ کے نام سے آنے والے، تعلیم سے بے بہرہ اور جعلی ڈگریاں جمع کرنے والے جس اسمبلی میں بھی کوئی فیصلہ کریں گے یقیناً وہ فیصلہ اسلام و مسلمین کے خلاف ہی گا۔ اب آپ پہلے سقیفے کو جمہوریت کا نام دیتے ہیں، آپ کو شرم نہیں آتی؟ اس میں سابق مہاجرین و انصار تھے، کیا ان کے سقیفے کو آج کی کرپٹ اسمبلیوں سے مشابہت دینا انصاف ہے؟

مہاجرین و انصار کے سقیفے میں دو بڑی طاقتوں کے حملے سے پہلے احتیاطی طور پر جلدی جلدی سے خلیفہ کے انتخاب کے عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا تاکہ اسلام کو بچایا جاسکے، اس بات کے پیش نظر ادھر اس جمہوریت کی کرپٹ اسمبلیوں میں اپنے ملک کے ہوائی اڈوں اور دیگر اہم تنصیبات بلکہ پورا ملک اور ملک کا نظام دوسروں کو دینے اور اپنے دین کو پس پشت ڈالنے کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔

تاریخ ولادت حضرت علی:

آپ کی ولادت کتب سیر و حیات آئمہ میں تیرہ رجب لکھی گئی ہے لیکن محققین علما نے اس تاریخ پر اتفاق نہیں کیا ہے۔

چنانچہ دائرۃ المعارف اسلامی شیعی تالیف حسن امین ج ا ص ۸۷ پر لکھتے ہیں یہ قولِ اکثریت ہے لیکن اس کے علاوہ بھی مؤرخین نے تاریخیں ذکر کی ہیں، ان میں ۲۳ رجب المرجب جبکہ بعض نے ۷ شعبان ذکر کیا ہے، اسی طرح سنہ کے بارے میں بعض نے ۳۰ سال بعثت سے پہلے بتائے ہیں اسلام میں چاہے عوام الناس ہوں یا خواص یا خاص الخاص ذوات ہوں، ان کی تاریخ ولادت اور وفات کی اہمیت کا یہاں سے اندازہ ہوتا ہے، اس سے تکالیف شرعیہ لاگو کرتے ہیں نیز اسی سے مواریث شریعہ بھی ثابت ہوتا ہے، نقل روایت میں اس کی ضرورت پڑھتی ہے ورنہ اس دن میں چراغاں کرنا شعروں میں مدح خواہانی کرنے کے لیے قصیدے پڑھنا، جھوٹے

اور خود ساختہ قصے کہانیاں پڑھنا اور غلاظت گوئی کرنا، یہ اسلام وقرآن وسنت سے باہر کی کوئی چیز ہے جس کا نطفہ کورگان امیر اردبیلی نے اختراع کیا ہے یہ مسیحیوں اور فاطمیون وغیرہ نے بے بنیاد مذہب کی ترویج کی خاطر گڑھا ہے۔

آیت اللہ اردبیلی سے یہ سوال رہ گیا ہے کہ آیا دین وشریعت میں تاریخ ولادت کا دن مہینے اور سن وسال کے تعین کی تحقیق تاریخ تکالیف شرعیہ کی خاطر ہے یا اسکا اور بھی فلسفہ وحکمت ہے، جس سے آگاہ ہونا ضروری ہے اگر ایسا ہے تو ہمارا بحیثیت تابع دین حنیف، ابراہیم خلیل کی تاریخ ولادت ووفات سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ دنیائے کفر وشرک والحاد سے مفاخرہ کرسکیں، بحیثیت مسلمان ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم ان کے روز ولادت ووفات منائیں کیونکہ انہی کے توسط سے ہمیں مسلمین کا نام دیا گیا تھا کیا پیغمبر اکرمؐ تاریخ ولادت ووفات ابراہیم خلیل مناتے تھے، اور اسی طرح تاریخ ولادت ووفات موسیٰ وعیسیٰ مناتے تھے یا یہ دن منانے کی رسم ورواج ہمیں مسیحیوں اور مسلمان سیکولروں سے ملا ہے۔

انہی دنوں کو منانے کی بدعت سے یہ ملک ہر آئے دن بے دین اور ملحدین کا ملک بنتا جا رہا ہے اور یہاں انہوں نے دن منانے کے بہانے سے امن وامان کا مسئلہ بنایا ہوا ہے، یہاں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ تاریخ ولادت اور وفات کے دنوں کو ان لوگوں نے دین وشریعت کے تمام اصول وفروع کی جگہ قائم کیا ہے انہوں نے صرف ایام ولادت اور وفات کو کل دین کی حد پر توقف نہیں کیا ہے بلکہ اسے خمسہ، عشرہ اور مہینے دو مہینے تک کھینچا ہے تاکہ لوگ ہر قسم کی مسولیت وذمہ داری سے سبک دوش ہو جائیں، احتمال قوی بلکہ یقین کامل ہے کہ یہ سب فرقۂ خائن باطنیہ کی اختراع ہے کیونکہ آیات وروایات میں اس کام کا کوئی نام ونشان نہیں، اس کا دین سے کوئی رشتہ نہیں ہے، یہ صرف انکا دین ہے کہ جو چاہتے ہیں کہ بے شک ائمہ قتل ہو جائیں، وہ اس دن اچھے اور لذیذ کھانے کھائیں، وہ پیدا ہوں تو اس دن کے حوالے سے بھی وہ اچھا کھانا کھائیں، اس دن اچھے کھانے، لباس اور اس سے آگے بڑھ کر گانے، رقص وموسیقی اور ناچ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

صاحب اعیان الشیعہ ج ا ص ۳۲۳ پر فصول مہمۃ ابن صباغ مالکی مروج الذہب ابن مسعودی، ارشاد مفید، سیرۃ حلبیہ علی ابن برھان الدین حلوی شافعی اور آلوسی شرح عینیہ عبد الباقی میں لکھتے ہیں کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب مکہ میں بیت اللہ حرام میں پیدا ہوئے یہاں تک کا جو دعویٰ ہے اس میں بحث ونقاش کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس میں عقلی وشرعی حوالے سے کسی قسم کی ممانعت نہیں پائی جاتی ہے لیکن محسن امین نے جن ذوات کی طرف سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں اس پر دو تبصرے بیان کئے ہیں۔

۱۔ان سے پہلے اور بعد میں کوئی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔

۲۔یہ جو کعبہ میں علی پیدا ہوئے ہیں، یہ علی کے لیے تکریم واجلال ہے اور ان کی عظمت وبزرگی کا مظاہرہ ہے۔

ہم یہاں پر ان دو تبصروں کے بارے میں وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔انہوں نے کہا ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی پیدا نہیں ہوا، یہ بات تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ تاریخ میں آیا ہے کہ حکیم بن طفیل خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے جب ان کی ماں کو درد زہ ہوا تو انہوں نے بنی مخزوم جو کہ کلید دار کعبہ تھے ان سے چابی لی اور کعبہ میں گئی جہاں حکیم بن طفیل پیدا ہوئے، صاحب الصفوۃ الصفوۃ نے بنی امیہ کے ایک خلیفہ کا بھی نام لیا ہے، اس طرح سے حضرت علی اس لحاظ سے پہلے اور نہ ہی آخری شخص ہیں۔

یزید بن عبد الملک بھی کعبہ میں پیدا ہوئے۔جب حضرت علی کی والدہ کعبہ میں دن کے وقت سورج کی واضح روشنی میں، وہ بھی دیوار شگاف کر کے گئی ہیں تو یہ خبر تمام کتب تاریخ میں کیوں نہیں آئی ہے۔

۲۔جس وقت علی کعبہ میں پیدا ہوئے، اس وقت کعبہ کے دو دروازے تھے اور وہاں چوکھٹ کے ساتھ دروازے نہیں لگے ہوئے تھے تو دیوار شگاف ہونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

۳۔انہوں نے کہا یہ حضرت علی کی تجلیل وتکریم کی خاطر ہے، ان کی یہ تجلیل وتکریم ان کے دیگر فصیح البیان خطبا اور نامور شعراء نے تجزیہ وفلسفہ تراشی کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے بیان کی ہے لیکن آپ صراحت کوئی کریں یا توریہ کریں، یہ دعویٰ چند دین حوالے سے مخدوش ہے۔

ا)۔اگر یہ تجلیل وتکریم کے لئے ہے تو یہ اعزاز سرور وسالار انبیاء حضرت محمدؐ کو کیوں نہیں ملا۔

۲)۔اس تکریم وتجلیل کا حوالہ خود حضرت علی نے اپنے انتخابی احتجاجات میں یا امام حسن وامام حسینؑ امام سجاد نے بنی امیہ وغیرہ کے ساتھ افتخار کرتے وقت پیش نہیں کیا کہ ہم اس ہستی کے فرزند ہیں کہ جو کعبہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

۴۔کعبہ میں پیدا ہونا اور اس مقصد کے لیے دیوار کا شگاف ہونا، یہ ایک معجزۂ اعلانیہ ہے جسے سارے مکہ کی عوام نے دیکھا ہو گا تو مؤرخین کیوں قیل سے تعبیر کرتے ہیں یہ تعبیر ہمیشہ حلولی غالیوں نے علی تجسم اللہ ہونے کی تمہید کے لئے استعمال کی ہے۔محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ بھی دشمنانِ علی نے گھڑا ہے تا کہ امت کو بے مقصد مباحث میں دھکیل دیں۔

۵۔حضرت علی کی ولادت کعبہ میں جس طرح سے پیش کرتے ہیں اور شعراء نے اس بارے میں جو شعر انشاء کئے ہیں اور اب بہت سے مقررین غالی وملحدین اسے اپنے شعر ونثر میں پیش کرتے ہیں کہ علی کعبہ میں اس لئے پیدا ہوئے ہیں تا کہ بتائیں کہ علی اللہ کا فرزند ہے، عالم نبوت ورسالت میں کوئی نبی اس گھر میں پیدا نہیں ہوا ہے لیکن اگر اللہ کو کسی ہستی کو پوری دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوتا تو وہ کسی اولوالعزم پیغمبر کو پیش کرتے،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسیحیوں یا غالی حلولین کی خود ساختہ فضیلت ہے جسے علی کے مقام ومنصب وامامت میں کوئی دخل نہیں ہے۔

غرض امیر المومنین علی بن ابی طالب جو خلیفہ چہارم وامام مسلمین ہیں، چاہے ان کی تاریخ ولادت وتاریخ وفات اور جائے قبر ہم جانیں یا نہ جانیں، ہمیں ان کی سیرت طیبہ وطاہرہ جو تطبیق قرآن وسنت کا نمونہ روشن وتابناک ہے،اسے جاننا ضروری ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسوۂ رسول اکرمؐ پر کس طرح عمل کرنا ہے۔ایک شخصِ مسلمان کے لیے صرف یہ جاننا ضروری ہے کہ قیادت ورہبری مسلمین کا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ کن انمول اصولوں پر چلے۔یہاں ہم علی کے خلیفہ چہارم بننے کے بارے میں چند سوالات جو قارئین وسامعین کے ذہن میں الجھتے ہیں اور جن کے بارے میں بعض کتب مؤرخین وسیرت نویسان اور فرق ومذاہب کے کلمات وصفحات اب تک مشکوک ومضطرب ہیں ان کے بارے میں کچھ بات کریں گے،بعض کا کہنا ہے علی پیغمبر کے بعد خلیفہ بلافصل رسول اللہؐ ہیں چاہے لوگ مانیں یا نہ مانیں، ہم اسے مانیں گے چنانچہ انہوں نے اس کو ثابت کرنے کیلئے اذان میں اس کلمہ کا اضافہ کیا ہوا ہے،اس کے بالمقابل میں کہتے ہیں کہ علی خلیفہ چہارم مسلمین ہیں،تیسری طرف خود علی ہیں کہ علی سے جو کلمات ہمیں ملے ہیں جنہیں شریف الرضی نے جمع کرکے ان کا نام نہج البلاغہ رکھا ہے،علی نے دو باتیں اس سلسلہ میں بیان فرمائی ہیں،ایک یہ ہے کہ ہم اس منصب کے لئے دیگران سے زیادہ چندین لحاظ سے اولی اور زیادہ حق رکھتے تھے اگر یہ منصب قرب نسبی رسول اللہؐ کی بنیاد پر دیتے تو اس کے سب سے پہلے حقدار ہم تھے،اسی طرح بچپن سے ہی تربیت رسول کریمؐ میں رہنے اور پیروی واطاعت رسول اللہؐ میں بھی ہم سب سے آگے تھے۔لہٰذا میرے وہم وخیال میں بھی نہیں تھا کہ خلافت میرے سے گزر کر کسی اور ساتھی کو دے دی جائے گی اور علی کا دوسرا جملہ یہ تھا کہ جب تک یہ خلافت مجھے محروم کرکے کسی اور کے ہاتھ میں رہے گی اور اسلام ومسلمین کے امور درست سمت میں چلتے رہیں گے، میں اس وقت تک اس پر صبر وتحمل کروں گا،یہ کلمات نہج البلاغہ میں ملاحظہ کریں تیسری بات یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ علی کی یہ باتیں ان کے لئے صحیح ہیں، وہ مجبور تھے کیونکہ اسلام ومسلمین کی مصلحت کے تحت اور اس کے تناظر میں ان کے لئے ایسا کرنا ضروری تھا،یہاں سوال یہ ہے کہ جو بات اسلام ومسلمین کی مصلحت کی خاطر علی کے لئے ضروری تھی، وہ آپ کے لئے کیوں ضروری نہیں جبکہ آپ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ آپ محبان وپیروکاران علی ہیں لیکن یہاں آپ کی اور علی کی فکر وسوچ وعمل میں تضاد وتصادم یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو نہ تو علی سے محبت ہے اور نہ آپ علی کے پیروکار ہیں گویا علی کو اسلام اور مسلمین عزیز تھے لیکن آپ کو اسلام ومسلمین کی کوئی پرواہ نہیں،اس لیے یہ دونوں آپ کیلئے ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ اور آپ جیسے محبت وپیروی علی کے جھوٹے دعوے داران کا کہنا ہے کہ ہم اس مصلحت کے پابند نہیں ہیں،حالانکہ علی سے محبت کا ثبوت ہی یہ ہے کہ ان کی پیروی بھی کی جائے۔

مجھے جو ایک طالب علم تاریخ ہوں کوئی حق نہیں کہ کسی بھی شخصیت کے فضائل سے انکار کروں لیکن دشمنانِ علی نے سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت اور باریک بینی سے جب کوئی فضیلت علی کی شان میں گھڑی ہو، جو سامعین کے لیے بے شمار سوالات اور اعتراض کا سبب بنے اور تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہو کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ بعد میں گھڑی گئی ہے تو اس سے نہ صرف اس فضیلت بلکہ ان باقی فضیلتوں پر بھی سوال اور اعتراض اٹھیں گے جو واقعاً علی میں پائی جاتی ہیں۔انہی فضائل میں سے ایک فضیلت علی کا کعبہ میں پیدا ہونا ہے جو کہ ایک کہانی ہے جو اپنی سند ومتن دونوں حوالوں سے مخدوش اور بے بنیاد ہے کیونکہ کتب تاریخ کعبہ اور تاریخ شخصیات لکھنے والوں نے کعبہ میں پیدا ہونے والوں کی کوئی فضیلت نہیں لکھی ہے بلکہ آپ کو ان میں شمار بھی نہیں کیا ہے۔اگر اس کا کوئی ذکر تاریخ میں ملتا ہے تو

وہ مفقود ہے اور ان لغویات میں موجود ہے جن کی علماء کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ۔ جہاں تک کعبہ میں پیدا ہونے والوں کا ذکر ہے تو ان میں حکیم بن طفیل ہیں جو مشرک تھے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور دوسرے یزید بن ولید بن عبدالملک الملقب بالناقص کا ذکر آتا ہے ۔

فاطمہ بنت اسد دروازۂ کعبہ بند ہونے کی صورت میں دیوار میں شگاف سے اندر داخل ہوئیں اور وہ دیوار ابھی تک کعبہ کی دوسری طرف کی دیوار سے مختلف ہے، اس کو معجزۂ علی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ۔ حالاں کہ اس وقت کعبہ کے دو دروازے تھے جو ہر وقت کھلے رہتے تھے کیونکہ کوئی ڈر نہیں تھا کہ کوئی کعبہ میں داخل ہو کر چوری نہ کر لے ۔ یہ دروازہ پیدائش علی کے پانچ سال بعد قریش نے اس وقت بند کیا جب انہوں نے کعبہ کی تعمیر کی ۔ علی کے کعبہ میں پیدا ہونے کی سند مخدوش ہے اور یہ اپنی جگہ اہمیت کی حامل بھی نہیں ہے اس کو رد کیا جانا چاہیے لیکن اس کہانی کو گھڑنے والوں نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ کعبہ میں علی کی پیدائش سے علی کو ابن اللہ، وجہ اللہ ،یداللہ اور فلسفہ طواف قرار دیا ہے اور کعبہ کو ہر فضلیت سے عاری کر کے اس کو علی کا زچہ خانہ قرار دیا ہے ۔ ایک عام مسلمان کو اللہ کی وحدانیت اور علم وقدرت میں کسی کو شریک کرنا کسی طرح بھی گوارہ نہیں ہے حالانکہ علی کو اللہ کا بیٹا کہنا یہ تہمت مثل شمس ومہتاب کی طرح عیاں ہو جاتی ہے جب ۱۳ رجب کو منعقد ہونے والی مجالس ومحافل میں فضائل علی کے نام پر کفر وشرک کی غلاظتیں بیان کرتے ہیں اور شعروں میں کھلم کھلا کہتے ہیں کہ علی خدا کی طرح ہے اور خدا علی کی طرح اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ مولا علی نے دیا ہے ۔ کتاب اخبار دول جلد ۲ صفحہ ۵۴ پر آیا ہے کہ سنہ ۵۹۳ھ میں مکے میں ایک سیاہ آندھی آئی جس نے مکے میں شرارے یعنی پتھر کے ٹکڑے پھینکے، ان ٹکڑوں سے رکن یمانی کا کنارہ متاثر ہوا، اس میں شگاف پڑا اور بعد میں جب رکن یمانی کی مرمت کی گئی تو وہ حصہ باقی حصے سے مختلف لگنے لگا۔

اشعار امام:

بعض اشعار متفرقات اور ایک دیوان آپ سے منسوب ہے قرآن میں شعر وشعراء کی مذمت کی وجہ سے شعر اور شعراء پرستوں نے ائمہ اطہار میں سے ہر ایک کی طرف بعض اشعار نسبت دیئے، بعض نے بطور اجمال کہا ہے کہ آپ شاعر بھی تھے ہمیں کسی مطلب کو ثابت کرنے کا اصرار نہیں ہے لیکن اگر کسی نے بغیر کسی سند اپنی ذہنی تصورات و خاطرات کے تحت یا بعض عزائم کو فروغ دینے کی خاطر قرآن اور نبی کریمؐ کے نزدیک مذموم صفت کو ان سے نسبت دی تو ہمیں دفاع کرنا ہے، ہمیں اس سے دفاع کے دلائل پر اصرار ہے کسی مطلب کو قبول کرنے کے لئے محکم دلائل کی طلب پر اصرار ہمیں سورہ شعراء کی آیت ۲۲۴ میں وارد استثناء کے جو معنی شعراء کے حامی اور مفسرین کرتے ہیں، ان پر اطمینان نہیں ہے کیونکہ مفسرین یہاں اجمال سے گزرے ہیں، کسی نے بھی اقسام استثناء پر روشنی نہیں ڈالی ہے ۔

لہٰذا یہاں جو استثناء ہے وہ ہمارے لئے مشکوک ہے کیونکہ سورہ یٰسن میں جہاں اللہ نے شعر کو نبی کریمؐ کے لئے نازیبا اور ان کی شان کے خلاف قرار دیا ہے وہاں یہ اشعار پیغمبرؐ کے برجستہ مومنین واصحاب وآل اطہار کے لئے کیسے زیب دے سکتے ہیں شعر ائمہ اطہار کے لئے نازیبا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی نقل ہے کہ ایک دفعہ مشرکین نے لشکر اسلام سے ہجو کی تو اصحاب نے حضرت علی سے کہا ان کا جواب دیں تو حضرت نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ حکم کریں تو جواب دیں گے چنانچہ اصحاب نے نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ آپ علی کو حکم کریں کہ وہ مشرکین کو شعر سے جواب دیں تو حضرت نے فرمایا یہاں اور بھی شعر کہنے والے ہیں ان سے کہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ نے علی کو شعر گوئی کی اجازت نہیں دی لہٰذا یہ جو آپ کی طرف اشعار کی نسبت دی گئی ہے، وہ نسبت غلط ہے چنانچہ آقائے بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب الذریعہ الی تصانیف شیعہ حرف دال میں دیوانوں کا ذکر کیا اور کہا ہے کہ یہ دیوان آپ کا نہیں ہے بلکہ اسے آپ سے نسبت دی گئی ہے ۔

علی جامع وکامل صفات کے تجسم:

انسان شناس علماء نے انسان کی صفات حمیدہ و رذیلہ کی لمبی فہرست دی ہے لیکن دنیا میں آنے والے انسانوں میں جنہیں نوابغ کہا جاتا ہے وہ ایک یا دو صفات سے زیادہ میں نبوغت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان میں سے بعض شخصیات بعض صفات حمیدہ کے ساتھ بدترین صفات رذیلہ کی حامل بھی تھیں مثلاً عبدالملک کو شجاع ترین بادشاہ وخلیفہ کہا جاتا ہے، اسی طرح عبداللہ بن زبیر بھی مرد شجاع تھے لیکن دونوں بخل و کنجوسی میں معروف ومشہور تھے ۔ منصور دوانیقی صرف سیاست مدار تھے ۔ حضرت علی ان نوابغ الدھر میں سے ہیں جنہوں نے بیک وقت متضاد صفات میں نبوغت کی مثال چھوڑی ہے ۔ جہاں آپ دیگر نوابغ سے اس حوالے سے ممتاز ہیں کہ وہ لوگ ایک شعبہ میں نبوغت رکھتے تھے لیکن دیگر میدانوں میں ذلیل صفات کے حامل انسان تھے اور وہ اگر میدان جنگ میں شجاع تھے تو میدان سیاست میں ناکام تھے اور اگر میدان سیاست میں بہادر تھے تو میدان جود وسخا میں بخیل وکنجوس انسان تھے ۔ جس کسی نے علم میں نبوغت حاصل کی ہے وہ بھی ایک یا دو سے

زائد میدانوں میں ایسا نہیں کر سکھا بلکہ ان کی دوسرے علوم میں فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔ جن لوگوں نے بہت سے علوم میں عبور حاصل کیا ہے انہیں جوامع علوم کہا جاتا ہے یعنی انہوں نے مختلف علوم کو جمع کیا لیکن دوسری طرف صاحب رائے نہیں، بطور مثال جلال الدین اور علامہ مجلسی لیکن حضرت علی ان تمام صفات حمیدہ کے حامل تھے، ہم یہاں ان کی تمام صفات پر احاطہ نہیں کر سکتے ہیں لیکن یہاں ہم علی کی بحیثیت ایک سربراہ وسیع و عریض مملکت اسلامی کے متعلق شجاعت و عدالت کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سرفہرست علی کی ان صفات حمیدہ کا ذکر کریں گے جن میں شجاعت، شہامت، سخاوت، عطوفت، عدالت، خودداری، خودمختاری اور عفت و ریاضت ہیں اور جن صفات کے حامل انسان نے ہر دور میں اپنا لوہا منوایا ہے مثلاً۔

۱۔ پیغمبر کی پرورش میں: جب نبی کریم کا خدیجۃ الکبریٰ سے ازدواج ہوا اور زندگی بہتر ہونے لگی تو آپ نے پہلے مرحلے میں اپنے چچا ابو طالب سے کفالت اولاد کے بوجھ کو اٹھانے میں معاونت کی خاطر علی کو اپنی پرورش میں لیا۔ آپ چھوٹی عمر میں ہی رسول اللہؐ کی پرورش میں آئے، یہ امتیاز کسی بھی صحابی رسول کو حاصل نہیں ہے۔

۲۔ اسلام میں سبقت: عام مؤرخین اسلام کا کہنا ہے کہ آپ خدیجۃ الکبریٰ کے بعد دوسری ہستی ہیں جنہوں نے دعوتِ اسلام میں دوسروں سے سبقت حاصل کی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا میں نے اسلام و ہجرت میں سبقت کی ہے۔

۳۔ اس طرح آپ سب سے پہلے رسولؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے ہیں۔

۴۔ ہجرت: جب نبی کریم مجبور ہوئے کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کریں تو آپ نے علی کو اپنا جانشین بنایا تا کہ اپنے پاس موجود امانتوں کو لوگوں تک پہنچائیں اور اپنے اہل و عیال پر آپ کو امین و مأمون بنایا۔

۵۔ شجاعت: کتاب الذریعہ الی مکارم شریعہ راغب اصفہانی ص ۱۶۹ پر آیا ہے۔ شجاعت کے دو مرکز استقرار ہیں:

۱)۔ نفس انسان ہے، مشکلات، حالات اور تصادف کے عالم میں دل میں استقرار و استقامت آنا ہے تا کہ دل میں کوئی کرب و اضطراب نہ آئے۔

۲)۔ فعلی ہے یعنی موقعہ محل ملنے پر اس سے استفادہ کرنا، شجاعت تہور اور خیانت کے درمیان میں ہوتی ہے یہ اس وقت ظہور میں آتی ہے جب غضب آجاتا ہے یا خوف آجاتا ہے، غضب خود اپنی جگہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

۱)۔ افراطی ہے یعنی چھوٹے چھوٹے امور میں جوش و جذبے میں آنا ہے۔

۲)۔ ایک افراط یہ ہے کہ کبھی بھی غصہ نہیں آتا، کتنی ہی گندی اور غلیظ باتیں کریں بعض انسان غصے میں نہیں آتے گرچہ ماں باپ، قوم و عشیرہ بلکہ دین و مذہب کی برائی کرنے پر بھی بعض لوگ غصہ میں نہیں آتے ہیں یہاں سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ یہ دوسری قسم مذموم ہے۔

شجاعت ہمت و جرأت اور اقدام کو کہتے ہیں۔ جہاں کہیں انسان کو آگے بڑھنے میں خوف لاحق ہو، اس کی پرواہ کئے بغیر وہ آگے بڑھے تو اس کو مرد شجاع کہتے ہیں، اس تفسیر و توضیح کے بعد ہم علی کی شجاعت کے مظاہرے کو تین مرحلوں میں پیش کرتے ہیں۔

۱)۔ خطرات کے موقعہ پر بغیر کسی خوف و ہراس کے میدان میں کود پڑے۔ شب ہجرت رسولؐ جہاں مشرکین کے شجاعان نے بیت نبیؐ کو محاصرے میں لیا ہوا ہے اور وہ کسی بھی وقت اس گھر میں داخل ہو کر بستر رسولؐ پر لیٹے ہوئے شخص کو قتل کرنے کیلئے اندر آسکتے ہیں لیکن علی وہاں آرام و سکون و اطمینان سے سوئے۔

۱۔ ہجرت کے موقعہ پر نبی کریمؐ کے اہل خانہ کو خود تن تنہا بغیر کسی ساتھی و مددگار کے لے کر نکلے، کتاب امام علی تالیف روکس بن زائد العزیز مسیحی اپنی کتاب کے ص ۲۸ پر لکھتے ہیں آٹھ افراد نے علی کا پیچھا کیا، وہ گھوڑے پر سوار تھے جبکہ علی پیدل تھے، آپ نے ان کے وار کو روکا، پھر حملہ کر کے انھیں پسپا کیا اور پھر اطمینان سے اہل بیت نبی کو مدینہ لے گئے۔

۳۔ جنگ بدر میں ولید بن عتبہ اور دیگر شجاعان عرب کو یکے بعد دیگر واصل جہنم کیا۔

۴۔ احد میں بھی برجستہ ارکان مشرکین کو یکے بعد دیگر قتل کیا۔

۵۔ جنگ احزاب میں عمرو بن عبدود کو واصل جہنم کیا۔

۶۔ خیبر میں نامور شجاع مرحب کو قتل کیا۔

۷۔نو ہجری کو میدان عرفات میں مشرکین سے بھرے اجتماع میں سورہ برات (توبہ) کی آیات پڑھیں ۔یہ علی کے دور اوّل کی شجاعت کا مظاہرہ تھا۔

۸۔دوسرا مظاہرہ اس دور میں ہے جہاں اپنی طاقت وقدرت،مردانگی اور بزرگ شخصیت کے ہوتے ہوئے چہ میگوئیوں کے مقابل میں صبر کیا۔یہ ایک کٹھن مرحلہ تھا جہاں آگے، پیچھے اور دائیں بائیں تمام راستے محدود تھے چنانچہ آپ نے فرمایا۔"اگر ان لوگوں نے اطاعت سے انکار کیا تو میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا۔جو باطل سے شفا دینے اور حق کی نصرت کے لیے کافی ہے""مجھے دھمکایا نہیں جا سکا اور شمشیر زنی سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکا اور میں اپنے اللہ کی طرف سے یقین کے درجہ پر فائز ہوں اور اپنے دین کی حفاظت میں مجھے کوئی شک نہیں ہے"۔

جنگ تبوک کے علاوہ علی نے تمام غزوات وسرایات میں شرکت کی۔ان جنگوں میں آپ علمدار لشکر بنے یا آپ جنگ میں ایک مجاہد کے طور پر شریک رہے،آپ کی شجاعت اور جرأت سے مشرکین خوفزدہ تھے،ان انتہائی کٹھن مراحل میں اسلام اور محمدؐ کو آپ کے ہاتھوں فتح نصیب ہوئی۔

۸۔شرف دامادی: آپ کی فضیلت میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت زہراء کیلئے آپ ہی کو نبیؐ نے کفو ہونے کا شرف دیا گر چہ رسول اللہ ﷺ کی اور تین بیٹیاں بھی تھیں لیکن جو فضیلت ومناقب نبی کریمؐ نے حضرت زہراء کی شان میں بیان کئے اور امت نے بھی انہیں تسلیم کیا ہے کہ آپ تمام بیٹیوں سے زیادہ پیغمبرؐ کو محبوب تھیں،آپ کو اس طرح پیغمبرؐ کی دامادی کا شرف بھی حاصل ہے۔

۹۔آپ کا زہد وورع: آپ منصب خلافت پر فائز ہوئے،اس دوران جو لباس آپ پہنتے تھے،اور جو غذا آپ تناول فرماتے تھے،ان کا ذکر کتب تاریخ و روایات میں آیا ہے جو آپ کے زہد کے صفحات ہیں۔

۱۰۔امیر المومنین ان تمام فضائل ومناقب اور خصوصیات اور توجہات خاصہ رسول اللہؐ ہونے کی وجہ سے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد قیادت اور رہبری امت کیلئے سب سے زیادہ لائق وسزاوار تھے۔آپ کے نزدیک اس اہلیت وصلاحیت ولیاقت کا خیال رکھنا عقل وشرع ہر لحاظ سے ضروری تھا جسے نظر انداز کیا گیا۔اس کے احتجاج میں آپ نے خلیفہ کی بیعت سے دست کشی کی لیکن جب دین اسلام اور امت اسلام کو کفر اور ارتداد کی طرف سے خطرات لاحق ہوئے تو آپ نے از خود خلیفہ کیلئے بیعت پیش کی اور یہ کام آپ نے بغیر کسی جبر وتشدد واکراہ کے انجام دیا،یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔تاریخ عالم میں ایسے فضائل کا حامل کوئی انسان نہیں جس میں قیادت و رہبری کے تمام فضائل،لیاقت وقابلیت بطور کامل موجود ہونے کے باوجود اسے محروم کیا جائے اور وہ ان تمام باتوں کو بھلا کر اسلام کے لیے خود کو پیش کرے۔

﴿قالت القریش:ان ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لا علم له بالحرب لله ابوهم!!وهل منهم اشد لها مراسا واقدم فيها مقاما مني؟لقد نهضت فيها وما بلغت العشرين وها انا ذا قد ذرفت على الستين ولكن لا راى لمن لا يطاع﴾ (خطبہ ۲۷)

عدالت:

جب بھی ذکر عدالت علی آتا ہے تو ہر کوئی اسے پسند کرتا ہے جیسے کوئی ایک طویل عرصہ بعد اپنے کسی عزیز کی آمد کی خبر سنتا ہے تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنا شروع ہو جاتے ہیں،معاشرے میں ظلم وبربریت کرنے والے حکمرانوں کو بھی اس کا تذکرہ اچھا لگتا ہے عدالت علی پر قلم اٹھانے سے پہلے مناسب ہوگا کہ یہاں مختصراً عدالت اور اس کے پس منظر کی طرف اشارہ کریں۔عدالت محور ومرکز ومعطوف دعوت انبیاء ومرسلین ائمہ طاہرین واصحاب وعلماء اسلام رہا ہے۔

جیسا کہ سورہ مبارکہ حدید ۲۵ ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ میں آیا ہے۔دین اسلام کی روح جان اور ہدف ومقصد قیام عدل کو گردانا جاتا ہے۔انسانوں کے نزدیک عدالت کے دو مظاہر ہیں:

۱۔ عام انسان جب قدرت وتوانائی سے محروم ہو جاتے ہیں،بے بس ہو جاتے ہیں،کسمپرسی کی صورت حال پیدا ہوتی ہے تو عدالت کا ذکر وورد کرتے ہیں۔اور افسوس سے کہتے ہیں دنیا میں صرف عدالت نظر نہیں آتی۔

۲۔ سیکولر اور لادین افراد ہیں کہ جب انہیں اقتدار ملتا ہے تو یہ قدرت نمائی کرتے ہیں۔اس وقت یہ مظلوموں کو بھول جاتے ہیں اور اس ظالم کے وکیل بن

جاتے ہیں جو اس وقت سزا یافتہ ہوتا ہے اور بدترین سزا کا مستحق قرار پایا ہے۔ یہ یہاں اس کیلئے انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، کبھی کہتے ہیں سزا میں تخفیف ہونی چاہیے، اسے انصاف ملنا چاہیے یا قانون عدالت میں ترامیم ہونی چاہئیں۔ چنانچہ عصر حاضر میں مسلمان ملکوں میں قانون قصاص کو روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے اور انصاف کے نام سے یہ مطالبہ جاری ہے جبکہ حقیقت میں یہ انصاف جسکا یہ مطالبہ کر رہے ہیں مقتول و مظلوم کے خلاف ظلم کا سبب بنتا ہے۔ مامون الرشید کے دور میں ایک قاتل کو اس کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا۔ اسکی سفارش میں آنے والے سر کردہ افراد نے مامون سے مطالبہ کیا، درخواست کی کہ انھیں انصاف ملنا چاہیے۔ مامون نے کہا اسکا کیا مطلب ہے، کیا اس قاتل کو قصاص میں قتل نہ کرنا تمہارے لئے انصاف ہے اور کیا یہ مقتول کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ ایسا انصاف ایک کے لئے اچھا جبکہ دوسرے کیلئے ظلم ہوتا ہے۔ غرض ایسی عدالت قانون میں انحراف کا راستہ شمار ہوگی۔

۳۔ عدالت والوں کی عدالت کا دائرہ اپنے علاقے تک محدود ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم یہاں انصاف کریں گے بلکہ آپ کے دروازے کی دہلیز پر انصاف کو پہنچائیں گے جبکہ یہ عدالت دوسرے علاقوں کیلئے ظلم ہوگی کیونکہ وہاں وہ بربریت اور ظلم کر کے اپنے علاقے میں انصاف پہنچا سکتے ہیں اور انکی اصطلاح کے مطابق انھیں عدالت ملے گی۔ آج کل مغرب اور کمیونسٹ نظاموں کے داعی اسی عدالت کا راگ الاپتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمان اور غریب ممالک میں جھوٹی کہانیوں کی بنیاد پر قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے اپنے عوام تک ان کی ضروریات زندگی پہنچاتے ہیں اور ان کے عوام انہیں عادل گردانتے ہیں حالانکہ یہ عدل جس کی بنیاد جھوٹ اور ظلم پر رکھی گئی ہو قابل ستائش نہیں ہے۔

۴۔ ایک عدالت وہ ہے جو ایک وسیع علاقے پر محیط ہے حتیٰ یہ حیوانوں تک پہنچتی ہے، یہ عدالت میدان سے فرار ہونے والوں، گھر پر موجود عورتوں تک اور یتیم بچوں وغیرہ تک احاطہ کرتی ہے۔ چنانچہ امیر المومنین نے فرمایا اگر سات اقلیم مجھے رشوت میں دیئے جائیں کہ میں ایک چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا لوں تو میں اس سے انکار کرونگا۔

۵۔ اپنے نفس کے ساتھ عدالت کرنا۔ یعنی اسے عیش و نوش، لذات اور راحت کا عادی نہ بنانا۔ (کتب ۴۵ نہج البلاغہ)

۱۔ اعلان عدالت عام ﴿والله لو اعطيت الاقاليم السبعة بما تحت افلاكها على ان اعصى الله في نملة اسلبها جلب شعيرة ما فعلته وان دنيا كم عندي لاهون من ورقة في فم جرادة تقضمها﴾ (خطبہ ۲۲۴)

۲۔ عدالت در غذا خوری ﴿الا وان امامكم قد اكتفى من دنياه بطمريه ومن طعمه بقرصيه﴾ (کتاب ۴۵)

۳۔ عدالت در انتقام و قصاص ﴿لا تقتلو الخوارج بعدي فليس من طلب الحق فاخطاه كمن طلب الباطل فادركه﴾ (خطبہ ۶۱)

۴۔ عدالت در لباس خلافت:

۵۔ عدالت در دریافت ہدایا: ﴿واعجب من ذلك طارق طرقنا بملفوفة في وعائها ومعجونه شنئتها، كانما عجنت بريق حيئة او قيئها، فقلت: اصلة، ام زكاة، ام صدقة؟ فذلك محرم علينا اهل البيت! فقال لا ذا ولا ذاك ولكنها هديه فقلت هبلتك الهبول اعن دين الله اتيتني لتخدعني؟ امختبط انت ام ذو جنة ام تهجر؟﴾ (خطبہ ۲۲۴)

۶۔ عدالت با فراران از میدان جنگ ﴿فلا تقتلوا مدبرا ولا تصيبوا معورا ولا تهجزوا على جريح ولا يهيجوا النشاء باذى وان شتمن اعراضكم و سببن امرائكم فانهن ضعيفات القوى والانفس والعقول﴾ کتب ۱۴۔

۷۔ عدالت با شکم گرسنہ گان ﴿ما كنزتم من دنيا كم تبرا، ولا ادخرت من غنائمها و فرا ولا اعددت لبالي ثوبي طمرا، ولا حزت من ارضها شبرا ولا اخذت منه الا كقوت اتان دبرة، ولهي في عيني اوهي واهون من عفصه مقرة بلىٰ كانت في ايدينا فدك من كل ما اظلته السماء فشحت عليها نفوس قوم و سخت عنها نفوس قوم آخرين و نعم الحكم الله وما اصنع بفدك و غير فدك والنفس مظانها في غد جدث تنقطع في ظلمته آثارها و تغيب اخبارها و حفرة لو زيد في فسحتها واوسعت يدا حافرها لا ضغطها الحجر والمدر وسد فرجها التراب المتراكم، وانما هي النفسي اروضها بالتقوى لتاتي امنة يوم الخوف الاكبر وتثبت على جوانب المزلق ولو شئت لا

هتليت الطريق الىٰ مصفىٰ هذا العسل ولباب هذا القمح و نسائج هذا القز ولكن هيهات ان يغلبني هواى ويقودني جشعي الىٰ تخير الاطعمه ولعل بالحجزا او اليمامه من كا طمع له في القرص ولا عهد له بالشبع او ابيت مبطانا و حولي بطون غرثي واكباد حرى او اكون كما﴾ (کتب ۴۵)

۸۔عدالت درتحریک اقتدارطلبی

۹۔اپنے دشمن یا مخالف کے ساتھ عدالت کر ص۷۵ا امام علی صوت العدالت الانسانیہ۔

۱۰۔عدالت اپنے دشمن کے ساتھ﴿وقد قلبت هذا الامر بطنه و ظهره حتي منعني النوم فما وجدتني يسعني الا قتالهم او الجحود بماجاء به محمد صلى الله عليه وسلم فكانت معالجة القتال اهون علي من معالجة العقاب و موتات الدنيا اهون علي من موتات الاخرة﴾ (خطبہ ۵۴)

عدالت:

علی کی عدالت کے بارے میں کچھ عرائض پیش کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ خود عدل کے مقام و منزلت اور مراتب و درجات کے بارے میں اشارہ ہوتا کہ قارئین کرام عدالت سے آشنائی حاصل کرسکیں۔عدالت وضع الشی ءفی محلّہ واعطاء الحق المستحقیہ ہے،یعنی عدالت یہ ہے کہ ہر چیز کو اس کی اپنی جگہ پر رکھیں،ہر ذی حق کو اس کا حق دیا جائے کیونکہ حسب روایت عدل اللہ کا ترازو ہے۔عدل سے ہی آسمان وزمین قائم ہے۔عدل ہی حیات انسانی ہے،عدل روح تمدن ہے عدل مطلع ومشرق رحمت ہے،عدل سرچشمہ حکمت ہے عدل سایہ رحمت ہے،زمین پر عدل اسلحہ دفاع ہے (ہر محاذ پر)۔حاکم ومحکوم،اساتید وتلمیذ،قائدین وعوام سرمایہ داروں اور مزدور اور ظالم و مظلوم کے درمیان عدل اوج و بلندی پر چڑھنے کی سیڑھی ہے۔عدل مصاف کرامت و شرافت ہے،عدل تمدن وترقی کی بہار ہے عدلِ اسلامی عدل مثلث زاویہ کا حامل ہے یعنی عدل مع اللہ،عدل مع النفس اورعدل مع الغیر جو شخص اپنے رب کے ساتھ عدالت نہیں کرتا ہو،وہ کسی دوسرے سے عدالت نہیں کرسکتا،جب عدالت مثل آکسیجن میسر ہوجائے تو عدالتیں ویران ہوجاتی ہیں یہاں کوئی فیصلے کے لئے نہیں آتا۔

چنانچہ خلیفہ اوّل کے دور میں حضرت عمر کو قاضی بنایا گیا لیکن کوئی خصیم نہیں آیا تو اس عدالت کو بند کردیا گیا۔

علی و مال مسلمین میں امانت داری:[علی والا کمون تالیف صاحب تفسیر الفرقان محمد صادقی تہرانی ص۱۸۶]

۱۔عبداللہ بن زمعۃ علی کے خاص موالین اور دوستوں میں سے تھے انہوں نے علی سے معاونت مالی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا یہ جو مال میرے پاس ہے،یہ فئی مسلمین ہے،مجاہدین کی تلوار سے حاصل شدہ غنیمت ہے،اگر آپ ان کے ساتھ میدان جنگ میں شریک تھے تو آپ کا اس میں حصہ ہے،جتنا ان کو ملا ہے،آپ کو ملے گا ورنہ دوسروں کی زحمت سے حاصل شدہ مال کسی اور کے لئے نہیں دیا جاتا ہے﴿ان هذا المال ليس لي ولا لک وانما هو فيء للمسلمين و جلب اسيافهم فان شركتهم في حربهم كان لک مثل حظهم والا فجناة ايديهم لا تكون لغير افواههم﴾ (کلام ۲۲۹)

۲۔طلحہ وزبیر رات کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے اٹھ کر چراغ کو بجھا دیا تو ان دونوں نے سوال کیا،آپ نے کیوں چراغ کو بجھایا تو فرمایا آپ اپنے ذاتی کام کے لئے آئے ہیں،یہ چراغ بیت المال مسلمین سے روشن ہے،اس لئے ہماری گفتگو کے اوقات میں اسے خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔عقیل آپ کے سگے بھائی ہیں،وہ آکر آپ سے کثرت عیال وعدم کیفیت راتب مقررہ کی شکایت کرتے ہیں،درخواست کرتے ہیں اس میں اضافہ کریں تو ان کو جواب عملی دیتے ہوئے گرم لوہا ان کے ہاتھ میں رکھتے ہیں تو وہ چیخ وفریاد کرتے ہیں۔

۴۔حضرت کی کسی بیٹی نے ابو رافع سے کوئی گردن بند بطور عاریت لیا،علی نے اس گردن بند کو دیکھا تو پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے،کہا ابو رافع سے عاریتاً لیا ہے فرمایا اگر عاریت نہ ہوتا تو تم وہ پہلی ہاشمی عورت ہوتی جو میری حکومت میں چوری کی سزا میں ہاتھ کٹواتی۔

۵۔علی کو خورنق میں سردی لگی تو عنترہ نے کہا آپ کو سردی لگ رہی ہے،یہ بیت المال آپ کے قبضے میں ہے،اس میں آپ کا حق ہے تو فرمایا یہ میں مدینہ سے لایا تھا میرے پاس اور نہیں ہے،ایک دن علی نے اپنی زرہ کو بازار میں پیش کیا اور کہا اگر میرے پاس دوسری قمیص ہوتی تو اسے نہیں بیچتا۔

علی اور اسلام دونوں:

علی اور اسلام دونوں محمدؐ کے پرو وردہ ہیں دونوں محمدؐ کے گھر سے نکلے ہیں لیکن ایک متبوع اور دوسرا تابع، اسلام متبوع علی تابع اسلام، امام علی مانون نکلے ہیں لہذا جو بھی صفات و جمال وجلال اسلام ومحمدؐ لائے تھے وہ علی میں مجسم ہو گیا جس چیز کو اسلام لایا تھا اقامہ عدل جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت فی سبیل الاسلام ہے، شجاعت و مردانگی، معرفت وحکمت سب محمدؐ سے لیا تھا۔ضرار بن ضمرہ علی کے خاص دوستوں میں سے ہیں، علی کے بعد، روزگار نے ایک دن معاویہ کے دربار میں پہنچایا، معاویہ نے ان سے کہا کہ آپ نے علی سے کیا دیکھا تو ضرار بن ضمرہ نے کہا آپ دشمن کے مقابلے میں طاقت وقدرت میں شدید تھے دنیا اور اس کی رونق وشادابی سے متنفر تھے۔

رات کی تاریکی اور وحشت سے مانوس رہتے تھے گہرا اور عمیق سوچتے تھے مثل باران خوف اللہ سے آنسو بہاتے تھے لباس میں چھبنے والا اونی لباس اور بدمزہ ذائقے والا کھانا پسند فرماتے تھے کیونکہ کم پیسوں میں اس سے بہتر لباس اور کھانا ملنا محال ہے، مجلس میں عام لوگوں کی طرح بیٹھتے تھے۔مردان باطل ان سے باطل منوانے کی خواہش نہیں کرتے تھے ضعیف وناتوان ان سے عدل ملنے کے لئے مایوس نہیں ہوتے تھے خود استقلال عقل رکھتے تھے۔

علی کی نظر میں خلافت:

علی اقتدار میں تابع قرآن تھے، علی اقتدار کو وسیلہ وذریعہ احقاق حق وابطال باطل سمجھتے تھے جہاں آپ نے فرمایا علی اقتدار کے بارے میں نظریہ معاویہ کے خلاف تھے علی اقتدار کے بارے میں آج کل کے اقتدار طالبان جیسے نہیں تھے جہاں وہ اس کے حصول کی خاطر امریکا کی ہر شرط ماننے کے لئے سرخم رہتے ہیں۔علی نے اقتدار کو گندہ پانی گلے میں پھنسنے والی ہڈی کہا ہے علی نے اقتدار کو اپنے جوتے کے تسمے سے بھی کم قیمت بتایا ہے۔یعنی ہم اتنا لالچ اور طمع بھی نہیں دیکھیں گے۔

﴿قال عبد الله بن عباس رضي الله تعالىٰ عنه: دخلت على امير المومنين ؑ بذي قار وهو يخصف نعله،فقال لي:ما قيمة هذا النعل؟فقلت: لا قيمة لها!فقال ؑ: والله لهي احب الي من امرتكم الا ان اقيم حقاً ،او أدفع باطلاً. ﴾ ”جن حضرت علی اہل بصرہ سے جنگ کے لیے نکلے تو عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ میں مقام ذی قار میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنا جوتا ٹانک رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابن عباس اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟ میں نے کہا کہ اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہ ہوگی، تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پیش نظر حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے۔“ (نہج البلاغہ خطبہ ۳۳)

۱۔نبی کریمؐ کی حالت مرض میں عباس نے علی سے کہا، کیا میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں کہ آپؐ کے بعد اقتدار میں ہمارا کوئی حصہ بنتا ہے یا نہیں، علی نے فرمایا مت پوچھو۔

۲۔حضرت عمر نے جب شوریٰ بنائی تو عباس نے کہا مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ خلافت نہیں دیں گے، علی اس میں شریک ہوئے، علی اپنا فیصلہ خود کرتے تھے۔

۳۔قتل عثمان کے بعد عباس کا کہنا تھا اگر آپ نے خلافت کو قبول کیا تو آپ قتل عثمان میں متہم قرار پائیں گے لیکن آپ نے پھر بھی خلافت کو قبول کیا۔

۴۔مغیرہ بن شعبہ اور عباس نے آپ کو عمرو بن عاص اور معاویہ کو برقرار رکھنے کیلئے کہا لیکن آپ نے فرمایا انہیں ایک دن کے لئے بھی نہیں رکھوں گا۔

۵۔خوارج کے ساتھ جنگ کا فیصلہ بھی علی نے خود کیا۔

﴿وقد قائلانک على هذا الامر يا بن ابى طالب لحريص فقلت بل انتم والله لا حرص وابعد وانا اخص واقرب وانما طلبت حقالى وانتم تحولون بينى و بينة و تضربون وجهى دونه فلما قرعتة بالحجة فى الملاء الحاضر ين هب كا نه بهت لا يدرى ما يجيبنى بها﴾ (خطبہ ۱۷۲)

یہ مظاہرہ رحلت رسول اللہ ﷺ کے بعد سے شروع ہوا جہاں آپ کو اقتدار سے محروم رکھا گیا بلکہ اس مسئلہ کے بارے میں صلاح ومشورے سے بھی محروم کیا گیا، اس کے مقابل جہاں اسلام کے خلاف کینہ سے بھرے ہوئے ابو سفیان نے علی سے کہا کہ ہم لشکر لاتے ہیں آپ اٹھیں، ہم ان سے خلافت چھین سکتے ہیں، یہ حق آپ کا ہے نہ کہ تیم وعدی کا، مبارزہ کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، حضرت نے فرمایا۔شقوا امواج الفتن تم کب سے اسلام کے مخلص ہو گئے کسی نے کہا علی بزدل

ہے، کسی نے کہا علی خلافت کے لئے حریص ہے، کسی نے کہا علی کو جنگ کرنی نہیں آتی ہے۔

۱۰۔﴿ایھاالناس شقوا امواج الفتن بسفن النضاۃ و عرجوا عن طریق المنافرۃ وضعوا تیجان المفاخرۃ افلح من نھض بجناح او استسلم فاراح ھذا ماء اجن وقلمۃ یغص بھا اکلھا و مجتنی الثمرۃ لغیر وقت ایناعھا کالزارع بغیر ارضہ﴾(خطبہ۵)

قارئین کرام آپ نے جرائد واخبار اور ٹیلی ویژن پر دیکھا ہوگا کہ جنہیں اقتدار ملتا ہے تو ان کا چہرہ کتنا پھولتا ہے لیکن جس دن ان سے اقتدار چھینا جاتا ہے وہ افسردہ حالت میں ہوتے ہیں اور انکی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ آپ نے بینظیر کو اقتدار چھن جانے کے بعد دیکھا ہوگا کہ وہ کس قدر غمگین اور افسردہ حالت میں تھی، آپ نے پرویز مشرف جابر کے استعفیٰ کے دوران اسکی رقت قلبی اور آنکھوں سے بے قراری کے تاثرات کو دیکھا ہوگا یہ افراد حصول اقتدار کے لئے اندرون ملک اور بیرون ملک روابط قائم کرتے ہیں، بے ساختہ ہو جاتے ہیں ہڑتالیں اور جلاؤ گھیراؤ کرتے ہیں اور املاک اہل وطن کو تہس نہس کرتے ہیں تاکہ دوبارہ بحال ہو جائیں لیکن اس اقتدار کے جانے اور آنے سے علی کو فرق نہیں پڑا۔

۱۱۔جب حضرت عثمان قتل ہوئے اور لوگوں نے آپ کے گھر بیعت کیلئے ہجوم کیا تو آپ نے یہاں بھی امت کی قیادت ورہبری کی بجائے ایک معاون وزیر کی حیثیت سے کام کرنے کو ترجیح دی۔ یہ بھی آپ کے فضائل ومناقب کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی نشانی ہے۔

حضرت علی نے ۳۶ ہجری کو مسند خلافت سنبھالنے کے بعد مسجد نبوی میں جو خطبہ دیا اُس میں مندرجہ ذیل اصلاحات کا اعلان کیا۔

۱۔ نظام خلافت کے بنیادی ڈھانچے میں اصلاح کی جائے گی جو افراد ہمیشہ سے جرائم پیشہ تھے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف تھے، انہیں کوئی مقام ومنصب نہیں دیا جائے گا، اس میں معاویہ، عمرو عاص، عبداللہ بن سعد، مروان بن حکم وغیرہ آتے ہیں۔

۲۔ اجتماعی اصلاحات کے حوالے سے سابقہ دور میں رائج امتیازات جہاں قریش کو غیر قریش، مہاجر کو غیر مہاجر، عرب کو غیر عرب پر ترجیح دی جاتی تھی، اس طرح کے امتیازات کا خاتمہ ہوگا۔

۳۔ اقتصادی اصلاحات میں جس قدر مال ودولت لوگوں کو بلا دلیل و جواز تقسیم کیا گیا ہے، اس سب کو واپس بیت المال مسلمین میں لوٹایا جائے گا۔

۴۔ آئندہ ہر اقدام عدل ومساوات کے اصولوں کے تحت انجام دیا جائے گا۔

۵۔ حزب معارض: تاریخ میں اس کو "حزب ناکثین" سے یاد کیا جاتا ہے جس کی تفصیل "حیات حضرت علی" میں ملاحظہ کریں۔

علی ابن ابی طالب خلیفہ منتخب ہوئے:

حضرت علی بن ابی طالب کیسے، کب اور کن حالات میں خلیفہ منتخب ہوئے،

اس سوال کے دو مختلف گروہوں نے مختلف جواب دیئے ہیں۔

۱۔جھوٹوں، متضاد نظریات کے حامل افراد اور اقنوموں نے کہا ہے امیر المومنین دو مرتبہ خلیفہ منتخب ہوئے ہیں۔

۱)۔عالم ارواح میں خلقت کائنات سے پہلے آپ خلیفہ منتخب ہوئے، کل کائنات جمادات ونباتات اور ملائکہ، جن وانس اور انبیاء سے آپ کے لئے بیعت لی گئی چنانچہ وہ اس نامعقول ومتضاد نظریے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کلمہ شہادت میں اس کو تکرار کرتے رہتے ہیں کہ آپ خلیفہ منتخب ہوئے جبکہ عالم ذر کوئی ایسا عالم نہیں جہاں مخلوقات کے درمیان میں عہد ومعاہدہ ہو سکے یہ عقیدہ اقنوم مسیحی جیسا ہے کہ جس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ آپ کی سمجھ میں نہ آنے سے کوئی فرق نہیں آتا ہے، جس طرح مسیحی کہتے ہیں کہ مسیح ہی اللہ ہے، مسیح ابن اللہ یا عقیدہ ثلاثہ سمجھ میں نہ آنے سے کوئی فرق نہیں آتا ہے۔

۲)دوسرا مرحلہ ۱۸ ذی الحجہ الحرام ۱۰ ہجری کو مقام جحفہ غدیر خم میں ایک لاکھ بیس ہزار مجمع میں نبی کریمؐ نے آپ کو اپنے بعد خلیفہ منتخب کیا تھا اور تمام حاضرین نے آپ کی بیعت کی تھی یہ خبر متواتر ہے خبر متواتر کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے کیونکہ یہاں اتنی خلائق کا جھوٹ پر اتفاق ہونا از روئے عقل محال ہے لیکن اس کو نہ ماننے والوں کا کہنا ہے کہ جس طرح خیبر کے مضمون کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے اسی طرح بعد میں اتنے لوگوں کے گواہ ہونے کے باوجود ان گواہوں کو چھپانا ناممکن ہے۔ گواہوں کے ہوتے ہوئے علی کا ان گواہوں کے ذریعے احتجاج نہ کرنا بھی محال ہے۔ علی اور حضرات حسنین نے کہیں بھی اس واقعہ سے اپنی خلافت کیلئے استناد نہیں کیا ہے اس

جھوٹے دعویٰ کو وہ ایک اور واقعہ سے بھی استناد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی کی خلافت کی خاطر رسول اکرمؐ نے اپنی وفات سے پہلے علی کو خلیفہ بنانے کی ایک اور سعی کی جسے عمر نے کامیاب نہیں دیا تھا اس کو قصہ قرطاس کہا جاتا ہے آپ نے فرمایا میرے لئے قلم کاغذ لائیں، میں تمہارے لئے ایک دستور ہدایت لکھ رہا ہوں، اس کے بعد آپ گمراہ نہیں ہو سکیں گے لیکن عمر نے یہ لکھنے نہیں دیا کیا وہاں کوئی مرد رسول اکرمؐ کو چاہنے والا نہیں تھا۔ جس رسول اللہ کو اللہ نے وعدہ دیا تھا کہ ہم آپ کو دشمنوں کے شر سے بچائیں گے کیا وہاں موجود افراد کا یا نعوذ باللہ آپؐ اللہ کے اس وعدہ پر اعتماد اٹھ گیا تھا کہ وہ عمر سے ڈر گئے، خود علی و عباس سب ڈر گئے کو یا عمر کے ڈر سے پیغمبر اکرمؐ نے وہ نہ لکھا جو لکھنا چاہتے تھے۔

دوسرا جواب ارباب حقائق و واقعہ شناس دیتے ہیں علی اس وقت خلیفہ منتخب ہوئے جب مصر اور عراق سے آنے والے انقلابیوں نے خلیفہ سوم عثمان کو اپنے گھر میں قتل کیا اور اہل مدینہ بلا راعی ہو گئے چنانچہ اس سلسلہ میں عبدالوھاب نجار لکھتے ہیں۔

خلفاء راشدون تألیف عبدالوہاب نجار ص ۲۱ پر لکھتے ہیں حضرت علی خلافت کیلئے ایسے ماحول میں منتخب ہوئے جو گذشتہ تین خلفاء کے دور میں نہیں تھا۔ ابو بکر پیغمبرؐ کی وفات کے فوراً بعد خلیفہ منتخب ہوئے اس وقت اصحاب رسول اللہ، مہاجرین و انصار سب اس حالت کے شاہد و ناظر و سامع تھے، ان سب کا یہ عقیدہ تھا کہ امت کا جس پر اتفاق ہو رہا ہے، اس پر راضی ہونا چاہیے، اس سے اتفاق کرنا چاہیے گرچہ وہ اس سے ناراض ہی کیوں نہ ہوں، وہاں جو اختلاف تھا وہ اختلاف بہت ہی معمولی تھا پھر حالات پہلے کی طرف پلٹے، جذبات ٹھنڈے ہوئے اور امن وسکون دوبارہ واپس آیا۔ علی بن ابی طالب، سعد بن عبادۃ اور چند افراد بیعت سے کچھ مدت دور رہے باقی سب نے ابو بکر کی بیعت پر اتفاق کیا۔ اس طرح جب عمر بن خطاب خلیفہ منتخب ہوئے۔ وہاں بھی اختلاف کی گنجائش نہ تھی کیونکہ ابو بکر نے برگزیدہ افراد سے اس بارے میں استفسار کیا تو سب نے یہ اختیار آپ کو دیا تھا تو آپ نے خلافت کیلئے حضرت عمر کو نامزد کیا تھا مسلمانوں نے ان کی اطاعت کی اور جب عمر نے وفات پائی تو قریش مہاجرین و انصار سب حاضر تھے آپ نے حالات کو حرج و مرج میں بدنظمی میں نہ چھوڑا بلکہ شوریٰ کے نام سے ایک قانون وضع کیا تا کہ اس قانون سے کوئی باہر نہ نکلے اس قانون کے تحت عثمان خلیفہ منتخب ہوئے، یہ خود بھی اس شوریٰ کے ایک رکن تھے اور اس شوریٰ میں کسی نے اگر گڑ بڑ کی تو اس کو مارنے کا حکم تھا، جب عثمان کو قتل کیا گیا، اس وقت بات انقلابیوں کی چلتی تھی جو عثمان پر حملہ آور ہوئے بعض اصحاب جو موجود تھے انہوں نے عثمان سے غصّے میں کنارہ کشی کی، ان کا خیال تھا یہ لوگ جانیں اور عثمان جانیں، عثمان کو ان انقلابیوں کے رحم و کرم پر چھوڑا، یہ انقلابی مختلف جگہوں سے تعلق رکھتے تھے، مختلف قبائل سے آئے تھے، وہ پہلے مسلمان نہیں تھے، ان کا سابق میں کوئی نام یا کردار نہیں تھا اور نہ ان کا دینی معاشرے میں کوئی بڑا مقام تھا اگرچہ اہل مدینہ کی نسبت وہ لوگ زیادہ تھے، اس کے علاوہ دیگر مقامات پر موجود فوجی سرحدوں پر موجود افراد نے بھی آکر فتنہ برپا کیا تھا اور قبائل میں شر پھیلایا تھا۔

کہتے ہیں اس میں سر فہرست مصری تھے اور وہ زیادہ تر علی کے خواہاں تھے، ان کی بات زیادہ چلتی تھی۔ اکثر اہل مدینہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے لوگ مسجد میں جمع ہوئے اور عثمان کے بارے میں حسرت و افسوس و ندامت کرنے لگے اور انہوں نے طلحہ و زبیر کو عثمان کے قتل پر متہم کیا،، لوگوں نے ان دونوں سے کہا "تم دونوں ہو جنہوں نے عثمان کے خلاف لوگوں کو ورغلایا ہے" طلحہ نے کہا: "ایھا الناس! واللہ ہم آج جو بات کرتے ہیں وہی کریں گے جو ہم نے پہلے کی ہے۔ عثمان نے گناہ کو توبہ سے خلط کیا لہٰذا ہم ان کی حکومت سے کراہت کرنے لگے ہمیں ان سے نفرت ہوئی، ہم ان سے بے زار ہوئے، وہ ہمیں ناپسند لگے اور ہم یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کو قتل کریں، ہم چاہتے تھے انہیں بچائیں لیکن مخالفت بڑھ گئی تو ہم نے حالات کو اللہ پر چھوڑا"۔

پھر زبیر کھڑے ہوئے اور کہا: "اللہ نے تمہیں شوریٰ کا حکم دیا۔ آپ لوگ بھی علی پر راضی ہو جائیں اور علی کی بیعت کریں اور عثمان کے مسئلہ کو اللہ پر چھوڑیں، یہ ایک واقعہ تھا جو ہو گیا، اس کی بر گشت نہیں ہو سکتی"۔

یہ باتیں زبیر نے کہیں تا کہ خود سے لوگوں کی ملامتیں اور تہمتیں رفع کریں اور لوگ یہ نہ کہیں کہ تم خود خلافت کے خواہش مند تھے، لوگ اٹھے اور علی کے پاس آئے اور ان سے کہا ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں آپ اس کے حقدار ہیں تو علی نے کہا: "یہ حق تمہیں نہیں ہے یہ حق اہل شوریٰ کیلئے ہے یہ حق اہل بدر کیلئے ہے، اہل بدر والے جسے خلافت کیلئے انتخاب کریں وہ خلیفہ بنے گا، اس کیلئے پھر دیکھیں گے"۔

لوگ واپس چلے گئے، ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے بعض نے بعض سے کہا، چھوڑو، انتظار کرو، عثمان کے قاتلین شہر سے نکل جائیں بعض نے کہا

جلد خلیفہ منتخب کریں تا کہ باہر والوں کو عثمان کے قتل کے انتقام کا جواز نہ ملے ورنہ ہر جگہ انقلاب برپا ہو گا اور جاؤ علی کے پاس، علی کو مجبور کرو کہ وہ خلافت قبول کریں، جب علی کی بیعت کریں گے تو لوگ خاموش ہو جائیں گے اور چپ چاپ واپس چلے جائیں گے۔ یہ لوگ حضرت علی کے پاس دوبارہ گئے، ان میں مالک اشتر بھی تھے انہوں نے علی سے کہا ''ہاتھ آگے کریں ہم آپ کی بیعت کریں گے'' تو علی نے وہی بات کی جو پہلے کہی تھی، یہ حق تمہیں نہیں پہنچتا تو مالک اشتر نے کہا ''ہم آپ کے ہاتھ کو کھینچیں گے اور آپ کی بیعت کریں گے ورنہ ہم آپ کی آنکھ میں ہاتھ ڈالیں گے''۔ اس طرح علی کو مجبور کیا۔ چنانچہ اس بارے میں کلمات علی نہج البلاغہ میں ملاحظہ کریں۔

مالک نے کبھی گفتگو سے اور کبھی فتنہ سے ڈرا کر علی سے کہا، آپ جیسی کوئی اور ہستی نہیں ہے جو اس منصب کے لائق ہو اور علی کا ہاتھ کھینچ کر اشتر نے ان کی بیعت کی، جو ان کے ساتھ تھے وہ آگے آئے لیکن طلحہ اور زبیر ان سے پہلے آئے، یہ دونوں اصحاب شوریٰ میں سے تھے اور خلافت کے امیدوار تھے، یہ دونوں ان انقلابیوں میں حامی و انصار بھی رکھتے تھے لیکن علی کے چاہنے والوں کی آواز بلند اور قوی تھی۔

اس تر دد و بے چینی کے حالات میں ۲۵ ذی الحجہ کو علی خلیفہ چہارم منتخب ہو گئے یہاں علی نے فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش کو مان لوں تو تمہیں اس راستے پر لے چلوں گا جو میرے علم میں ہے اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش پر کان نہیں دھروں گا اور اگر میرا پیچھا چھوڑ دو تو جسے اپنا امیر بناؤ، اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں گا۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۰)

علی خلافت کے لئے منتخب ہوئے:[امام علی تالیف محمد رضا ص ۵۳]

حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد عثمان کے اقارب خون عثمان کے انتقام کے لئے مکہ فرار ہو گئے۔ لوگ علی کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ آپ ان سے بیعت لیں۔ اس وقت ابن عباس مکہ سے واپس مدینہ پہنچ چکے تھے تو دیکھا علی لوگوں کو چھوڑ کر گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب علی نے ابن عباس کو دیکھا تو لوگوں کو چھوڑ کر ابن عباس سے خلوت میں پوچھا، یہ جو کچھ ہو رہا ہے، یہ ایک بڑا سانحہ ہے، آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو ابن عباس نے کہا آج لوگ آپ کو نہیں چھوڑیں گے، آج جس کی بیعت ہوگی وہ شخص قتل عثمان میں شریک ہونے کا متہم ہوگا۔ جب عثمان قتل ہوئے تو اصحاب رسول اللہ، مہاجرین و انصار جن میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے، وہ علی کے پاس آئے ان سے کہا لوگوں کے لئے امام کی ضرورت ہے حضرت نے فرمایا مجھے تمہاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں، جس کو تم پسند کرو گے میں اس پر راضی ہو جاؤں گا، انہوں نے کہا ہم آپ کے علاوہ کسی اور کو انتخاب نہیں کرتے آج ہم اس منصب کیلئے لوگوں میں آپ سے زیادہ کسی کو لائق و سزاوار نہیں پاتے۔ ان میں نہ تو ایمان میں کوئی آپ سے آگے بڑھ سکا ہے نہ آپ سے زیادہ پیغمبر اکرمؐ سے کسی کو قرب حاصل ہے اور نہ ہی ہجرت میں کسی کو آپ پر سبقت حاصل ہے۔ یہ سن کر حضرت علی نے فرمایا کہ میں ایک امیر کی بجائے تمہارے لئے ایک وزیر کی حیثیت سے بیٹھوں تو زیادہ بہتر ہے لوگوں نے کہا ہم آپکو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک آپ کی بیعت نہ کرلیں، اس پر علی نے کہا آپ سب لوگ مسجد میں آجائیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیعت خفیہ ہو، اگر میری بیعت کی گئی تو عامتہ المسلمین کی رضایت کے ساتھ ہوگی۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے پسند نہیں تھا کہ علی مسجد میں جائیں، ڈر تھا کہ وہاں اختلاف ہو جائے گا لیکن علی نے سب کے مسجد میں اکٹھا ہونے پر اصرار کیا چنانچہ مہاجرین و انصار سب مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت مسجد میں گئے ایک عصا پر تکیہ کئے ہوئے حضرت علی نے طلحہ و زبیر سے کہا اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ دونوں میں سے جسکی بھی چاہیں بیعت کروں گا انہوں نے کہا ہم آپ کی بیعت کریں گے پھر لوگوں نے علی کی بیعت کی، ان میں سب سے پہلے بیعت کرنے والے طلحہ بن عبید اللہ تھے، ان کے بعد زبیر تھے۔ سعد بن ابی وقاص کو بیعت کے لئے لایا گیا تو اس نے کہا جب تک سب بیعت نہ کرلیں، میں بیعت نہیں کروں گا، حضرت نے فرمایا ان کو چھوڑ دو، عبداللہ بن عمر نے بھی بیعت کے بارے میں یہی کہا کہ ہم بیعت نہیں کریں گے جب تک سب لوگ نہ کرلیں۔

حضرت علی منبر پر گئے اور فرمایا۔ میں اس امر کو قبول کرنے سے کراہت رکھتا تھا لیکن تم لوگوں نے اصرار کیا کہ میں ہی بنوں۔ میرا تمہاری اس خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔ تمہارے اموال کی چابی میرے پاس امانت ہے لیکن میں تمہاری اجازت کے بغیر اس سے ایک درہم بھی نہیں لے سکتا۔ کیا تم مجھ پر راضی ہو تو کہا ہاں ہم راضی ہیں، پھر بیعت کا عمل شروع ہوا۔ سب سے پہلے بیعت کرنے والے طلحہ اور زبیر تھے۔ بعض نے کہا طلحہ و زبیر دونوں نے بادل نخواستہ بیعت کی۔ حضرت علی کے خلیفہ بننے کی خبر پوری مملکت میں پھیل گئی۔

عبداللہ بن حسین نے نقل کیا ہے کہ انصار و مہاجرین اور دیگر شہروں سے آنے والے سب افراد نے حضرت علی کی بیعت کی صرف محدود افرد نے بیعت سے انکار کیا جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔سعد ابن ابی ۲۔عبداللہ بن عمر۔ ۳۔اسامہ بن زید۔ ۴۔صہیب رومی۔ ۵۔حسان بن ثابت۔ ۶۔زید بن ثابت۔
وقاص۔

۷۔کعب بن مالک۔ ۸۔محمد بن مسلمہ۔ ۹۔نعمان بن بشیر۔ ۱۰۔رافع بن ۱۱۔سلمہ بن وقش۔ ۱۲۔ابوسعید خدری۔
خدیج۔

۱۳۔قدامہ بن ۱۴۔مسلمہ بن مخلد۔ ۱۵۔عبداللہ بن سلام ۱۶۔سعید ابن ۱۷۔ولید بن عقبہ۔ ۱۸۔مروان بن حکم۔
مظعون۔ - عاص۔

یہ سب لوگ حضرت عثمان کے حامی تھے۔کسی نے حضرت عباس سے کہاان لوگوں نے حضرت علی کی بیعت کو کیوں مسترد کیاتو کسی نے کہا حسان شاعر ہے اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ کس وقت کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔زید بن ثابت جنہیں عثمان نے بیت المال کا مسئول بنایا تھا جب عثمان محصور ہوئے تو زید بن ثابت نے کہا اے انصار اللہ دین کی مدد کرو۔ابوایوب نے کہا تم ان کی مدد اس لئے کرتے ہو کہ انہوں نے تمہاری معاونت کی ہے۔کعب بن مالک کو عثمان نے مدینہ کے صدقات کا والی بنایا تھا جو کچھ انہوں نے وہاں سے جمع کیا تھا، وہ عثمان نے انہیں کو دے دیا تھا۔مہاجرین میں سے ایک گروہ مدینہ سے فرار ہو کر شام چلا گیا تا کہ علی کی بیعت نہ کرنا پڑے۔ان میں قدامہ ابن مظعون، عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ، سعد بن وقاص، عبداللہ بن عمر، صہیب رومی، ولید، سعید او رمروان بن حکم شامل ہیں۔ان میں سے تین مکہ کی طرف نکل گئے۔نعمان ابن بشیر قتل عثمان کے بعد حضرت عثمان کی خون آلود قمیض اور اُن کی زوجہ کی انگلی اٹھا کر شام فرار ہو گیا۔معاویہ نے اس قمیض میں اس انگلی کو لٹکا کے رکھا۔جوں ہی اہل شام اس کو دیکھتے،ان کا غصہ اور بڑھ جاتا جب بھی معاویہ کو اہل شام میں کوئی سستی نظر آتی وہ انہیں حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیض اور انگلی دکھاتے تھے۔

بیعت علی:[شرح نہج البلاغہ ابی الحدید ج۷ ص۳۵]

خطیب بغدادی اپنی تاریخ ج۵ ص۴۱۶ پر ان کا ذکر کر کے لکھتے ہیں عثمان کے قتل کے بعد اصحاب رسولؐ اللہ مسجد میں جمع ہوئے کہ خلافت کے بارے میں بحث ومشورہ کیا جائے کہ آئندہ خلیفہ مسلمین کون ہوگا ؟اس سلسلے میں ابوحیثم بن طیہان، رفعاعہ بن رافع، مالک بن اجلان، ابوایوب انصاری، عمار ابن یاسر نے علی کی خلافت کی تجویز پیش کی اور علی کی فضیلت اور سابق الاسلام اور جہاد اور پیغمبرؐ سے قرابت کا ذکر کیا،لوگوں نے اس کی تائید کی، ہر ایک نے علی کی تائید کی بعض نے انہیں اپنے دور میں سب سے افضل اور بعض نے تمام مسلمانوں سے افضل قرار دیا۔علی کی بیعت کے دوسرے دن حضرت علی منبر پر گئے، وہ ہفتہ کا دن تھا اور ۱۹ ذی الحجہ تھی اللہ کی حمد وثنا اور محمد پر درود وسلام کے بعد اہل اسلام پر نعمتوں کا ذکر کیا، دنیا کا ذکر کیا، آخرت کا ذکر کیا پھر فرمایا کہ جب پیغمبرؐ کو اللہ نے اٹھایا تو تمہارے درمیان ابوبکر کو چھوڑا، پھر ابوبکر نے عمر کا انتخاب کیا عمر اپنے طریقے پر چلے، پھر خلافت کو شوریٰ شش نفری میں قرار دیا، اس نے خلافت کو عثمان تک پہنچایا جس سے جو حالات رونما ہوئے وہ آپ سب جانتے ہیں پھر تم میری طرف اپنی مرضی سے آئے، میں تم جیسا ایک آدمی ہوں، جو حق میرے لیے ہے وہ تمہارے لیے ہے، جو میرے اوپر واجب ہے وہ تمہارے اوپر واجب ہے، اللہ نے تمہارے اور اہل قبلہ کے درمیان دروازے کو کھولا ہے فتن۔وہ فساد ہماری طرف رُخ کئے ہوئے ہیں۔اس ذمہ داری سے صرف صبر و بصارت وعلم و دوراندیشی ہی سے کامیاب ہوا جا سکتا ہے۔

علی اور ولاتِ مملکت اسلامیہ:

انتخاب علی بخلافت انتخاب خلفاء ماسبق ہر حوالے سے مختلف تھا گذشتہ خلفاء اپنے نمائندے یا علاقائی حاکم یا تو پہلے سے جو موجود تھے انہی کو برقرار رکھتے تھے یا مفتوحہ علاقوں کیلئے وہاں کے صالحین کو ہی منصوب کرتے تھے،اس میں چنداں اشکال واعتراض یا تو سننے میں آیا نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہے حتیٰ کہ جب عثمان خلیفہ منتخب ہوئے، آپ نے بھی عمر کی طرف سے منصوب والیوں کو برقرار رکھا یہاں تک کہ پہلے چھ سال تک کہیں سے کوئی اعتراض نہیں ہوا فتنہ عثمان کا آغاز انتخاب

ولید اور عبداللہ عامر سے شروع ہوا، یہاں سے فتنے کے شعلے پھیلنے لگے اور آخر میں یہ ایک ہمہ گیر فتنہ کی شکل اختیار کر گیا جس کے بعد آپ کے گھر کا محاصرہ ہوا، والیوں کے عزل کا مطالبہ ہوا، عثمان نہیں مانیں، مطالبات مسترد ہوئے جس کے نتیجے میں عثمان قتل ہوئے حالات ایک ہنگامے، افراتفری و بدنظمی کی شکل وصورت اختیار کر گئے۔ صورت حال اتنی گھمبیر شکل اختیار کر چکی تھی کہ کوئی اس منصب کو قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں تھا حتیٰ وہ افراد جنہیں ہوس اقتدار اندر سے اٹھا رہی تھی وہ بھی حکومت سنبھال نہ سکنے کے شک وتردد میں اسے قبول نہیں کر رہے تھے، علی نے بادل ناخواستہ شرائط سخت کے ساتھ اسے قبول کیا، آپ کیلئے خلافت اور نئی انتظامیہ کی تشکیل دونوں پیچیدہ تھیں، سب حیران وسرگردان تھے اذہان وآراء متضارب تھے نتیجہ وہی نکلا جو اس وقت کے جامعہ شناسوں نے پیشن گوئی کی تھی چاہے جو بھی ہو وہاں اس وقت کے لوگوں اور آج کل کے سیاستمداروں کی نظر میں علی سیاست میں ضعیف تھے، اگر انسان سیاست میں ضعیف ہو مملکت وسیع وعریض ہو تو اس کو ایسے حالات میں سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے ایسی صورت میں کسی نہ کسی ناپسند اور ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا ہوگا ہم جیسے لوگ جو اس وقت بیٹھ کر آج سے چودہ سو سال پہلے کے حالات کے بارے میں قضاوت کرتے ہیں، انہیں قضاوت کرنے کے مقدمات وتمہیدات اور شرائط ومواقع سب کو سامنے رکھنا ہوگا، ہماری علمی وعملی کوئی حیثیت نہیں ہم اس موضوع میں علم وعمل دونوں سے بے بہرہ ہونے اور اپنے جہل ونادانی کا اعتراف کرنے کے باجود اس میں کودنے پر آپ ہمیں بیوقوف سمجھیں یا دوسروں کی تحقیقات کے چور یا طوطی سمجھیں بہر حال میں نقل لتر الی البحر کر رہا ہوں لیکن اپنی بساط علمی کے تحت پہلے اس موضوع کو سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ دو چیزوں کو سمجھتا ہوں:

۱۔ جو فکر وعقیدہ لوگوں کے اندر راسخ ہے وہ عقیدہ جامد وباطل باطنیہ ہے باطیوں کے کہنے کے مطابق حضرت علی معصوم ہیں ہم ان کو کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں انہوں نے کہا ہے کہ اس عقیدے کے سامنے سر تسلیم خم ہونا چاہیے ورنہ آپ فاسد العقیدہ ہوں گے یہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا اس عقیدے کو سمجھنے کیلئے ہمیں پہلے اپنے اندر عقیدہ عصمت پیدا کرنا ضروری ہے گرچہ آپ عصمت کو خود بھی درک نہ کریں مگر اس کو از روئے تقلید تسلیم کریں۔

۲۔ ان مسائل کو اسی طرح نا قابل فہم وادراک رکھ کر صدر اسلام کے حالات کے نشیب وفراز، فتح وشکست اور کامیابی وناکامی کے اسباب وعلل سے غافل رکھنے والے افراد کا تحقیق کرنا تو دور کی بات ہے، وہ آپ کو دوسروں کی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کی اجازت ہی نہیں دیتے تاکہ کہیں آپ کی آنکھیں نہ کھل جائیں اور آپ حقیقت اور چودہ سو سال پہلے کے اسلام حقیقی سے آگاہ نہ ہو جائیں۔

اب آتے ہیں کہ علی نے خلافت کو کیوں قبول کیا:

حسب نقل تواریخ، امام حسن نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ اس خلافت کو قبول نہ کریں۔ ابن عباس نے بھی کہا کہ آپ یہاں سے اپنے مزرعہ ینسوع میں چلے جائیں ورنہ قتل عثمان کی ذمہ داری آپ پر لگ جائے گی۔ چنانچہ آپ پر یہ تہمت لگ گئی آپ نے کسی کی بات نہیں سنی یا تو آپ نے انقلابیوں کی یا طلحہ وزبیر، سعد بن ابی وقاص کی بات سنی ہے یا کسی اور کی بات نہیں سنی اور خود اپنی رائے پر عمل کیا لیکن ہوا وہی جو یہ لوگ تشویش ظاہر کر رہے تھے۔

قرآن وسنت محمد اور عقل وعقلاء کیا کہتے ہیں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ علی اپنے عزیز فرزند نواسہ رسول اللہ اور عزیز برادر ابن عباس کی بات سنیں اور ان کے علاوہ اور کسی کی بات نہ سنیں خود غائب ہو جائیں، آگے خطرناک صورت حال ہے جو ان کے بس کی بات نہیں، اس صورت میں مدینہ رسول میں کیا بنتا، کیا حشر ہوتا کیوں کہ اس مسند پر نہ بیٹھنے سے ہرج ومرج اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور آپ کے ساتھ باقی ماندہ اصحاب بھی مدینہ چھوڑ کے چلے جاتے اور پھر مدینہ مصرین وکوفین کے مشکوک الحال لوگوں کے قبضہ میں آجاتا، اسلام کا کوئی نام لیوا نہیں رہتا، کیا یہ مناسب تھا اور جب علی کے خلافت نہ سنبھالنے پر اس ناقابل برداشت اور ضرر رساں صورت حال کا سامنا ہوتا تو کیا لوگ علی سے یہ نہ کہتے کہ اس صورت حال کے ذمہ دار آپ ہیں اور اصحاب رسول ہیں تو پھر علی ان کو کیا جواب دیتے؟

۲۔ علی نے مشکل ترین صورت حال میں بھی اسلام ومسلمین کو لاوارث نہیں چھوڑا اور اسلام ومسلمین کی خاطر اپنے ہمدردوں کے مشوروں کو نظر انداز کیا اور اپنے اوپر لگنے والی تہمت اور خطرات کی پرواہ نہ کی بتائیں علی کا فیصلہ بہتر تھا یا دوسروں کا بحث جاری ہے، انشا اللہ اسے آگے بڑھائیں گے۔

دوسرا عنوان معاویہ وبعض دیگر والیوں کی برطرفی:

کتاب امام علی محمد رضا رشید ص ۵۶ پر آیا ہے علی کے خلافت کیلئے منتخب ہونے کے فوراً بعد مغیرہ بن شعبہ علی کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ واجب الاطاعت

ونصیحہ ہیں، آج میری نصیحت ونظر یہ آپ کے ساتھ ہے جو کہ کل آپ کیلئے ثمر آور اور نتیجہ بخش ہوگا۔ اگر آپ نے آج اسے ضائع کیا تو کل اس سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ اس کو سنبھال کے رکھیں اور میری بات سنیے۔ اس کے بعد انہوں نے علی سے کہا کہ معاویہ اور ابن عامر کو اپنی اپنی جگہ برقرار رکھیں۔ جب سب لوگ بیعت کرلیں تو پھر آپ جس کو رکھنا چاہیں، رکھیں اور جسکو بدلنا چاہیں، اسکو بدل دیں تو علی نے فرمایا میں سوچوں گا۔ مغیرہ بن شعبہ چلا گیا اور دوسرے دن پھر آکر کہا میری تجویز کا کیا جواب ہے۔

آپ مستحق نصیحت واطاعت ہیں شاید میری کچھ نصیحت آئندہ آنے والے دور میں مفید ثابت ہو، میرا آپ کو مشورہ ہے معاویہ اور ابن عامر اور عثمان کی طرف سے منصوب دیگر والیوں کو برقرار رکھیں، جب تمام صوبوں کی بیعت مکمل ہوجائے تو اس وقت آپ کی مرضی ہے ان کو برقرار رکھیں یا بدل دیں، یہ کہہ کر وہ دوسرے دن آنے کا کہہ کر گھر سے نکلا تو آپ نے فرمایا یہ کسی صورت میں ممکن نہیں کہ میں ان کو برقرار رکھوں، یہ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے دن آکر اس نے کہا کل جو میں نے مشورہ دیا تھا اس سے میں منصرف ہوگیا ہوں بہتر ہے ان کو فوراً عزل کریں تا کہ پتہ چلے کون سا مطیع ہے اور کون سا سرکش ہے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغیرہ نے اپنے گزشتہ دن کے مشورے کو واپس کیوں لیا، اس کی دو توجیہ ہوسکتی ہیں، ایسے حالات میں اس نے جان بوجھ کے دو متضاد باتیں کیں تا کہ جو بھی ہو وہ کہے یہ میرا مشورہ تھا چنانچہ ابن عباس نے کہا اس نے کل جو مشورہ دیا تھا وہ اخلاص پر مبنی تھا آج جو دیا ہے وہ دھوکے پر مبنی ہے یہی مشورہ خود ابن عباس نے بھی دیا کہ طلحہ وزبیر کو بھی کوئی مقام دیں تا کہ وہ لوگ لوگوں کو نہ ورغلائیں یہاں بھی علی نے جہاں مغیرہ کی نصیحت کو مسترد کیا، وہاں ابن عباس کی بھی نصیحت کو مسترد کیا، کہا مناسب نہیں تھا کہ ان کو بیعت مکمل ہونے تک برقرار رکھیں، اگر ایسا کرتے تو واقعہ جمل پیش آتا اور نہ صفین ونہروان پیش آتا تھا، اب یہاں بھی تجزیہ وتحلیل کرنے کی ضرورت ہے کہ علی کس نہج واصول پر چلے۔

علی مغیرہ وغیرہ جیسے اہل غش کے نصائح ومشورہ کو بنیاد بنا کر حکومت اسلامی نہیں چلا سکتے ہیں اگر ان کو اس موقع بے لوث مخلص فرض کرکے ابن عباس کے ساتھ ملا کر دو بڑی شخصیتوں کی نصیحت قرار دیں تب بھی ان جیسے مسائل میں ان کی فکر ناقص ہوسکتی ہے کیونکہ معاویہ علی کے بارے میں بہت تحفظات رکھتے ہیں انہوں نے علی کی باتیں سنی ہیں معاویہ کو اپنی امارت کی بقاء کی خاطر ہر چیز کا حساب کرنا ہوتا ہے شاید ان تک مغیرہ اور ابن عباس نہیں پہنچ سکتے ہوں لیکن علی کو خود اس بارے میں ہر پہلو کو زیر نظر رکھنے کی ضرورت ہے علی معاویہ کے بارے میں یہ تحفظ رکھتے ہیں کہ معاویہ کو چاہا ہے ان کے منصب پر باقی رکھیں یا فوراً معزول کریں، وہ علی کے سامنے تسلیم نہیں ہوئے وہ جب بھی موقع ملے سرکشی کرتے ہیں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اگر ان کو برقرار رکھیں گے تو آئندہ جب معزول کریں گے تو ان کے پاس چند ین اعتراضات ہونگے، عوام کو قانع کرسکیں گے کہ اگر ہم اس منصب کیلئے اہل نہیں تھے تو پہلے کیوں ہمیں برقرار رکھا یہ سیاسی طور پر معاویہ کے پاس سند مثبت ہے اس کے علاوہ اس سوال کا جواب بھی دینا پڑتا کہ اپنے اقتدار کی خاطر، اپنی سیاست کی خاطر ایک تجربہ شدہ منحرف وگمراہ اور خاص کر وہ شخص جو علی کی نظر میں نالائق بھی ہے، اسے کیوں برقرار رکھا علی کو عند اللہ اس کا جواب دینا پڑتا۔

طلحہ وزبیر کے سوال پر علی کا جواب:

حضرت علی کی خلافت سنہ ۳۶ھ میں شروع ہوئی۔ طلحہ وزبیر اور ایک گروہ علی کے پاس آیا اور کہا ہم نے شرط لگائی تھی کہ آپ اقامہ حدود کریں گے۔ یہ لوگ عثمان کے قتل میں شریک ہیں اور انہوں نے اس کو حلال گردانا ہے تو حضرت علی نے ان سے فرمایا، اے میرے دو بھائیو! یہ جو آپ کہہ رہے ہیں، یہ مجھ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے لیکن آپ بتائیں کہ میں اس قوم کے ساتھ کیا کرسکتا ہوں، کیونکہ ہم ان پر حاکم نہیں، یہ ہم پر حاکم ہیں، تمہارے غلام ان کے ساتھ ہیں۔ عرب بدو تمہارے درمیان ہیں، تم سے جو کچھ وہ کروانا چاہتے ہیں تم کرتے ہو۔ آپ خود دیکھیں کہ کیا میں کسی بھی جگہ کوئی اقدام اٹھانے کی قدرت رکھتا ہوں کہ وہ کام کروں جس کا آپ تقاضا کررہے ہیں۔ اللہ کی قسم، مجھے ایسی کوئی چیز اور طاقت وقدرت نظر نہیں آتی جو تم دیکھ رہے ہو۔ یہ امر جاہلیت ہے۔ یہ حادثہ حادثہ جاہلیت ہے۔ یہ لوگ جاہلیت کو کھینچ کر واپس لا رہے ہیں۔ اگر ہم اس مسئلے کو اٹھائیں تو ایک گروہ اس کا حامی اور ایک مخالف ہوگا۔ ذرا حالات کو پرسکون اور ٹھنڈا ہونے تک تو انتظار کریں۔ لوگ اس بارے میں ہمارا موقف سننے کے لئے تو تیار ہوجائیں۔ اگر میں حالات موزوں ہونے پر بھی کچھ نہ کروں تو پھر واپس آکر مجھ سے سوال جواب کا تمہیں حق پہنچتا ہے لیکن طلحہ وزبیر پر یہ گراں گزرا۔ انتشار کی بات کرکے بنی امیہ وہاں سے فرار ہوگئے۔

تم میرے پاس بیعت کیلئے آئے تھے، میں نے تم سے کہا مجھے بیعت نہیں چاہیے۔ میں گھر میں بیٹھا ہوا تھا، تم نے مجھے میرے گھر سے اٹھایا، میں نے اپنے ہاتھ کو باندھا ہوا تھا، تم نے کھولا، میرے اوپر ہجوم لائے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا تم مجھے قتل کرنے کیلئے آئے ہو یا ایک دوسرے کو میرے سامنے مارنا چاہتے ہو، تم نے میری بیعت کی، میں اس بیعت پر خوش نہیں تھا، اللہ جانتا ہے میں اس سے کراہت کرتا تھا، میں نے پیغمبرؐ سے سنا تھا ہر وہ شخص جو میری امت کا ولی بنے گا، قیامت کے دن اس کے ہاتھ گردن سے باندھ کر لایا جائے گا اسے خلائق کے سامنے پیش کرینگے اس کی کتاب (نامۂ اعمال) کو کھولیں گے، اگر عادل تھا تو نجات پائے گا، اگر ظالم تھا، ہوائے نفس کے تابع ہوا تو اس کا انجام اس کے برعکس ہوگا۔

یہاں تک کہ تم لوگ میرے پاس جمع ہوئے، طلحہ و زبیر نے میری بیعت کی جب کہ بے وفائی ان کے چہرے پر نمایاں تھی، ان کی آنکھوں میں بیعت توڑنے کی نشانیاں تھیں، پھر دونوں نے عمرہ بجالانے کی اجازت لی، مجھے پتہ چلا یہ عمرہ کیلئے جانا نہیں چاہتے، دونوں مکہ گئے، حضرت عائشہ سے حقائق کو چھپایا اور ان کو دھوکہ دیا، ان کے ساتھ اولاد طلحہ نے ساتھ دیا یہاں تک کہ بصرہ پہنچے، جرائم و منکرات کا ارتکاب کیا، مسلمانوں کو قتل کیا، یہ کتنے تعجب کی بات ہے۔

[ایام عرب تالیف ابراہیم شمس الدین ص ۳۴۲] جس وقت فتنہ قتل عثمان شروع ہوا، اس وقت ازواج نبیؐ فتنے سے بچنے کیلئے مکہ گئیں تھیں، حج کے بعد واپسی پر راستے میں انھیں خبر ملی کہ عثمان قتل ہوئے ہیں تو یہ خبر ملنے پر وہ واپس مکہ آئیں اور وہاں قیام کیا اور مدینہ کے حالات کا انتظار کرنے لگیں۔ جب امیر المومنین علی بن ابی طالب کی بیعت ہوئی اور رائے عامہ علی کے حق میں گئی لیکن علی کو خود اختیار نہیں تھا کہ اپنی پسند سے اسے قبول کریں کیونکہ جن لوگوں نے علی کی بیعت کی تھی انہوں نے عثمان کو قتل کیا تھا اور علی ان سے راضی نہیں تھے لیکن علی انتظار میں تھے اور چاہتے تھے ان سے حق لیا جائے اور عثمان کے قتل کا حساب کریں لیکن لوگ علی اور اصحاب کے درمیان حائل ہوئے، سر برآوردہ شخصیات فرار کر چکی تھیں۔ اسی طرح بنی امیہ اور طلحہ و زبیر بھی عمرہ کے بہانے سے مکہ چلے گئے، ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی مکہ چلے گئے تھے۔ جب علی نے اہل شام سے لڑنے کا فیصلہ کیا اور اہل مدینہ کو دعوت دی تو انہوں نے علی کے ساتھ جانے سے انکار کیا، عبداللہ بن عمر سے کہا آپ ساتھ نکلیں تو اس نے کہا میں بھی اہل مدینہ ہوں، اگر یہ سب آپ کے ساتھ نکلیں گے تو میں بھی نکلوں گا لیکن اس سال جنگ کیلئے نہیں جاؤں گا پھر عبداللہ بن عمر بھی مکہ گئے، اس وقت یعلی بن امیہ جو کہ یمن میں عثمان کی طرف سے والی تھے، وہ اپنے ساتھ ۶۰۰ اونٹ اور ۶ لاکھ درھم لے کر مکہ گئے اس طرح عبداللہ بن عامر بصرہ سے آئے جو بصرہ میں عثمان کے نائب تھے یہ سب بڑے صحابہ تھے۔ اسی طرح امہات المومنین سب مکہ میں جمع ہوئیں، حضرت عائشہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور انھیں خون عثمان کی طلب کیلئے دعوت دی اور جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا اور بلا جرم میں اور جوار رسولؐ کا احترام نہیں کیا اور خون بہایا اور مال کو غارت کیا، اس کو بیان کیا تو لوگوں نے حضرت عائشہ کی دعوت کو قبول کیا اور کہا جو مصلحت آپ جانتی ہیں ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ جب آپ نکلیں گی تو ہم نکلیں گے، کسی نے کہا ہم شام جائیں گے تو بعض نے کہا معاویہ کافی ہے بعض نے کہا ہم مدینہ جائیں گے اور علی سے کہیں کہ وہ عثمان کے قاتلین ہمارے حوالے کریں، ہم انہیں قتل کریں گے، بعض نے کہا کہ ہم بصرہ جائیں گے اور وہاں سے ہم قاتلین عثمان کا پیچھا کریں گے، اس پر سب کا اتفاق ہوا، امہات مومنین کو وعدہ دیا تھا کہ جب آپ مدینہ جائیں گی تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے لیکن جب لوگوں نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو وہ امہات مومنین سے کئے گئے اپنے وعدہ سے برگشت ہوئے۔ یعلی بن امیہ نے لوگوں کو بصرہ کیلئے آمادہ کیا اور ۶۰۰ اونٹ اور ایک لاکھ درھم ان پر خرچ کیا اس طرح ابن عارم نے اپنا مال انہیں دیا اور حفصہ بنت عمر ام المومنین بھی حضرت عائشہ کے ساتھ بصرہ جانے کیلئے تیار ہوئیں لیکن ان کے بھائی عبداللہ نے انہیں جانے سے منع کیا، انھوں نے بھی کہا ہم مدینہ کے علاوہ کہیں اور نہیں جائیں گے۔ کہتے ہیں ۱۰۰۰ اہل مدینہ مکہ سے نکلے اور ایک دوسرے سے ملے اس طرح ۳۰۰۰ ہزار افراد نے ام المومنین عائشہ کو اونٹ پر سوار کیا جس کا نام عسکر تھا جسے یعلی بن امیہ نے ایک عربی سے خریدا تھا، اس کی قیمت ۲۰۰ دینار تھی بعض نے کہا ہے کہ ۸۰ دینار دیئے ہیں جب یہ ایک جگہ ذات عرق نامی جگہ پر پہنچے اور ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور رونے لگے تو اس دن کو انہوں نے یوم نحیب کا نام دیا، لوگ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت عائشہ نے نماز پڑھانے کیلئے اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کو معین کیا جبکہ نماز کے اوقات پر مروان بن حکم اذان دیتے تھے۔ رات کو جب یہ ایک چشمہ کے نزدیک پہنچے تو وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ جب عائشہ نے سنا تو پوچھا یہ جگہ کونسی ہے، کہا گیا یہ حواب ہے تو عائشہ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا انا للہ وانا الیہ راجعون، میں یہاں سے واپس جاؤں گی پوچھا کیوں تو جواب دیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے خواتین سے کہا ہے کہ تم میں سے کون

ہوگی جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے یہ کہہ کر اپنے اونٹ کو مارا اور رخ موڑ لیا اور کہا میں اس امر میں حصّہ نہیں لوں گی۔

حضرت علی کا بصرہ روانہ ہوتے وقت مہاجرین وانصار سے خطاب:

جب حضرت نے بصرہ روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر حمد و ثناء الٰہی اور نبی کریمؐ پر سلام و درود کے بعد فرمایا جب اللہ نے اپنے نبی کو اپنی طرف اٹھایا تو قریش نے اس منصب پر ہم سے سبقت لی اور خود کو مقدم رکھا اور ہمیں اس حق سے دور کیا جبکہ ہم سب سے زیادہ مستحق تھے ہم نے دیکھا کلمہ مسلمین میں تفرقہ وانتشار نہ ہو جائے اور خون نہ بہہ جائے ،بہتر یہ ہے کہ ہم صبر کریں کیونکہ لوگ نو مسلم تھے اور دین ابھی پکا نہیں تھا جس کو ادنیٰ سی کمزوری کمزور بناتی مختصر سا کردار اسے خاموش کرتا اس امر پر قوم مسلط ہوئی ہے جس میں جد و جہد کرنے والے بعض گزر گئے ہیں ،اللہ ان سے انصاف کرنے والا ہے،اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا حمد اس ذات کیلئے ہے،جس کی میں ہر صبح و شام شہادت دیتا ہوں کہ اللہ واحد ہے،محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اللہ نے ان کو بندوں کی طرف رسول مبعوث کیا ہے۔ملک و ملت کی حیات اسی میں ہے جب زمین فتنے سے بھر جائے ، حیلے ختم ہو جائیں ،ہر جگہ شیطان کی برگشت ہو جائے ،ابلیس خلق اللہ پر چھا جائے ، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب جس نے فتنے کی آگ کو بجھایا تھا اور شرارے کو خاموش کیا تھا اور اس کی میخیں اکھاڑ پھینکیں تھیں،اس کی کجی کو سیدھا کیا تھا وہ امام ہادی ہیں نبی مصطفیٰ ہیں ،اللہ کے احکام اور رسالت الٰہی کو پہنچایا ہے،لوگوں کے درمیان اصلاح کے راستے پر امن ہوئے ،خون بہائی رک گئی۔اہل عداوت و نفرت میں الفت آ گئی ،جب فتنے خاموش ہو گئے تو انھیں موت آئی اور ان کو اپنی طرف بلایا گیا پھر لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کی انھوں نے اپنی جد و جہد اور کوشش کو نہیں چھوڑا پھر ابو بکر نے عمر کو منتخب کیا پھر لوگوں نے عثمان کو منتخب کیا جس کی وجہ سے آپ کو کیا پہنچا اور آپ سے لوگوں کو کیا ملا یہاں تک کہ سب نے دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا طلحہ و زبیر کو کیا ہوا ہے،یہ دونوں اس قسم کے نہیں تھے،انھوں نے ایک سال ایک مہینہ تک صبر نہیں کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے ، بیعت توڑ دی اور میرے خلاف اٹھے جس کا ان کے پاس کوئی جواز نہیں تھا،جب ان دونوں نے بغیر کسی جبر و تشدد کے میری بیعت کی تھی ،ابھی یہ دونوں وہاں سے دودھ پیا چاہتے ہیں جہاں سے دودھ کٹا ہوا ہے یہ دونوں اس بدعت کو زندہ کر رہے تھے جو مر چکی ہے،عثمان نے کوئی گمان کیا تھا اللہ کی قسم عثمان کا خون بہہ گیا اور اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں،ان کی بات خود ان پر برگشت ہوتی ہے، ہم اللہ کی حجت پر راضی ہیں اگر دونوں واپس آئیں اور توبہ کریں تو ان کا حصہ انھیں ملے گا اور اگر انکار کیا تو یہی تلوار ہے جو ایسے موقع پر حق کی مددگار ہے اور مرض باطل کے لئے شفاء ہے۔

یوم الجمل:

جنگ جمل تاریخ اسلام میں وہ معمی جنگ ہے جس کے شعلہ ور طلحہ بن عبید اللہ و زبیر بن عوام ہیں ،یہ دونوں آغاز دعوت اسلام سے لے کر رحلت رسولؐ اللہ تک ہمیشہ پیغمبرؐ کی جنگوں کے شہسوار اور وفادار مجاہدین میں سے تھے اس کے علاوہ جنگ کے ایک طرف امیر المومنین خلیفہ منتخب بلا متنازع مسلمین علی تھے تو دوسری طرف ام المومنین عائشہ تھیں نیز ساتھ ہی دونوں طرف میں اصحاب رسولؐ اللہ اور مومنین تھے لہٰذا اس وقت کے تلاش حقیقت اور جستجو سے لبریز انسان پریشان اور سرگردان تھے کہ کس کا ساتھ دیا جائے ،کس کا نہ دیا جائے چنانچہ احنف بن قیس نے چندین ہزار افراد کو اپنے ساتھ اس جنگ میں شریک ہونے سے روکے رکھا جبکہ ایک شخص نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ یہ کہیں گے کہ ہم عائشہ اور ان کے ساتھیوں کو اہل باطل کہیں گے؟انہوں نے اس سلسلے میں چند غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۔حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو رغلایا۔

۲۔حضرت علی کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا۔

۳۔پھر علی کی بیعت توڑ کر مکہ گئے نمی دانم کس کس سے صلاح و مشورہ کیا اور پھر ام المومنین کو اپنی سپر بنایا۔

۴۔چوتھا عبد اللہ بن زبیر کو بھی قائدین میں شامل کیا۔

۵۔منتخب عوامی خلیفہ کے خلاف اعلان جنگ کیا ،اگر ان تمام شخصیات یا ان کے نمائندوں سے استفسار کریں کہ انہوں نے کس منطق ،کس آیت اور کس سنت پیغمبرؐ کے

تحت خلیفہ مسلمین کے خلاف آتش جنگ روشن کی تو ان کا جواب قانع کنندہ نہیں ہوتا بلکہ وہ خاموش اور مبہوت ہو جاتے ہیں خاص کر وہ جماعت جیسے ابن تیمیہ، ابن جوزی، صلابی و ابن عربی جو کہتے ہیں امام حسین نے خلیفہ وقت کے خلاف قیام کر کے غلطی کی ہے، حضرت علی اس جنگ کو خاموش کرنے کیلئے نکلے۔ سورہ حجرات آیت ۹ میں حکم الہی ہے کہ اگر دو گروہ مسلمانوں کے ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو جائیں تو ان دونوں میں صلح وصفائی کروانے کی کوشش کریں، حضرت علی نے اس آیت کریمہ پر عمل کیا تھا، اگر نہیں کیا تھا تو حضرت مقصر تھے لیکن فریق مقابل جنگ پر مصر رہا تو حکم قرآن کیا کہتا ہے، قرآن فرماتا ہے، ان سے جنگ کریں، علی نے جنگ کی، ان کو شکست دی لیکن کیا اس جنگ کی آگ کو روشن کرنے والے کافر و مرتد ہیں؟ وہ اللہ کے دین سے منحرف ہوئے ہیں، یہ کس آیت کے تحت کہا جاتا ہے؟ جبکہ قرآن نے فریق مخالف مومنین کو مومن کہا ہے، آپ کہتے ہیں، وہ کافر ہیں، یہ کہاں سے نکلا ہے؟ کافر کے لئے نماز جنازہ نہیں پڑھائی جاتی کافر کے لیے طلب مغفرت نہیں کی جاتی، خلیفہ یا امام وقت کے خلاف جنگ لڑنے والے کو باغی کہتے ہیں، وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتے ہیں لیکن ایک فریق آکر کہتا ہے یہ ان کا اجتہاد تھا، یہ اجتہاد کہاں سے نکلا ہے؟ کہا اجتہاد بھی حکم اللہ کے حصہ میں آجاتا ہے اجتہاد کرنے کا دعویٰ کرنے والے کا ہر جرم بخشا جاتا ہے معاف ہو جاتا ہے یہ نظریہ آپ نے کہاں سے لیا ہے جبکہ یہاں ایک حق پر تھا اور ایک غلطی پر۔

[ایام العرب تالیف علی محمد بجاوی ص ۳۲۱] اس جنگ کو حضرت نے ناکثین کا نام دیا ہے کیونکہ اس جنگ کے منادی طلحہ بن عبید اللہ و زبیر بن عوام ہیں جو سب سے پہلے حضرت کی بیعت کر چکے تھے، انہوں نے اپنی بیعت توڑ کر اعلان جنگ کیا چونکہ اس جنگ میں نقطہ عطف لشکر کا وہ اونٹ تھا جس پر حضرت عائشہ سوار ہوئی تھیں، اسی لئے اسے جمل کہا گیا ہے۔

طلحہ و زبیر حضرت عائشہ کی قیادت میں لشکر لے کر بصرہ روانہ ہو گئے، اس وقت وہاں پر علی کی طرف سے عثمان بن حنیف والی تھے۔ انہوں نے حکیم بن جبلہ عبدی کو طلحہ و زبیر کی طرف مذاکرات کرنے کے لئے بھیجا۔ حکیم بن جبلہ عبدی کو قتل کر دیا گیا، ان کے ساتھ مجاشع بن مسعود سلمی جو صحابی رسول اللہ ﷺ تھے، ان کو بھی قتل کر دیا گیا اور عثمان بن حنیف بصرہ سے فرار ہو گیا۔ ان کی جگہ پر حضرت علی نے سہل بن حنیف انصاری کو والی بنایا۔

علی کی بصرہ کی طرف روانگی:- [ایام العرب تالیف ابراہیم شمس الدین ص ۳۴۷]

حضرت علی جب بصرہ کے قریب پہنچے تو الخنف بن قیس اور دوسرے اکابرین کو خط لکھا۔ عثمان بن حنیف، عمران بن قیس، ابو الاسود دولی کو دوسری طرف بھیجا۔ انھوں نے طلحہ سے پوچھا کہ تم کس مقصد کے لئے آئے ہو۔ انھوں نے کہا ہمارا مقصد خون عثمان کا قصاص لینا ہے جو بلد حرام میں حج کے دنوں میں قتل ہوئے۔ پھر زبیر کے پاس گئے۔ اسی دوران ام المومنین کا لشکر بصرے کے قریب پہنچ گیا۔

جب حضرت علی نے طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کی بصرہ کی طرف روانگی کی خبر سنی تو آپ نے لوگوں کو بصرہ کی طرف چلنے کی دعوت دی تاکہ انھیں بصرہ میں داخل ہونے سے روکا جائے اور اگر داخل ہو جائیں تو باہر نکالا جائے بہت قلیل تعداد میں لوگوں نے آمادگی ظاہر کی۔ شعبی کے مطابق اصحاب بدر میں سے چھ افراد کے علاوہ کوئی نہیں نکلا۔ اسی طرح بعض کے مطابق چار آدمی نکلے۔ ابن جریر نے کہا اصحاب کبار میں سے ابو ہیثم بن تیہان، ابو قتادہ انصاری، زیاد بن حنظلہ اور حذیمہ بن ثابت ہیں۔

غرض علی مدینہ سے بصرہ کیلئے نکلے، مدینہ میں تمام بن عباس کو نمائندہ بنایا اور مکہ میں قثم بن عباس کو۔ آپ ۳۶ھ ربیع الآخر میں مدینہ سے نکلے۔ آپ کے ساتھ ۹ سو آدمی تھے۔ راستے میں عبد اللہ بن سلام نے آپ کے گھوڑے کی لجام پکڑ کر کہا آپ مت نکلیں نہیں تو اسلامی سلطنت ختم ہو جائے گی، لوگوں نے انھیں بُرا بھلا کہا تو آپ نے کہا انھیں اپنے حال پر رہنے دو۔

ایک موقعہ پر حضرت حسن نے حضرت علی سے کہا ہم نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ مت نکلیں، لوگ آپ کو قتل کریں گے، آپ نے ہماری بات نہیں مانی۔ حضرت نے کہا میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی۔ انھوں نے کہا ہم نے کہا تھا قتل عثمان سے پہلے مدینہ سے نکل جائیں، اسی طرح ان کے قتل کے بعد کہا، پھر یہ بھی کہا کہ اس وقت بیعت نہ لیں جب تک دوسرے شہروں کے لوگ بیعت نہ کر لیں۔ حضرت علی نے کہا تم جانتے ہو اس وقت ہمارا گھر محاصرہ میں تھا، میں نکل کر نہیں جا سکتا تھا۔ بیعت کے حوالے سے مجھے ڈر لاحق ہوا کہ کہیں خلافت ہی ختم نہ ہو جائے۔ ایسے ہی چند مشورے اس سے پہلے حضرت عباس نے بھی دیئے تھے۔ حضرت علی نے

ایک خط محمد بن ابی بکر اور محمد ابن جعفر کے ساتھ کوفہ بھیجا اور انھیں جنگ میں ساتھ دینے کی دعوت دی۔

جب حضرت علی کو بصرہ میں فتح ملی تو لوگوں نے جوق در جوق آپ کی بیعت کی۔ ان میں احنف بن قیس جو قبیلہ بنی سعد سے تھا وہ بھی تھا جو پہلے دونوں طرف سے لاتعلق تھا۔ حضرت نے ان سے پوچھا تم ہمارے ساتھ پہلے کیوں نہیں شامل ہوئے۔ اس نے کہا جو ہونا تھا وہ ہو گیا، اب آپ کی مرضی ہے میرے ساتھ جو سلوک کریں۔ حضرت علی نے محمد بن ابو بکر کو بصرے کا والی بنانے کی پیشکش کی جس سے اس نے انکار کیا اور کہا آپ اپنے کسی رشتہ دار کو یہ عہدہ دیں تاکہ لوگوں کو تسلی ہو۔ چنانچہ آپ نے ابن عباس کو والی بنایا اور زیاد ابن ابیہ کو خراج کی ذمہ داری دی اور اس کے مشورے پر عمل کیا۔

اس کے بعد علی اس گھر میں تشریف لے گئے جہاں حضرت عائشہ کو رکھا گیا تھا۔ وہاں بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ بنی خلف کی عورتوں میں سے ایک عورت جس کے دو بیٹوں عبداللہ اور عثمان میں سے ایک حضرت علی کی طرف تھا جبکہ دوسرا حضرت عائشہ کے لشکر میں تھا، قتل ہوئے۔ صفیہ نامی اس عورت نے حضرت علی کو برُا بھلا کہا اور کہا اللہ تمہارے بچوں کو یتیم کرے کیونکہ تم نے میرے بچوں کے بچوں کو یتیم کیا ہے حضرت اس پر خاموش رہے اور اس کی تند و تیز باتوں سے صرف نظر کیا۔ کسی نے آپ سے کہا آپ نے اس کا جواب نہیں دیا تو آپ نے فرمایا، اللہ نے ہمیں مشرکین کی عورتوں کے آگے بھی چپ رہنے کا کہا ہے جبکہ یہ تو مسلمانوں کی عورتیں ہیں۔ حضرت علی کو کسی نے آکر کہا کہ کوئی دو آدمی حضرت عائشہ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ آپ نے قعقعن بن عمرو کو حکم دیا کہ ان کے کپڑے اتار کر انھیں ۱۰۰ تازیانے لگاؤ۔

اس کے بعد حضرت عائشہ سے بات کی اور مقتولین کا تذکرہ ہوا۔ عائشہ نے انکی مغفرت کی دعا کی۔ حضرت نے انھیں کہا آپ کی مرضی ہے اگر آپ بصرہ میں رہیں اور اگر واپس جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں۔ آپ نے ان کے سفر کے لوازمات اور سواری وغیرہ کا انتظام کروایا اور اہل بصرہ کے معروف گھرانوں کی ۴۰ خواتین کو آپ کے ساتھ روانہ کیا اور اس قافلے کی سربراہی آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کے حوالے کی۔ حضرت عائشہ نے نکلتے وقت لوگوں سے کہا میرے اور علی کے درمیان عیب جوئی نہ کرنا۔ یہ ایسا ہی معاملہ ہے جیسے ایک عورت اور اسکے شوہر کے رشتہ داروں کے درمیان ہوتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا آپ ہمارے نبیؐ کی زوجہ اور ہمارے لئے قابل احترام ہیں، اسکے بعد حضرت علی کئی میل تک پیدل اس قافلے کے ساتھ گئے۔ حضرت عائشہ وہاں سے مکہ گئیں اور حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ روانہ ہو گئیں۔

تاریخ صفین:

تاریخ علوم اسلامی میں قرآن اور سنت کے بعد تیسرا مصدر اسلام تاریخ ہے جس کے بغیر فہم قرآن و سنت ادھورا اور ناقص ہے جہاں تک فہم قرآن میں تاریخ کا دخل ہے وہ اس طرح ہے کہ قرآن کریم کے بہت سے سوروں کی آیات کا فہم شان نزول کے بغیر سمجھنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے جیسے سورہ بلد کی آیات سمجھنے کے لئے ابولہب کی تاریخ پڑھنا ضروری ہے جہاں تک فہم احادیث کی بات ہے تو اس کے لیے راوی کی تاریخ جاننا ضروری ہے کہ وہ کس قسم کے انسان تھے آیا وہ عادل تھے یا غیر عادل، منافق تھے یا مومن، مسلمان تھے یا کافر تھے، اس شخص کے نام کا ذکر کتب رجال میں ملتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح دور پیغمبر اسلامؐ میں مسلمانوں نے پیغمبر کی قیادت میں اور آپؐ کے بعد خلفاء کی قیادت میں جو جنگیں لڑی ہیں ان جنگوں کے اسباب فتح و شکست کیا تھے جیسے بدر میں فتح اور احد میں شکست ہوئی، دونوں میں مسلمان کے لئے کارآمد دروس کی حامل ہیں اس لئے قرآن ان کے ذکر کو عبرت کہتا ہے اسی طرح تاریخ اسلام میں سے ایک اہم تاریخ بلکہ تاریخ کا ایک اہم حصہ جو کہ اپنی جگہ انوکھا بھی ہے یہ تاریخ دیگر تاریخ سے کچھ مختلف ہے اس تاریخ کا کس نے بیج بویا، کس نے فصل کاٹی اور کس کے لئے یہ خوشگوار ثابت ہوئی اور کس کے لیے زہر کا پیالہ بنی اور کس کو شکست میں ڈالا اور عامل فتح و شکست خود اپنی جگہ بدبخت، شقی زمانہ اور بدنام زمانہ قرار پایا، یہ تاریخ، تاریخ صفین ہے۔

معاویہ حریصِ کرسی امامت:

جس انسان کے اندر رزیلا لیاقت و اہلیت حرص اقتدار ہو، اس سے بعید و قریب کسی قسم کی امید نہیں رکھنا چاہیے معاویہ اور عثمان میں رشتہ قومیت تھی، وہ عثمان کی طرف سے شام میں امیر تھے۔ عثمان نے اپنے خلاف مہم جویوں میں ان کو بلا کر صلاح و مشورہ کیا تھا، بعد میں اس سے مدد مانگی تھی کیونکہ ان کے پاس آنکھ بند کر کے اطاعت و فرمانبرداری کرنے والا بڑا لشکر تھا، انھوں کے باوجود اس نے عثمان کو باغیوں کے رحم و کرم پر چھوڑا، آخر انھوں نے ایسا کیوں کیا، ہر قاری تاریخ کے ذہن میں

یہ سوال اٹھنا چاہیے۔اس کا جواب یہ ہے کہ معاویہ سوچتا تھا کہ عثمان کے ساتھ جو بھی ہو جائے لیکن ان سے امارت نہیں جانی چاہیے، خلافت کے تو وہ اہل ہی نہیں، اس کے لئے امید باندھنا تو بے وقوفی ہے لیکن ملی ہوئی امارت ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے۔چونکہ عثمان پر ایک اعتراض خود معاویہ کی اسراف و تبذیر کی وجہ سے تھا ان کے عزل کا مطالبہ تھا اگر باغیوں سے مبارزہ ہو جائے تو وہ نہیں بچ سکیں گے اور اگر علی کو خلافت ملے تب بھی وہ خطرے میں ہیں لہذا بہتر ہے خاموشی اختیار کریں لہذا جب بصرہ میں خون عثمان کا بدلہ لینے والوں کا اجتماع ہوا تو معاویہ نے بطور تمہید طلحہ اور زبیر کو وعدہ دیا تھا کہ اگر آپ حضرات آپس میں خلیفہ غیر معارض تعین کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس وقت تک وہ امیدوار خلیفہ نہیں بنے تھے معاویہ اس وقت اور امیدوار بنے جب عمرو عاص نے ما دام العمر مصر کی حکومت کو بلا خراج ان سے مانگا۔

وفد علی معاویہ کے پاس:

کتاب امام علی تالیف محمد رضا ص ۱۱۳ حضرت علی جب بصرہ سے کوفہ پہنچے تو آپ نے جریر بن عبداللہ البجلی کو شام میں معاویہ کے پاس بھیجا جریر جب شام میں معاویہ کے دربار پہنچا تو اس وقت اس کے پاس اشراف شام بیٹھے ہوئے تھے، جریر نے خط کو معاویہ کو دیتے وقت کہا یہ علی کا خط ہے، آپ کو بیعت کی طرف دعوت دینا ہے کیونکہ مکہ و مدینہ، بصرہ، کوفہ اور خراسان و عصرین سب نے علی کی بیعت کی ہے، اس وقت صرف آپ باقی ہیں۔خط کا مضمون یہ تھا یہ خط علی امیر المومنین کی طرف سے معاویہ کے نام ہے تم اور تمہارے پاس موجود لوگوں پر فرض ہے کہ میری بیعت کریں کیونکہ میری بیعت ان لوگوں نے کی جنہوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی۔اب دور دراز والوں کو یہ بیعت رد کرنے کی اجازت نہیں ہے معاویہ خط کا جواب دینے میں ٹالتے رہے، اس مدت میں وہ صلاح و مشورہ کرتے رہے، آخر میں انہوں نے علی سے جنگ کرنے کا جواب دیا، جریر واپس پہنچا علی نے بھی لشکر کو دعوت دی تھوڑے عرصے میں لشکر جمع ہوا اور علی صفین کے لئے روانہ ہوئے۔

جائے وقوعہ صفین:

صفین رکعہ سے قریب فرات کے کنارے پر واقع ہے۔۳۷ھ کو علی امیر المومنین کے منادی نے ندا کی کہ لشکر نخیلہ میں جمع ہو جائیں جو کہ کوفہ اور شام کے درمیان واقع ایک جگہ ہے۔علی نے کوفہ سے جنگی تیاریوں کے ساتھ شام کی طرف رخ کیا اور کوفہ پر ابا مسعود انصاری کو اپنا جانشین چھوڑا۔یہاں ستر آدمیوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ کے ہاتھ پر عقبہ میں بیعت کی تھی۔علی کی خدمت میں عبداللہ بن عباس حاضر ہوئے جو بصرے سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔یہ خبر جب معاویہ کو ملی تو معاویہ نے عمرو عاص کو بلایا اور مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ آپ کو اگر خبر ملے کہ وہ آپ کی طرف آرہے ہیں تو آپ خود نکلیں تاکہ آپ کا مکر و فریب سب کام آجائے۔پھر عمرو عاص نے لوگوں کو علی کے خلاف اکسایا اور کہا علی کے اصحاب کی تعداد کم ہے کہ وہاں مسلمان منتشر ہیں، ان میں کمزوری آگئی ہے، اہل بصرہ علی کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، عمرو نے اس طرح لوگوں کو اکسایا اور علی کے اصحاب کو کمزور دکھایا۔اس نے کہا کہ اہل عراق منتشر ہیں، انہیں قتل کیا گیا، انکے بزرگان مر چکے ہیں۔اہل بصرہ علی کے مخالف ہیں اور انکے بزرگ جمل کے موقع پر ختم ہو گئے ہیں، اب انکی تعداد قلیل ہے کہ جنہوں نے خلیفہ کو قتل کیا۔اللہ کیلئے اپنے حق کا دفاع کرو تاکہ حق ضائع نہ ہو جائے۔تمہارے اوپر لازم ہے کہ اس حق کو تلاش کریں۔

جب حضرت علی صفین پہنچے تو بشیر ابن عمر ابن محسن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی، شبث ابن ربعی کو فرمایا اس مرد کے پاس جائیں اور اسے اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دیں اور امت کی طرف دعوت دیں، واپس آجاؤ۔شیث ابن ربعی نے کہا یا امیر المومنین! کیوں نہ اسے سلطنت کی لالچ دیں اور آپ کے پاس مقام کا عندیہ دیں علی نے فرمایا، جائیں پہلے اس سے بات کریں اور اس پر احتجاج کریں، دیکھیں وہ کیا کہتا ہے چنانچہ وفد ۳۶ ہجری ذی الحجہ میں بھیجا گیا، جب یہ معاویہ کے پاس پہنچا تو عمر بن ابو عمرو نے کھڑے ہو کر کہا معاویہ! دنیا تم سے جانے والی ہے، تم آخرت کی طرف پلٹنے والے ہو، اللہ تم سے تمہارے عمل کا حساب لے گا، جو کچھ تم نے ارتکاب کیا ہے اس کی جزا دے گا، میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تم اس امت میں تفرقہ و انتشار سے باز آجاؤ اور امت کا خون نہ بہاؤ تو معاویہ نے اس کو روک کر کہا یہ بات تم اپنے صاحب سے کیوں نہیں کہتے، جا کر ان سے کہو، ابوعمرو نے کہا میرا صاحب تم جیسا نہیں، میرا صاحب اس دور میں خلق میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ اس منصب کیلئے سزاوار ہے، وہ فخر کے ساتھ دیانت رکھتے ہیں، سبقت رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے قربت رکھتے ہیں، معاویہ نے کہا وہ کیا کہتے ہیں؟ ابوعمرو نے کہا وہ آپ کو اللہ سے ڈرنے کی دعوت دیتے ہیں۔حق کی طرف پلٹنے کی دعوت دیتے ہیں اور یہ تمہاری دنیا کیلئے بھی بہتر ہے جس طرح آخرت کیلئے بہتر

ہے۔

معاویہ نے کہا ہم عثمان کے خون کے طالب ہیں، سعید بن قیس نے خطبہ دینا چاہا تو شبث بن ربیعی آگے بڑھے، انہوں نے حمدوثناء کے بعد کہا معاویہ! میں نے وہ باتیں سنی اور سمجھی ہیں جو تم نے ابن محسن سے کہا ہے، واللہ ہم سے پوشیدہ نہیں جو تم چاہتے ہو اور طلب کرتے ہو، تمہیں کوئی چیز نہیں ملی سوائے لوگوں کو دھوکہ دینے کے اور ان کی خواہشات شریدنے اور ان کی اطاعت کے لئے ، یہ سب کچھ تمہارے اس قول سے ہوا ہے کہ تمہارے امام مرے ہیں، ہم ان کے خون کے طالب ہیں، تمہیں قبول کرنے والے اس قوم کے سفیہ اور احمق ہیں۔ ہمیں پتہ ہے تم عثمان کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹے، تم خود چاہتے تھے کہ وہ قتل ہو جائیں تا کہ تمہیں آج یہ بہانہ ہاتھ لگے، تم بہت سی چیزوں کے متمنی اور طالب ہو لیکن اللہ ان کے درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ بسا اوقات اللہ تمنا کرنے والوں کی آرزوئیں پوری کرتا ہے بلکہ اس سے زیادہ دیتا ہے۔ جس چیز کے تم طالب ہو، اس میں نیکی نہیں ہے۔ جس چیز کی تم آرزو رکھتے ہو، تم نے خطا کی ہے، یہ پورے عرب کیلئے خطرناک ہوگا، اگر تم نے صحیح کیا ہے اور تم اس کی تمنا رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو، تم جہنم کا ایندھن نہ بنو جو اس امر کا اہل ہے یہ امر اس کیلئے چھوڑو۔ معاویہ نے خطبہ دیا جو چیز سب سے پہلے سمجھی وہ تمہاری جہالت و کم عقلی ہے تم نے اس حسب و نسب اور اپنی قوم کے سزاوار آقا کی گفتگو کو کاٹا ہے پھر تم نے لاعلمی کی باتیں کی ہیں، تم نے جھوٹ بولا ہے اور ملامت کی ہے اے اعرابی جاہل ظالم جو کچھ تم نے بولا ہے وہ سب غلط ہے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، میرے اور تمہارے درمیان صرف تلوار ہے، وہ لوگ غصّے میں آئے اور کہا تم ہمیں تلوار دکھاتے ہو ہم اللہ کی قسم دیتے ہیں جلد یہ تلواریں تم تک آئیں گی جلدی آجاؤ علی کے پاس، اس کو خبر دے دو کہ دونوں طرف سے ایک ایک گروہ باہر نکلے، پھر دونوں واپس آگئے ، یہ لوگ ڈرتے تھے کہ اہل عراق سے ملاقات کریں کیوں کہ اس میں ان کی ہلاکت دنابودی ہے۔

حضرت علی کا دوسرا نمائندہ معاویہ کے پاس:

۳۷ ہجری کے محرم ختم ہونے تک جنگ بندی کا فیصلہ کیا گیا اس سلسلے میں دونوں کے درمیان نمائندوں کا تبادلہ ہوتا رہا لیکن وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ حضرت علی نے عدی بن حاتم ، یزید بن قیس، شبث ابن ربیعی اور زیاد بن حسن کو معاویہ کے پاس بھیجا، جب یہ لوگ معاویہ کے پاس پہنچے تو عدی بن حاتم نے حمد وثناء کے بعد کہا، ہم آئے ہیں کہ اس امر پر اتفاق کریں کہ جس کلمے پر یہ امت متفق ہے، جس سے خون کی حفاظت ہوگی اور راستے پرامن ہونگے ، آپس میں اصلاح ہوگی ، آپ کے چچا زاد بھائی سید مسلمین سابقہ الاسلام جن پر سب متفق ہیں اور جنہوں نے لوگوں کو اللہ نے دین کی طرف ہدایت کی ہے، اب تم اور تمہارے ساتھیوں کے علاوہ کوئی باقی نہیں ہے آپ بھی آجائیں، آپ اور آپ کے اصحاب کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا جو آسیب جمل والوں کو پہنچا ہے۔ تو معاویہ نے کہا گویا تم ہمیں تہدید کرنے کیلئے آئے ہو مصلح بن کے نہیں آئے ، یہ بات ناممکن ہے، اے عدی اللہ کی قسم فرزند حرب کبھی متردد نہیں ہوئے ، تم خود ان لوگوں میں ہو جنہوں نے عثمان کے خلاف لوگوں کو ورغلایا ہے تم تو ان قاتلین میں سے ایک ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ جلد ہی تمہیں قتل کرے گا، اے فرزند حاتم! تم ایک بازو سے طاقت لے رہے ہو۔

علی کے نمائندے نے کہا، ہم اس لئے نہیں آئے کہ علی کا پیغام تمہیں اور تمہارا پیغام علی تک پہنچائیں، ہم آپ کو نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے، ہم اس بات کو بھی نہیں چھوڑیں گے جو آپ پر حجت ہے، آپ الفت و جماعت کی طرف بازگشت کریں ، ہمارے صاحب وہ ہیں جن کے فضل کو آپ اور تمام مسلمان جانتے ہیں، میرے خیال میں آپ سے کوئی پوشیدہ نہیں، اہل دین فضل علی سے منہ نہیں موڑیں گے، اللہ سے ڈرو، علی کی مخالفت نہ کرو، واللہ! ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے تقویٰ پر عمل کیا ہو، متقی ہو، دنیا میں زہد برتا ہو اور تمام صفات وخصائل میں ان سے بڑھ کر ہو۔

حضرت علی کا معاویہ کی طرف رسل ورسالت:

حضرت علی نے جنگ جمل کے بعد معاویہ کے پاس رسال ورسائل یکے بعد دیگر بھیجنا شروع کیا جن شخصیات کو حضرت نے معاویہ کے پاس بھیجا ہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔عدی بن حاتم ۲۔یزید بن قیس ۳۔شبت بن ربیعی

۴۔زیاد بن حفعہ

ان میں سے ہر ایک نے معاویہ کو سمجھایا کہ وہ اس تمرد وطغیان سے باز آجائیں، امت میں شامل ہو جائیں امت کو مزید شگاف وشقاق بننے کا باعث نہ بنیں۔ جب جنگ کو روکنے کی تمام کاوشیں ناکام ہوگئیں اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا تو حضرت نے اعلان جنگ کے ساتھ اخلاق جنگ کا بھی اعلان کیا لاتقاتلوھم حتیٰ یقاتلوکم نہج البلاغہ

پھر لشکر کو تنظیم دیا۔

۱۔ گھوڑا سواروں کی قیادت عمار یاسر کو دی۔

۲۔ پیادہ لشکر کی قیادت عبداللہ بدیل کو دی۔

۳۔ دائیں طرف اشعث بن قیس کو دیا۔

۴۔ بائیں طرف عبداللہ عباس کو دیا۔

۵۔ لواءِ لشکر کو ہاشم بن مرقال کو دیا۔

کتاب امام حسین باقر قرشی ج ا ص ۴۴۴ پر آیا ہے معاویہ نے عبید اللہ بن عمر کو جو قصاص ہرمزان سے بچنے کے لئے معاویہ کے پاس پناہ لیئے ہوئے تھے معاویہ نے ان کو امام حسن کے پاس بھیجا، عبید اللہ نے لشکر امام کے پاس آ کر امام حسن کو آواز دی، امام حسن نکل کر آئے اور ان سے سوال کیا کہا کہتے ہو تو عبید اللہ نے جواب دیا آپ کے والد قریش کے بہائے گئے خون کے بعد خلافت پہ رہیں تو ان سے کوئی راضی نہیں ہوگا کیا آپ آمادہ ہیں کہ اپنے باپ علی کو خلافت سے خلع کریں ہم اس خلع کے بدلے میں آپ کو خوب نوازیں گے۔ اس پر امام حسن نے آنکھوں میں غیض و غضب سے بھری ہوئی حالت میں فرمایا یہ نہیں ہوگا اور تم جلد ہی اس میدان میں لقمہ لشکر بنو گے چنانچہ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کسی مجاہد ہمدانی کے ہاتھوں وہ مارے گئے، ان کی آنکھوں میں اس مجاہد نے نیزہ مارا قارئین کرام یہ سنت جاریہ قدیم دور سے الی یومنا ھذا تک جاری ہے میدان صفین میں امام علی سے امام حسن کو جدا کرنے اور میدان کربلا میں امام حسین سے عباس کو جدا کرنے کی کوشش کی گئی، یہ سلسلہ اور یہ سلوک اس ناچیز و نالائق کے ساتھ بھی رہا ہے چنانچہ شبیر کوثری اور ان کے ہمنواؤں نے قادیانیوں اور اسماعیلیوں نے میری اولاد کو ورغلا کر ہم سے جدا کیا تا کہ مستقبل میں کوئی دوسرا ایسی جرات نہ کرے۔

چند دن اور چند راتیں جنگ جاری رہی۔ فریقین سے ۶۰۰۰۰ افراد قتل ہو گئے، علی کے لشکر سے عمار یاسر، حذیمہ بن ثابت انصاری ذوشہادتین اویس قرنی قتل ہوئے۔ سعد بن وقاص، سعید ابن زید ابن ثابت، محمد ابن مسلمہ، اسامہ ابن زید، عبداللہ بن عمر، صہیب رومی اور ابوموسیٰ اشعری جیسے افراد نے دیکھا کہ سلامتی اسی میں ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دیں، وہ کہتے تھے کہ اگر یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ ہے تو ایسی جنگیں ہم نے بہت لڑی ہیں اگر یہ جنگ اسلام سے بغاوت کرنے والوں کے خلاف ہے تو بھی لڑی ہے لیکن ہم اہل قبلہ سے جنگ نہیں لڑیں گے۔ جب جنگ صفین اپنے انتہائی مرحلہ میں داخل ہوئی تو اس بات پر اتفاق ہوا کہ دونوں فریقین کے درمیان دو حکم قرار دیں اور ان کے فیصلہ پر دونوں راضی ہو جائیں۔ علی کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور معاویہ کی طرف سے عمرو عاص حکم مقرر ہوئے۔

واقعہ صفین تاریخ خیاط ص ۱۱۵، سنہ ۳۷ھ ۷ صفر کو وقوع ہوا اور ۱۰ صفر کو تحکیم کا فیصلہ ہوا۔

قرآن نیزوں پر اٹھاؤ:

کتاب الامام علی ابن ابی طالب تالیف محمد رضا رشید ص ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔ جب عمرو بن عاص نے لشکر میں آثار ہزیمت و شکستگی کو بطور نمایاں دیکھا تو معاویہ سے کہا میری ایک تجویز ہے اگر اس پر عمل ہو جائے تو ہمارے لشکر میں اتفاق و اجماع ہوگا اور لشکر علی میں افتراق و انتشار رہو گا، معاویہ نے پوچھا وہ کیا ہے، کہا ہم قرآن کو نیزوں پر اٹھائیں گے اور اہل عراق سے کہیں گے ہمارے اور آپ کے درمیان قرآن کریم فیصلہ کرے گا، اگر لشکر عراق سے ایک گروہ نے اسے مسترد کیا تو دوسرے گروہ اسے قبول کریں گے اور اگر سب نے قبول کیا تو ہم جنگ کو ایک عرصے تک ملتوی کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے، معاویہ نے اس کو سراہا اور پھر قرآن کو بلند نیزوں پر اٹھایا گیا، کہا قرآن کے فیصلے پر اتریں تو سب سے پہلے لشکر عراق سے اسے پذیرائی ملی، اس طرح سے لشکر علی کی پیادہ فوج جو اکثریت میں تھی، انہوں نے اسے قبول کیا۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ کون ہیں جو قرآن کو اٹھا رہے ہیں، قدیم زمانے سے عصر حاضر تک تعظیم قرآن کے نام تجمیر و تجہیز قرآن یعنی قرآن کو کنارے پر لگانے اور روک کے رکھنے کا کام چلتا آیا ہے۔ دونوں مخالف فرقوں نے قرآن کی تلاوت کرنے کا فن و ہنر پیدا کیا، ایک قرآن کے سمجھنے سے انکار کرتا رہا ہے دوسرا درس

قرآن کے نام سے لوگوں کو لادین وسیکولر بننے کی تدریس شروع کئے ہوئے ہے۔ جنگ صفین میں اس کا افتتاح ہوا، وہاں عمرو بن عاص تھا یہاں قادیانی ہیں۔ اس فیصلے کے داعیان ملت میں یہ افراد تھے معاویہ، عمرو بن عاص، ابن معط، حبیب بن مسلمہ اور ضحاک بن قیس وغیرہ ، علی کے لشکر میں شامل خوارج کے ایک گروہ نے علی کے فیصلے کو تسلیم نہیں کیا اور جنگ بند کرنے پر مصر رہے اور کہا جنگ بند کرو ورنہ ہم آپ کے ساتھ وہ کریں گے جو عثمان سے کیا ہے، یہاں سے اس تبصرہ یا تجزیہ کی وقعت نہیں رہتی جو کہتے ہیں کہ علی کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے، علی کو دھوکہ نہیں ہوا بلکہ علی کو مجبور کیا گیا ہے۔ دھوکہ وہاں کیا جاتا ہے جہاں جن کے خلاف سازش ہوئی ہو، انہیں پتہ نہ چلے، علی نے تو سازش سے پردہ ہٹایا تھا کہ اس سازش میں نہ آئیں۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خوارج کس لشکر سے نکلے، یہ علی کے لشکر سے نکلے، انہوں نے اس رویے کی بات کی جو انہوں نے پہلے عثمان سے روا کیا تھا اور علی سے کہا کہ اگر ہماری بات نہ مانی تو آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو پہلے عثمان کے ساتھ کیا گیا تھا۔

جنگ صفین میں موقتی جنگ بندی کے دوران اچانک عمرو بن عاص کی تجویز پر ایک گروہ نے قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے لشکر علی سے مخاطب ہو کر کہا ہم اور آپ کے درمیان یہ کتاب فیصلہ کرے گی' یہ اعلان ہونا تھا کہ فوراً علی کا لشکر تین حصوں میں بٹ گیا، ایک حصہ جو اس لشکر کا اکثریتی گروہ تھا، اس کی قیادت اشعث بن قیس کندی کر رہا تھا، اُس نے اپنے قائد وخلیفہ سے بغیر صلاح ومشورہ کے اور بغیر کسی چون وچرا کے غیر مشروط طور پر اس فیصلے کو قبول کیا، دوسرے گروہ نے اس تجویز کو دھوکا وفریب قرار دے کر مسترد کیا، تیسرے گروہ نے یہ حق علی پر چھوڑا، یہاں سے علی اپنے لشکر میں سے دو تہائی سے زائد لشکر کھو چکے تھے۔ اس حالت میں حضرت علی کے لئے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اس تجویز کو مثل حنظل کی گولی یا اس سے زیادہ تلخ شربت کا گھونٹ سمجھ کر پی لیں۔

خوارج کے بانیوں کے اصرار پر حضرت علی نے بادل نخواستہ اس ٹھونسی گئی تحکیم کو قبول کیا۔ فیصلہ ہوا دونوں یعنی معاویہ اور علی اپنی طرف سے ایک شخص کو منتخب کریں گے، دونوں دومۃ الجندل میں رمضان ۳۷ ہجری کو بیٹھ کر فیصلہ کریں گے کہ کون اسلام و مسلمین کی مصلحت میں ہے۔ معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص اتفاق سے قائد لشکر معین ہوئے۔ معاویہ نے اپنی مرضی اور پسند سے عمرو عاص کو معین کیا لیکن حضرت علی کی طرف سے جس شخص کو معین کرنا تھا، اس میں علی خود مختار نہیں تھے بلکہ علی بے بس و مجبور تھے، حضرت علی اور ان کے حامیوں کا کہنا تھا اس کیلئے ابن عباس کو یا مالک اشتر نخعی کو منتخب کریں لیکن اشعث وغیرہ کا اصرار تھا کہ وہ ابوموسیٰ اشعری کو نامزد کریں۔

حضرت علی کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری انتہائی کشمکش اور اضطراب میں منتخب ہوئے، جونہی ان دونوں کا انتخاب ہوا تو فوراً ہی حضرت علی کے لشکر سے ایک گروہ نے چیخ و پکار بلند کی کہ علی نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو موجب کفر ہے اور اس گناہ کے مرتکب کو توبہ کرنی چاہیے۔ اس لشکر نے کوفہ میں داخل ہونے سے انکار کیا، کوفہ سے پہلے انہوں نے خیمے نصب کئے اور دوبارہ معاویہ سے جنگ لڑنے کیلئے علی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں سے اس گروہ کا نام خوارج مشہور ہوا۔ تحکیم تاریخ خلافت میں خطرناک موضوعات میں سے ہے کیونکہ یہاں مظلوم ومقہور اور ظالم وفتنہ گر اور سازش ساز سب اصحاب پرستوں کے نزدیک رضی اللہ عنہم ہیں اور انہیں خلیفہ برحق کو نااہل قرار دینے پر افسوس بھی نہیں ہوا۔ مقررہ وقت میں عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری دونوں دومۃ الجندل میں جمع ہوئے، دونوں نے خلوت میں صلاح ومشورہ کیا، دونوں نے طے کیا کہ ہم ان دونوں کو اس منصب سے ہٹائیں اور اسے دوبارہ امت کی طرف پلٹائیں کہ وہ نئے سرے سے نئے خلیفہ کا انتخاب کریں، اس کے بعد اجتماع میں آ کر ابوموسیٰ اشعری نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہم طویل صلاح ومشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ امت کی مصلحت اس میں ہے کہ ان دونوں کو خلافت سے دور کریں اور امت نئے سرے سے نئے خلیفہ کا انتخاب کرے لہٰذا میں اپنی گردن سے علی کی بیعت کو اتارتا ہوں اور یہ حق دوبارہ امت کو واپس کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ منبر سے اترے، عمرو عاص منبر پر گئے اور اپنے خطاب میں ابوموسیٰ اشعری کی تعریف کے بعد کہا جس طرح ابوموسیٰ اشعری نے علی کو خلافت سے معزول کیا ہے، ہم اس خلافت کے لئے معاویہ کو انتخاب کرتے ہیں۔ یہیں سے معاویہ کا پلہ بھاری ہوا اور علی کے لئے شکست در شکست کا باب کھل گیا۔

علی کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری کو منتخب کیا گیا جو کہ فکری ونظریاتی طور پر علی کے خلیفہ بننے کے خلاف تھے اور انہوں نے لوگوں کو علی کی بیعت سے روکا تھا، اب اہل فکر ونظر اور صاحبان عقل سوچ سکتے ہیں کہ ایسا شخص کیسے علی کا دفاع کرے گا۔

حضرت علی کی حکومت کو تحکیم کے ذریعہ میدان جنگ میں چومتی ہوئی کامیابی کو لقمہ حنظل میں کھلایا گیا، اس کا نقشہ کس نے بنایا' کس طرح علی سے اس کو

قبول کروایا اور کیا کیا شرائط علی پہ ٹھونسی گئیں اور بعد میں حکمین نے علی کو گرانے کا فیصلہ سنایا اور یہ آخر میں معاویہ کی حکومت کو مستقل و مستقر کرنے پر پورا ہوا، اس کے تمام ابعاد و حدود کو بحث میں لانے کی ضرورت ہے، پہلے مرحلہ میں تحکیم کا تعارف ۔ تحکیم جیسا کہ کتاب التحکیم فی شریعت اسلامیہ و نظم الوضعیہ تالیف مسعد عواد حمدان برقانی جہنی ص ۱۳۱ پر لکھتے ہیں:

لغت میں تحکیم کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی سے کہیں کہ وہ حکم کرے، فیصلہ کرے جہاں اس کا حکم نافذ ہو۔ شریعت اسلامی میں یہ چیز اختلاف زوجین سے شروع ہوتی ہوئی خاندانی، علاقائی، عشائری اور قبائلی نزاعات میں اس طریقہ کو استعمال کرتے ہیں، جہاں کسی شخص کو حکم کرنے کا اختیار سونپتے ہیں جس شخص کو فیصلہ کرنے کیلئے اختیار سونپا ہو اس کو حکم کہتے ہیں، اس عمل کو تحکیم کہتے ہیں اصطلاح فقہاء میں یہ ہے کہ دو متنازع شخص کسی کو حاکم بناتے ہیں کہ ان دونوں میں وہ فیصلہ کریں۔ وہ فیصلہ حکم قاضی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تحکیم کا حکم نافذ ہے اس کی سند ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا﴾ "اور اگر دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک عورت والوں میں سے بھیجو" سورہ نساء کی آیت ۔۳۵ سے استناد کرتے ہیں ۔

۱۔ آیا حکم تعین کرنے کا اختیار خلیفہ شرعی مسلمین کو حاصل تھا یا اس خائن و مرتد قائد لشکر کو۔

۲۔ آیا علی کی طرف سے حکم نامزد کرنے کا حق اہل عراق کا تھا یا معاویہ اور اس کے لشکر کا یا یہ صرف علی کا تھا جو کہ علی کو نہیں دیا گیا۔

۳۔ آیا حکمیں نے قرآن کی روشنی میں قصوروار کا تعین کیا کہ کون حق بجانب ہے اور کون قصوروار ہے ۔

۴۔ آیا علی کو امت نے انتخاب کیا تھا یا ابوموسیٰ اشعری نے تا کہ وہ ان کو عزل کریں ۔

۵۔ آیا ابوموسیٰ اشعری اس سے پہلے علی کے بارے میں نیک سوچ رکھتے تھے یا بری۔

لشکر علی میں شکست:

یہ اس وقت ہوا جب اہل شام شکست کے قریب تھے کہ معاویہ نے مشاورین اور قیادت لشکر سے صلاح و مشورہ کیا کہ کیا تدابیر اختیار کی جائیں تو عمرو بن عاص نے مشورہ دیا قرآن کو نیزوں پر بلند کرو اور لشکر علی کی طرف رخ کرو اور یہ نعرہ بلند کرو کہ ہمارے اور آپ کے درمیان فیصلہ قرآن پر چھوڑا جائے، جب یہ منظر لشکر امام نے دیکھا جبکہ وہ فتح کی چوٹی چومنے کے نزدیک تھے تو قرآن نیزوں پر دیکھ کر لشکر امام گروہوں میں بٹ گیا، ایک گروہ کہنے لگا ہمیں قرآن کی طرف دعوت کو قبول کرنا چاہیے، اس گروہ کا قائد اشعث بن قیس تھا۔ وہ اکثریتی گروہ کے پیادہ لشکر کا قائد تھا جبکہ اس کے مدمقابل میں دوسرا گروہ اس پیش کش کو مسترد کرنے پر مصر تھا، ان کی تعداد کم تھی، اس کے سربراہ مالک اشتر تھے، تیسرا گروہ تمام اختیارات خود حضرت علی پر چھوڑنے کے حق میں تھا لیکن اشعث بن قیس کا پلہ بھاری تھا، اس نے وہاں حرج و مرج کی صورت حال پیدا کی۔ اشعث بن قیس کے کردار کے بارے میں کتاب فی ظلال نہج البلاغہ ج ۱۹ کی تشریح میں محمد جواد مغنیہ نے محمد عبدہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اشعث لشکر حضرت علی میں عبداللہ بن ابی سلول کا کردار ادا کرتے ہوئے دونوں فریقین مقابل کے لئے کام کر رہا تھا چنانچہ اس نے ایک دن پہلے ایک مجمل افواہ چھوڑی تھی۔ اشعث بن قیس کا یہ فیصلہ قبول کرنے کا صرف یہ مقصد نہ تھا کہ فتنے کی آگ کو خاموش کیا جائے بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ اگر علی یہ فیصلہ قبول نہیں کرتے تو اہل شام کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ علی قرآن کے فیصلے کے انکاری ہیں، اُس نے صرف اس فیصلہ کو ہی قبول کروانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علی سے قائد لشکر کے تمام اختیارات چھین لئے، قائد لشکر کی حیثیت سے علی کا اختیار تھا کہ وہ تحکیم کیلئے اپنی طرف سے اپنا نمائندہ مقرر کرتے، علی چاہتے تھے عبداللہ بن عباس یا مالک اشتر نخعی کو معین کریں لیکن اشعث نے یہ اختیار علی سے چھین کر علی کو مجبور کیا کہ وہ اُس شخص کو معین کریں جسے علی نے خود والی کی حیثیت سے ہٹایا تھا، یہ شخص اہل کوفہ کو علی کی بیعت سے روکتا رہا تھا۔

یہ تھی فکر خوارج کی تاریخ و جائے پیدائش، اس فکر کا مبتکر و مبدع عمرو بن عاص ہے، جس نے سالہا سال مصر کے خراج و مالیت کو تنہا خود ہڑپ کیا تھا جس کی وجہ سے عثمان نے اسے عزل کیا اس نے انتقامی سیاست کے ذریعے حضرت عثمان کو قتل کے دہانے پر پہنچا دیا تھا، تفصیل شخصیات سیاستمداران دور دوم میں دیکھیں، اس فکر میں عمرو بن عاص کا شریک اشعث بن قیس ہے، یہ ایک خطرناک فکر ہے۔ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ فکر کہاں، کس حالت میں اور کس کی انگیختہ انگیزی پر وجود میں آئی اور اس فکر کے حامی کس سے تاثر حاصل کرتے ہیں اب ہم آتے ہیں اس کی روئیداد کی طرف۔

آئیں دیکھیں حکم انتخاب کرنے کا حق علی کو حاصل تھا یا اشعث کندی کو، دوسرے مرحلے میں جس شخص کو اشعث نے انتخاب کیا تھا وہ علی کے مخالف تھے یا علی کے حامی، جن دو افراد کو اس کے لئے منتخب کیا گیا تھا، وہ علی کے بارے میں کیا فکر و سوچ رکھتے تھے، یہ دونوں علی کے بارے میں غیر جانب دار تھے یا علی کے مخالفین میں سے تھے۔ سب سے پہلے لا حکم الا اللہ کا نعرہ بلند کرنے والا عروۃ بن حدیر ہے، بعض نے کہا زید بن عاصم محاربی ہے، یہ ان کا امیر تھا اس کے بعد انہوں نے علی، عثمان، اصحاب جمل و صفین حکمین اور ان پر راضی ہونے والے سب کو کافر قرار دیا اور لعن کو ہر اطاعت پر مقدم رکھا، اور لعن کو بنیادی شرط جواز نکاح بنایا تھا انہوں نے چھوٹے سے گناہ کبیرہ کرنے والے کو بھی کافر گردانا اور امام پر خروج کرنا واجب گردانا۔

زیاد بن حصین اور مسعر بن مدکی، ان دونوں نے علی سے کہا قوم ہمیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دے رہی ہے، تم ہمیں تلوار کی طرف دعوت دیتے ہو، حضرت نے فرمایا میں جانتا ہوں قرآن میں کیا ہے، تم لوگ جاؤ ان احزاب کی طرف، تم لوگ ادھر جاؤ جو کہتے ہیں اللہ اور اس کا رسولؐ جھوٹ بولتا ہے، ایک طرف سے تم کہتے ہو اللہ اور رسولؐ سچ بولتا ہے، کیا تم جاتے ہو اس طرف جو کہتے ہیں اللہ اور رسولؐ جھوٹ بولتا ہے، ان لوگوں نے کہا اشتر کو میدان جنگ سے واپس بلاؤ، اگر نہیں بلاؤ گے تو تمہارے ساتھ وہی کریں گے جو عثمان کے ساتھ کیا تھا، یہاں سے پتہ چلتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ خوارج منافقین کا نیا چہرہ ہے، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے عثمان کا محاصرہ کیا ہے آج انہوں نے اس عمل سے علی کو ڈرایا ہے، علی مجبور ہوئے، اشتر کو واپس لائے۔ علی اس وقت مجبور ہوئے جب قوم پیچھے ہٹ گئی اور ان کے ساتھ صرف محدود تعداد رہ گئی۔

علی نے چومتی ہوئی فتح میں شکست کھائی:

جنگوں میں فتح کس کو ملتی ہے اور شکست کس کا مقدر بن جاتی ہے، اسباب وعوامل فتح کیا ہیں۔ تاکہ ہم اپنے دشمن سے فتح کے تمام اسباب وعوامل کو جمع کریں اور وہ اسباب وعوامل کیا ہیں جو موجب شکست و ہزیمت جنگ بنتے ہیں، ان سے گریز کریں۔ اس سلسلے میں قدیم زمانے سے عصر حاضر تک ایک ہی جواب دیا جاتا رہا ہے کہ اسباب فتح طاقت وقدرت ہے چنانچہ قرآن کریم نے بھی اس کی طرف دعوت دی ہے انفال ۶۰ لیکن طاقت وقدرت خود کس چیز کا نام ہے، وہ کس بازار و مارکیٹ میں ملتی ہے تاکہ ہم اپنی نعمت حیات سے کم کر کے اسے حاصل کریں۔ طاقت وقدرت قدیم زمانے میں انسان شجاع و دلیر کو کہتے ہیں جن قوموں کے پاس ایسے شجاع و دلیر افراد ہوتے تھے وہ انہیں اپنی قوم کا سرمایہ سمجھتے ہوئے ان کو قوم کا فخر سمجھتے تھے، عرب قوم خاص کر اہل حجاز اس میدان میں خود کفیل تھے مشرکین کے پاس خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عمرو بن عبدود جیسے شجاع تھے ان میں سے ہر ایک سو یا ہزار افراد کی شجاعت کا مقابلہ کرنے کی قدرت رکھتا تھا خاص کر عمرو بن عبدود خاص شہرت کا حامل تھا ان دونوں کو علی نے مار ڈالا علی کی شجاعت و مردانگی دیکھنے کے بعد کسی اور کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ شجاعت و جوان مردی سے اپنا تعارف کروائے کثرت تعداد لشکر کو قوت کا نمونہ قرار دیتے ہیں جنگ صفین میں بعض نے کہا اس جنگ میں ہمیں فتح ہوگی کیونکہ اس میں علی کے ساتھی سب جنگوں سے زیادہ تعداد میں تھے۔

لیکن لشکر کی کثرت تو کام نہ آئی یہاں بھی فتح علی کے توسط سے ہوئی ہے کیونکہ علی میدان صفین کے امیر جنگ کے علاوہ میدان جنگ کے شجاع تھے وہ ان دونوں صفات کے حامل تھے کہ وہ مدبیر کرنے والے بھی تھے اور جنگ لڑنے والے بھی تھے اور بھی بہت سے شجاعان و مردان و جوان عرب علی کے ساتھ تھے آخر کیوں علی کو شکست ہوئی؟ کیا وہ مقولہ جو عمرو عاص نے علی کے بارے میں کہا تھا کہ علی مرد شجاع تو ہے لیکن مدبیر جنگ نہیں رکھتے ہیں کیا واقعی ایسا تھا، سوچنے، غور کرنے اور تحلیل کرنے کی ضرورت ہے، معاویہ اور عمرو عاص یا دیگر شجاعان شام کی جرات نہیں تھی کہ وہ علی کو شکست دیں چنانچہ معاویہ کو دعوت مبارزہ کرنے کے باوجود میدان میں آنے کی جرات نہیں ہوئی اور عمرو عاص آخر کار جان بچا کر فرار ہو گئے تھے پھر کون سے اسباب تھے جنہوں نے علی کو شکست دی۔

دور جدید میں یا ایک عرصے سے مردان شجاع کا نام ختم ہو گیا ہے اب تو بہت کم سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص بہت دلیر و شجاع ہے اب طاقت وقدرت افراد سے زیادہ اسلحہ کی ہے جدید ترین اسلحے سے دشمن کے ٹھکانے کو تباہ کیا جا سکتا ہے چنانچہ ایک طرف ہم نے ایٹم بم بنایا لیکن دوسری طرف وہ روزگار بھی ہم نے دیکھا کہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے لوگوں کو دشمن کے حوالے کیا جس طرح سابق زمانے میں آخری خلیفہ عباسی نے اپنے سونے سے بنائے گئے تاج اپنے ہاتھ سے ہلاکو پہنایا، طہماسب صفوی نے نادر شاہ کو پہنایا، بشار الاسد نے جہاز میں بھیجا، بیس سال فخر و ناز کرنے کے بعد ایران کے سربراہ مملکت نے کہا ایٹم بم ہمارے عقائد کے خلاف

ہے اس لئے ہم ایٹم بم نہیں بنائیں گے یہاں بھی ایک عرصے سے کہہ رہے ہیں کہ ہم ایٹمی طاقت اور اینٹی میزائل رکھنے والے ہیں لیکن اپنے عوام کو غربت وفقر، ذلت وخواری اور غلامی کے تحفہ وتحائف دیتے ہیں جو یہاں ملک فروش ہیں اور عزت فروش ہیں لوگ انہیں ہی خاندانی اور صاحبان عزت کہتے ہیں۔

ہمارے پاس ایٹم بم ہے ہمارے پاس دو ہی دشمنوں کا تصور ہے ایک بھارت جس کو ڈرانے کے لئے ہم نے ایٹم بم بنا رکھا ہے لیکن ان کی تمام کفریات اور کافرانہ ومشرکانہ عادات ورسومات جن سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہم یہاں آئے تھے وہ ہم اب اپنی قوم کے پیسے سے یہاں لا رہے ہیں دوسرا دشمن امریکا ہے ایٹم بم تو ہے لیکن وہ نہ صرف ہمیں مارنے والا ہے بلکہ ہم اپنے ملک میں موجود دشمن کو بھی مارنا چاہئیں تو اس کے لیے ہمیں اسی امریکا کی اجازت درکار ہے اور اس کی اجازت کے بغیر ہم اپنے دشمن کو ایک کارتوس بھی نہیں مار سکتے اب ہم ہر قسم کی طاقت وقدرت سے خالی قوم ہیں علی کو شکست اس لیے ہوئی کہ ان کے لشکر کا ایک بڑا حصہ منافق سربراہ کی زیر قیادت تھا، اس نے علی کو تلوار سے نہیں نافرمانی سے شکست دی۔ میدان صفین میں اشعث بن قیس نے اور میدانِ صلح میں ابوموسیٰ اشعری نامراد نے علی کو شکست دی۔

علی اور سیاست حکمرانی: [شرح نہج البلاغہ]

یہ موضوع قدیم زمانے سے عصر حاضر تک تاریخ کے تجزیہ نگاروں کا موضوع بحث وگفتگو رہا ہے۔ چنانچہ اس دور کے سیاستمداروں میں علی کو نہیں گنا جاتا ہے تاریخ میں اس دور کے سیاستمداروں کو چار افراد میں گنا جاتا ہے۔

۱۔ زیاد بن ابیہ۔

۲۔ مغیرہ بن شعبہ۔

۳۔ عمرو بن عاص۔

۴۔ معاویہ بن ابی سفیان۔

علی کا نام نہیں لیا جاتا ہے جبکہ سابق الذکر تین شخصیات زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص معاویہ کے شیداء اور کارندے رہے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ کتنے بڑے سیاستمدار تھے یہ بات حقیقت اور واقعیت سے نابینا بن کر اپنی بصارت اور بصیرت برتنے والے افراد کیلئے گراں گزرے گی لیکن وہ یہ نہیں دیکھتے کہ معاویہ کس قیمت پر مغیرہ بن شعبہ کو اور اپنے والی زیاد بن ابیہ کو اور عمرو بن عاص کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہوئے، علی کو مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن عاص کی نصائح کو مسترد کرنے کی وجہ سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اگر معاویہ نے ان کو اپنا ہمنوا بنانے کیلئے جو قیمت ادا کی ہے اس کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے عمرو بن عاص کو وہی قیمت دی جو عثمان نے ان کے ہاتھوں سے کھینچی تھی وہ قیمت حکومت مصر وہ بھی مادام العمر یا چندین سال معافی کے ساتھ خدمت سے پہلے اپنے قلم سے لکھ کر دینے کے بعد عمرو ان کا ہمدرد، ہمنوا بنا اسی طرح زیاد بن ابیہ معاویہ کا دست وبازو بنا جب اس کو ایک باپ کی ضرورت تھی جو اسے معاویہ نے دیا، اسی طرح مغیرہ بن شعبہ کو اس لیے بنایا کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ مصر کے علاوہ کوفہ بھی عمرو بن عاص کے ہاتھ نہ چلا جائے لہٰذا علی ابن ابی طالب نے فرمایا اگر دین نہ ہوتا تو ہم معاویہ سے کئی گنا زیادہ کامیاب سیاستمدار ہوتے، یہی بات قیس بن سعد نے بھی کہی کہ اگر تقویٰ مانع نہ ہوتا تو سیاست میں معاویہ ہم سے آگے نہیں جاسکتا تھا۔

بعض نے خلیفہ دوّم حضرت عمر کی سیاست کو علی کی سیاست پر ترجیح دی اور مقدم رکھا ہے اور کہا ہے کہ گرچہ میدان علم میں علی عالم تھے لیکن عمر سیاست مدار تھے اس عنوان پر شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید نے ج ۱۰ ص ۲۱۲ پر "**سیاست علی وجریھا علی سیاست الرسول**" کے عنوان پر گفتگو کی ہے۔ صاحب کتاب لکھتے ہیں کوئی بھی سیاست مدار کتنا ہی بلند اور اعلیٰ درجے پر فائز ہی کیوں نہ ہو جب تک وہ میدان سیاست میں خود صاحب رائے نہ ہو یعنی جہاں وہ اپنی مملکت و امورات اور تحکیم سلطنت کو اپنی رائے سے اور اپنی صوابدید پر چلانے کا پابند نہ ہو، وہ بے عیب سیاست مدار نہیں ہوسکتا، وہ سیاست کرتے وقت اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ اس کی سیاست شریعت سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ جو شخص سیاست اور دین دونوں کو ساتھ چلانا چاہتا ہے وہ اس میدان میں کامیاب نہیں ہوتا چنانچہ اسی نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر حضرت علی نے معاویہ کی سیاست کو اپنی سیاست کے مقابلے میں بہتر گرداننے والے کے جواب میں فرمایا، دین وشریعت اور اللہ کا خوف میرے لیے زنجیر پا بنے ہوئے ہیں، ہاتھوں کی ہتھکڑی بنے ہوئے ہیں، اگر دین وشریعت بتقویٰ اور خوف الٰہی میرے کام میں مانع نہ ہوتا تو میں سب سے زیادہ کامیاب

سیاست دان اور سیاست مدار ہوتا ۔[اللہ کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ چتا پرزہ اور ہوشیار نہیں ،مگر فرق یہ ہے کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بد کرداریوں سے باز نہیں آتا ۔اگر مجھے عیاری و غداری سے نفرت نہ ہوتی تو سب لوگوں سے زائد ہوشیار و زیرک ہوتا ۔لیکن ہر غداری گناہ اور ہر گناہ حکم الٰہی کی نافرمانی ہے ۔(خطبہ ۔۱۹۸)]حضرت عمر کی سیاست کامیاب رہنے کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ عمر سیاست مداری میں خود مجتہد تھے ،وہ اپنی آراء نظریات پر حکمرانی کرتے تھے بہر حال یہ موضوع ایک اہم اور پیچیدہ موضوع ہے ،اس پر کھلے دل سے وسیع معلومات کے تحت بحث کرنے کی ضرورت ہے ۔یہاں اس بارے میں کسی نقطہ نظر پر پہنچنے کے لیے کہ کون سیاست مداری میں کامیاب گزرے ہیں اور کون ناکام ،یہ فیصلہ کرنے اور سنانے سے پہلے ضروری ہے کہ سیاست مداری و سیاستدانی کے علاوہ شخص حاکم کے گردو پیش میں موجود مسائل کو بھی دیکھا جائے کیونکہ انسان خاص کر کے بعض حکمران بہت سے پیچیدہ اور موروثی مسائل کی لپیٹ میں ہوتے ہیں تو اس وجہ سے وہ ناکام نظر آتے ہیں جبکہ بعض کو آزاد ماحول اور تیار شدہ حکومت ملتی ہے اس زاویے سے دیکھیں تو حضرت علی کی حکمرانی میں ناکامی کی بہت سی وجوہات ہیں ،اس دور میں علی کو رکھیں ،عمر کو رکھیں ،معاویہ کو رکھیں ،یا جس کسی کو بھی رکھیں ،اسے ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہونا ضروری اور ناگزیر ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ علی کو کن مسائل کا سامنا تھا۔

تغیر مجتمع اسلامی: [عثمان بن عفان شخصیتہ وعصرہ تالیف صلابی ص ۲۹۹]

خلیفہ سوم کا دور ،دور آشوب و فتنہ کا دور متعارف ہوا ہے ۔اس دور میں دیکھنا ہوگا کہ ایک ایسا فتنہ جو تاریخ اسلامی پڑھنے والے کو اسلام ،اصحاب پیغمبرؐ اور صدر اسلام کے مسلمانوں سے بدظن کرنے پر منتہی ہوا ہے وہ آخر اس نوبت تک کیوں پہنچا ،اور یہ سب کیسے ہوا ،ان تمام سوالات کا بنیادی جواب صرف یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کی اقربا پروری ہی ان کی نااہلی کی بنیادی وجہ تھی یا ان کے حاشیہ نشینوں میں منافقین وضد اسلام اور ضد محمدؐ افراد شامل ہو گئے جو نظم خلافت کا حصہ بنے ہوئے تھے ۔تاریخ کے مطالعے سے ہمیں ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے ہونگے ۔اس سلسلے میں تاریخ صدر اسلام ،خاص کر کے دور عثمان کا تجزیہ و تحلیل کرنے والوں میں سے ایک مؤرخ ڈاکٹر صلابی لکھتے ہیں دور عثمان کے دوسرے نصف میں ایک ایسا گہرا و عمیق تغیر وقوع پذیر ہوا جو ایک عرصے سے خاموشی سے عمل پیرا تھا اور لوگوں کی نظریں اس پر نہیں تھیں ۔اچانک یہ تغیر ایک تشدد کی صورت میں منفجر ہوا اور اس کے شعلوں اور طغیان و سرکشی نے عثمان کی خلافت کو جلا دیا اور وہ اس میں قتل ہو گئے ،اس کے کیا اسباب وعوامل ہیں ۔لکھتے ہیں جب مملکت اسلامی فتوحات کے پل سے تیزی سے گزری تو اس سے مجتمع اسلامی کے اندر اس کی ترکیب میں بہت سے اختلال (خلل) ،عدم توازن اور عدم انسجام بھی پیدا ہوئے ۔بے پناہ دولت کے آنے کی وجہ سے اپنی جگہ وسعت مکانی اور وسعت آبادی بھی ایک مشکل بن گئی اور وہ چیزیں جو مجتمع اسلامی میں نہیں تھیں ،پیدا ہوئیں ،رنگ ونسل ،زبان ،عادات تقالید ،نظم ،افکار ،اعتقادات اور ادب و تعبیرات ان سب نے نئی تازہ مجتمع اسلامی کے درمیان جگہ بنائی جس کے نتیجے میں مجتمع اسلامی کی ترکیب دگرگوں ہوگئی اب مجتمع اپنی ترکیب میں غیر منسجم تھی ،خاص کر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی اہمیت اور جغرافیائی موقیت کے حوالے سے جہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی تھی جس میں اہل فارس ،اہل ترک ،شکست خوردہ روم و مجوس و فارس تبع (مقلد) شدہ یہود و مشرکین و مرتدین عرب خاص کر منافقین تھے ۔یہ سب ان شہروں میں بستے تھے یا جنگ میں شرکت کرتے تھے پھر یہاں دیگر شہروں کے مسلمان یا غیر مسلمان عربوں نے ان شہروں میں سکونت اختیار کی ،ان میں سے اکثر و بیشتر قبائل عرب جنوب شمال مشرق وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے جو صحابی رسول نہیں تھے ،ان میں ایسے افراد کم تھے جنھوں نے دین و شریعت کو پیغمبر اکرمؐ سے بلاواسطہ لیا ہو یا اصحاب کے پہلے طبقات سے لیا ہو ،اصحاب یا تو فتوحات میں مشغول تھے یا ان کی تعداد کم رہ گئی تھی ،ان میں ایک گروہ ان اعراب پر مشتمل تھا جو ایک دفعہ دین اسلام سے مرتد ہو چکے تھے ،اس طرح سے مجتمع اسلامی میں نئی عادات تقالید ،رہن سہن اور انداز زندگی نئی شکل اختیار کر گیا ،ذیل میں ہم اس مجتمع اسلامی کے عناصر ترکیبی کے بعض نمونے بطور مثال پیش کرتے ہیں ۔

۱۔علی کو حکومت اس وقت ملی جب تین خلفاء گزر گئے یعنی تقریباً ۲۵ سال وفات رسولؐ سے فاصلہ ہونے کے بعد ملی ،کوئی بھی انسان نبی کریمؐ کی قیادت سے جتنا زیادہ دور اور فاصلے میں حکومت کرے گا ،یقیناً اس کے لیے اتنے ہی زیادہ مسائل ہوں گے ۔لوگ اپنے سے سابق حکمران کو دیکھتے ہیں ،دور جا کر پیغمبرؐ کی حکمرانی کو نہیں دیکھتے یعنی اگر علی سیاست رسولؐ پر چلنا چاہیں تو علی ۲۵ سال پیچھے جا کر رسول اکرمؐ کی سیاست کو دیکھیں گے جبکہ امت موجودہ حکمران سے پہلے والے حکمران کو دیکھتی ہے تو دونوں کے نمونے یعنی امت اور امام کا نقطہ نظر مختلف ہوگا۔

۲۔علی کوخلافت ایک ہنگامی وپیچیدہ صورت میں بادل نخواستہ ردوقبول کے درمیان پریشان کن حالات میں ملی جبکہ خلیفہ اول ودوم اور خلیفہ سوم کو ایک آزاد وخوشگوار اور پُرسکون ماحول میں خلافت ملی۔

۳۔علی کوخلافت ملی لیکن حکومت مکمل طور پرنہیں ملی، بلکہ حکومت لوگوں کے ہاتھوں میں تھی چنانچہ عثمان کے قاتلین کوسپرد کرنے کا مطالبہ کرنے والوں سے علی نے فرمایا، ہم ان لوگوں پر حاکم نہیں ہیں، یہ لوگ ہم پر حاکم ہیں، میری حکومت مستحکم ہونے دو پھر ہم اس مسئلے کا حل نکالیں گے۔

۴۔خلیفہ دوم کے زمانے میں غیر مسلمین مجوس ونصاریٰ تازہ تازہ آئے تھے۔انکے لئے شہروں میں داخل ہونے پر پابندی لگائی گئی تھی اور حکومت نے انہیں الگ رکھنے کا حکم دے رکھا تھا چنانچہ وہ لوگ منطقہ حمراء اسد جو کوفہ میں ایک خاص علاقے میں رہتے تھے۔اس طرح خلیفہ دوم نے بڑے بڑے اصحاب کو مدینہ سے باہر جانے پر پابندی لگائی تھی جب عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے یہ پابندی ہٹادی تھی جس کی وجہ سے طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام جیسے نامزد خلیفہ مسلمین مدینہ سے نکل کر مصر وکوفہ پہنچے تو ان کو بہت پذیرائی ملی جس کی وجہ سے ان دونوں شہروں میں ان کو چاہنے والے لوگ بہت ہو گئے نیز انھیں تحفہ وتحائف اور مال بھی بہت ملا۔لیکن عثمان کے زمانے میں جن کے لیے شہروں میں داخلے پر پابندی تھی وہ مقامی لوگوں سے گھل مل گئے، وہ ان کے پناہ دہندہ بنے اور ان کی ضمانت میں وہ شہروں میں رہے اور انہوں نے عرب مخالفین کو اسلام کے خلاف اُکسایا، انہیں تربیت دی اور جب انقلابیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کرنا چاہا تو یہی لوگ آگے آگے رہے اور چالیس دن سے زیادہ حکومت ان کے ہاتھ میں تھی۔

۵۔یہ علی کی دیانت، اسلام ومسلمین کے ساتھ اخلاص ووفاداری کی واضح نشانی ہے کہ علی نے فرمایا کہ میں اب اس حالت میں خلافت کو نہیں چلاسکتا لیکن لوگوں نے اس خلافت کو زبردستی علی پر ٹھونسا ہے اور انہوں نے بادل نخواستہ اسے قبول کیا ہے۔

۶۔خلیفہ اول، خلیفہ دوم اور سوم کے ساتھ تمام اصحاب پیغمبرؐ متفقہ طور پر ان کے حامی تھے، وہ مرکز میں رہتے تھے لیکن جب فتنۂ عثمان آیا تو اصحاب پراگندہ ومنتشر ہوئے ،ایسی صورت میں انہوں نے خود کو امور مسلمین سے لاتعلق قرار دیا تھا لیکن علی امت کے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے، یہی وجہ ہے کہ علی کوخلافت ملنے سے پہلے اور ملنے کے بعد دونوں حالات میں انہوں نے اسلام ومسلمین کے مسائل سے خود کو اجنبی ولاتعلق نہیں رکھا ہوا تھا، اسی لئے اب علی تھے اور انقلابی، اس تناظر میں علی کو خلافت قبول کرنا چاہیے تھی یا نہیں، یہاں چند مفروضات ہوسکتے ہیں۔

۱)۔قبول کرنا چاہیے تھی یہ وظیفہ عقلی وشرعی تھا جسے علی نے بادل نخواستہ قبول کیا ورنہ مصر وبصرہ اور کوفہ سے آنے والے جنگجوں کے ہاتھوں میں مدینہ کی ریاست پر غافقی مجہول الحال اور دین اسلام سے ناواقف امیر المومنین بنتے یا وہاں اتاترک جیسا اعلان جاہلیت سامنے آتا جیسا کہ صفحات تاریخ اور آپ کے کلمات وخطبات سے آشکار ہوتا ہے۔

۲)۔آپ کو ابن عباس اور امام حسن کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہر حالت میں خلافت کو رد کرنا چاہیے تھا۔

۳)۔آپ کو ابن عباس اور مغیرہ بن شیعہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے عثمان کے سابقہ والی جو فسق وفجور کرتے تھے اور اسلام ومسلمین سے کھیلتے تھے، ان کو باقی رکھنا چاہیے تھا۔یہ وہ فلسفہ تراشیاں ہیں جو قدیم وجدید دانشور یا دانشور نما حضرات نے پیش کی ہیں۔

علی اور یہودی: [قصص العرب ج۴ص۳۷۷]

ایک یہودی نے علی سے کہا کہ ابھی تم لوگوں نے اپنے نبیؐ کو دفن نہیں کیا تھا کہ ان کے بارے میں اختلاف شروع کردیا۔حضرت نے جواب دیا ہم نے اپنے نبیؐ کے بارے میں اختلاف نہیں کیا، بلکہ ان کے بعد جانشینی کے سلسلہ میں اختلاف ہوا مگر تم تو وہ ہو کہ ابھی دریائے نیل سے نکل کر تمہارے پیر خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ اپنے نبی سے کہنے لگے کہ ہمارے لیے بھی ایک ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں تو موسیٰ نے کہا بیشک تم ایک جاہل قوم ہو۔(اعراف ۱۳۸)

علی اور ایک اعرابی: [قصص العرب ج۴ص۴۰۶]

ایک آدمی نے علی سے پوچھا آپ اور عثمان کی خلافت مکدور اور پرآشوب رہی جب کہ خلافت شیخین ایسی نہیں رہی تو علی نے جواب دیا اس لئے کہ اس وقت

میں اور عثمان دونوں ان کے معاون تھے، ابھی تم اور تم جیسے لوگ ہمارے معاون بنے ہوئے ہیں لہٰذا وہاں اتفاق آیا اور جب ہم آئے تو یہاں اختلاف ہوا ہے۔

قضاوت امیر المومنین:

قارئین قضاوت وعدالت علی ابن ابی طالب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں ہر مظلوم وستم زدہ انسان کو بغیر کسی خوف وہراس ودباؤ کے عدالت دی یہاں تک کہ قضاوت وعدالت علی رہتی دنیا تک ایک مثال بن گئی ہے لیکن اس وقت تاریخ میں سب سے مظلوم علی ہیں، علی پر ظلم کرنے والوں میں علی علی کہنے والے زیادہ ہیں جنہوں نے علی کو بشریت سے نکال کرا لوہیت کا لباس پہنایا ہے۔ سب سے بڑا ظالم انسان وہ ہے جس نے علی کو لباس غلاظت غلو پہنایا ہے، اس سے زیادہ ظالم وہ ہے جس نے علی سے غیر عقلی وغیر شرعی قضاوتیں منسوب کی ہیں، ان کے بارے میں ملاحظہ کریں۔

قضاوت کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ خود قضاوت کے بارے میں کچھ وضاحت پیش کروں قضاۃ کی جمع اقضیہ قضایا ہے، جس کے معنی حکم کرنا ہے جیسا کہ سورہ اسراء ۲۳ میں آیا ہے اصطلاح فقہاء میں فصل خصومیات قطع منازعات کو کہا جاتا ہے نظام اجتماعی میں قضاوت حاکم اعلیٰ مجری کے بعد حکومت کا دوسرا ستون ہے قضاوت تعیین محکوم بہ وعلیہ کے بعد قوۃ مجریہ یا نافذہ اس پر عمل درآمد کرتا ہے اگر مجریہ صالح نہ ہو تو قاضی کی صلاحیت کی کوئی قیمت نہیں ملتی ہے سوائے چرچا کے۔ چنانچہ اپنے ملک میں آپ دیکھتے ہیں بہت سوں کو محکوم کرنے کے بعد کتنے انحراف کے ساتھ دندناتے پھرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں۔

علیٰ ای حال یہ اس کے تصعید کی جگہ نہیں، صرف اس کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے نساء ۵۸۔ مائدہ ۴۸۔ ۴۹ نساء ۱۰۵۔

اسی قضاوت سے ہی معاشرے میں الفت ومحبت اور ایک دوسرے سے انس پیدا ہوتا ہے ورنہ صاحبان طاقت وقدرت مثل درندہ یا مثل بھیڑیا غرباء وضعفاء کو کھا جاتے ہیں چنانچہ اس اہمیت کی خاطر نبی کریمؐ مبعوث بر سالت ہونے کے بعد مفتوحہ علاقوں میں اپنے اصحاب میں سے بعض قابل ولائق اصحاب کو قاضی بنا کر بھیجتے تھے، ان میں سے ایک معاذ بن جبل تھے ایک ہستی خود امیر المومنین علی تھے آپ نے علماء کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تھا، نبی کریمؐ کے درخشاں دور کے کلمات عدالت آخرین کے دور قضاوت کے لیے مثال بننے کی نوبت ہی نہیں آئی چنانچہ ابوبکر کے دور میں جب عمر کو قاضی منتخب کیا گیا تھا تو عمر بیٹھے تھے کہ کوئی مقدمہ آئے جسکا عدل وانصاف سے فیصلہ کروں لیکن نہ تو لوگوں میں کوئی ایسا جھگڑا و فساد ہوا اور نہ کسی کو قاضی کے پاس جانے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن خود عمر کے دور میں ایک دو مقدمات آنا شروع ہوئے تو عمر نے علی کو قضاوت کی ذمہ داری دی دیکھو اور غور کرو کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں حکومت کے دوسرے ستون قضاوت پر علی فائز تھے۔ آج بعض لوگ کس منہ سے عمر کو ظالم وکافر قرار دیتے ہیں اس صورت میں علی نعوذ باللہ کافر وظالم کے معاون مددگار بن جاتے ہیں لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ کی قضاوتوں کی کہانیوں سے کشف نقاب کروں، طلاب تاریخ اور اساتید تاریخ اس تحریفاتی مناظرہ کا نظارہ کریں کیونکہ غالیوں نے آپ کی قضاوت کے نام سے آپ کی شخصیت کو معمہ اور عنقا پیش کیا ہے جو قضاوتیں آپ سے منسوب کی گئی ہیں وہ کسی عادی بشر تو چھوڑیں نبی مرسل کے لئے بھی ممکن نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے بعض خلاف عقل ہیں اور بعض دیگر کا قضاوت سے تعلق ہی نہیں ہے وہ ریاضیات، کیمیا اور فزکس سے متعلق ہیں۔

شیخ تستری نے کتاب ''قضاوتہائے محیر العقول علی بن ابی طالب'' میں بہت سی ضد عقول قضاوتیں حضرت علی سے منسوب کر کے نقل کی ہیں۔ کتاب موضوعات الآثار والاخبار ص ۲۷۵ پر آیا ہے قضاوتہائے غیر معقول شیخ تستری سے منقول ہے، وہ لکھتے ہیں، حضرت علی کے دور خلافت میں کسی عرب علاقے میں کسی خاندان کے ہاں ۹ یا ۱۰ برادران تھے ان کی ایک ہی بہن تھی، ان بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے اپنی بہن سے کہا ہم اپنی تمام جمع کسب کی دولت آپ کے سپرد کرتے ہیں اس شرط پر کہ آپ کوئی شوہر نہ کریں، اس بہن نے ان کی پیشکش کو قبول کیا، ایک دن وہ عورت اپنے علاقے کے قریب میں واقع ایک تالاب میں نہانے گئی، نہانے کے بعد وہ گھر آئی تو اس وقت اس نہر سے ایک علقہ اس کے شکم میں گیا وہ رفتہ رفتہ بڑی ہوگئی یہاں تک کہ اس کا شکم ایک حاملہ عورت جیسا نظر آنے لگا تو بھائیوں کو شک ہوگیا کہ بہن نے عمل حرام کا ارتکاب کیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کو قتل کریں تو ان میں سے کسی نے تجویز دی کہ مسئلہ کو علی کے پاس لے جائیں چنانچہ وہ لوگ بہن کو لے کر علی کے پاس پہنچے اور علی کی خدمت میں اپنا مسئلہ پیش کیا، علی نے ایک طشت مانگا، اس میں گرم پانی بھرایا اور اس عورت کو اس میں بٹھایا، جب علقہ کو گرم پانی کی بو آئی تو وہ طشت میں گرا تو انہوں نے بلند آواز میں کہا، اے علی تو ہمارا رب ہے تو علم غیب جانتا ہے تو علی نے منع کیا، ڈانٹا کہا نہیں،

میں علم غیب نہیں جانتا ہوں، یہ چیز مجھے رسول اللہ نے خبر دی ہے اس جیسی روایات بنام فضائل امیر المومنین علی کے دشمنوں نے علی کے نام سے داخل کیئے ہیں جو کتب رجب شیخ برسی معالم زلفن کتب شہر آئین آشوب تستری بحار الانوار میں کثرت سے ملیں گے۔

یہ اس طرح کے واقعات اپنی اسناد کی خرابی کے علاوہ عقل سالم اور آیات محکمات سے متصادم ہیں فی مقام روایت میں جو لکھا ہے فرض کریں کہ یہ جرثومہ اس عورت کے شکم میں داخل ہو بھی جائے کیونکہ گندے پانی میں جراثیم ہوتے بھی ہیں جو داخل بھی ہو سکتے ہیں لیکن جراثیم اتنے بڑے نہیں ہوتے کہ ایک جراثیم سے انسان کا پیٹ بڑا ہو جائے اگر وہ اتنا بڑا ہو بھی جائے تو انسان کا شکم اسے ایک دن کیلئے بھی برداشت نہیں کر سکتا ہے جب کہ اس عورت کو کوئی درد بھی نہیں ہوا جب بھی باہر نکلی تو لوگوں کے سامنے بغیر کسی درد کے نکلی۔ گویا یہ ایک جھوٹا واقعہ ہے اس طرح ایک روایت اس کتاب کے ص ۲۲۲ پر نقل کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ نے جہنم کو گنہگاروں اور عاصیوں اور مجرمین کے لئے خلق کیا ہو تو یہ لوگ فرزند پیغمبر و فرزند امام ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ امیر المومنین سے مروی روایت نہج البلاغہ کے کلمات قصار میں آئی ہے اللہ نے جنت کو مطیعات کیلئے خلق کیا ہے ولو وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو اور جہنم کو عاصی و مجرمین کیلئے خلق کیا ہے ولو وہ قریشی سید ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ منطق منطق یہود و نصاریٰ ہے کہ جنت میں یہودی یا نصاریٰ ہی جائیں گے جس طرح یہ گروہ شیعہ کہتے ہیں افسوس کی بات ہے کہ اگر یہ باتیں جاہلوں کے عقائد تک محدود رہتیں تو اور بات ہوتی لیکن علماء فضلاء اور ملک وقوم کے رہبر بننے کے امیدوار سلمان نقوی وغیرہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یہاں موجود ملحد و فاسد حاکم کو بھی فاسد نہیں کہہ سکتے ہیں بشرطیکہ وہ شیعہ ہوں اس جیسی روایات نے شیعوں کو دنیائے کفر والحاد و شرک و مجوس سے قریب اور عام مسلمانوں سے دور کیا ہوا ہے۔

یہ قضاوتیں کتاب مشارق الانوار شیخ رجب علی برسی سے نقل کی گئی ہیں یہ کتاب علی و اولاد علی سے منسوب کی جانے والی اخبار اکاذیب سے پُر ہے۔ سید ہاشم معروف حسنی اپنی کتاب موضوعات فی الآثار والاخبار ص ۲۲۲ پر لکھتے ہیں: ایک دن حضرت علی مسجد کوفہ میں قضاوت فرما رہے تھے، اس وقت ایک شخص جس کا نام صفوان الاکحل تھا، اس نے حضرت علی سے کہا میں آپ کے شیعوں میں سے ہوں، میں نے بہت سے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اب میں چاہتا ہوں ان سے پاک ہو جاؤں۔ علی نے فرمایا تمہارا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے، اس نے کہا میں نے قوم لوط کا عمل کیا ہے، بہت بڑا مجرم ہوں، علی نے کہا کون سی سزا پسند کرو گے، ذوالفقار سے ایک بار وار کروں یا کسی کمرے میں دیوار تم پر گراؤں یا تم کو آگ میں پھینک دوں، جو تم پسند کرو گے وہی کریں گے۔ اس نے کہا مجھے آگ میں جلا دیں تا کہ آخرت کی آگ سے نجات مل جائے، حضرت علی نے عمار سے فرمایا، لکڑی جمع کریں تا کہ اس کو جلا کر اس کو اس میں پھینک دوں اور اس شخص سے کہا جاؤ تم اپنی وصیتیں کرو اور امانتیں ادا کر دو۔ اس نے مال کو اپنے اہل و عیال اور اولاد میں تقسیم کیا، ہر ذی حق کو اس کا حق دیا اور مسجد کوفہ کے مشرق کی طرف واقع حجرے میں آ کر بیٹھ گیا، امیر المومنین نماز پڑھ کر آئے، عمار سے فرمایا کوفہ میں اعلان کرو کہ لوگ آئیں اور علی کا فیصلہ دیکھیں، لوگ کہنے لگے کہ کیا علی نے یہ نہیں کہا تھا کہ آگ علی کے شیعہ کو نہیں جلا سکتی جبکہ یہ علی کا شیعہ ہے، اگر آگ نے اس کو جلایا تو اس کی امامت باطل ہو جائے گی، امیر المومنین نے اس بات کو سنا، اس آدمی سے کہا تم خود آگ لگاؤ، اگر تم شیعہ علی ہو گے، اس کے دوست دار ہو گے تو آگ تم کو نہیں جلائے گی لیکن اگر تم جھوٹے ہوئے تو جل جاؤ گے، اس نے آگ جلائی، لکڑیاں سب جل گئیں لیکن وہ خود ایک سفید لباس پہن کر آیا تھا آگ نے اس کو مس تک نہیں کیا حتیٰ اسے دھواں بھی نہیں لگا یہاں علماء عقلاء اور اہل فکر و دانش پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ دیکھیں اور بتائیں کہ آپ کے فضائل کے نام سے عقل و شرع سے متصادم اکاذیب بیان کرنے والے کون ہیں، یہاں مجرم کون تھا، جرم کی سزا دینے والا کون تھا، غلط سزا دینے والا کون تھا اور سزا سے نجات دلانے والا کون تھا اور اس نے کیسے نجات پائی، کیا یہ بھی ابراہیم خلیل کی طرح تھا، کیا اس جھوٹے واقعہ کو پڑھنے کے بعد شیعہ گناہوں سے توبہ کریں گے یا گناہوں پر جری ہو کر اور زیادہ کھل کر گناہ کریں گے۔

علی کی نظر میں قضاوت کی قسمیں:

حضرت علی فرماتے ہیں کہ قاضی کی تین قسمیں ہیں ان میں سے دو قسم کے قاضی جہنم میں اور ایک قسم کا قاضی جنت میں جائے گا۔ وہ قاضی جو حق سے انحراف کرتے ہیں اور وہ جو اپنا اجتہاد کرتے اور اجتہاد میں غلطی کرتے ہیں یہ دونوں جہنمی ہیں۔ اور وہ جو حق میں اجتہاد کرتے اور حق پر پہنچتے ہیں، وہ جنتی ہیں علی فرماتے ہیں قضاوت اسی طرح کریں جس طرح پہلے کرتے تھے تا کہ جماعت باقی رہے اور اختلاف ختم ہو جائے۔

[کتاب عشرہ مبشرون جلد ۲ ص ۶۵]

۱۔حضرت علی کے دور خلافت میں منصب قضاوت پر فائز شخصیات میں ایک شریح بن حارث کندی ہے ۔شریح جاہلیت کے دور سے بھی گزرے ہیں، وہ تابعین کے بڑوں میں شمار ہوتے ہیں ۔شریح حضرت عمر کے دور سے لیکر حضرت علی کے دور میں بھی مسلسل منصب قضاوت پر رہے یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان کے دور میں بھی وہ حجاج کی طرف سے قاضی رہے، وہ اپنے دور کے اس شعبے میں سب سے زیادہ عالم تھے، وہ ایک خاص ذہنیت، ذکاوت، معرفت، عقل، پختگی وفراست اورمتانت کے حامل انسان تھے ۔شریح نے ۸۷ھ میں ایک سو سال کی عمر میں وفات پائی، انہوں نے اپنی عمر کے ۶۰ سال قضاوت میں گزارے۔

۲۔سعید ابن نمران الھمدانی: ابوحیان نے ہیثم بن علی سے نقل کیا ہے کہ جب علی کوفہ پہنچے تو سعید ابن نمران الھمدانی کو پھر ان کی جگہ عبیدہ سلمانی پھر ان کی جگہ شریح کو قاضی بحال کیا۔

۳۔علی نے کوفہ میں شریح کندی کو قاضی قرار دیا، پھر انہیں عزل کیا، پھر محمد ابن یزید خلیدۃ شیبانی کو چند مہینے قضاوت کے عہدے پر رکھا اور پھر دوبارہ قاضی شریح کو بحال کیا۔

۴۔قثم بن عباس بن عبدالمطلب ۔قثم حضرت علی کی طرف سے مکہ میں والی بھی رہے ہیں۔ جب علی کو خلافت کے لئے انتخاب کرلیا گیا تو خالد بن عاص بن ھشام بن مغیرہ مخزومی مکہ میں قاضی تھے، علی نے ان کو معزول کیا اوران کی جگہ ابی قتادہ انصاری کو اس منصب پر لائے پھر ان کی جگہ قثم بن عباس کو قاضی بنایا یہاں تک کہ حضرت علی قتل ہوئے۔

۵۔عمارۃ بن شہاب ثوری کو کوفہ میں قاضی بنایا۔

۶۔قیس ابن سعد کو قاضی بنایا، پھر بصرہ جاتے وقت انہیں اپنے ساتھ لیا، وہ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں علی کے ساتھ رہے پھر حضرت علی نے قیس کو مصر کا والی بنایا جو معاویہ کے لئے گراں گزرا کیونکہ اسکے حیلے ناکارہ ہوگئے، بہت سوں نے قیس کی شکایت کی یہاں تک کہ قیس کو مصر سے عزل کیا گیا اوران کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی بنایا پھر حالات بگڑ گئے ۔معاویہ نے بہت کوشش کی کہ قیس کو مصر سے ہٹایا جائے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے تو معاویہ نے علی کے اصحاب سے رابطہ کیا اوران کو یہ سمجھایا کہ محمد ابن ابی بکر کو مصر کا والی بنادیں ۔ چنانچہ علی نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی بنادیا۔قیس بن سعد حضرت علی سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ علی قتل ہوئے آپ کے بعد قیس حضرت حسن کے لشکر کے قائد بنے یہاں تک کہ حضرت حسن نے صلح کی تو قیس واپس مدینہ آگئے ۔

۷۔عثمان بن حنیف: حضرت عثمان بن عفان قتل ہوئے اور ابن کریز نے بصرہ چھوڑا تو علی نے عثمان بن حنیف کو کوفہ کا والی بنایا یہاں تک کہ طلحہ و زبیر بصرہ آئے، عثمان بن حنیف نے ان دونوں سے جنگ لڑی۔

۸۔جعدہ بن ھبیرۃ مخزومی قریشی: حضرت نے ان کو خراسان میں والی بنایا۔

جب حضرت بصرہ سے جنگ جمل سے فارغ ہوکر کوفہ آئے تو جریر بن عبداللہ بجلی کو جو کہ ہمدان میں حضرت عثمان کی طرف سے والی تھا، ان کو بلایا اشعث بن قیس جو کہ آذربائیجان میں والی تھا ان کو بلایا ان دونوں کو حکم دیا کہ لوگوں سے بیعت لیں اور اس کے بعد یہاں آجائیں یہ دونوں آگئے تو حضرت نے چاہا ان دونوں میں سے ایک کو معاویہ کی طرف بھیجیں تو جریر نے کہا مجھے بھیجیں میں ان کو آپ کی اطاعت کی طرف دعوت دوں گا، اشتر نے کہا ان کو نہ بھیجیں، ان کی فکر ان کے ساتھ ہے ۔حضرت نے فرمایا نہیں چھوڑو، ہم دیکھیں گے یہ کیا جواب دیتے ہیں' پھر حضرت نے ایک خط لکھا، جس میں لکھا تھا مہاجرین وانصار نے میری بیعت پر اتفاق کیا ہے لیکن طلحہ وزبیر نے بیعت توڑی، اس کے نتیجہ میں انہوں نے ہم سے جنگ لڑی، آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ جس طریقہ سے انصار ومہاجرین نے بیعت کی ہے ،آپ بھی بیعت کریں۔

خوارج اوراس کے موطن پیدائش:

اصطلاحات سیاسی واسلامی میں سے ایک کلمہ خوارج ہے جس کی تعریف میں ابوالحسن اشعری نے کہا ہے، خوارج اس گروہ کو کہتے ہیں جنہوں نے خلیفہ مسلمین علی بن ابی طالب کے خلاف خروج کیا ہے اس لئے انہیں خوارج کہتے ہیں، وہ بیعت کرنے کے بعد ان کی اطاعت سے نکلے، اس لئے انھیں مارقین کہتے

ہیں۔

سب سے پہلے اسلام کے ستون کو منہدم کرنے والے، اقتدار مسلمین کو متزلزل کرنے والے، مسلمانوں میں قرآن و سنت محمدؐ سے مرکب آئین کو معطل اور مفلوج کرنے اور خلیفہ برحق مسلمین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے والے، مسلمانوں میں ہرج و مرج قائم کرنے والے اور مسلمانوں کے آئین حیات کو لنگڑا بنانے والے گروہ خوارج ہیں۔ حقیقت میں فکر خوارج، فکر نفاق قدیم کا نیا چہرہ ہے۔ نفاق کا صحیح ترجمہ کفر و ایمان اور حق و باطل کو امتزاج کرنے کا نام ہے، اس عمل کا ابتکار پہلے ابلیس نے کیا تھا جہاں اس نے بیک وقت اللہ کی الوہیت کے ساتھ تمرد اور عصیان و طغیان کا بھی اعلان کیا تھا۔

جب حضرت علی اور آپ کا لشکر صفین سے کوفہ کیلئے نکلے کتاب امام علی ص ۱۶۵ پر آیا ہے، جب لشکر کوفہ کے نزدیک پہنچا تو بارہ ہزار کی تعداد کے لشکر نے کوفہ میں داخل ہونے سے انکار کیا وہاں خیمے نصب کیے۔ یہاں علی کے خالص پیروکاروں اور اس گروہ میں بحث و گفتگو اور اختلافات شروع ہوگئے تو خوارج نے حکمین بنانے کو علی کی طرف سے غلط ٹھہرایا ہے تو حضرت نے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا تاکہ پتہ چلے وہ کیا چاہتے ہیں کیا اعتراض کرتے ہیں پھر علی خود وہاں پہنچے، آپ نے ان سے پوچھا تمہارا سربراہ کون ہے، کہا ابن کوا ہے حضرت نے ابن کوا سے پوچھا آپ کیا کہتے اور کیا چاہتے ہیں، تو ابن کواء نے کہا آپ کا صفین میں تحکیم کو تسلیم کرنے پر ہمیں اعتراض ہے آپ نے فرمایا جب انہوں نے قرآن کو بلند کیا قرآن کے فیصلے کی دعوت دی تو ہم نے کہا تھا یہ لوگ دھوکہ دے رہے ہیں یہ لوگ اصحاب دین ہیں نہ اصحاب قرآن، ان کے دھوکہ میں نہیں آنا میں نے اپنا بچپن اور جوانی ان کے ساتھ گزاری ہے، یہ دھوکہ فریب و مکر ہے تو تم لوگوں نے نہیں مانا کہا ہمیں قبول کرنا ہے جب تم لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم ان کی دعوت کو مانیں تو ہم نے با دل ناخواستہ بطور مشروط اس شرط کے ساتھ قبول کیا تھا کہ یہ دونوں فیصلہ قرآن اور سنت کے اندر رہ کر کریں گے اگر ان دونوں کے مطابق فیصلہ دیا تو بہتر ورنہ ہم دوبارہ جنگ کیلئے نکلیں گے، ابن کواء نے کہا، کیا مردوں کو حکم بنانا درست تھا یا غلط حضرت نے فرمایا ہم نے مردوں کو حکم نہیں بنایا بلکہ ہم نے قرآن کو ہی حکم بنایا ہے تو کہا مدت کیوں معین کی علی نے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون صحیح کہتا ہے اور کون غلط، اس پر یہ لوگ کوفہ میں داخل ہوگئے۔

خوارج مادہ خروج سے ہے اصطلاح میں اپنے زمانے کی حکمرانی سے خارج ہونے والوں کو کہا جاتا ہے عرف عام میں خوارج جنگ صفین میں علی کو حکمین قبول کرنے پر مجبور کرنے کے بعد جنہوں نے کہا کہ آپ نے کیوں حکمین بنائے آپ نے غلط کیا، انہیں نیز کوفہ میں آکر اپنا رئیس انتخاب کر کے علی کے خلاف خروج کرنے والوں کو خوارج کہا گیا ہے۔

خوارج اسلامی اقتدار کی بنیادوں کو متزلزل و مسمار کرنے اور اسے نادان، اوباش، ناشناس اور غیر صالح افراد کو سونپنے کیلئے تمہید بنانے، ہنگامہ خیزی، افراط و تفریط کا ماحول پیدا کرنے اور غیر مفہوم غیر واضح شعار بلند کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ عصر حاضر میں بعض گروہ شعار لبیک یا حسین بلند کر رہے ہیں، نہ حسین نے ان کو بلایا ہے، نہ ان کا لبیک اس وقت حسین کو پہنچ رہا ہے حسین اسلامی اقدار بلند کرنے کے لیے نکلے تھے یہ لوگ اس شعار کو بلند کر کے مسلمانوں کے گھروں اور محلوں میں جاتے ہیں، ان سے نفرت بیزاری کا اعلان کرتے ہیں لیکن دوسری طرف یہی لوگ الحادی اور سیکولروں کے ساتھ یکجہتی و اتحاد کا شعار بلند کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ابتدائی قیام میں عراق و شام کے لشکر کے درمیان قرآن لے کر اٹھے، جنگ کو روک کر بعد میں اہل شام کے مطالبات منوانے پر مجبور کیا پھر انہوں نے شعار **لا حکم الا للہ** کا نعرہ بلند کیا تو حضرت علی نے فرمایا اسکے معنی کی وضاحت کریں کہ اس سے تمہاری کیا مراد ہے۔ حضرت نے فرمایا "یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ ہاں بیشک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے، مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا (اگر اچھا ہو گا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا۔ اور رب (بُرا ہو گا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہو گا۔ اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا۔ اسی حاکم کی وجہ سے مال (خراج و غنیمت) جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پُرامن رہتے ہیں، اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نیک حاکم (مر کر یا معزول ہو کر) راحت پائے، اور بُرے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔"

اس سے زیادہ وضاحت چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ خوارج اور آج کے فرقے اور احزاب ایک سکے کے دو رخ ہیں۔

ہم پہلے خوارج کے طول تسلسل کے بارے میں لکھتے ہیں:

خوارج کا آغاز اس گروہ سے ہوا ہے جو جنگ صفین میں علی کے پیادہ لشکر اور اس کے قائد اشعث بن قیس کی قیادت کی چھتری میں رہنے والے تھے۔ وہ سب جنگ سے دستبردار ہونے، جنگ کو توقف کرنے اور لشکر شام کی طرف سے دھوکہ دہی کیلئے بلند شعار اور قرآن کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کو علی پر ٹھونسنے پر متفق ہو گئے تھے۔ یقیناً جہاں یہ فکر اس گروہ کی حمایت میں جائے گی جو میدان جنگ میں شکست سے دوچار ہو رہا ہے، وہاں یہ فکر نہ علی کے حق میں تھی، نہ اسلام کے حق میں، یہ فکر معاویہ کے حق میں تھی۔ انہوں نے اس فکر کو ایک تجویز کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اس فکر کو اپنی طرف سے ایک زنجیر کے طور پر علی کی گردن میں لٹکایا، اگر علی نے جواب میں نہ کہا تو اس وقت علی کا انجام کیا ہوتا اگر قبول کیا تو وہ تحلیل طلب ہے۔

علی کے تسلیم ہونے کے بعد وہیں پر اس فیصلے کے غلط ہونے کی چیخ و پکار بلند کی گئی، انہوں نے یہ جو حکم صادر کیا ہے کہ جس کے تحت عثمان اپنی خلافت کے دوسرے دور میں اور علی تحکیم کے ذریعہ کافر ہوئے ہیں یہاں سوال یہ ہے کہ یہ کس آیت اور سنت کے تحت علی اور عثمان کو کافر ٹھہرایا گیا ہے۔

انہوں نے کہا حکومت صرف اللہ کرتا ہے لوگوں کو حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں بھی کفر و شرک کی حکومت ہے وہ اللہ کی حکومت ہوگی کیوں کہ ان کی فکر کے تحت مومنین کو حکومت کرنے کا حق نہیں ہے گویا مسلمان کسی بھی وقت اقامہ حکومت کے مجاز نہیں ہونگے۔

حکم بنانے اور جنگ و سلم کے فیصلہ کا حق علی ہی کو تھا، اگر سازش نہ ہوتی تو بقیہ قائدین لشکر کو بلا کر مشورہ کرتے یہاں حکم کا تعین اسلام سے مرتد ہونے والے سزا یافتہ قائد لشکر اور سپاہیوں کی خواہش کے تحت ہوا ہے۔

اختلاف کے موقعہ پر ایک حق پر ہوتا ہے اور ایک باطل پر، ایک حق سے قریب ہوتا ہے اور ایک باطل سے قریب ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ دونوں بیک وقت واجب القتل ہوں یا بیک وقت دونوں سے جنگ واجب ہو جیسا کہ انہوں نے بیک وقت معاویہ کو بھی واجب القتل اور علی کو بھی واجب القتل گردانا ہے۔ اب میدان میں یا علی ہے یا معاویہ یا خوارج تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اسلام کو زمین گیر کر کے کفر و شرک کے لئے ماحول کو سازگار کر رہے تھے یا اس کی نشو و نما کر رہے تھے۔

ابلیس کی یہی شناخت ہے کہ وہ وقت، حالات اور افراد کو دیکھ کر اپنی شکل و صورت، شعار، تعارف اور شناخت بدلتا رہتا ہے، خوارج اسی تسلسل کا نیا چہرہ ہے۔ تاریخ کو ہر پہلو سے دیکھنے کے بعد فیصلہ کرنے والے تجزیہ نگار خوارج کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں سے مطمئن نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے ایک طرف بھرپور انداز میں خوارج کی مذمت کی ہے، ان کو خلیفہ مسلمین پر حملہ کرنے والا باغی اور طاغی قرار دیا ہے اور دوسری طرف سے ان کے جرم و جنایت کے درجہ حرارت کو کم کر کے کبھی ان کو وقت کے زاہد، عابد، قاری قرآن، تہجد گزار، عبادت گزار اور کبھی عملی اور کبھی علمی شخصیات قرار دیا ہے اور کبھی ان کو اور ان کی فکر کو وقت کے حکمرانوں کے ظلم و زیادتی اور ناروا کاروائیوں کا عکس العمل گردانا ہے۔ تاریخ اسلام میں جہاں منحرفین وضالین کے ظلم اور گمراہیوں کا ذکر ملتا ہے وہاں ایک گروہ ان کو بچانے کے لئے دفعات بناتا نظر آتا ہے اور ان کے معمولی اور غیر ضروری فضائل کو اٹھا کر ان کے بڑے بڑے جرائم و موبقات پر سیاہ بادل چڑھاتے ہیں۔

حرکت خوارج درحقیقت منافقین کا چہرہ نئے اور بدتر انداز میں نمودار ہوا ہے اگر ہم خوارج کے بارے میں صحیح نتیجے پر پہنچنا چاہیں تو اس فکر کے تمام ابعاد و عناصر کا تحلیل و تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے کہ کن حالات میں، کس گروہ کی طرف سے، کس پرچم تلے انھوں نے جنم پایا، کہاں انھوں نے پرورش پائی اور ان کا تسلسل کیسا رہا ہے۔ ان سے جنم لینے والے بیس سے زائد فرقوں کے متضاد و متصادم عقائد و افکار کو لیا جائے تو آسان طریقہ سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ خوارج ہی منافقین کی وہ شیئر کمپنی ہے جس میں تمام مذہبی، سیاسی اور اجتماعی فرقوں نے حصہ ڈالا ہے، اس منطق کی سند یہ ہے کہ جہاں جہاں، جس جس نے اسلام کے ایک اصول کو اٹھا کر دیگر تمام اصولوں کو میدان عمل سے غائب کیا ہے، اس نے کوئی ایسی نئی چیز پیش کی ہے جسکا اسلام و قرآن و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ یہ فکر اور اس جیسے افکار دین اسلام کو تطبیق کرنے اور اسے نافذ ہونے نہیں دیتے وہ الجھنوں میں پھنساتے ہیں لہٰذا جو الجھنوں میں پھنساتے ہیں، وہ فکر خوارج کے چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔

عصر حاضر میں عقائد وافکار خوارج:

گزشتہ تاریخ میں گزرنے والے خوارج کو دیکھنا ہوگا تاکہ ان کے مفاسد سے اپنے معاشرے کو بچایا جائے۔خوارج کے مظاہر میں سے عصر حاضر میں جلوس ومظاہرہ کے نام سے املاک مسلمین اور املاک حکومت کو نقصان پہنچانا ہے جسے وہ اپنا کامیاب کارنامہ سمجھتے ہیں، حقیقت میں یہ عمل ایک گھٹیا وذلیل انسان کی شناخت ہے۔انسان عاقل اپنی حق طلبی کی خاطر دوسروں کے حقوق کو پامال نہیں کرتے ہیں۔فی زمانہ یہ جو حکومتی املاک کو نقصان پہنچانے والے مظاہرے ہیں، حکومت کے کارندے ان سے خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں ان املاک کی مرمت اور دوبارہ تعمیر کے نام سے خرد برد کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔اس کام کے لئے وہ گمنام اور گھٹیا لوگوں کو آگے لاتے ہیں جیسے آج کل این جی اوز سے وابستہ افراد ہی یہ کام کرواتے ہیں پھر ان کے سرکردہ افراد کو اہم سرکاری عہدوں پر نصب کراتے ہیں۔

خاص کر کے اسمبلیوں اور وزارتوں پر متعین خوارتین وحضرات انہی کے دباؤ پر ان جگہوں پر پہنچے ہیں گروہ خوارج جزئیات احکام کو ارکان کا درجہ دیگر شور شرابہ کرتے تھے، وہ عام لوگوں کے لئے دین پر عمل کو دشوار اور ناممکن بناتے تھے، جیسے آج کل شبہائے رمضان میں شبینہ اور نمازیوں کی شب بیداریوں اور رات بھر یا رات گئے تک شعروشاعری وغیرہ کی محافل سجانے کے لئے گروہ در گروہ میں بٹ جانا درک دین وشریعت میں ناقص تصور کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے بہت سی رسومات و روایات کو شعائر واساس دین گردانا جاتا ہے جیسے پندرہ شعبان امام کی ولادت کے دن کے نام سے پہاڑوں پر چراغاں کرنے کیلئے خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

خوارج کا علی کو کافر گرداننا اور سبائیوں کا علی کو مظہر الوہیت گرداننا ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں ان دونوں کے دماغ کو ایک ہی گروہ گردش دیتا ہے پیچھے سے ان کے جرائم وموبقات کو چھپانے کیلئے اپنے بیانات اور کردار میں مخلص، سادہ اور نیک نیت لوگ ہوتے ہیں علی نے ان کی طرف سے دباؤ کے بعد تحکم کو قبول کیا تو شعار لا حکم الا اللہ بلند کیا گیا اور اس کے مقابل میں سبائیوں کو ملحد گردانا جاتا ہے جبکہ دوسرا گروہ ان کے وجود کا سرے سے انکار کرتا ہے، اسی طرح سے عصر حاضر میں عقائد وفروع دین بلکہ کل دین کو عزاداری سے جوڑنے والے اور عزاداری کو بقائے دین کی ضمانت گرداننے والے فکر خوارج کے حامل ہیں۔بہت سے گروہوں کی طرف سے علویوں کو دور دراز علاقوں میں لے جا کر ان کے نام سے قیام کرنے والے بھی خوارج ہیں۔

بنی امیہ ظاہری طور پر ضد خوارج تھے لیکن معلوم ہوتا ہے جس نے خوارج کو بنایا ہے، اُس نے بظاہر ان کی دو شکلیں بنائی ہیں اس کی ایک شکل یہی خوارج ہیں جو ضد علی ومعاویہ ہیں کیونکہ حقیقت اور واقعیت میں بنی امیہ اس منصب پر ڈنڈے اور طاقت کے ذریعہ قابض ہوئے ہیں اور خوارج بھی ڈنڈے اور طاقت کے ذریعہ اقتدار چاہتے تھے، یہی کچھ بنی امیہ نے بھی کیا تھا، خاندان بنی امیہ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اسلام کے مقابلے میں جو کردار ادا کیا، اس وجہ سے وہ ایسا چہرہ نہیں رکھتے تھے کہ جس کی بنیاد پر وہ امت اسلام کی قیادت ورہبری کریں لیکن انہوں نے ایک ایسا شعار اٹھایا کہ خود کو خون عثمان کا ولی بنا کر پیش کیا جبکہ وہ اسلام کے رو سے اس خون کے ولی نہیں تھے اور پھر اقتدار پر آنے کے بعد انہوں نے اس خون کے قصاص کا نام ہی نہیں لیا، وہ اقتدار میں آنے کے بعد یہ سب بھول گئے کیونکہ خون عثمان اُن کا صرف انتخابی نعرہ تھا، اُن کو صرف اقتدار یاد تھا۔جس طرح آج کل کے ایوانوں میں جانے والے پہلے صرف اپنے نعرے ہی نہیں بھولتے بلکہ ان مظلوم ومقہور ومحروم کسانوں، مزاروں، زمینداروں اور مزدوروں کو بھی بھول جاتے ہیں۔حرم مکہ میں ایک استاد دانشگاہ بنگلہ دیش ملا اور پاکستان بنتے وقت اٹھائے گئے نعرے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ یعنی اسلامی حکومت کے قیام کا ذکر کیا تو کہنے لگا مفتی رفیع عثمانی نے محمد علی جناح سے پوچھا آپ آنے سے پہلے اسلامی نظام حکومت کی بات کرتے تھے وہ کہاں گئی تو انہوں نے کہا مولانا یہ وعدہ سیاستمداروں کا وعدہ تھا اور یاد رکھیں کہ سیاستمداروں کے وعدے وفا نہیں ہوتے ہیں۔اب اس وقت فرقے اور احزاب دونوں اسلام کا گلہ گھونٹ رہے ہیں لیکن دونوں مغرب والوں کے اہداف ومقاصد پورے کر رہے ہیں۔فکر خوارج لمحاتی تھی یا جاویدانی افکار و عقائد باطلہ کی حامل جماعت تھی یہ دیکھنا ہوگا کیونکہ اس فکر کو اپنی چھتری وعباء میں چھپانے والوں کا اصرار ہے کہ یہ ایک لمحاتی گروہ تھا، وہ گزر گئے ہیں، آج اس فکر کے حامی کوئی نہیں ہیں لیکن چشم بصارت کے ساتھ بصیرت استعمال کرنے والے جانتے ہیں کہ ابھی تک یہی فکر تمام احزابوں اور فرقوں میں تازہ دم موجود ہے۔

ا۔دین اسلام، شریعت اسلام صرف اخلاق اقدار یا خاندانی وعلاقائی روایات نہیں جو انسان کے رحم وکرم، صوابدید یا خواہشات پر چھوڑ دی جاتی ہیں بلکہ اس دین میں داخل ہونے کے بعد اس کے اوامر ونواہی کا پاس رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اسلام انسان کی انفرادی واجتماعی واقتصادی بہتری کے لئے نازل ہوا ہے لہذا سے نافذ

کرنے کو اقامہ دین کہتے ہیں ایک نماز قائم کرنا ہوتا ہے جیسے بہت سے مسلمان اپنی جگہ اوقات نماز میں انفرادی طور پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں دوسرا ایک اقامہ نماز ہوتا ہے کہ نہ پڑھنے اور سستی اور کاہلی کرنے والوں سے پڑھائی جائے، اس کے نافذ کرنے والے کو حاکم کہتے ہیں اس کی انتظامیہ کو حکومت کہتے ہیں چنانچہ حج ۴۱ میں آیا ہے "یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے زمین میں اختیار دیا تو انھوں نے نماز قائم کی، اور زکوٰۃ ادا کی اور نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا اور یہ طے ہے کہ جملہ امور کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے"۔ عصر حاضر کے خوارج اس قیام کے بارے میں آج کے مغربی جمہوری نظام کے داعی تھے اس نظام جمہوری کی پہچان آزادی از قید و بند ہے گویا ان کو یہ جمہوریت خوارج سے ملی ہے چنانچہ سیرت خوارج اور ان کی سیرت میں تشابہ و مشابہت اس کی واضح نشانی ہے یہ ان کے حقیقی وارث ہیں ۔خوارج کی سیرت رہی ہے کہ وہ ہر حکومت کا تختہ الٹ دیتے تاکہ اسلامی حکومت بننے ہی نہ دیں اور دین کا ہر طرف سے راستہ روک لیں ۔

لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر ہند و پاک میں قائم نظام بھی یہی رہا ہے چنانچہ مغلوں نے بہت سے مسلمان حکمرانوں اور لودھیوں کا تختہ الٹ دیا، اکبر نے دین جدید کی بنیاد ڈالی، یہ ان کا بڑا بادشاہ رہا ہے آج بھی یہاں منحرف و گمراہ لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اکبر بادشاہ دین جدید نہیں لایا ہے، ان کی سوچ کے تحت اقتدار وراثتی حصے کی طرح باپ سے بیٹے یا بھائی کو منتقل ہوتا ہے اور جب ان کی ہوس اقتدار بڑھ جاتی ہے تو بیٹا باپ کو، باپ بیٹے کو یا بھائی بھائی کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ ان کی اس فکر کو علی نے اپنے کلمات میں غیر عقلی قرار دیا ہے اور اُسے شعار نفاقی گردانا ہے جو کہ کسی عقل و منطق کے تحت درست نہیں ہے چنانچہ اگر فرق خوارج اور ان کی تاریخ کو دیکھیں تو ہر انسان اس منصب کا داعی بنا ہے جہاں اسلام کا درخشان چہرہ رکھنے والوں کے ہوتے ہوئے انہوں نے حکومت پر قبضہ کیا ہے لہٰذا جمہوریت بذات خود ان کے اندر کے نفاق کا واضح نشان ہے ۔

۲۔ان کی متضاد صفات میں سے یہ ہے ایک طرف سے یہ تہجد گزار ہوتے ہیں، ان کی پیشانیوں پر کثرت سجدہ کے نشان ہوتے ہیں، وہ قاری قرآن ہوتے ہیں اور مستحبات کو اٹھاتے ہیں، جبکہ دوسری طرف وہ بے جرم و خطا افراد کے قتل کے مرتکب ہوتے ہیں جب کہ عصر حاضر کی بعض جہادی تنظیمیں ایک طرف سے ملک میں نظام اسلام اور خلافت کی بات کرتی ہیں تو دوسری طرف مراکز عمومی میں بم دھماکہ کرتی ہیں ۔ ہر وہ شخص جو ان کی فکر سے ہم آہنگی نہ رکھتا ہو چاہے وہ خلفاء کی اطاعت اور تمام تر شعائر اسلامی کا پابند ہو لیکن صرف ان کے اعمال بد کا ساتھ نہ دینے پر وہ ان کے نزدیک ذلیل بلکہ واجب القتل ہے، جس طرح خوارج نے حباب بن ارت صحابی جلیل رسول اللہ کے ہاتھ میں قرآن ہوتے ہوئے بھی انہیں قتل کیا لیکن یہود و نصاریٰ ان کے نزدیک محترم تھے جس طرح آج سیکولروں کے نزدیک محترم ہیں ۔

جس طرح آج کل ایک فرقے والے اپنے فرقے کے علاوہ دیگر فرقوں کو جو پابند صوم و صلاۃ و حج و زکوٰۃ ہیں، یہود و نصاریٰ سے بدتر گردانتے ہیں تاریخ اسلام میں ان کا وجود ایک پیچیدہ مسئلہ ہے ۔

۳۔خوارج نے لاحکم الا اللہ کا نعرہ بلند کیا جسے حضرت علی نے یہ کہہ کر مسترد فرمایا کہ اس جملے سے وہ غلط معنی اخذ کرتے ہیں اور اس طرح سے وہ اصل حکومت اسلامی کی مخالفت کرتے ہیں ۔جن لوگوں نے جنگ صفین میں طے پانے والے تحکیم کے خلاف خروج کیا، وہ لوگ کون تھے اور کس کے ایماء و اشارہ پر انھوں نے امام مسلمین کے خلاف خروج کیا۔

یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی محبت میں غلو کرے تو اُسے غالی کہتے ہیں لیکن اگر عداوت اور دشمنی میں غلو کرے تو اُسے خوارج کہتے ہیں ۔اس تعریف کے بعد حضرت علی اور دیگر خلفاء راشدین سے عداوت اور دشمنی رکھنے والے دونوں خوارج کہلائیں گے ۔نیز شہرستانی نے کہا ہے خوارج تنہا حضرت علی کی اطاعت سے نکلنے والوں کو نہیں بلکہ ہر اس امام کے خلاف خروج کرنے والوں کو بھی کہتے ہیں جس کی امامت پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے یہ اتفاق جس زمانہ میں ہوا ہو چاہے جہاں بھی ہو۔ کل من "خرج علی الامام الحق الذی اتفقت الجماعة علیه یسمی خارجیا"" لیکن گذشت زمان کے تحت ہر خلیفہ وقت کے خلاف یہ گروہ بغاوت و نافرمانی کرتے آئے ہمیں یہاں پر تین نکات پر بحث و گفتگو کرنا ہے ۔

کسی بھی نزاع و خصومت میں کسی شخص کے فیصلے کو قبول کرنے کو عرف عام میں تحکیم کہتے ہیں آج کل اس کو ثالثی کہتے ہیں لیکن یہ کلمہ قرآن کریم کی کئی آیات میں آیا ہے میاں بیوی کے درمیان اختلافات سے لے کر قومی اور عسکری و حکومتی سطح تک کے فیصلے کیلئے حکم بنانا حکم عقلی و شرعی ہے چنانچہ علی اور معاویہ کے درمیان نزاع یہ تھا کہ علی نے معاویہ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح امت مسلمہ اہل مدینہ و مکہ اور عراق نے میری بیعت کی ہے تم بھی میری بیعت کرو جبکہ معاویہ کا کہنا تھا آپ جب تک

قاتلین عثمان جو کہ آپ کے لشکر میں ہیں ان سے عثمان کا قصاص نہیں لیتے یا انہیں ہمارے حوالے نہیں کرتے تب تک میں بیعت نہیں کروں گا جس پر علی نے جواب دیا پہلے بیعت کریں لیکن معاویہ نہیں مانا اور وہ لشکر لے کر علی کے مقابلے پر اتر آئے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں طرف سے بہت سی جانیں ضائع ہونے کے بعد معاویہ کی طرف سے حیلہ گر عمرو عاص نے لشکر علی کے ایک خائن قائد کے تعاون سے اس جھگڑے کو تحکیم تک پہنچایا، معاویہ نے اپنی پسند کا حکم بنایا جبکہ علی اپنی پسند کا حکم بنانے میں آزاد نہیں تھے بلکہ آپ مجبور تھے۔

خوارج کے بانیان و بنیاد گزار:

خوارج کی بنیادی اینٹ رکھنے والا اور اس کا مغز و مبتدا اشعث بن قیس کندی ہے، یہ قائد خائن لشکر اسلام کے شکم سے نکلا ہے [فرق معاصر تالیف دکتور غالب بن علی عوجی ج ۱ ص ۸۹] خوارج جمع خارج ہے خوارج کی تعریف میں علماء اعتقاد نے خوارج کی چندین اقسام کی یوں تعریف کی ہے:

۱۔ خوارج وہ ہیں جنہوں نے عامۃ الناس کے خلاف خروج کیا ہے۔

۲۔ جنہوں نے امیر المومنین علی کے خلاف خروج کیا ہے۔

۳۔ امام متفق علیہ کے خلاف خروج کرنے والے، چاہے جس جگہ اور جس زمانہ میں ہوں، وہ خوارج ہیں۔

۴۔ ہر وہ شخص جو امام کے خلاف خروج کرے گا جس کی امامت وقیادت پر امت متفق ہوگی۔

۵۔ ابن حزم نے کہا ہے ہر وہ شخص جو ان کی فکر وعمل وعقیدہ میں یکساں ہو، جہاں کہیں ہو، جس وقت بھی ہو، وہ گروہ خوارج میں سے ہوگا۔

۶۔ وہ گروہ جس نے زمان تابعین و تبع تابعین میں خروج کیا ہو۔

۷۔ بعض نے حضرت عثمان کے خلاف اٹھنے والوں کو خارجی کہا ہے۔

۸۔ مکمل طور پر آمنے سامنے آنے والے اصحاب جمل کو خارجی کہا گیا ہے۔

۹۔ بعض اسے صفین میں حضرت علی کے خلاف خروج کرنے کے دور سے شروع کرتے ہیں۔

۱۰۔ نافع بن ازرق جس نے ۶۴ ہجری کو خروج کیا ہے، بعض اسے وہاں سے شروع کرتے ہیں۔

۱۱۔ اگر ہم افکار وعقائد، اعمال وسلوک خوارج کی روشنی میں دیکھیں گے تو برخلاف علماء کے کہ فرقہ خوارج صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے، یہ بات غلط و بے بنیاد اور دھوکہ ثابت ہوگی، خوارج فی زمانہ ہر جگہ موجود ہیں گرچہ وہ خوارج کے نام سے پکارے نہیں جاتے۔

بانی خوارج:

کہتے ہیں کہ اشعث بن قیس کا اصل نام معدیکرب تھا اس کے سر میں زخم تھا قیس بن کندی، کرب بن معاویہ بن کندی، کرب قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا، اس کی ماں کبشہ بنت یزید بن شرحبیل ہے، اشعث کے بال منتشر تھے، اس وجہ سے اس کو اشعث کہتے تھے۔ وہ دور جاہلیت میں جیسا کہ ابن کلبی نے جمہرۃ النسب میں نقل کیا ہے جب قیس قتل ہوا تو اشعث اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے نکلا قبیلہ کندہ نے ان کا ساتھ دیا، ان کے تین ساتھی قتل ہوئے، خود اشعث اسیر ہوا تو تین ہزار اونٹ سے اس کا فدیہ دیا گیا۔ دوسری اسارت جو کلام امیر المومنین میں اشارہ ہے جب قبیلہ کندہ کا وفد ہجرت سے پہلے حج کے لئے مکہ آیا تو پیغمبرؐ ان سے ملے جس طرح دیگر قبائل وعشائر کو پیغمبرؐ اکرم، اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کو بھی دعوت دی تو اس قبیلہ کندہ کے بنو ولیعہ بنی عمرو بن معاویہ نے اسے قبول نہیں کیا۔ جب پیغمبرؐ نے ہجرت کی اور عرب وفد در وفد پیغمبرؐ کے پاس آئے اور اسلام کو قبول کیا تو ان میں ایک وفد قبیلہ کندہ سے تھا جس میں اشعث اور بنی ولیعہ تھے، انہوں نے اسلام کو قبول کیا، رسول اللہؐ نے انہیں کھانا کھلایا، ان کو حضرموت کے صدقات دیئے۔ حضرموت کے والی زیاد بن لبیدیا ضی انصاری نے ان کو صدقات دیئے تو اُس نے لینے سے انکار کیا، کہا ہمارے پاس وسائل نہیں، آپ ہمارے شہر تک پہنچا دیں تو زیاد نے کہا ہم یہ نہیں کریں گے تو اس طرح ان کے درمیان اختلاف ہوا یہاں تک کہ ان کے درمیان جنگ چھڑی، ایک قوم پیغمبرؐ کے پاس پہنچی تو زیاد نے ان کی شکایت کی تو پیغمبرؐ نے ان کو منع کیا۔

سیرہ اعلام نبلاء تالیف ذہبی ج ۲ ص ۳۸ منصور اعمش نے ابی وائل سے نقل کیا ہے انہوں نے خود اشعث سے سنا ہے کہ انہوں نے کہا ہے آل عمران ۷۷

میرے بارے میں نازل ہوئی ہے میں نے ایک شخص کے خلاف پیغمبرؐ کے پاس شکایت کی تو پیغمبرؐ نے فرمایا تمہارے پاس گواہ ہے، تو کہا نہیں ہے، تو کہا قسم کھاؤ گے تو اس نے کہا ہاں کھاؤں گا تو اس نے جھوٹی قسم کھائی پیغمبرؐ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم کھائے گا اللہ اس سے ناراضگی کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ جب جنگ ردہ ہوئی تو اس میں ان کے دیگر اسراء میں اشعث کو اسیر کر کے پابند سلاسل کر کے حضرت ابو بکر کے پاس لایا گیا۔ لہٰذا مسلمان ان کو لعن کرتے تھے اور کافرین کے ساتھ ان کی قوم کی عورتیں بھی ان کو عرف النار کہتی تھیں جس نے اپنے قبیلہ کے لئے غداری کی ہے۔ چنانچہ حضرت نے اپنے کلام میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اشعث چندین جنگوں میں شریک ہوا معرکہ یرموک میں اس کی ایک آنکھ گئی، قادسیہ جلولہ نہاوند میں شرکت کی، حضرت عثمان کے زمانہ میں آذربائیجان کا والی بنا پھر علی کے ساتھ صفین گیا اور قبیلہ کندہ کا پرچم اس کے ہاتھ میں تھا۔ آخر کوفہ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا محمد بن اشعث بھی امراء میں سے تھا محمد بن اشعث نے مسلم بن عقیل کو گرفتار کر کے عبیداللہ کے سپرد کیا، یہ کربلا میں لشکر عمر سعد کا قائد تھا، محمد بن اشعث کا بیٹا عبدالرحمٰن بن محمد اشعث ہے، جس نے حجاج بن یوسف کے خلاف جنگ لڑی اور آخر میں اس نے شکست کھائی۔

ابوموسیٰ اشعری:- [مفردات حضارۃ اسلامی ص ۱۰۵] [اعلام زرکلی ج ۴ ص ۱۱۴]

عبداللہ بن قیس۔ کنیت ابوموسیٰ قبیلہ بنی اشعر سے عرب قحطان سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ سابقین اسلام میں سے تھے، یمن کے شہر زبید میں پیدا ہوئے، ابتدائی دنوں میں مکہ آئے، مسلمان ہوئے، پھر دوبارہ یمن گئے اور جس وقت حبش سے ہجرت کرنے والے واپس آئے، اس موقعہ پر ابوموسیٰ بھی یمن سے مدینہ پہنچے لہٰذا بعض کا اشتباہ ہے کہ یہ ہجرت کرنے والوں تھے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ پیغمبرؐ نے ان کو زبید اور عدن میں والی بنایا، عمر بن خطاب نے انھیں ۱۷ ہجری کو بصرہ کا والی بنایا، اس دوران انہوں نے اصفہان و اہواز کو فتح کیا۔ جب عثمان خلیفہ منتخب ہوئے تو انھوں نے انھیں برقرار رکھا پھر بعد میں انھیں عزل کیا پھر یہ کوفہ منتقل ہوئے اہل کوفہ نے حضرت عثمان سے اصرار کیا کہ انھیں والی بنائیں۔

حضرت عثمان کے قتل کے بعد حضرت علی نے انھیں برقرار رکھا، جنگ جمل میں حضرت علی نے جب اہل کوفہ کو اپنی مدد کیلئے بلایا تو ابوموسیٰ اشعری نے جمل کے موقعہ پر اہل کوفہ سے خطاب کر کے کہا **لا یحل لکم سل السیف لا مع علی و لا مع طلحه و لزمو بیوتکم و کسر سیوفکم لا تعطینکم و انتم فی منزلکم بالکوفه اهل بصره مع طلحه و تاتینکم نحو اهل مدینه و الحجاز فیجتمع علیکم سیفان من امامک و من خلفکم فتکون ذلک داهیة الکبریٰ** (آپ مسلمان کے خون میں ہاتھ رنگین کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے) جب اس خطاب کی خبر حضرت علی کو ملی تو حضرت نے ان کو خط لکھا۔

[شرح ابن ابی الحدید ج ۷ اص ۲۴۷]

من عبدالله علی امیر المومنین الی عبدالله بن قیس.

"اللہ کے بندے، امیر المومنین علی کا خط عبداللہ بن قیس کے نام!

اما بعد! مجھے ایک ایسے کلام کی خبر ملی ہے جو تمہارے حق میں بھی ہو سکتا ہے اور تمہارے خلاف بھی۔ لہٰذا اب مناسب یہی ہے کہ میرے قاصد کے پہنچتے ہی دامن سمیٹ لو اور کمر کس لو اور فوراً بل سے باہر نکل آؤ اور اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لو، اس کے بعد حق ثابت ہو جائے تو کھڑے ہو جاؤ اور کمزوری دکھلانا ہے تو میری نظروں سے دور ہو جاؤ، اللہ کی قسم تم جہاں ہو گے گھیر لئے جاؤ گے اور چھوڑے نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ دودھ مکھن کے ساتھ مخلوط ہو جائے اور تمہیں اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہو گا اور سامنے سے اس طرح ڈرو گے جس طرح اپنے پیچھے سے ڈرتے ہو اور یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو، یہ ایک مصیبت کبریٰ ہے جس کے اونٹ پر بہر حال سوار ہونا پڑے گا اور اس کی دشواریوں کو ہموار کرنا پڑے گا اور اس کے پہاڑ کو سر کرنا پڑے گا لہٰذا ہوش کے ناخن لو اور حالات پر قابو رکھو اور اپنا حصہ حاصل کر لو اور اگر یہ بات پسند نہیں ہے تو ادھر جاؤ جدھر نہ کوئی آؤ بھگت ہے اور نہ چھٹکارے کی صورت۔ اور اب مناسب یہی ہے کہ تمہیں بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا جائے کہ سوتے رہو اور کوئی یہ بھی دریافت نہ کرے کہ فلاں شخص کدھر چلا گیا اللہ کی قسم یہ حق پرست کا واقعی اقدام ہے اور مجھے بے دینوں کے اعمال کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ والسلام۔" (کتب نمبر ۶۳)

ابوموسیٰ اشعری نے اس فتنہ سے باز رہنے کی ہدایت کی اہل کوفہ سے کہا یہ امام ہادی ہیں، ان کی بیعت صحیح ہے لیکن ان کے ساتھ اہل قبلہ سے جنگ کرنا جائز

نہیں ہے تو علی نے ان کو عزل کیا، چنانچہ آپ علی اور حسنین دونوں سے علیحدہ رہے ۔ تحکیم کے وقت حکم منتخب ہوئے تو عمرو بن عاص نے ان کو دھوکہ دیا تو ابو موسیٰ واپس کوفہ آئے اور کوفہ میں وفات پائی، تلاوت قرآن میں حسن رکھتے تھے جسم چھوٹے قد کا تھا کتب حدیث میں ان سے ۳۵۵ حدیث نقل ہوئی ہیں ۔

معاویہ کی ابو موسیٰ اشعری کو پیش کش:

معاویہ نے ابو موسیٰ کو خط لکھا عمرو عاص نے میری بیعت کی اللہ کی قسم اگر تم بھی بیعت کرو گے تو میں تمہارے بیٹوں میں سے ایک کو کوفہ میں والی بناؤں گا اور ایک کو بصرہ میں، کبھی تمہارے لئے دروازہ بند نہیں کروں گا، کوئی حاجت روا کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا لکھوا اپنے دستخط سے تو ابو موسیٰ نے لکھا تم نے میرے لئے اس امت کے بڑے کام میں لکھا ہے میں اللہ کے سامنے کیا کہوں ۔ جب معاویہ حاکم بنا تو ابو موسیٰ معاویہ کے پاس گئے تو کبھی ان کے لیے دروازہ بند نہیں کیا۔ ابو موسیٰ سوام وقوام تھے زاہد و عابد تھے علم و جہاد کے مالک تھے ۔

ابو موسیٰ اشعری کا متضاد تعارف:

۱۔ بعض ان کو حافظ قرآن اور فقیہ اسلام گردانتے ہیں ۔

۲۔ بعض ان کو شہسوار میدان جنگ گردانتے ہیں ۔

۳۔ بعض ان کو بے وقوف و بے عقل گردانتے ہیں:

۴۔ تاویل گران خود بے عقل اور سادہ لوح انسان تھے ۔

۵۔ تاویل گران خود حقائق شناسی کے حق میں نہیں ہیں ۔

۶۔ تاویل گران ابو موسیٰ اشعری کو بچانا چاہتے ہیں ۔

ہم ان کی شخصیت کو نبی کریمؐ سے لے کر خلفاء کے دور تک اعلیٰ مناصب پر فائز رہنے والے سیاستمدار گردانتے ہیں اور ہم ان کو حضرت علی کے بارے میں مکروہانہ اور معاندانہ سلوک کا حامل سمجھتے ہیں ۔

اُس وقت خلیفہ چہارم علی بن ابی طالب کے بارے میں امت میں چار گروہ بنے:

۱۔ جنہوں نے آپ کے انتخاب کو شرعی تسلیم کیا لہٰذا انہوں نے آپ کو واجب الاطاعہ گردانا ۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے عدم تعاون اور عدم تراحم کے راستہ کو انتخاب کیا ۔

۳۔ مزاحمت و مقابلہ کی راہ کو انتخاب کیا جیسے کہ طلحہ و زبیر نے کیا ۔

۴۔ ابو موسیٰ اشعری کا موقف ان تینوں کے درمیان کا ہے ۔

کتاب تجارب امم مسکوئی رازی ج ۱ ص ۳۵۸ صفین میں حکم کیلئے اہل شام نے عمرو عاص کو انتخاب کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث کی قیادت میں موجود لشکر نے ابو موسیٰ اشعری کو انتخاب کیا ۔ حضرت علی ان کے انتخاب پر راضی نہیں ہوئے لیکن ان کا اصرار تھا انہی کو حکم بنائیں تو حضرت نے فرمایا تم نے اصل تحکیم کو قبول نہ کرنے میں میری مخالفت کی ہے، مجھے مجبور کیا ہے کہ تحکیم قبول کروں، اب اس دفعہ میری مخالفت نہیں کرو، میں یہ نہیں چاہتا ہوں، ابو موسیٰ اشعری کو میرے اوپر مت ٹھونسو، تو اشعث، زید بن حسن طائی اور مسکر بن فدکی نے کہا ہم ان کے علاوہ کسی اور پہ راضی نہیں ہیں، ہم اسی میں پھنس گئے جس سے ہم ڈرتے تھے تو علی نے فرمایا مجھے ان پر اعتماد نہیں، وہ مجھ سے الگ ہوئے ہیں اور لوگوں کو مجھ سے انہوں نے دور کیا ہے اور پھر مجھ سے فرار ہو گئے اس کے بعد میں نے ان کو چند مہینہ کے بعد امن دیا ہے ہم اس کی جگہ ابن عباس کو منتخب کرتے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں ہم نہیں سمجھتے آپ اور ابن عباس میں کوئی فرق ہے، دونوں ایک جیسے ہیں ہم ایسے شخص کو چاہتے ہیں جو آپ اور معاویہ دونوں کیلئے برابر ہو لیکن یہ نہیں کہا کہ عمرو بن عاص کی جگہ بھی کوئی ایسا حکم ہونا چاہیے جو دونوں کے لئے برابر ہو ۔

حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہے تو میں اشتر کو منتخب کروں گا تو اشعث نے کہا اس آگ کو اشتر کے علاوہ کسی اور نے روشن نہیں کیا ہے ہم اشتر کو حکم بنانے کے حق میں نہیں ہیں حضرت نے فرمایا اس کا کیا قصور ہے کہا وہ ہمیں اور انھیں ایک تلوار سے مارتا ہے اور جو آپ چاہتے ہیں، وہ وہی کرتے ہیں ۔ حضرت نے فرمایا تم ابو موسیٰ

کے علاوہ کسی اور کو انتخاب نہیں کر سکتے تو انھوں نے کہا نہیں، اس کے علاوہ کوئی قبول نہیں تو حضرت نے فرمایا جو کچھ تم چاہتے ہو کرو، پھر انہوں نے ایک آدمی کو ابو موسیٰ اشعری کو لانے کیلئے بھیجا جو صفین میں نہیں تھے اور میدان جنگ سے علیحدہ تھے، اس وقت اشتر نے علی کے پاس آکر کہا آپ اس شخص پست کے سامنے خاضع ہوئے ہیں، اللہ کی قسم اگر یہ میرے پاس آئے گا تو میں اس کو قتل کروں گا، احنف بن قیس آیا اور اس نے آکر کہا یا امیر المومنین آپ نے خود کو زمین پر گرایا اس کو بنایا جس نے اللہ اور رسولؐ کے خلاف جنگ کی ہے میں اسے اچھے طریقہ سے جانتا ہوں۔ لوگوں نے انکار کیا سوائے ابو موسیٰ کے تو حضرت نے فرمایا اگر تم ابو موسیٰ کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کرتے تو اس کے پیچھے نگرانی کرنے کیلئے کچھ افراد لگادو، انھوں نے کہا یہ وہ خط ہے جس پر امیر المومنین نے فیصلہ کیا ہے تو عمرو بن عاص نے کہا نہیں علی کا نام لکھو اور علی کے باپ کا، وہ تمہارا امیر ہے، ہمارا امیر نہیں ہے احنف نے کہا امیر المومنین کے نام کو نہیں مٹانا، اگر نام کو مٹائیں گے تو یہ نام واپس نہیں آئے گا۔ علی دن بھر اس سے انکار کرتے رہے آخر میں اشعث کے اصرار پر حضرت کا نام مٹایا تو علی نے فرمایا ایک سنت دوسری سنت کے مقابلہ میں اور ایک مثال دوسری مثال کے مقابل میں ہے، میں حدیبیہ کے دن پیغمبرؐ کا خط لکھ رہا تھا تو مشرکین نے کہا اگر ہم آپ کو رسول مانتے تو آپ سے جنگ نہیں کرتے، آپ نے یہ جو رسول اللہ لکھا ہے، اس کو مٹادیں تو پیغمبرؐ نے فرمایا مٹادیں اور محمد بن عبد اللہ لکھیں۔

سیرہ اعلام نبلاء ج ۲ ص ۳۹۴ پر ابن عباس سے نقل ہے کے میں نے حکمین کے دن علی سے کہا اشعری کو حکم نہ بنائیں، اگر بنائیں گے تو مجھے اس کے ساتھ رکھیں، اس کے ساتھ ایک تجربہ کار وہوشمند شخص ہونا چاہیے، مجھے اس کے ساتھ ملادو، وہ کوئی گرہ لگائے گا تو میں اسے کھول دوں گا حضرت نے فرمایا ابن عباس میں کیا کروں، میرے ہی اصحاب ان کو لائے ہیں، ان کی نیت خراب ہوئی ہے، انہوں نے اشعث کو وکیل بنایا ہے یہاں دو مصری نہیں ہو سکتے، ایک یمانی ہونا چاہیے تو ہم نے دیکھا علی مظلوم و معذور ہیں۔ معاویہ نے عمرو کو حکم بنایا، احنف نے علی سے کہا ابن عباس کو بنائیں، وہ تجربہ کار ہیں، ابن عباس نے علی سے کہا کیوں ابا موسیٰ کو بناتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ وہ ہمارے بارے میں کیا تاثرات رکھتا ہے، انھوں نے ہماری مدد نہیں کی، اب ہم مشکل میں پہنچے تو مداخلت کر رہے ہیں۔ ابن عباس نے کہا اگر مجھے نہیں رکھتے تو احنف بن قیس کو رکھیں، یہ تجربہ کار ہیں وہ عمرو کے برابر ہیں، حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن پھر انکار کیا۔ حضرت نے ابو موسیٰ سے کہا حق پر مبنی فیصلہ کرنا اگر چہ میری گردن مارنا ہی کیوں نہ ہو، حق کا فیصلہ کرو۔

[امام علی، محمد رضا ص ۱۶۲] آخر میں علی اور معاویہ میں اتفاق ہوا کہ حکمین دومۃ الجندل میں جو عراق اور شام کے درمیان میں واقع ہے اجلاس کریں گے علی نے ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ شریح بن ہانی کی قیادت میں چار ہزار لشکر متعین کیا جب کہ معاویہ نے عمرو بن عاص کے ساتھ ابا الاعور علمی کے ساتھ اتنا لشکر بھیجا، دونوں صفین سے دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے علی اپنے باقی اصحاب کے ساتھ کوفہ واپس ہوئے جبکہ معاویہ اپنے لشکر کے ساتھ شام روانہ ہو گئے معاویہ نے غیر جانب دار شخصیات اصحاب کو دومۃ الجندل میں بطور گواہ حاضر ہونے کی دعوت دی ان میں سے ایک مغیرہ بن شعبہ تھا اس نے دومۃ الجندل پہنچنے کے چند دن کے بعد ابو موسیٰ اشعری سے ایک خلوتی نشست رکھی اور ان سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو ان جنگوں میں شریک نہیں ہوئے تھے ابو موسیٰ نے کہا وہ لوگ اخیار تھے پھر ان سے علی اور معاویہ کے بارے میں دریافت کیا تو کہتے ہیں ابو موسیٰ اشعری نے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں فریقین سے نالان ہے وہ دونوں کو عزل کر کے عبد اللہ بن عمر کو بنانا چاہتے ہیں یہی بات انہوں نے عمرو بن عاص سے کہی تو انہوں نے کہا شریک نہ ہونا، اشرار لوگ ہیں لیکن دونوں کو معزول کرنے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں اور ان کی نظر میں وہ خود یا ان کے بیٹے ہیں ان دونوں کا نظریہ مغیرہ نے معاویہ کو پہنچایا تو وہ پریشان ہو گئے اب تھوڑی دیر کیلئے اجلاس حکمین کی روئیداد پیش کرنے سے پہلے قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھتے ہیں پہلے ان کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جو صفین میں کسی کے ساتھ نہیں تھے۔ حسان بن ثابت۔ کعب بن مالک۔ مسلمہ بن مخلد۔ ابو سعید الخدری۔ محمد بن مسلمہ۔ نعمان بن بشر۔ زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ رافع بن خدیج۔ فضال بن عبید۔ کعب بن عجرہ۔ قدامہ بن مظعون۔ عبد اللہ بن سلام۔ مغیرہ بن شعبہ۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبد اللہ بن عمر۔ صہیب، یہ سب کوئی نہ کوئی توجیہ اپنے موقف کے بارے میں رکھتے تھے لیکن اکثر اصحاب کا من جملہ عبد اللہ، اسامہ، سعد وقاص، ابو موسیٰ اشعری کا کہنا تھا کہ ہم مشرکین و کافرین و یہود و نصاریٰ سے لڑے، مسلمان سے نہیں، ان کا خون بہانا جائز نہیں سمجھتے ہیں اس لیے ہم دونوں سے الگ رہتے ہیں، یہ تمام شخصیات صدر اسلام کے دور میں اول مجاہدین میں سے تھیں لیکن اس وقت ان کی رائے کو صرف ان کے اجتہاد پر مبنی کہیں گے یا اس موقف کو قرآن وسنت کی روشنی میں دیکھیں گے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ علی کا ساتھ چھوڑ کر کافر یا مرتد ہو گئے ایسا نہیں خلیفہ یا امام کو نہ ماننے والے کے کافر و مشرک

ہونے کے بارے میں کوئی آیت ہے نہ روایت مستند ہے یہ لوگ سابقہ روشنی تابناک رکھتے ہیں تو پھران کا یہ موقف درست تھا چونکہ وہ اصحاب تھے یا یہ ان کا اجتہاد تھا اس لیے معذور ہیں مسلمانوں کے پاس اجتہاد، فتویٰ اور حدیث و دین داری یا عمل کی قدر و قیمت کا ترازو اور کسوٹی قرآن ہے ہمیں ان کو قرآن کے ترازو سے تولنا ہوگا ملاحظہ کریں حجرات ۹۔(اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ اس کے بعد اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے پھر اگر پلٹ آئے تو عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

آیا حکم بننے والے کو اپنے غیر جانب دار ہونے کو ثابت نہیں کرنا چاہیے جبکہ آپ حضرت علی کے موقف کے خلاف تھے۔

آیا آپ نے اپنے فیصلہ کو کسی دلیل و برہان کی سند سے استناد کیا یا بادل نخواستہ اپنایا۔

اجلاس حکمین: [امام علی، محمد رضا ص ۱۹۲]

عمرو بن عاص اور ابوموسیٰ اشعری امت میں متنازعہ مسئلہ امامت وقیادت جو ان دونوں کے دوش پر محول تھا حل کرنے کیلئے بیٹھے عمرو بن عاص نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ابوموسیٰ سے کہا آپ بزرگ ہونے کے علاوہ ہم سے پہلے ایمان لانے میں سبقت کرنے والے ہیں یہ اعزاز و شرف آپ کو حاصل ہے جو ہمیں نہیں ہے اس طرح ان کی تکریم و تعظیم و تجلیل کی، ان سے یہ مسئلہ حل کرنے کیلئے کہا، آپ اس سلسلے میں اظہار خیال کریں تو ابوموسیٰ نے عمرو بن عاص سے کہا آپ اللہ کی رضا و خوشنودی اور امت کی اصلاح کے خواہشمند ہیں تو عمرو بن عاص نے ابوموسیٰ سے پوچھا اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہئے، تو ابوموسیٰ نے کہا ان دونوں کو خلع کر کے اس منصب پر عبداللہ بن عمر کو انتخاب کریں، وہ اس مسئلہ میں غیر جانب دار ہیں تو عمرو بن عاص نے ابوموسیٰ سے پوچھا آپ کا معاویہ کے بارے میں کیا خیال ہے تو ابو موسی نے کہا، معاویہ اس منصب کیلئے مناسب نہیں بلکہ وہ کسی بھی چیز کا استحقاق نہیں رکھتے پھر عمرو بن عاص نے کہا آپ جانتے ہیں عثمان مظلوم قتل ہوئے اگر کوئی آپ سے پوچھے معاویہ کو کیوں بنایا وہ اسلام میں سبقت نہیں رکھتے تھے تو آپ جواب دے سکتے ہیں، وہ اس گھرانے کا ہے جو عثمان کا گھرانہ ہے، اس وقت معاویہ اعراف ۳۳ کے تحت اس کا حقدار ہے، ابوموسیٰ کو اس سے بہت غصہ آیا کہا عمرو اللہ سے ڈرو، اگر معاویہ قریش ہونے کی وجہ سے صاحب شرف بنتے ہیں تو ابرھہ بن صباح کو بنا چاہیے وہ خاندان تباع سے تعلق رکھتا ہے وہ اپنے وقت کے بادشاہ و مقتدر تھے اگر تم کہتے ہو معاویہ ولی عثمان ہے اس لیے وہ مستحق ہے اگر ولی کو دینا ہے تو ان کے بیٹے عمر بن عثمان کو دینا چاہیے اگر آپ ہماری تجویز سے اتفاق کریں تو عبداللہ بن عمر کو بنائیں اس طرح وہ عمر بن خطاب کی سنت کو زندہ کریں گے عمرو نے کہا آپ میرے بیٹے عبداللہ کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں وہ علم و فضل کے علاوہ سبقت ہجرت بھی رکھتا ہے تو ابوموسیٰ نے کہا تمہارا بیٹا صحیح اور صادق ہے لیکن تم نے اس کو ان جنگوں میں ڈبو دیا ہے تو عمرو بن عاص نے کہا یہ منصب ایک ایسے انسان کو دو جو دو دانت رکھتا ہو، ایک کاٹنے کا دوسرا کھلانے کا تو ابوموسیٰ نے کہا اللہ در حم و بر حم کرے اس قوم کو جو جنگوں سے بے بس ہو چکی ہے دوبارہ جنگ مت دیکھو تو عمرو نے کہا پھر آپ کیا تجویز دیتے ہو تو ابوموسیٰ نے کہا ان دونوں کو خلع کرتے ہیں اور قوم کو اپنی پسند کا خلیفہ منتخب کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

دشمنانِ علی:

۱۔اقتدار طلبان جو حصول و وصول اقتدار کے لئے ہواس باختہ رہتے ہیں۔وہ جس جس کو اپنا رقیب و حریف سمجھتے ہیں، اس سے دشمنی برتتے ہیں، علی اقتدار سے دوستی نہیں رکھتے تھے بلکہ اقتدار اعلیٰ کو حق کے لئے وسیلہ سمجھتے تھے لہذا علی اقتدار نہ ملنے کی صورت میں خود کو معذور سمجھتے تھے چونکہ اسلام مقدسات کی رسائی کے لئے محرمات و مکروہات کے ارتکاب کی اجازت نہیں دیتا ہے اس لیے علی نے تینوں خلفاء کے ساتھ دشمنی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ صلح و آشتی اور دوستی کا مظاہرہ کیا۔

۲۔جب علی بادل نخواستہ بغیر خواہش اقتدار پر پہنچے تو اقتدار طلبان نے علی کے ساتھ محاذ آرائی کی تاکہ علی سے اقتدار کو چھین لیں، یہ لوگ علی کش تھے جنہوں نے علی کے خلاف بصرہ میں لوگوں کو جمع کیا جس کی وجہ سے خود ان کے جانیں بھی گئیں اور دیگر مسلمانوں کی جانیں بھی گئیں۔

۳۔جن لوگوں نے علی کو اپنے اقتدار میں رکاوٹ سمجھا تھا، ان میں معاویہ اور عمرو عاص تھے اور دیگر دنیا پرست لوگ عبید اللہ بن عمر وغیرہ تھے وہ جانتے تھے کہ علی کی شخصیت کو ہٹائے بغیر ان کو اقتدار نہیں ملنا ہے لہذا وہ طاقت سے علی کو اقتدار سے ہٹانے کیلئے سرگرم ہوئے۔

۴۔ جب وہ اقتدار سے علی کو نہیں ہٹا سکے تو جہلاء کو میدان میں لا کر جہالت پردازی کی، عقل و منطق کے ساتھ ساتھ دین و شریعت کو بھی پیچھے چھوڑا اور بے معنی و بیہودہ شعار بلند کیا، فریاد و فغاں کیا اور علی کو پریشان کیا ان کا فیصلہ عقل و منطق کے ساتھ ساتھ قرآن و شریعت کے بھی صریحاً خلاف تھا۔ یہ لوگ علی کے تیسرے دشمن تھے، انہی لوگوں سے علی کی شخصیت کشی کا دور بھی شروع ہوا۔ انھوں نے ابتداء میں شخص علی کے قتل کا بندوبست کیا چنانچہ انھوں نے ۱۹ رمضان کو محراب عبادت میں علی پر ضربت لگائی۔ ایک آدمی کو ایک دفعہ مار سکتے ہیں کیونکہ انسان ایک دفعہ مرتا ہے سو دفعہ نہیں مرتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے علی کی شخصیت کشی شروع کرتے ہوئے سبّ و لعن امیر المومنین اور آپ سے برات کی مہم کو شروع کیا اور اس برات سے معاویہ نے بھرپور استفادہ کیا۔

۵۔ علی کا جسم ایک دفعہ قتل ہوا لیکن علی کی شخصیت کو ہر لحہ قتل کرنے کی مہم کو جاری رکھنے کیلئے علی کو کافر کہا گیا لیکن امتِ مسلمہ نے علی کو کافر نہیں کہا بلکہ علی کو امیر المومنین ہی کہتے رہے، اس طرح معاویہ نے علی کی شخصیت کشی کرتے ہوئے علی پر لعن و سبّ کا سلسلہ شروع کیا جس کی امت نے مذمت کی جسکی وجہ سے آج بنی امیہ کے چاہنے والے بھی مساجد کی محافل و مجالس میں علی کو امیر المومنین ہی کہتے ہیں۔ چنانچہ عمر بن عبد العزیز اموی نے منابر سے علی پر سبّ و لعن سے منع کیا۔ جب کسی شخصیت کا کردار اس قدر بے داغ ہو کہ دشمن بن کر اُس کی شخصیت کشی ممکن نہ رہے تو پھر دشمن دوست نمائی اختیار کرتا ہے کیونکہ دوستی کی شکل میں شخصیت کشی دیرپا ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ کام عبداللہ ابن سباء سے شروع ہوا اور آج تک جاری ہے۔ عبداللہ سباء ایک شخص تھا، پتہ نہیں وہ کہاں سے آیا تھا اور ایک مجہول الحال انسان نے فضائل علی کے نام سے توحید و رسالت سے انکار کی تمہید بنائی۔ لیکن حسرت و افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دین و شریعت کی باتیں سننے والوں کو عبداللہ سباء کی باتیں کیوں پسند آئیں، معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوا تھا، اس نے جو دوست نمائی سے علی کی شخصیت کشی کو شروع کیا تھا وہ اُس وقت سے ابھی تک جاری ہے۔ یقیناً ایک شخص کو ایک دفعہ قتل کر سکتے ہیں، یہ ہماری دنیا میں رائج بعض عدالتوں جیسا نہیں کہ جو بعض افراد کو دس دفعہ قتل کی سزا سناتی ہیں لیکن قتلِ شخصیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ علی کی شخصیت کشی کا آغاز خوارج نے کیا، اس کی تاسی معاویہ نے کی، ان لوگوں نے علی کی شخصیت کو ایک دفعہ نہیں بلکہ بار ہا قتل کیا ہے۔ غالیوں نے علی کیلئے ایسے غیر معقول اور غیر منطقی فضائل گھڑے جو عند التحقیق عقلاء و فلاسفہ اور سائنس دانوں کیلئے باعث مسخرہ بن جاتے ہیں جیسے ان کا کہنا ہے کہ علی آدم کی خلقت سے پہلے موجود تھے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے پہلے قرآن پڑھا، بِ نقطہ باء کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ باء کے نقطے سے مراد علی ہیں، علی نے سورج کو پلٹایا، علی نے بیت المال مسلمین سے لدے ہوئے پورے کا پورا اونٹوں کا قافلہ ایک نابینا فقیر کو دے دیا، علی مذکر کو مونث، مونث کو مذکر اور انسان کو کتا بنا سکتے تھے۔

پھر علی کی شخصیت کوئی الگ شخصیت نہیں تھی علی کو جو شخصیت ملی تھی، وہ ایک شخصیت اسلامی تھی لہٰذا انھوں نے علی کی بجائے اسلام کو نشانہ بنایا اور علی کی دوستی کے نام پر خوارج اور معاویہ سے دشمنی کی بجائے علی کے دوستوں سے دشمنی اور برات کا اعلان کیا چنانچہ یہ لوگ جب کہتے ہیں دشمنانِ علی اور دشمنانِ اہل بیت پر لعنت تو فوراً حضرت ابوبکر و عمر کا نام لیتے ہیں لہٰذا یہ لوگ علی کی شخصیت کشی کرنے والے ہیں۔ انھوں نے علی کے دشمنوں کو چھوڑ کر علی کے دوستوں کو نشانہ بنایا ہے۔

انھوں نے تنہا علی کی شخصیت کشی نہیں کی، حسنین اور خاندان بنی ہاشم کی بھی شخصیت کشی کی ہے جہاں ان لوگوں نے حضرت زہراء کے نام کو بھی اپنے اغراض شوم کے لئے استعمال کیا اور کہا کہ خلیفہ دوم آپ کے گھر پر حملہ آور ہوئے اور آپ پر دروازہ گرایا جس سے آپ کا پہلو شکستہ ہوا، اور آپ کا بچہ سقط ہوا۔ یہاں انھوں نے علی اور بنی ہاشم کی غیرت اسلامی، غیرت ہاشمی اور غیرت عربی سب کو للکارا ہے اس لحاظ سے انھوں نے سب کو بے غیرت گردانا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ اتنے بڑے ظلم اور حادثے کے بعد بھی بدر و احد و خندق و خیبر کے غازیوں کو غیرت نہ آئی، عباس و اولادِ عباس کو، نہ زبیر اور نہ دیگر صحابہ کرام میں کسی نے بھی اس پر تھوڑا سا بھی احتجاج تک نہیں کیا گویا آج پا برہنہ سڑک پر چلنے والے مجتہد نما و آیت اللہ نما علماء حضرات اور ان کے پیروکار علی اور بنی ہاشم سے کئی گنا زیادہ غیرت رکھتے ہیں؟ اس سے بدتر شخصیت کشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان سے پوچھیں کہ اگر اتنا بڑا کوئی واقعہ رونما ہوا ہے تو علی و حسنین، بنی ہاشم اور ان کے حامی صحابہ کرام نے اس پر احتجاج کیوں نہیں کیا۔ یہ کہانی گھڑنے والوں نے جہاں ایک طرف علی و خاندان بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی کردار کشی کی ہے وہاں انہوں نے حضرت عمر کی بھی کردار کشی کی ہے۔

کتاب میزان الحکمہ ج ۶ ص ۹۵ پر حضرت علی سے مروی روایات میں انسان کے دشمنوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جہاں پر آپ نے فرمایا:

انسان کا دشمن اس کا پیٹ ہے۔

جو تم سے لاپرواہی برتے، وہی تمہارا دشمن ہے۔

تمہارے دشمن تین ہیں: تمہارا دشمن، تمہارے دوست کے دشمن، تمہارے دشمن کے دوست۔

تمہاری خواہشات تمہاری دشمن ہیں۔

انسان کا غضب و شہوت اس کے دشمن ہیں۔

انسان جس چیز کو نہیں جانتا وہی اسکی دشمن ہے۔

ان روایات کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں علی کے دشمن کو پہچاننا آسان ہو گا علی کے دشمن یہ گروہ ہیں:

۱۔علی کے دشمن مشرکین، یہود و نصاریٰ تھے جن سے آپ دس سال تک رسول اللہ کی قیادت میں لڑتے رہے آج اگر مسلمان مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مل کر یعنی ان کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں نبرد آزما ہوتے ہیں تو وہ بھی دشمن علی ہیں ان کے میدان جنگ اقتصادی و سیاسی، عسکری و اجتماعی ہیں ان میں سے کسی ایک میدان میں بھی مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو مدد دینے والا علی کا دشمن ہے۔

۲۔علی کے دشمن معاویہ و خوارج اور وہ لوگ ہیں جو ان دو کی تاسی و اتباع کرتے ہوئے خلفاء راشدین پر سبّ و لعن کرتے ہیں یہ سب علی کے دشمن ہیں۔

۳۔حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کے دوستوں میں سے تھے علی نے اپنے بعض فرزندوں کا نام ابو بکر اور عمر رکھا ہے علی نے جنگ جمل کے اختتام پر حضرت عائشہ کو برا بھلا کہنے والے کو سو تازیانے مارنے کا حکم دیا لہذا ان کو برا بھلا کہنے والے بھی علی کے دشمن ہیں۔

۴۔علی اللہ کو دوست رکھتے تھے جو لوگ اللہ کو الوہیت اور ربوبیت سے گرا کر علی کی الوہیت و ربوبیت کے قائل ہیں وہ بھی علی کے دشمن ہیں۔

غارات معاویہ:

تحکیم کے فیصلے میں عمرو بن عاص نے حیلے سے معاویہ کے حق میں فیصلہ دیا، اس کے بعد حضرت علی نے اس فیصلے کو مسترد کر کے دوبارہ صفین جانے کا فیصلہ کیا تو معاویہ نے اس وقفہ میں حضرت کے زیر تسلط علاقوں میں غارات شروع کیں جن کی تفصیل کے لئے ان کتب کی طرف رجوع کریں کتاب غارات تالیف ابراہیم بن سعید بن ھلال الثقفی ص ۲۸۸۔ غارۃ ضحاک بن قیس ص ۲۸۸ ۔۲ غارۃ نعمان بن بشیر انصاری ص ۳۰۷ غارۃ سفیان بن عوف الغامدی ص ۳۲۰۔کتاب علی ابن ابی طالب: تالیف محمد رضا صفحہ ۲۰۵ ۔۳۹ ھ میں معاویہ نے حضرت علی کی خلافت کے زیر اثر علاقوں پر غارت گری شروع کی۔

عبدالرحمان بن قباث بن اشیم کو جزیرہ کی طرف روانہ کیا جہاں شبیب بن عامر تھے انہوں نے کمیل بن زیاد نخعی کو مطلع کیا تو کمیل ۶۰۰ جنگجو سوار لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے وہاں عبدالرحمٰن اور معن بن یزید السلمی سے جنگ لڑی، انہیں شکست دی اور شامیوں میں سے بہت سوں کو قتل کیا لیکن زخمی یا فرار ہونے والوں کا پیچھا نہیں کیا، اس طرح مختلف علاقوں پر حملہ اور غارات گری سے بہت جانی اور مالی نقصان ہوا۔

غارت ضحاک بن قیس: [شرح ابن ابی الحدید ج۲ ص ۱۱۳]

حکمین کے بعد خوارج کی جنگ سے پہلے معاویہ کو خبر ملی کہ حضرت علی دوبارہ ان پر حملہ کرنے والے ہیں تو یہ خبر ان پر گراں گزری اور وہ دمشق سے ایک لشکر لے کر شام کی سرحد پر پہنچے اور یہ اعلان کیا کہ علی تمہاری طرف آ رہا ہے، اس نے یہ خط بنا کر لوگوں کو سنایا، اس میں لکھا کہ ہم نے اپنے اور علی کے درمیان صلح نامہ لکھا تھا، اس میں شرط لگائی تھی اور دو آدمیوں کو حکم بنایا تھا کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں گے اور ہم ان کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے اور عہد توڑنے والوں کے خلاف نکلیں گے، جس کو میں نے حکم بنایا تھا، اس نے میرے حق میں فیصلہ دیا اور جس کو انہوں نے حکم بنایا، انھوں نے ان کو خلافت سے عزل کیا، اب وہ تمہاری طرف آ رہا ہے، جو عہد توڑتے ہیں وہی ذمہ دار ہیں، جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، سامان جنگ تیار کرو اور نکلو تو ہر شہر سے لوگ اس کے پاس جمع ہوئے اور دوبارہ صفین جانے کیلئے آمادہ ہوئے اور انہیں خبر دی کہ علی کوفہ سے نکل چکے ہیں تو اس وقت عمرو بن عاص نے ان کو مشورہ دیا کہ آپ کا لشکر عراق کی سرحد میں داخل ہو جائے، یہ تمہارے لشکر کیلئے حوصلہ مندی ہو گی اور اہل عراق ذلیل ہوں گے، معاویہ نے کہا یہ بات جو تم نے کی ہے میرا بھی یہی نظریہ ہے لیکن اس کو لوگ نہیں مانیں گے اس نے کہا نہیں یہ زمین زرخیز ہے، وہ اس کشمکش اور اختلاف میں تھے کہ عراق میں داخل ہوں یا نہیں، اس دوران میں ان کو خبر ملی کہ علی کے لشکر نے حضرت علی سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے حکمین

کو مسترد کیا ہے اور یہاں آ کر واپس چلے گئے ہیں جس پر وہ خوش ہوئے کہ آپ کے لشکر میں اختلاف ہوا ہے ۔اس وقت معاویہ نے ضحاک بن قیس سے کہا کہ کوفہ کی طرف جاؤ، جتنا جا سکتے ہو اور جو بھی عرب علی کی اطاعت میں ہو، وہ ملے تو اس پر حملہ کرو ۔ایک شہر میں نہ رہنا، صبح کسی شہر میں تو شام کو کسی اور شہر میں نکل جانا، اس طرح ضحاک ایک لشکر لے کر آیا اور عراق میں داخل ہوا۔

جب علی نے نہروان والوں کو قتل کیا تو اس وقت کوفہ میں دو ہزار خوارج رہتے تھے جو عبداللہ بن وہب کے ساتھ نہیں نکلے تھے، یہ لوگ جمع ہوئے اور اپنے لئے ایک امیر بنی طی سے معین کیا' یہ لوگ نخیلہ میں تھے، حضرت علی نے ایک آدمی کو ان کے پاس بھیجا، ان کو دعوت دی، ان سے مدارات کی لیکن انہوں نے انکار کیا پھر دوبارہ انکار کیا تو ان کے ساتھ جنگ لڑی، ان میں سے ایک گروہ فرار ہو کر مکہ نکلا، جب یہ خبر معاویہ کو ملی تو معاویہ نے بسر بن ارطات جو بنی عامر بن لوی سے تعلق رکھتا تھا کو ان کے پاس بھیجا، وہ اُن خوارج سے ملا تو ان لوگوں نے انتخاب کیا کہ بنی شیبہ میں سے ایک ان کو نماز پڑھائے اور بنی شعبہ سے ایک آدمی امیر حج ہوگا تا کہ لوگوں کا حج نہ چھوٹے، جب حج کا موسم ختم ہوا تو لوگوں نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کیا، انہوں نے کہا علی اور معاویہ نے اس امت میں فساد کیا ہے، اگر ہم ان دونوں کو قتل کریں گے تو حق اپنی جگہ پلٹ کر آئے گا، بنی اشجاع سے ایک آدمی نے کہا عمرو ان دونوں سے کم نہیں ہے بلکہ عمرو ہی اس فساد کی جڑ ہے تو عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا میں علی کو قتل کروں گا، پوچھا کیسے قتل کرو گے تو کہا میں اس کو اچانک قتل کروں گا، حجاج بن عبداللہ سریمی نے کہا میں معاویہ کو قتل کروں گا، زازویہ مولیٰ بنی عمیر نے کہا میں عمرو کو قتل کروں گا، سب جمع ہوئے کہ یہ تینوں ایک ہی رات میں قتل ہو جائیں وہ رات ۱۹ رمضان کی ہوگی ۔

سب اپنے اپنے علاقوں میں گئے، ابن ملجم کوفہ آیا، خود کو چھپایا اور ارادہ کیا ایک عورت سے ازدواج کرے جس کا نام قطام بن علقمہ تھا قطام عقیدہ خوارج رکھتی تھی ۔قطام نے اس سے کہا میں تم سے راضی نہیں ہوں مگر جب تک وہ صداق جو میں کہہ رہی ہوں یا میں طلب کروں گی نہ دو گے، کہا تین ہزار درہم، ایک غلام اور کنیز تیسرا قتل علی ہے تو اس نے کہا جو کچھ تم نے کہا ہے سب دوں گا لیکن علی کو کیسے قتل کروں؟ تو اس نے کہا ان کے ساتھ دھوکہ کر کے اچانک حملہ کرو، اگر تم سالم رہے اور وہ قتل ہوئے تو تم نے لوگوں کو علی کے شر سے بچایا اور تم اپنے اہل کے ساتھ زندہ رہو گے، اگر تم خود قتل ہوئے تو تم کو جنت نعیم ملے گی جو فنا ناپذیر ہے وہ تمہارے لئے گوارا ہوگی، اس پر وہ ان کی طرف سے نکلا ۔عورت نے اس کی ملامت کی، اس سے کہا تم اپنے کام پر کیوں نہیں نکلتے ہو، تو اس نے کہا میں نے اپنے ساتھیوں کو وعدہ دیا ہے، اس وعدہ کا انتظار کر رہا ہوں ۔پھر اس نے بنی اشجع کے ایک آدمی سے ملاقات کی، اس کا نام شبیب بن بھیرہ تھا جب رات ہوئی تو ابن ملجم اور شبیب اشجعی دونوں نکلے، آپس میں صلاح و مشورہ کیا، اس دروازہ کے پیچھے رہے جہاں سے علی داخل ہوتے تھے، تاریک رات میں لوگوں کو نماز کے لئے اٹھاتے تھے شبیب نے مارا تو اُس کی ضربت دروازے کو لگی لیکن ابن ملجم کی ضربت حضرت کے سر پر لگی فوراً اس نے کہا الحکم اللہ اے علی! الحکم اللہ کے لئے ہے تیرے لئے نہیں تو علی نے کہا ربّ کعبہ کی قسم! علی کامیاب ہو گیا، اور لوگوں سے کہا ان کو پکڑو، ابن ملجم نے لوگوں پر تلوار سے حملہ کیا، ان کو نکلنے دیا، باہر مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کو پتہ چلا، اس کو زمین پر گرایا، اور اس کے سینہ پر بیٹھ گیا، شبیب کے آدمی نے اس سے تلوار کھینچی، اس کو مارا، اس کے سینہ پر بیٹھے، چیخ و پکار بلند ہوئی اور کہا صاحب تلوار کو پکڑو لیکن شبیب لوگوں کے بیچ سے نکل گیا۔لیکن ابن ملجم پکڑا گیا ۔حضرت نے کہا اگر میں زندہ رہوں تو میں خود فیصلہ کروں گا، اگر مجھے کچھ ہوا تو اختیار تمہارے پاس ہے اور تم اس کو ایک ہی ضربت مارنا، اگر معاف کرو گے تو تقویٰ بہتر ہے علی تین دن زندہ رہے، ابن ملجم نے گھر سے فریاد سنی اور کہا اے اللہ کے دشمن، علی کے لئے کوئی پرواہ نہیں، تم نے اپنے لئے جہنم خریدی، اس نے کہا میں نے اس تلوار کو ایک ہزار میں خریدا ہے اور استعمال نہیں کیا، اس کو میں نے زہر میں بھگویا ہے اگر میں اس کو پورے مشرق والوں پر ماروں تو ان سب پر یہ زہر اثر کرے گی ۔علی تین دن بعد لقاء اللہ سے پیوست ہوئے ۔

۱۹ رمضان ۴۰ ہجری کو ملجم مرادی خارجی نے مسجد میں حالت نماز میں امیر المومنین پر مسموم تلوار سے وار کیا تو آپ نے امام حسن اور امام حسین کو اور دیگر فرزندان کو جمع کر کے وصیت کی۔

میں تم دونوں (حسن و حسین) کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، دنیا کے خواہشمند نہ ہونا، اگر چہ وہ تمہارے پیچھے لگے اور دنیا کی کسی ایسی چیز پر نہ کڑھنا جو تم سے روک لی جائے، جو کہنا حق کے لیے کہنا، اور جو کرنا ثواب کے لیے کرنا ۔ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔ میں تم کو اور اپنی تمام اولاد کو، اپنے کنبہ کو اور جن جن تک میرا یہ نوشتہ پہنچے، سب کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا ۔اپنے معاملات درست اور آپس کے تعلقات سلجھائے رکھنا، کیونکہ میں

نے تمہارے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کی کشیدگیوں کو مٹانا سال بھر کے نماز روزے سے افضل ہے۔(دیکھو) یتیموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ان کے لیے فاقہ کی نوبت نہ آئے اور تمہاری موجودگی میں وہ تباہ و برباد نہ ہو جائیں، اپنے ہمسایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ ان کے بارے میں تمہارے پیغمبرؐ نے برابر ہدایت کی ہے اور آپؐ اس حد تک ان کے لیے سفارش فرماتے رہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ آپؐ انہیں بھی ورثہ دلائیں گے۔قرآن کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس پر عمل کرنے میں تم پر سبقت لے جائیں۔نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے اپنے پروردگار کے گھر کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، اسے جیتے جی خالی نہ چھوڑنا کیونکہ اگر یہ خالی چھوڑ دیا گیا تو پھر (عذاب سے) مہلت نہ پاؤ گے۔جان، مال اور زبان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے بارے میں اللہ کو نہ بھولنا اور تم کو لازم ہے کہ آپس میں میل ملاپ رکھنا اور ایک دوسرے کی معاونت کرنا اور خبردار ایک دوسرے کی طرف سے پیٹھ پھیرنے اور تعلقات توڑنے سے پرہیز کرنا۔نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے کبھی ہاتھ نہ اٹھانا ورنہ بدکردار تم پر مُسلط ہو جائیں گے پھر دعا مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

(پھر ارشاد فرمایا) اے عبد المطلب کے بیٹو! ایسا نہ ہونے پائے کہ تم امیر المومنین قتل ہو گئے، امیر المومنین قتل ہو گئے کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دو۔دیکھو! میرے بدلے میں صرف میرا قاتل ہی قتل کیا جائے اور دیکھو! جب میں اس ضرب سے مر جاؤں تو اس ایک ضرب کے بدلے میں ایک ہی ضرب لگانا اور اس شخص کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ خبردار! کسی کے ہاتھ پیر نہ کاٹو، اگرچہ وہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو۔

علی کے خلاف مشورے:[قصص العرب ج۳ ص۳۹۳ شمارہ ۱۹۷]

۴۰ھ کو تین افراد بنام عبد الرحمان بن ملجم، برک بن عبد اللہ اور عمر بن بکر تمیمی تینوں ایک جگہ اکٹھے ہوئے، مذاکرہ کیا اور حکمران وقت حضرت علی اور معاویہ اور عمرو عاص کی عیب جوئی اور نقد و تنقید کرنے کے بعد نہروان میں قتل ہونے والوں کیلئے دعائے مغفرت کی، پھر کہا کہ ان کے بعد ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ہمیں بھی اس شربت کو پینے کے لئے ان گمراہ اماموں کی طرف جانا چاہیے اور انہیں قتل کر کے ملک و مملکت کو ان سے نجات دلا کر اپنے بھائیوں کے خون کا انتقام لینا چاہیے۔عبد الرحمان بن ملجم نے کہا کہ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ علی کو قتل کروں گا۔برک بن عبد اللہ نے کہا میں معاویہ کو قتل کروں گا، عمر بن بکر نے کہا کہ میں عمرو ابن العاص کو قتل کروں گا، انھوں نے اپنی تلواروں کو زہر آلودہ کیا اور یہ طے کیا کہ یہ عمل ۱۹ رمضان المبارک کی رات سحر کے وقت تینوں جگہ پر ایک ہی وقت میں ہوگا اور یہ کہہ کر تینوں شہروں کی طرف روانہ ہوئے۔ابن ملجم مرادی بنی کندہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ کوفہ میں بنی کندہ کے ہاں آیا، ان سے ملا تو انھوں نے پوچھا کیسے آئے ہو تو اس نے اپنے عزائم و منویات انہیں بتائے کہ وہ کس نیت سے یہاں آیا ہے لیکن ایک دن اس نے تیم الرباب کے کچھ افراد کو دیکھا، حضرت علی نے اس خاندان کے دس افراد کو نہروان میں قتل کیا تھا، وہ ان کی تعزیت کے لئے ان کے گھر گیا۔

ان کو تعزیت و تسلیت دی، خاص کر اس قبیلے کی ایک عورت کا بھائی اور باپ نہروان میں قتل ہوئے تھے۔وہ عورت حسن و جمال کی مالکہ تھی، بہت خوبصورت تھی۔ابن ملجم اس کا گرویدہ و فریفتہ ہو گیا اور اپنے مقصد کو بھول گیا کہ وہ کس مقصد کے لئے آیا تھا یہاں تک کہ اس نے اس عورت سے منگنی کی تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارے عقد میں نہیں آؤں گی جب تک میرے دل کو تسلی نہیں ہو جاتی، اس نے پوچھا کہ تمہارے دل کو تسلی کیسے ہوگی، اس نے کہا وہ تین چیزیں ہیں۔تین ہزار درہم ۲۔ایک غلام یا کنیز ۳۔علی کا قتل۔

ملجم مرادی نے قطام سے کہا یہ دو چیزیں تو تمہارا مہر ہیں لیکن یہ تیسری چیز یعنی علی کا قتل یہ ایک ناممکن کام ہے جو تو مجھ سے طلب کر رہی ہے۔اس پر قطام نے کہا یہ میری پہلی شرط ہے، تم یہ کام کرو گے تو تم اور میں عیش کی زندگی گزاریں گے، اگر ان کو قتل کریں گے تو یہ ہم دونوں کے لئے سعادت ہے۔جب قطام نے اس شرط پر اصرار کیا تو ملجم نے کہا میں آیا ہی اس کام کے لئے تھا تو قطام نے کہا میں تمہاری پشت پناہی کروں گی اور تمہاری مدد و معاونت کروں گی تو اس نے بنی تیم کے ایک شخص بنام وردان کو بلایا اور ایک شخص جو بڑا بہادر تھا، اس کو بلایا جس کا نام شبیب بن بجرہ تھا۔اس شخص سے کہا تم دنیا و آخرت دونوں میں سعادت چاہتے ہو تو آؤ۔اس نے کہا وہ کیسے تو اس نے کہا علی ابن ابی طالب کے قتل سے تو اس نے کہا تمہاری ماں تم پر روئے، یہ کیسے ممکن ہے تو اس نے کہا میں مسجد میں چھپ کر بیٹھوں گا

اور وہ نماز کیلئے آئیں گے تو ان پر وار کروں گا، اگر اس سے میری جان چھوٹ گئی تو میں نے انتقام لے لیا۔ اگر میں مارا گیا تو یہ میرے لیے دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ ابن ملجم کے نزدیک علی کا قتل قربِ الٰہی کا موجب تھا۔

شبیب نے کہا علی کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو آسان ہوتا تم جانتے ہو علی سابق الایمان اور پیغمبرؐ کے ہاں مقام کے حامل ہیں، ان کے قتل سے امن قائم نہیں رہے گا۔ ابن ملجم نے کہا کیا تم نہیں جانتے ہو کہ علی نے نہروان میں ہمارے صالحین کو قتل کیا ہے، ہم ان کے انتقام میں قتل کر رہے ہیں۔ اس نے اس بات کو قبول کیا اور دونوں مسجد میں قطام کے پاس گئے جو کہ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کو خبر دی تو اس نے کہا جب فیصلہ کرلو تو میرے پاس آنا، ابن ملجم شب جمعہ ۴۰ھ کو اس کے پاس آیا اور کہا کہ یہ آخری رات ہے میں نے اپنے ساتھیوں کو وعدہ دیا تھا کہ ہر ایک قتل کرے گا اس شخص کو جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ حضرت علی سجدے سے سر اٹھانے لگے تو ابن ملجم نے وار کیا جو حضرت علی کے سر پر لگا۔ اس دوران اس کا دوسرا ساتھی وردان بھاگ گیا اور وہ اپنے گھر میں داخل ہوا، وہاں اس کے اپنے خاندان کے ایک آدمی نے دیکھا کہ وہ سینے سے حریر کو اتار رہا تھا تو اس نے پوچھا یہ حریر اور تلوار کس لئے ہے تو اس نے اس بات کی خبر دی جو کچھ ہوا تو وہ چلا گیا اور اپنی تلوار لایا اور وردان کو قتل کیا۔ ابن ملجم کا تیسرا ساتھی شبیب دروازہ کندی سے نکلا تو لوگوں نے اس کو دیکھا تو اس کے ہاتھ میں تلوار تھی قبیلہ حضرموت کے ایک آدمی بنام عویمر نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور اس کے سینے پر بیٹھ گیا تو لوگوں کے شور شرابے کو دیکھ کر ڈر گیا اور اس کو قتل نہیں کیا اور وہ فرار ہو گیا۔ لوگ ابن ملجم پر ٹوٹ پڑے، بنی ھمدان کے ایک شخص نے اس کے پاؤں پر مار کر اس کو گرایا اور پھر اسے پکڑ لیا، اس کے پاؤں پر تلوار ماری اور وہ گر گیا۔ علی محراب سے ہٹے اور جعدہ بن ھبیرہ بن ابی وھب نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت علی نے کہا کہ اس شخص کو لاؤ جس نے مجھے مارا ہے، علی نے اس سے کہا اے اللہ کے دشمن تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ یہ تم نے کس کے کہنے پر کیا ہے۔ اس نے کہا میں ۴۰ دن سے اس تلوار کو صیقل دے رہا ہوں کہ اس کے ذریعے بدترین خلق کو قتل کروں۔

آپ نے امت کو اسی طرح چھوڑا جس طرح رسول اللہ نے چھوڑا تھا، امیر المومنین کی تجہیز و تکفین و تدفین کے بعد صبح کو مسجد میں لوگ جمع ہوئے اور خود کو امیر المومنین کی قیادت و رہبری سے محروم ہونے پر غمگسار ہوئے، اسی مجلس میں ملت کی طلب پر امام حسن مسجد میں حاضر ہوئے اور تمام نے اپنی رضا و رغبت کے تحت امام حسن کی بیعت کی اور آپ انتخاب مسلمین سے خلیفہ راشد خامس مسلمین منتخب ہوئے۔

اولادِ امیر المومنین:

زوجات و بنین و بنات امیر المومنین علی بن ابی طالب از کتاب الامام علی بن ابی طالب ص ۶۔

۱۔ فاطمۃ الزھرا بنت رسول اللہ آپ کی اولادوں میں سے حضرت امام حسن، امام حسین اور حضرات زینب و ام کلثوم ہیں۔

۲۔ ام خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ ان سے محمد بن حنفیہ ہیں، انہیں محمد اکبر بھی کہتے ہیں۔

۳۔ لیلی بنت مسعود بن خالد ان سے عبید اللہ و ابوبکر۔

۴۔ ام البنین بنت حزام بن خالد سے عباس، عثمان، جعفر، عبداللہ۔

۵۔ اسماء بنت عمیس سے یحییٰ و عون۔

۶۔ ام حبیبہ بن ربیعہ الصہباء سے محمد اکبر و رقیہ۔

۷۔ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ہیں جو حضرت زہرا کی وفات کے بعد زہراء کی وصیت کے تحت آپ کے عقد میں آئیں، ان سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

۸۔ ام سعید بنت عروۃ بن مسعود ان سے ام الحسن و رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

۹۔ محیاۃ بنت امرء القیس بن عدی۔

۱۰۔ ام ولد ان سے محمد اصغر۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے حضرت علی کی کل تعداد اولاد ۱۴ ذکور ۱۹ ابنات ہیں۔

مدفن امیر المومنین:

امیر المومنین کا مدفن کہاں ہے، ان کی تاریخ شہادت اور موجودہ مزار کے حوالے سے اختلاف ہے موجودہ دور میں اس حوالے سے دو جگہیں بتائی جاتی ہیں، ایک عراق کے شہر نجف میں ہے جس پر آج کے اور کل کے شیعہ اتفاق کرتے ہیں دوسرا افغانستان کے شہر مزار میں ہے، اُس شہر کو مزار اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کے مطابق علی اُدھر دفن ہیں۔لیکن تاریخ میں کیا ہے اور تاریخ کس کی تائید کرتی ہے۔

کتاب دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱۰ ص ۳۶۹ کتاب علی المرتضیٰ القسم ثانی تالیف حسین شاکری ص ۱۳۴۸ اعیان شیعہ محسن الامین ج ۱ ص ۵۳۴ میں آیا ہے جب ۲۱ رمضان کی رات کو روح مطہر امیر المومنین نے ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کیا تو حضرات حسنین و دیگر اولادِ اعزاء نے آپ کے جنازہ مطہر کو رات کی تاریکی میں دفنایا اور قبر مطہرہ کو آپ کی وصیت کے مطابق مخفی و پنہاں رکھا گیا اس ڈر سے کہ کہیں آپ کے جسد اطہر کو انتقام جویان قریش یا خوارج و بنی امیہ نکال کر اس کی اہانت و جسارت نہ کریں لیکن یہ کہ آپ کا جنازہ کس جگہ دفنایا گیا، اس بارے میں صاحب اعیان لکھتے ہیں، اسکے لئے چند تابوت بنائے گئے، ایک تابوت مدینہ بھیجا، ایک حیرہ میں بھیجا جبکہ بعض کہتے ہیں خود مسجد کوفہ میں نیز کوفہ و دیگر جگہوں پر قبور بنائی گئی تھیں صاحب اعیان لکھتے ہیں بعض کہتے ہیں دار الامارہ میں دفن کیا ہے، ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ آپ کو نجف میں دفن کیا اور قبر کو چھپا کر رکھا ہے، کسی کو پتہ نہیں تھا سوائے آپ کی خاص اولاد کے، یہ قبر اسی طرح مخفی و پوشیدہ رہی اس سلسلے میں ایک روایت یہ ہے کہ ہارون رشید کے دور میں جب وہ شکار کو گئے تو انہوں نے ہرن کے شکار کے لئے اپنے کتے کو چھوڑا، ہرن ایک جگہ جا کر رک گیا اور کتا بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گیا جس پر ہارون کو تعجب ہوا، اس نے اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو ایک بوڑھے نے بتایا کہ یہاں علی مدفن ہیں لہٰذا ہرن نے علی سے پناہ لی ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ نجف کی حدود میں کتے نہیں آتے۔لیکن یہ بات غلط ہے بلکہ علی کی توہین و جسارت ہے کہ آپ کی قبر مطہر کسی حیوان کے ذریعے یا کسی بوڑھے کے ذریعے ثابت کریں کہ آپ یہاں دفن ہیں وغیرہ وغیرہ جو کہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔اگر تاریخ میں کوئی حلقہ مفقود ہو کہ اس کا آگے کوئی ذکر نہیں ملتا تو ماننا پڑے گا کہ یہ ذکر یہاں ختم ہے یعنی صرف حضرت علی کی شہادت تک، علی کو مسجد میں ضربت لگی اور علی کے گھر میں ان کی روح مطہر ان کے جسم سے نکلی لہٰذا اگر علی کے جسم کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی سند درست ثابت نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ علی اپنے گھر میں دفن ہیں۔اب اس کو معجزات، شور شرابے، دھمکی یا قرارداد کے ذریعے ثابت کرنا خرطۃ القتاد یعنی اپنے ہاتھ سے کانٹے صاف کرنا ہے۔

صاحب اعیان آگے کتاب تذکرہ الخواص سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس جگہ پر قبر ہے یہ قبر مغیرہ بن شعبہ ہے ان منقولات کے تحت قبر حضرت علی متضاد و متعارض خبروں وہ بھی نا قابل اعتماد اور مجہول الحال راویوں کے پیش نظر اصول اور موازین شریعت کے تحت ثابت نہیں ہوتی ہے کہ یہ امیر المومنین کی قبر ہے کیونکہ ہارون رشید خود علی اور علویوں کے سرسخت خلاف تھا خاص کر یہ معجزہ اپنی جگہ رائے عامہ میں عباسین کے پلہ کو نیچے اور علوین کے پلہ کو اونچا کرتا ہے جس کے تحت ان کا تخت الٹنا چاہیے۔ایک شکاری کتے کے ذریعے قبر امیر المومنین کا ثابت ہونا امام الموحدین کو ملجاء و ماوا، دار الشفاء دار الحوائج بنا کر زیارت کرنے اور دعوت زیارت دینے کی سند کس آیت قرآن اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اگر قبر امیر المومنین کشف نہ ہو سکے اور یہاں کوئی زیارت کے لئے نہ آئے تو اس سے دین اسلام میں کہاں خلل واقع ہوگا کیا نبی کریمؐ جب عمرہ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے یا فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہاں تشریف لائے تھے تو آپ اپنے محسن ابو طالب اور محسنہ باوفا زوجہ خدیجۃ الکبریٰ، اپنی ماں آمنہ بنت وھب اور آپ کے کفیل عبد المطلب کی زیارت پر گئے تھے کیا نبی کریمؐ کبھی مدینہ سے اپنے والد عبد اللہ کی زیارت کے لئے نکلے تھے ظن و گمان اور مفروضات و فرضیات پر حقائق کو باندھ کر دین کے اصول کو متزلزل و احکام کو پامال کرنے کی کیا منطق منتی ہے۔

جو کچھ اس سلسلے میں متون روایات میں ملتا ہے وہ زیارت قبور ہے وہ بھی انسانوں کی عبرت کی خاطر ہے۔کاش تعمیر و آرائش قبور کو صرف علی و زہراء اور حضرات حسنین تک محدود رکھتے جبکہ اب تو ہر بے دین پیر و ملنگ، شراب اور بھنگ پینے والے اور رقص و غناء کی محفل سجانے والوں کے لئے سونے چاندی سے مزین بارگاہیں بنائی جاتی ہیں نیز ان کے لئے قوم کا سرمایہ جمع کر کے ان قبور پر لگایا جاتا ہے یہاں تک کہ مزار بنانا اب ایک بہت کارآمد کاروبار کی شکل اختیار کر گیا ہے بعض جگہ مزاروں پر قومی ملین ملین روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔جس مذہب و قوم کی یہ سوچ ہو، وہ زوال و نیستی اور ذلت وخواری کی مستحق نہ ہو تو کون ہوگا۔

اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی شہادت کے بعد اپنی جائے مدفن کے بارے میں وصیت کی کہ میرے جسد خاکی کو ایک تابوت میں رکھ کر پیچھے

سے پکڑیں اور آگے سے چھوڑ دیں پھر وہ جہاں رُکے، اُدھر ہی دفن کر دیں، پھر وہ تابوت عراق کے شہر نجف آ کر رُکا تو لوگوں نے وہاں پر ایک پہلے سے کھدائی ہوئی قبر پائی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ قبر حضرت نوحؑ نے حضرت علی کے لئے کھودی تھی، آپ کی شہادت کے بعد آپ کہاں دفن ہیں۔ اب تو صورت حال یہاں تک پہنچی ہے کہ اس فقرہ کا مصداق بنتا ہے چو ون کفر از کعبہ برخیز و کجا ماند مسلمانی۔

پاکستان میں شیعوں کی علمی میدان کی ایک معروف درسگاہ اور اس کے بانی حوزہ علمیہ قم کے مایہ ناز فاضل وارشد نے یہاں سے حاجتوں کی درخواستوں کو جمع کر کے عتبات مقدسہ تک پہنچایا ہے نیز انہوں نے خود وہاں تشریف لے جا کر سیٹلائیٹ کے ذریعے حاجتمندوں اور صاحب روضہ کے درمیان رابطہ کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے حاجتمندوں کی اطلاع عام کیلئے ہادی ٹی وی سے بار بار اس کا نمونہ دکھایا جاتا ہے نیز وہاں جانے سے معذور افراد کیلئے وہاں سے اصلی علم یہاں لائے جاتے ہیں۔

خلیفہ پنجم حضرت حسن بن علی بن ابی طالب:

امام حسن کو خلیفہ راشد خامس اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کو امیر المومنین کے قتل کے بعد منصب خلافت پر امت کے اہل حل وعقد نے بغیر کسی وصیت امیر المومنین یا جبر و کراہ یا اظہار خواہش و آرزو کے بغیر خود منتخب کیا، امت نے اس منصب کے لئے آپ کو رشید پایا، انہوں نے آپ کو اس منصب کے لیے لائق و سزاوار پایا لیکن اس وقت کی امت اس وقت گروہ و احزاب موافق و مخالف میں منقسم تھی نیز وہ جنگ و قتال سے تھک چکے تھے لشکر امام حسن لشکر معاویہ سے مقابلہ کرنے اور استقامت دکھانے کے لئے آمادہ نہیں تھا لہٰذا آپ نے خونِ مسلمین بغیر کسی حصول نتیجہ کے رائیگاں ہونے کے خوف سے خلافت سے تنازل کیا، اس لئے آپ کو راشد خامس کہتے ہیں۔ کتاب سیرۃ امیر المومنین الامام الحسن تالیف دکتور الصلابی ص ۱۹ میں آیا ہے: **حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف الھاشمی سید شباب اھل الجنہ فھو ابن فاطمہ بنت رسول اللہ و خامس الخلفا الراشدین** آپ تین ہجری پندرہ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، آپ کی تمام مراسم ولادت، اسم گزاری، اذان اور عقیقہ خود رسول اللہ ﷺ نے انجام دیئے۔ امام حسن وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں وقوع پانے والے انصار و مہاجرین کے مناظرات و مجادلات اور آخر میں حضرت ابوبکر صدیق کے انتخاب کے بعد تینوں خلفاء کے ساتھ آپ کا رویہ و سلوک اور ان کی طرف سے آپ پر توجہات اور آپ کے برادر عزیز امام حسین کے لئے عزت و تکریم کے دور سے گزرے ہیں۔

تاریخ میں آیا ہے کہ آپ نے خلفاء کے ساتھ انتہائی خوشگوار سلوک اپنایا ہوا تھا، آپ ان کو امیر المومنین کے نام سے یاد فرماتے تھے یہاں تک کہ خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے دور خلافت میں آپ آذربائیجان کی دونوں جنگوں میں شریک ہوئے ہیں، جب حضرت عثمان کا شورشیوں نے محاصرہ کیا تو امیر المومنین کی طرف سے آپ دونوں ان کی محافظت پر موکل تھے حضرت عثمان کے قتل کے بعد امیر المومنین کی تینوں جنگوں میں قیادت لشکر رکھتے تھے۔

اس کتاب کے ص ۲۷ پر لکھتے ہیں کہ آپ کو ماہ مبارک رمضان ۴۰ھ کو امیر المومنین کی شہادت کے بعد کوفہ میں موجود اہل حل و عقد نے بغیر کسی نص کے اور بغیر کسی قسم کے اختلاف کے آپ کو امیر المومنین و خلیفہ خامس مسلمین منتخب کیا۔

بیعت حضرت حسن ابن علی: [تجارب سلف ص ۵۲]

سب سے پہلے آپ کی بیعت کرنے والوں میں قیس بن سعد بن عبادہ ہیں۔ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری امیر المومنین کے لشکر کے قائدین میں سے تھے۔ وہ جنگ صفین میں چالیس ہزار لشکر کے مقدمہ کی قیادت کر رہے تھے، حضرت علی کے قتل کے بعد جب امام حسن کو خلافت کیلئے منتخب کیا گیا تو اس وقت کے معاشرہ اسلامی میں انتہائی انتشار و اختلاف اور خاص کر کے خلافت کے مسئلہ میں رسہ کشی جاری تھی ایک طرف سے خوارج جو کہ دشمن اسلام و امیر المومنین تھے اپنے غیر عقلی و غیر شرعی اور مجمل شعار اور نعرہ اٹھائے ہوئے تھے دوسری طرف معاویہ کو جب قتل امیر المومنین کی خبر ملی تو اس نے اس قتل کو اپنی خلافت کا مقدمہ تصور کیا۔

معاویہ اپنی فراست و سیاست اور اہل شام کی طرف سے کورکورانہ اطاعت و انقیاد اور عوامی لشکر کی پشت پناہی میں نو منتخب خلیفہ کے ساتھ نبرد آزمائی کیلئے چوکنا و منتظر تھا کہ علی کے بعد کون خلیفہ منتخب ہوتا ہے۔ معاشرہ عراق ہر طرف سے جنگی صلاحیت کھو چکنے کے بعد ذہنی انتشار و افتراق میں مبتلا تھا لشکر خوارج جس نے علی کو ان کی بات ماننے پر مجبور کیا اور تحکیم میں اپنی من مانی شرائط منوائیں، آخر میں انہوں نے ہی علی کو قتل کیا تھا، وہ اس کوفہ میں موجود تھے، ان کی تمام تر کوشش اور خواہش

تھی کہ امام حسن اپنی پہلی فرصت میں معاویہ سے جنگ کیلئے نکلیں انہوں نے بیعت کرتے وقت یہ شرط عائد کی کہا کہ آپ قرآن و سنت پر عمل کے ساتھ ساتھ جہاد بھی کریں گے، جس پر امام حسن ناراض ہوئے۔آپ نے فرمایا کتاب وسنت کی شرط ہر قسم کی شرط سے بے نیاز کرتی ہے۔امام حسن عراق کو منظم کرنے اور جنگ کیلئے لشکر آمادہ کرنے میں مصروف تھے جبکہ اس وقت معاویہ کی طرف سے عراق میں انتشار وافتراق پیدا کرنے کے لیے گروہ بھیجے گئے تھے۔جیسا کہ [المناظر علم الاوائل واواخر تالیف شیخ محبّ الدین ابی الولید محمد بن محمد ابن الشحنۃ متوفی ۸۱۵ص ۱۱۷] میں آیا ہے ۴۲ھ کو جب امام حسن ربیع الآخر کے مہینہ میں ایک لشکر لے کر معاویہ سے جنگ کیلئے نکلے تو معاویہ بھی امام حسن سے مقابلہ کیلئے نکلے، دونوں لشکروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا، امام حسن نے جب اپنے لشکر کی آزمائش کی تو ان کے درمیان اختلاف پایا لہٰذا اپنی خلافت کے چھ مہینے گزرنے کے بعد آپ نے خلافت کو معاویہ کے لیے چھوڑا، ان شرائط کے تحت کہ علی کو سبّ نہیں کریں گے اور بیت المال کا مال جو کوفہ میں ہے وہ امام حسن کو دیں گے امام حسن کے کسی ساتھی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے ان شرائط پر امام حسن خلافت سے دست بردار ہوئے، معاویہ خلیفہ مسلمین بنا اور وہ کوفہ میں داخل ہوا، اہل کوفہ سے بیعت لی۔

امام حسن واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے یہاں تک کہ ۴۹ھ کو ربیع الاول میں آپ نے وفات پائی لیکن معاویہ نے جو معاہدہ آپ سے کیا تھا اس پر وفا نہ کی، امام حسن کے ۵ فرزند تھے آٹھ بیٹیاں تھیں آخر میں آپ کی بیوی جعدۃ بنت اشعث نے آپ کو زہر دیا کہتے ہیں یہ بھی معاویہ کے اشارے پر ہوا تھا بعض کا کہنا ہے یزید نے زہر دلوایا تھا۔

اسباب صلح حضرت حسن ابن علی: [حیاۃ امام حسن تالیف باقر شریف قرشی ج ۲ص ۱۱۵]

زاویہ نگاہ سیاست جنگی میں امام حسن کا اس صلح کو قبول کرنے کے علل و اسباب کے تجزیہ نگاران کا کہنا ہے کہ امام حسن جس لشکر کو لے کر نکلے تھے، وہ اندر سے ضعف و ناتوانائی کا شکار تھا، اس ناتوانائی کے چند اسباب وعوامل ہیں:

۱۔جس لشکر کو امام حسن لے کر گئے تھے، وہ اندر سے شقاق وشگاف اور تضارب و گروہ بندی کا شکار تھا‘ اس لشکر میں اموی نواز‘ خوارج سے گرائش رکھنے والے‘ خوارج کے ہمدرد اور وہ افراد جو جنگ سے تنگ آکر صلح کے خواہاں تھے، سب موجود تھے۔

۲۔جس دن سے حضرت علی نے خلافت سنبھالی، اس دن سے ان کے آخری ایام تک وہ بغیر کسی وقفہ کے تسلسل جنگی میں تھے، یک بعد دیگر جنگ سے لوگ تنگ آچکے تھے اور انھیں جنگ سے فتح و کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔

۳۔معاویہ کی طرف سے مسلسل دعوت صلح سے لشکر امام حسن میں صلح پسندی کا رجحان بڑھتا گیا۔

۴۔لشکر امام حسن میں ضعف و ناتوانائی کا ایک سبب اس لشکر کے قائد عبید اللہ بن عباس کی خیانت تھی‘ جو قیادت لشکر کو چھوڑ کر معاویہ سے جاملا تھا۔

۵۔قوت لشکر فریق مقابل یعنی اہل شام‘ یہ لشکر ہر حوالہ سے قدرتمند تھا جہاں لشکر بغیر کسی چون و چرا کے معاویہ کا سمعاً و طاعاً مطیع تھا وہاں ایک حزب چلتا تھا جو حزب اموی تھا اور دوسرا کوئی حزب نہیں تھا۔

۶۔حال ہی میں امیر المومنین کا خوارج کے ہاتھوں ناگہانی قتل بھی اس ضعف کا ایک سبب تھا۔

۷۔تین جنگوں میں یک بعد دیگر بہت سے مسلمانوں کا خون بہہ گیا، اب امام کو مزید یہ برداشت نہیں تھا کہ بغیر نتیجہ کے جنگ کیلئے مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔

۸۔اس جنگ کا انجام امام حسن کی شکست تھی اور آپ کو اسیر کر کے معاویہ کے سپرد کیا جانا تھا لہٰذا امام نے چاہا کہ کم از کم معاویہ کی منت اور احسان آزادی سے مجھے نجات ملے۔

لیاقت واہلیت معاویہ:

دکتر علی محمد صلابی مورخ نامدار تحلیل و تجزیہ نگار تاریخ وسیرت اسلامی اپنی کتاب سیرت امیر المومنین خامس خلفائے راشدین حسن بن علی بن ابی طالب شخصیتہ وعصرہ کے ص ۳۴۳ پر لکھتے ہیں: حسن بن علی نے چالیس ہزار کا لشکر جنگجو اپنے ساتھ ہوتے ہوئے خلافت سے تنزل کیا اور اسے معاویہ کے حوالہ کیا، اگر امام حسن کی نظر میں معاویہ اس منصب کیلئے لائق و سزاوار نہ ہوتا تو یقیناً سبط رسولؐ اس منصب کو ان کے سپرد نہ کرتے بلکہ جنگ کو جاری رکھتے، معاویہ وہ شخص ہے جسے اہل شام

نے اندھیرے میں نادانی میں اپنا رئیس نہیں بنایا چنانچہ صلابی نے معاویہ کے بہت سے فضائل ان کتابوں میں بیان کئے ہیں۔ان میں سے قابل ذکر یہ صفات ہیں۔

۱۔قرآن کریم میں سورہ توبہ کی آیت ۲۶۔۲۵ جو کہ جنگ حنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں آیا ہے اللہ نے سکون کو رسول اور مومنین پر نازل کیا ہے معاویہ ان شخصیات میں سے ہے جو جنگ حنین میں شرکت کرنے والے مومنین میں سے ہیں اللہ کا سکینہ ان پر نازل ہوا ہے۔حالانکہ اس جنگ میں ہزیمت خوردہ مشرکین بھی تھے اور نازہ اسلام قبول کرنے والے بھی تھے، معاویہ اور ان کا خاندان بمعہ دیگر اکابر قریش بادل نخواستہ شریک ہوئے تھے، نبی کریمؐ نے انہیں مولفۃ قلوب کا لقب گردان کر مال غنیمت دیا تھا۔

۲۔پیغمبر نے معاویہ کے حق میں دعا کی ہے **اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا وھدی بہ اللھم علم معاویہ الکتاب و الحساب وقہ العذاب** ۔پیغمبر نے فرمایا وہ پہلا لشکر جو میری امت سے دریا پار کر کے جائے گا ان کیلئے جنت واجب ہے۔دوسری روایت میں کہا میری امت میں سے جو شہر قیصر پر حملہ کریں گے انھیں معافی ہے۔دشمنان اسلام کی سرحدوں تک لشکر کشی کرنے والوں کے حق میں پیغمبر اگر دعا فرماتے تو یقیناً یہ دعا بنی امیہ اور بنی عباس کے دیگر خلفاء کو بھی ملنی چاہیے تھی ہارون رشید کو بھی ملنی چاہیے تھی کہ جو ہر دو سال میں محاذ جنگ پر ہوتا تھا، یہ معتصم عباسی، ہارون رشید کے جاہل بیٹے کو بھی ملنی چاہیے۔یہ دعا حجاج بن یوسف ثقفی کو بھی ملنی چاہیے جن کی امارت اور قیادت میں محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا اور طارق بن زیاد نے اندلس کو فتح کیا۔اگر معاویہ کے لئے کوئی دعا ہے تو کیوں یہ لوگ نبی کریمؐ کی اس دعا سے محروم رہے۔

۳۔جن علماء اسلام نے شخصیت معاویہ کی تعریف کی ہے ان میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مبارک، احمد بن حنبل، قاضی، ابن عربی، ابن تیمیہ، ابن کثیر ہیں۔

۴۔معاویہ نبی کریمؐ سے شرف نقل روایت رکھتا ہے معاویہ سے پیغمبرؐ کی ایک سو تریسٹھ احادیث نقل ہوئیں ہیں جن میں سے بخاری اور مسلم نے چار حدیث پر اتفاق کیا ہے کیونکہ وہ فتح مکہ کے بعد رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کی بہن کے شوہر تھے وہ پیغمبرؐ کے کاتب تھے۔

۵۔جب سفیان لیلی نے امام حسن سے کہا یا امام المذلین تو امام حسن نے فرمایا اس طرح سے بات نہ کرو، میں نے اپنے باپ سے سنا ہے رات دن نہیں گزرے گا یہاں تک کہ معاویہ حکومت کرے گا مجھے پتہ چلا کہ حقیقت میں معاویہ ہی کو خلیفہ ہونا ہے تو مجھے کراہت ہوئی کہ خواہ مخواہ میرے اور معاویہ کے درمیان مسلمانوں کا خون بہہ جائے۔یہ سب معاویہ کی قدرت سیاست پر دلالت کرتا ہے معاویہ کی سیاست امام حسن سے مذاکرات کی وجہ سے اس صلح پر پہنچی ہے۔

یہ وہ نکات ہیں جسے دکتر صلابی نے امام حسن کا اپنی خلافت سے تنازل کر کے خلافت کو معاویہ کے سپرد کرنے کی توجیہات میں بتایا ہے ہمیں اس سلسلہ میں معاویہ، غالیوں اور نصیریوں کی سیرت پر چل کر جن کا کل مذہب سبّ و شتم اور لعن اپنا کر دکتر صلابی کی ادیبانہ و ماہرانہ اور مدبرانہ تحلیل کے خلاف خود صلابی اور معاویہ پر لعن و سبّ کی بارش نہیں برسانا ہے، ہم نے اپنی کتاب مدخل الدرسۃ تاریخ اسلام میں لکھا ہے کہ مورخ کیلئے بیان کردہ شرائط کے اندر رہتے ہوئے تاریخ پیش کرنی چاہیے اگر صلابی محبت معاویہ میں حقائق تاریخی کو توڑ پھوڑ کر پیش کریں گے تو روز حساب ان کو اس کا جواب دینا ہو گا لیکن ہم صریح آیات قرآن کریم کو پس پشت چھوڑ کر معاویہ اور ان کے ہمنواؤں یا کسی کی بھی دشمنی میں عدالت کوئی، عدالت بیانی، عدالت تحریری کو خیر باد نہ کہیں گے کیونکہ اللہ فرماتا ہے **لا یجرمنکم شقاق قوم الا ان لا تعدلو** مجھے اپنے دین پر اس لئے ناز ہے کہ اس مذہب میں حق کوئی و صراحت گوئی کے ساتھ تحقیق، دقت اور باریک بینی کا حکم دیا گیا ہے اور دلائل و براہین کی جگہ سبّ و شتم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔خلفاء و اصحاب میں سے جس کسی کا بھی نام لے کر سبّ کرنا درحقیقت دشمنان اسلام کی مکرانہ و ابلیسانہ حکمت عملی ہے جسے وقت کے مردودوں اور ملعونوں سے آنکھ چرانے کے لئے وضع کیا گیا ہے اصل میں لعن و نفرین ہمیشہ وقت کے ظالمین کے لئے مختص ہے تا کہ ملت انہیں کراہت و نفرت کی نظر سے دیکھے، اگر یہ عملاً وقت کے ظالمین کے لئے ہوتی تو شاید آج ہم مسلمان ظالمین سے نجات حاصل کر چکے ہوتے۔

جیسا کہ بعض علوم کے مدعیان کہتے ہیں ہمارا مذہب علم پر چلتا ہے لیکن پھر علم کو بند و محدود کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ علم بتانے کا ہے اور یہ چھپانے کا۔نہ ہم ان کے مذہب پر چلیں گے جہاں قرآن کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے حدیث کی اسارت میں دیا جاتا ہے تا کہ مطلب پرست اسلام دشمن اپنے مطلب کیلئے حدیث گھڑ لیں اور پھر اس پر چند انسانوں کے ذریعے مہر صحت ثابت کریں اور پھر جو شخص اس حدیث کو رد کرے اس کو منکر حدیث قرار دے کر قادیانی بنا دیں، ہم افہام و تفہیم اور دلیل و برہان پر ایمان رکھتے ہیں۔ہم پہلے مرحلے میں حسب ہدایت قرآن ایمان بہ دلیل رکھتے ہیں، ہم دلیل سے ہی اللہ پر ایمان لائے ہیں، ہم دلیل کے توسط

سے دلیل کی سواری پر سوار ہو کر ایمان بہ رسالت لاتے ہیں لہٰذا مؤرخ نے جس اہلیت وقابلیت کو معاویہ کی خلافت کی بنیاد بنا کر امام حسن کے تنزل از خلافت کو سراہتے ہوئے بڑے بڑے اعزاز اور شان وشوکت والے کلمات سے ان کو یاد فرمایا، اسے حسب استطاعت نقد کا نشانہ بنائیں گے ممکن ہے میرا نقطہ نظر غلط ہو، قارئین سے اصلاح کی درخواست ہے:

۱۔ جس آیت سے معاویہ کا اللہ کے نزدیک وقریب ہونے اور ان کے ایمان کو ثابت کرنے کیلئے استدلال کیا گیا ہے، تمام مورخین اور تاریخ نگاروں نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے تمام سربراہان اور سربرآوردہ اہل مکہ کو نبی کریمؐ اپنے ساتھ حنین لے کر گئے تھے، اس احساس خطر میں کہ کہیں یہ لوگ میرے پیچھے کوئی گڑبڑ نہ کریں چنانچہ علماء نے انھیں مولفۃ القلوب کا نام دیا ہے۔ نبی کریمؐ نے حنین میں حاصل غنائم کا ایک بڑا حصہ انھیں دیا ہے، اس میں سے ایک فرد معاویہ اور ان کا باپ ہے اور اس جنگ میں بعض افراد مشرکین بھی تھے لیکن انھوں نے مہلت مانگی تھی کہ پیغمبرؐ اس وقت تک ایمان لانے کیلئے انھیں مہلت دیں۔

۲۔ پیغمبر اکرمؐ کی معاویہ کے لئے دعا نقل کی گئی ہے تا کہ اس دعا سے معاویہ کی خلیفہ سوم حضرت عثمان اور ان کی خلافت کو یرغمال بنانے والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر اپنے اقتدار کی راہ ہموار کرنے اور حضرت عثمان کے بعد نئے منتخب خلیفہ کو کرسی خلافت پر ٹکنے کی مہلت نہ دینے جیسی سرگرمیوں کو دھویا جا سکے اسی طرح دیگر اصحاب اور تابعین کی شان اور اُن کے حق میں دعائیں ہیں اسی طرح ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر کی شان میں دعائیں اور انہی میں سے معاویہ کے اقتدار اور امت کا امام بننے کے لئے دعا ہے، اگر ان دعاؤں کی وجہ سے یہ ذوات اس مقام پر پہنچی ہیں تو یہ باعث رشک ہے، اس امتیاز کا رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوگا کہ آپ نے پہلے اسلام لانے والے اور آپ کو جنگی تیاریوں کے موقع پر اپنے تمام سرمائے کے ساتھ اپنے گھر کا سامان تک آپ کی خدمت میں پیش کرنے والے اور آپ کی دو بیٹیوں کے شوہر عزیز کو شورش کرنے والوں کے محاصرے سے نجات کیلئے کیوں ایسی دعا نہیں فرمائی؟ ابو طالب جنہوں نے قریش سے آپ کو بچانے کی خاطر ہر سختی میں آپ کا ساتھ دیا، اُن کے بیٹے جن کا خوارج نے صفین سے پہلے گھیراؤ کیا، اُن کی نجات کیلئے آپ نے ایسی کوئی دعا کیوں نہ فرمائی؟ پہلے دن سے حتی الموت تک اپنے باوفا دوست حضرت ابوبکر کے حق میں ایسی دعا کیوں نہیں کی؟ اٹھتے بیٹھتے آپ کے پاس آنے والوں میں سے زیادہ سوال واستفسار کرنے والے حضرت عمر کے غصہ کو اتارنے کیلئے کیوں دعا نہیں فرمائی گئی۔

اپنی پروردہ عزیز بیٹی فاطمہ زہراء کے عزیز شوہر اور نور دیدہ حضرات حسنین کے طول اقتدار کے لئے اور آپ کے دشمنوں کو شکست وہزیمت کا سامنے ہونے کے لئے دعائیں کیوں نہیں کیں۔ کیا حضرت محمدؐ عالمین کے لئے نہیں صرف انہی چند ذوات کے لئے رحمت تھے۔ جسے نور دین اور جگر کا ٹکڑا کہتے تھے، اس زہرا کیلئے ایسی دعا کیوں نہیں کی کہ ان کا دل بھی احادیث کا ذخیرہ بنتا، زہرا سے منسوب کتنی احادیث ہیں جو صحاح ستہ وسنن اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔ حضرات حسنین اور علی جنہیں اپنے بستر پر سلایا، ان کے حق میں ایسی دعا کیوں نہیں کی، ایسی دعائیں صرف ان چار افراد کیلئے کس بنیاد پر ہیں، بہتر نہیں تھا کہ یہ دعا امام حسن کے حق میں کرتے کہ اے اللہ خلافت کو میرے فرزند کے دل سے نکال دے تا کہ انھیں بعد میں شرمندگی اٹھانا نہ پڑے اور لوگوں سے انھیں یا مذل المومنین سننا نہ پڑے۔

۳۔ ڈکٹر صلابی نے معاویہ کی اہلیت کے بارے میں حضرت امیر کا قول نقل کیا ہے کہ معاویہ اقتدار کا مالک ہوگا۔ اس خبر کے پیش نظر امام حسن نے خلافت سے تنزل کیا ہے۔ صلابی نہج البلاغہ میں اس خطبہ کو بھی ملاحظہ کرتے کہ اہل شام کس طرح اور کیسے خلافت چھیننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ آیا امام حسن کی نظروں اور سماعت سے امیر المومنین کی زبان سے معاویہ کے لئے بیان شدہ کلمات محو ہو گئے تھے اگر کسی کو اقتدار میں آنا ہی ہے تو اس کو اقتدار میں لانے کیلئے چالیس ہزار کے لشکر کو خانہ وآشیانہ سے نکال کر میدان جنگ میں لانا ضروری تھا اگر پیغمبرؐ نے بھی خبر دی تھی کہ خلافت بنی امیہ میں جائے گی اور معاویہ کے بعد ان کا بیٹا خلیفہ ہوگا تو کیوں امام حسین نے تنزل نہیں کیا اور کیوں امام حسین نے خلافت کیلئے باوفا اصحاب حتی بچوں کی شہادت وقربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

۴۔ معاویہ سیاست مداری میں اپنے دور کے نابغہ تھے جسے سب تسلیم کرتے ہیں، اسی بنیاد پر صلابی نے کہا ہے کہ وہ امام حسن کو مذاکرات کی میز پر لائے اور ان سے آسانی سے منوایا، یہ اس کی سیاست وفراست ہے، اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ معاویہ بہت سیاست مدار تھے جیسا کہ یہ مقولہ مشہور ہے سادۃ العرب اربعہ معاویہ، زیاد بن ابیہ، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن عاص، ان کی سیاست کے بارے میں علی کا وہ جملہ تھا ملاحظہ کریں خطبہ ۴ خطبہ ۲۰ لیکن بتائیں اسلام میں اس مقام ومنصب پر فائز ہونے کیلئے کیا انسان کو صرف سیاست مدار ہونا چاہیے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور شرط نہیں ہے؟ اگر سیاست مدار اسلام کے سربراہ بن سکتے ہیں تو گویا اسی سال ۱۴۳۴

ھ کے انتخاب میں عائد شرائط امیدوار کہ انھیں کلمہ آنا چاہیے، نماز کے سورے آنا چاہئیں، اس پر بڑے بڑے سیاستدانوں اور سابق وزیر اعظم گیلانی کی چیخ و پکار حق بجانب تھی اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسلام کی سیاست اور میکاولی سیاست اور سوفسطائیزم کی سیاست میں چنداں فرق نہیں ہے چنانچہ آپ کی اس فکر و سوچ کے لحاظ سے دنیا کے جتنے بھی سیاست مدار مثلاً فاسق و فاجر اور اسلام کا مذاق اڑانے والے اتاترک، شاہ ایران، صفوی، قاچاری، پہلوی، عبدالناصر، انور سادات، قذافی، پرویز مشرف، زرداری، گیلانی وغیرہ، ان سب کو امیر المومنین کہنے میں کیا حرج ہے، یہ سب سیاست مدار تھے اور ان میں سے بعض کا اوڑھنا بچھونا اب بھی سیاست مداری ہی ہے۔

۵۔ہم کسی بھی شخص حاکم کو دو دفعہ نقد سے گزارتے ہیں، ایک دفعہ اس کی قوم وملت کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایسے شخص کو اس منصب پر بٹھاتے ہوئے اپنے دین وملت کے ساتھ کس حد تک امانت داری کی اور آیا ان کے اندر اس قدر اہلیت ولیاقت وصلاحیت بھی تھی کہ وہ کسی حاکم کا انتخاب کرتے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جسے حاکم بنایا گیا، آیا وہ اس اعلیٰ ترین منصب کے تقاضوں پر پورا اترتا تھا یا نہیں۔ یہ واضح ہے کہ بہت سے منافق و مکار انسان ابتدائی دور میں صوم وصلاۃ، انفاق اور رحم و کرم کا مظاہر کرتے ہیں جس سے عوام دھوکے میں پڑ جاتی ہے، عوام اپنی امانت ادا کرتے ہیں، یہاں عوام بے قصور ہیں اور حاکم جھوٹے، دھوکا باز اور خبیث ہیں دوسری دفعہ ہم حاکم کو دیکھتے ہیں کہ جو عدہ و وعید اس نے دیئے، ان پر اس نے کہاں تک وفا کی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دکتر صلابی صلاحیت واہلیت کے مدعی ہیں، یہاں یہ واضح ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی صلاحیت واہلیت کے مدعی ہیں یا اس صلاحیت واہلیت کے جو عام اور رائج سیاست میں حصہ لینے والے سیاستدانوں کو درکار ہوتی ہے۔ یہاں ہم صلابی صاحب کے ساتھ ساتھ اہل فکر و تدبر اور دیندار مسلمانوں سے سوال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلیفہ چہارم کو منابر پر خطبوں میں سبّ کرنے کی بدعت گزاری کرنا، اپنے حریف اور رقیبوں کو عہد و پیمان غلیظ دینے کے بعد قتل کرنا اور پیغمبرؐ کی طرف سے منع کرنے کے باوجود ابریشم و دیباج پہننا، پرتعیش اور اسرافی زندگی گزارنا اور اصحاب لائق و برجستہ کے ہوتے ہوئے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنا، کیا یہ سب ایک اسلامی حاکم کی اہلیت کی نشانیاں ہیں؟ یا یہ اس منصب کے لئے اس کے نا اہل ہونے کی نشانیاں ہیں۔

۶۔ دکتر صلابی نے امام حسن کی یوں تعریف کی ہے کہ آپ نے معاویہ کی قابلیت واہلیت کو درک کرنے کے بعد خلافت کو اس کے سپرد کیا ہے اگر اہلیت وصلاحیت درک کرنے کے بعد خلافت سپرد کرنا قابل ستائش ہے تو یقیناً ایسے موقعہ پر یہ کام نہ کریں تو یہ قابل مذمت ہے صلابی صاحب یہ بتائیں کہ تینوں خلفاء راشدین حضرت علی کی اہلیت وصلاحیت کے معتقد تھے تو کیونکر انہوں نے خلافت علی کے سپرد نہیں کی اور خاص کر حضرت عثمان بن عفان جب محاصرے میں تھے تو علی نے مشورہ دیا کہ آپ گھر سے نکلیں، ہم آپ کے پیچھے ہیں، ان سے جنگ کریں یا گھر سے کسی محفوظ جگہ کے لئے نکلیں لیکن وہ نہ تو باغیوں سے جنگ کے لئے آمادہ ہوئے اور نہ ہی محفوظ جگہ پر جانے کیلئے تیار ہوئے اور انہوں نے علی کی صلاحیت کو درک کرنے کے باوجود خلافت کو چھوڑنے کا فیصلہ بھی نہ کیا اور اپنے آپ کو باغیوں کے رحم کرم پر چھوڑا، بتائیں کیا نبی کریمؐ نے کوئی ایسی پیشن گوئی کی تھی جس پر آپ چلے۔ یہاں صلابی صاحب سے یہ سوال ہے کہ کیا تمام مسلمان معاویہ کے مقابلے میں علی کی صلاحیت و اہلیت کو مانتے ہیں یا نہیں، کیا علی خلفاء راشدین میں سے ہیں یا نہیں، کیا صاحبان امر کا حکم ماننا چاہیے یا نہیں اور کیا کسی خلیفۂ راشد کو اپنے کسی والی کو معزول کرنے کا حق واختیار ہے یا نہیں؟ ان سوالات کے جواب میں ہر غیر جانبدار و غیر متعصب اور دیندار مسلمان مؤرخ یہی کہے گا کہ علی میں معاویہ کی نسبت خلیفہ بننے کی اہلیت و صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے، علی خلیفہ راشد ہیں قرآن کے تحت صاحب امر کا حکم ماننا چاہیے اور سربراہ مملکت یا خلیفہ راشد کو یہ حق اور اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کسی بھی والی کو معزول کرسکتا ہے۔ اب آپ بتائیں حضرت علی کے حکم کے باوجود معاویہ نے ولایت کے عہدے سے کیوں تنزل نہ کیا اور کس آیت وسنت پیغمبرؐ کے تحت انہوں نے شام سے آکر عراق میں خلیفہ راشد سے جنگ کی اور بے شمار مسلمانوں کا قتل عام کیا جن میں صحابی رسول عمار یاسرؓ بھی شامل تھے۔ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص اپنے خاندان کے اچھے لوگوں کی پیروی کو باعث فخر سمجھتا ہے۔ اگر معاویہ ایک متقی و پرہیز گار اور اچھا انسان تھا تو عمر بن عبدالعزیز نے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں اپنے بزرگ معاویہ کی سیرت پر چلوں گا جبکہ انہوں نے کہا میرا رشتہ اموی خاندان کے خلفاء سے نہیں، میں ان کی پیروی نہیں کروں گا، میں اپنے نانا عمر بن خطاب کی سیرت پر چلوں گا۔

۷۔ آپ نے کہا اہلیت وصلاحیت کو دیکھنے کے بعد خون بہانے کی بجائے امام حسن نے خلافت ان کے سپرد کی کیا اگر معاویہ صلاحیت واہلیت نہ رکھتا تو آپ جنگ کو

جاری رکھتے، پہلے کہا تھا کہ آپ کا معاویہ کے ساتھ صلح کرنے کا واحد سبب ان کے لشکر کی ضعف وناتوانائی تھی، اگر ضعف وناتوانائی پہلے سے تھی تو امام حسن کیسے جنگ کو جاری رکھتے، کیا ایسی حالت میں جنگ کو جاری رکھنا اصحاب اور خود امام حسن کے قتل کا سبب نہ بنتا اور پھر خلافت معاویہ کے ہاتھ آنے سے ان کے لیے کیا بچ جاتا۔تجزیہ نگار ڈاکٹر صلابی سے یہ بھی سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا آپ معاویہ کی صلاحیت واہلیت اور قابلیت ولیاقت میں یہ بھی شمار کریں گے کہ آپ نے مسلمانوں کے متفقہ منتخب خلیفہ مسلمین کے خلاف جنگ مسلط کر کے حیلہ وبہانہ ودھوکہ سے ان کے لشکر کو متفرق ومنتشر کیا، ان کے علاقوں پر شب خون مارنا بھی کیا ان کی صلاحیت وقابلیت کی نشانی ہے اور کہا آپ منتخب خلیفہ مسلمین کے شہر میں انتشار پھیلا کر، دعوت جنگ دے کر، ان کو میدان جنگ میں بلا کر، ان کے قائد لشکر کو خرید کے لشکر کو متزلزل کر کے اور انھیں مجبور کر کے صلح کرنے کو ان کی لیاقت واہلیت کی نشانی گردانتے ہیں؟

۸۔اسباب صلح میں سے ایک حدیث شریف منقول از رسول اللہ ﷺ ہے کہ شاید میرے اس فرزند کے توسط سے امت مسلمہ میں صلح کا سبب بنے، دکتر صلابی اپنی کتاب حیات امام حسن ص ۳۲۷ پر نقل فرماتے ہیں یہ فضیلت جنگ کو صلح میں تبدیل کرنے کے لئے اپنے دعویٰ سے دست بردار ہونے کی دلیل ہے تو یہ فضیلت معاویہ کو جنگ صفین میں کیوں نظر نہیں آئی جب امیر المومنین نے آپ سے کہا تھا کہ میری حکومت مستقر ہونے دیں پھر ہم قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیں گے۔حضرت محمدؐ کی نبوت و رسالت کا محور انسانی زندگی کے حقوق وحدود کا تعین ہے۔معاشرہ میں آباد میاں بیوی، اولاد، برادر وخواہر، پڑوسی و اجنبی، مومن ومنافقین و فاسقین اور مسلمان وکافرین کے درمیان حقوق وحدود کا تعین ہے نبی کریمؐ کو رؤف ورحیم کہا گیا ہے یعنی جو کچھ آپ لائے ہیں وہ سب کا سب امت کیلئے باعث رحمت ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا ہم فال بد نہیں کرتے۔اس اصول کے تحت نبی کریمؐ سے منسوب بہت سی مرویات پر علمائے اسلام کو فرقوں کے خیموں سے نکل کر اصول مقررہ حدیث شناسی کی روشنی میں بحث کرنا چاہیے جہاں علمائے حدیث پر دو زاویوں سے نقد کرتے ہیں یعنی نقد سند اور نقد متن۔نقد سند میں لکھتے ہیں حدیث کا اپنے پہلے راوی سے آخری تک سلسلہ رواۃ کا صادق ہونا، عادل ہونا، حافظ ہونا شرط ہے اگر سلسلہ مقطوع ہو یا بیچ میں فاقد شرائط راوی ہوں تو یہ سند نقد کا نشانہ بنتی ہے اور حجت کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے۔دوسرا نقد متن ہے، نقد متن میں اس حدیث کا مضمون قرآن، مسلمہ احادیث اور عقل ووجدان سے متصادم نہ ہو، اس کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض احادیث میں ہے کہ امت کے بہتر یا تہتر فرقے ہونگے۔اسی طرح بعض میں دجال، قحط سالی اور وبائے طاعون کے آنے، جنگ وجدال چھڑنے اور خون خرابہ ہونے کی اخبار، غیب گوئیاں یا پیشن گوئیاں ہیں۔نبی کریمؐ کاہن یا منجمین بن کر نہیں آئے کہ وہ یکے بعد دیگر غیب گوئی و پیشن گوئی کریں، اس کے علاوہ یہ چیزیں تطیر فال بد ہیں اور امت کیلئے شقاوت وبدبختیوں کی خبروں سے امت میں بے چینی کا سبب بنتی ہیں لہذا علماء کو چاہیے کہ ان مرویات کے اوپر کھڑے ہو کر مخالفین سے مسلح جنگ کرنے کی بجائے ان احادیث کے سند ومتن پر بھی چند صفحات لکھتے، سند درستگی اور متن بلا عوارض کے حوالے سے لکھتے، سند درستگی میں تقلید نہیں چلتی، یہ ایک بڑی خیانت ہے، آپ کے پاس اگر دین ودلیل ہے تو آپ دلیل سے قانع کرتے نہ کہ خوف وہراس پھیلاتے اور گالی دیتے یا بددعا کرتے۔

۹۔مدائن میں جہاں لشکر جمع تھا وہاں یہ افواہ اڑائی گئی کہ قیس بن سعد کو قتل کیا گیا ہے لہذا لشکر میں اضطراب آیا اور یہاں تک کہ خوارج نے وہی نعرہ جو علی کے خلاف اٹھایا تھا آپ کے خلاف اٹھایا اور آپ پر حملہ کیا جس کے نتیجہ میں آپ زخمی ہوئے۔

ان اسباب ووجوہات کے تحت اس جنگ میں آپ نے صلح کو ترجیح دی، درحقیقت صلح ایک فتح صغیر کا نام ہے یعنی یہ شکست کی تہمت سے بچاؤ کی سپر ہے۔امام حسن کی صلح قرآن وسنت وسیرت محمدؐ کے عین مطابق تھی لہذا آپ کی یہ صلح خوارج اور ان کے افکار رکھنے والوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے کیونکہ بغیر کسی وجہ کے جان کی بازی لگانے کی عقل وشریعت اجازت نہیں دیتے۔

نکات صلح:

نکات صلح پیش کرنے سے پہلے اس اختلاف نظر سے بھی قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس جنگ میں صلح کی پیشکش پہلے امام حسن نے کی یا معاویہ نے۔دونوں نظریے مورخین کے نزدیک موجود ہیں لیکن تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ صلح کی پیشکش معاویہ نے اپنی طرف سے کی ہے جہاں وہ یہ خدشات رکھتا تھا کہ کہیں امام حسن نواسہ رسولؐ ہونے کے ناطے لوگوں کی حمایت حاصل نہ کریں یا امام حسن کے قتل ہونے کی صورت میں یہ ذمہ داری معاویہ پر نہ آجائے، اس نے اپنے شکوک اور شبہات وخدشات میں مناسب سمجھا کہ صلح کو امام حسن پر ٹھونس کر انھیں مجبور کیا جائے تاکہ صلح کو مسترد کرنے کی صورت میں امام حسن سے قتل وجنگ کا اپنے لئے جواز

بنائے چنانچہ اس نے ہر شرط کو قبول کرنے کی پیشکش کی، اس صورت میں امام حسن نے معاویہ سے یہ شرائط منوائیں:

۱۔ معاویہ کے بعد خلافت امام حسن کو منتقل ہوگی اور امام حسن کے نہ ہونے کی صورت میں امام حسین کو منتقل ہوگی۔

۲۔ ہر سال بیت المال سے ایک لاکھ درہم امام حسن کو دیں گے۔

۳۔ تمام اہل عراق اور حامیان اہل بیت امن وامان میں رہیں گے۔

۴۔ جنگی انتقام میں کسی کا پیچھا نہیں کرینگے۔

۵۔ امیر المومنین کو سبّ نہیں کرینگے۔

ان بنیادی نکات پر ۴۱ ہجری ربیع الاوّل یا ربیع الآخر یا جمادی الاوّل میں امام حسن اور معاویہ کے درمیان صلح پائی۔

ناقدین صلح:

امام حسن کی معاویہ کے ساتھ صلح پر امام حسن کو فکر خوارج رکھنے والے اقتدار جوئی کرنے والے موقع مناسب دیکھ کر فرصت سے استفادہ کرنے والے اور آپ کے صحیح معنوں میں دل کی گہرائیوں سے چاہنے والے سب نے آپ کو تنقید کا نشانہ بنایا جن میں مندرجہ ذیل افراد بھی شامل ہیں:

۱۔ حجر بن عدی	۲۔ عدی بن حاتم	۳۔ مصیب بن نجبہ فزاری	۴۔ مالک بن ضمرہ
۵۔ سفیان بن ابی حاتم	۶۔ بشیر ہمدانی	۷۔ سلیمان بن سرد خزائی	۸۔ عبداللہ بن زبیر

۹۔ ابوسعید اور بعض دیگر اصحاب نے آپ کو اس صلح پر شدید الفاظ میں یا مذل المومنین کہہ کر نقد وتنقید کا نشانہ بنایا۔

[الائمہ اثناعشر تالیف ہاشم معروف ج۱ ص۵۳۳] امام حسن خلفاء ثلاثہ کے دور کے عنوان پر ص ۵۳۵ پر لکھتے ہیں: آپ کی عمر ۲۰ سے زائد سال ہو چکی تھی تو آپ اپنے بھائی کے ساتھ عبداللہ بن نافع کی قیادت میں ایک لشکر جس کی تعداد دس ہزار تھی جسے افریقہ روانہ کیا تھا، اس میں شریک ہوئے اور وہاں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی تو انھوں نے اسے نیک فال سمجھتے ہوئے کہا یہ جو فتح نصیب ہوئی ہے یہ نواسہ رسول کے طفیل و برکت سے ہوئی ہے خود امام حسن واپسی پر خوشی اور مسرت کے عالم میں واپس آئے چنانچہ تاریخ طبری میں سنہ ۳۰ ہجری کے بارے میں آیا ہے سعید بن عاص نے خراسان پر حملہ کیا، اس میں حذیفہ بن یمانی کے ساتھ اور بھی اصحاب رسولؐ شریک تھے اس جنگ میں بھی امام حسن وحسین اور عبداللہ بن عباس شریک تھے۔

صاحب کتاب لکھتے ہیں بہت سی روایات میں آیا ہے کہ امام حسن اور امام حسین دونوں فتوحات اسلامی میں برابر شریک ہوئے امیر المومنین اور ان کے فرزندان کی تمام تر کوشش تھی کے وہ مسلمانوں کیلئے ہر قسم کے امکانیات توازن وطاقت کو فراہم کریں تاکہ کلمہ اسلام بلند ہو اور مسلمان سرخرو ہوں۔

وفات حضرت حسن ابن علی:

امام حسن نے صلح کے بعد پچاس ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے اکثر وبیشتر مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کو آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا ہے یہ زہر معاویہ یا یزید کی ایما پر دیا گیا ہے روایات کی سند پر بحث کرنے سے پہلے اگر ہم اسے قرائن وشواہد کے ایکسرے میں دیکھیں تو یہ قرین صحت نظر آتا ہے کیونکہ جس دن سے نظام ولی عہدی شروع ہوا، اس دن سے حاکم نے اپنے رقیب وحریف کو راستے سے ہٹا کر اپنا ولی عہد بنایا، پھر سوچا گیا کہ یہ منصب اپنی ہی نسل میں رکھا جائے یہاں تک کہ اپنے عزیز فداکار بھائی کو بھی اس سے دور رکھنے کی خاطر خواہش شیطانی نے سر اٹھایا، یہاں سے ہر حریف ورقیب کو راستہ سے ہٹانے اور اپنے عزیز کیلئے راستہ ہموار کرنے کی خاطر اُس دور کے ولی عہدوں سے زندان، قتل، زہر اور جبر وتشدد کے ذریعہ سے استعفٰی لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔

مروان نے اپنی حیات میں خالد بن یزید اور اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد بنایا تھا، حکومت استقرار ہونے کے بعد خالد بن یزید کو معزول کیا اور عبدالملک کو ولی عہد بنایا اسی طرح وقتاً فوقتاً یہ سلسلہ چلتا رہا چنانچہ منصور دوانقی نے اپنے چچا کو قتل کیا اور اس کے بعد ہر ایک خلیفہ نے خلافت کو اپنی نسل میں رکھنے کیلئے پہلے والے ولی عہد کو تشدد یا کسی نہ کسی طریقے سے ٹھکانے پر لگانے کی کوشش کی چنانچہ ہادی نے اپنے بیٹے کی ولی عہدی کی خاطر اپنے بھائی ہارون رشید کو معزول ہونے پر مجبور کیا

جب اس نے استعفیٰ دینے سے انکار کیا تو اسے زندان میں ڈالا۔ چنانچہ معاویہ نے اپنی وفات سے پہلے یزید کے نام لکھے گئے وصیت نامہ میں لکھا تھا اے میرے بیٹے! میں نے خلافت کے راستہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو ہٹا کر تمہارے لئے راستہ ہموار کیا ہے، اس تناظر میں اگر دیکھیں کہ امام حسن اور معاویہ کے درمیان طے پانے والے صلح نامہ کی پہلی شق یہ تھی کہ خلافت معاویہ کے بعد امام حسن کو واپس ملے گی، اسطرح امام حسن ان کے ولی عہد بنے، خلافت کو اپنے بیٹے یزید کیلئے بلا رقیب رکھنے کیلئے معاویہ نے اس راستہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو یک بعد دیگر ہٹایا، ان میں سے اہم رکاوٹ امام حسن تھے، امام حسن کو بھی اس نے زہر دے کر ہٹانے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں اس کیلئے واسطہ بلا فصل آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نظر آئی، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ اس کو عملی شکل دیتے وقت اسے خود معاویہ نے دیا ہو یا یزید نے۔

ڈاکٹر صلابی و قاضی ابن عربی اور ابن تیمیہ وغیرہ کا اصرار ہے کہ معاویہ اور یزید ان تہمتوں سے بری الذمہ ہے چنانچہ قاضی ابن عربی نے یزید کے حکم پر قتل امام حسین اور ان کے اہل خانہ کی اسارت سے اسے بری کرنے بلکہ اس فعل شنیع اور جرم و جنایت کی تمام تر ذمہ داری کو خود امام حسین پر عائد کرنے کیلئے کہا تھا کہ حسین اپنے جد کی تلوار سے ہی قتل ہوئے ہیں کیونکہ ان کو خلیفہ وقت جس پر امت کا اتفاق تھا، کے خلاف نہیں اٹھنا چاہیے تھا، اگر وہ بے وقوفی کریں اور موازین شریعت کا پاس نہ رکھیں تو اس کی سزا تلوار ہے، کاش یہ تلوار قاضی ابن عربی کی فصل قضاوت کی مستقل اور نا قابل انکار رسمی شق بن جاتی اور اس شق کو وہ خود معاویہ پر نافذ کرتے جہاں انہوں نے علی کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بغاوت کی، ان کے خلاف خروج کیا نیز امام حسن کے خلاف خروج کیا، پھر یزید نے امام حسین کے قتل کے علاوہ مدینہ کی تاراجی اور کعبہ اور اس کے زائرین پر پتھر برسائے۔

یہاں بھی قاضی اور صلابی اور ابن تیمیہ نے معاویہ یا یزید کے اشارہ اور وعدہ کے تحت جو جعدہ بنت اشعث نے امام حسن کو زہر دلانے کی خبر کو یہ کہہ کر مسترد کیا ایسی خبروں کے اسناد کو دیکھنے کی ضرورت ہے یہ خبر شاہد صدق یا اقرار و اعتراف یزید و معاویہ سے ثابت نہیں ہوئی ہے۔ جیسے گناہ کبیرہ اور چوری وغیرہ کے مرتکبین کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا کہنا ہے قتل امام حسن میں جعدہ اور ان کے باپ اشعث اور خود معاویہ یا یزید ملوث ہونے کی کوئی گواہ صدق لائیں یہ وہی بات ہے جو اس وقت کے حکمرانوں یا بیرونی ایجنسیوں کے ذریعے قتل ہونے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو لائیں، اس طرح ملک میں جاری بازار حسن اور قحبہ خانوں میں جرائم کا ارتکاب کرنے کا کوئی گواہ ہے تو ثابت کریں، حقائق تنہا گواہ سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ قرائن و شواھد بھی کوئی ثبوت پیش کرتے ہیں و لو قتل سزا ہی کیوں نہ ہو۔

ہم یہاں پر جعدہ بنت اشعث نے امام حسن کو زہر دیا ہے یا نہیں اس کو شواہد عادل حاضر و ناظر کے مفقود ہونے کی صورت میں اسے قرائن و شواہد کے تناظر میں دیکھنا چاہیں گے، ہمارے پاس مندرجہ ذیل نکات ہیں:

۱۔ امام حسن کو زہر دیا گیا اور زہر ہی سے آپ بیمار ہوئے، آپ کے منہ سے خون نکلا اور زہر کے اثرات آپ کے جسم پر نمایاں نظر آئے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے۔

۲۔ خود جعدہ کے بارے میں دیکھیں کہ کیا یہ عمل اس سے صادر ہونا ممکن ہے یا نہیں۔

۳۔ آیا یہ عمل معاویہ اور یزید سے صادر ہو سکتا ہے یا ان کے دین و دیانت اور اخلاق و سیرت وغیرہ کے تناظر میں یہ ایک ناممکن عمل ہے۔

ان نکات کے تناظر میں ہم اس مسئلہ کا تجزیہ کریں گے لیکن ہم پہلے جس خبر کی سند کو ان علماء نے مسترد کیا ہے، اس کے بارے میں وضاحت دینا چاہیں گے، وضاحت یہ ہے کہ کوئی خبر آپ کو تاریخ میں ملے گی تو علمائے بلاغت کے نزدیک کہتے ہیں یہ خبر احتمال صدق و کذب میں برابر ہے یعنی خبر میں اپنی جگہ دونوں طرف کا رجحان پایا جاتا ہے، جب آپ اس کو صادق نہیں کہہ سکتے ہیں تو آپ اس کو کاذب بھی نہیں کہہ سکتے ہیں، یہ خبر صدق بھی ہو سکتی ہے یا کذب، دونوں احتمال ہیں تو اس صورت میں ہمیں ایک طرف کو ترجیح دینے کیلئے قرائن و شواہد کو دیکھنا ہوگا۔

۱۔ امام حسن کو جب زہر دیا گیا، آیا باہر سے کوئی اجنبی یا غیر عادی شخص یہاں آیا تھا یا اندرون خانہ کسی نے زہر غذا میں دیا تھا، اگر باہر سے کسی کے یہاں آنے کا ثبوت نہیں ملا تو اس صورت میں اس جرم کا ارتکاب اندرون خانہ سے ہوا ہے، اب اندرون خانہ رہنے والے کون ہیں، ان میں جعدہ کا نام آتا ہے۔

۲۔ جعدہ کے بارے میں دیکھنا ہوگا کہ جعدہ کون تھی۔ جعدہ اشعث بن قیس کی بیٹی ہے۔ اشعث بن قیس جنگ صفین میں علی کے ایک بڑے لشکر کا قائد تھا اور اس نے

سب سے پہلے رفع مصاحف اور تحکیم کی پیشکش کو قبول کیا اور اپنے لشکر کے ذریعہ حضرت علی پر دباؤ ڈالا ہے اس سے پہلے بھی اس صورت حال میں لانے کیلئے اس کا جو کردار رہا نقل کرنا ہے۔قضیہ تحکیم کے بعد کوفہ میں علی نے خطاب فرمایا اور معاویہ کی خیانت اور اپنے اصحاب کی سستی اور کاہلی کی شکایت کی تو اشعث بن قیس نے اٹھ کر کہا یہ بات تو آپ کے حق میں نہیں بلکہ آپ کے خلاف جاتی ہے تو حضرت علی کو غصہ آیا اور آپ نے فرمایا "تجھے کیا معلوم کہ کون سی چیز میرے حق میں ہے اور کون سی چیز میرے خلاف جاتی ہے۔تجھ پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت کرنے والوں کی،تو جولا ہے کا بیٹا اور جولاہا اور کافر کی گود میں پلنے والا منافق ہے تو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں میں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا۔لیکن تجھ کو تیرا مال اور حسب اس عار سے نہ بچا سکا اور جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوادے اور اس کی طرف موت کو دعوت اور ہلاکت کا بلاوا دے،وہ اسی قابل ہے کہ قریبی اس سے نفرت کریں اور دور والے بھی اس پر بھروسہ نہ کریں"۔نہج البلاغہ خ ۱۹۔

۳۔آئیں دیکھتے ہیں اشعث بن قیس کون تھا۔فی ضلال نہج البلاغہ تالیف محمد جواد مغنیہ ص۱۵۲ میں محمد عبدہ سے نقل کرتے ہیں اشعث پیغمبرؐ کے زمانے میں مسلمان ہوا اور آپ کی وفات کے بعد مرتدین میں شامل ہوگیا تھا بعد میں اسے اسیر کر کے ابوبکر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے دوبارہ توبہ کی اور علی کے لشکر میں شامل ہوا،اشعث بن قیس کی مثال پیغمبرؐ کے لشکر میں عبداللہ بن ابی سلول جیسی تھی،دونوں سربراہان نفاق تھے اشعث علی کے قتل میں ملجم مرادی کے ساتھ تعاون میں ملوث ہوا اور اس کا بیٹا محمد مسلم بن عقیل کے قتل میں شریک رہا،بعد میں وہ کربلا میں لشکر عمر سعد میں شامل تھا۔اس کی بیٹی نے امام حسن کو زہر دے کر قتل کیا لیکن یہاں پر سوال اٹھتا ہے کہ اُس نے کس کے کہنے پر امام حسن کو زہر دیا تھا اس بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ اسے معاویہ یا یزید نے اپنی زوجیت میں لینے کی پیشکش کی تھی،اس لیے اس نے یہ قتل کیا تھا لیکن اس نقل کو ڈاکٹر صلابی اپنی وکالت اور خیانت کاریوں کے طریقہ قانونی سے مسترد کرتے ہیں۔کہتے ہیں ڈاکٹر صلابی ادیب بھی ہیں اور مؤرخ بھی۔ان کے طریقہ وکالت کو دیکھتے ہوئے ہمارے ملک کے جرائم پیشہ افراد کے وکلا کو چاہیے ان سے یا ان کی تالیفات سے استفادہ کریں کیونکہ مثلاً وہ تنہا معاویہ سے دفاع نہیں کرتے ہیں،ان کا کہنا ہے ان کے بارے میں نبی کریمؐ سے احادیث ہیں اس لیے ان تاریخی اسناد سے ثابت نہیں ہوسکتا ہے جیسے عمرو عاص جس نے خلیفہ سوم عثمان کو اپنے گھر میں محصور کر کے قتل کرنے کی سازش کی تھی یا عام طور پر مجرمین غلط کاریہ کہتے ہیں کہ آپ ثابت کریں کس نے کہا،اگر کسی نے کہا تو کہیں گے یہ ضعیف آدمی ہے،جھوٹ ہے،اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا،وہ نص کو اپنی مرضی سے بغیر کسی سند و جواز کے مسترد کرتے ہیں اسکے علاوہ مندرجہ ذیل دلائل سے مسترد کرنے کی کوشش کی ہے،کہتے ہیں۔

۱۔معاویہ کو امام حسن سے کوئی خوف یا ڈر نہیں تھا،امام حسن نے خلافت کو ان کے سپرد کیا تھا،لہٰذا کیوں انھیں زہر دیا جائے۔

۲۔یہ ایک خبر غیبی ہے اس کو اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا،اسے بغیر کسی ثبوت کے ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔

۳۔جہاں عصبیت فتنہ و فساد ہو تو ہر ایک دوسرے پر ایسی نسبت دیتا ہے یہ بات عندالقاضی یہ ثابت کرنا ہوگا لیکن قاضی کو یہ بھی تحقیق کرنا چاہیے کہ امام حسن کو زہر مل گیا ہے یا نہیں،اگر مل گیا ہے تو سوال ہوگا زہر کس نے دیا ہے؟

وصیت حضرت حسن ابن علی:

امام حسن نے اپنی وفات سے پہلے اپنی تجہیز و تکفین و تدفین کے بارے میں نیز اس خاندان کے سرپرست کے حوالے سے امام حسین کو وصی بنایا لیکن امامت کے بارے میں کہ ان کے بعد امام حسین امام ہونگے اس حوالے سے اس وقت کے مدینہ میں موجود برگزیدہ شخصیات میں سے کسی کو گواہ رکھا یا نص کی ایسی کوئی سند نہیں ملتی ہے۔

زوجات حضرت حسن:

قصہ زوجات امام حسن بھی احادیث موضوعہ کا ایک حصہ ہے اس سلسلے میں دکتور صلابی ص ۲۸ پر لکھتے ہیں: مؤرخین نے امام حسن کے لئے بہت سی زوجات کو نقل کیا ہے جن کی تعداد حد سے تجاوز کر چکی ہے یہاں تک کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب نے منبر سے لوگوں سے کہا کہ حسن سے کوئی ازدواج نہ کریں کیونکہ وہ رجل مطلاق ہے جیسا کہ صاحب قوت القلوب نے نقل کیا ہے،اس سے ثابت ہوتا ہے جتنی بھی زوجات امام حسن کے عقد میں آئی ہیں نہ وہ کنیز تھیں نہ بعض فرقوں کی فقہ کے مطابق وہ متعہ کے ذریعہ آئی تھیں بلکہ عقد زواج مستقل تھیں اتنی تعداد میں ازدواج والی احادیث کے ناقل وضاع حدیث ہیں اس بارے میں صلابی نے چار

روایات پیش کی ہیں جن کے بارے میں صلابی کا کہنا ہے پہلی روایت علی بن مدائنی متوفی ۲۲۵ دوسری روایت مرسلہ تیسری اور چوتھی روایت صاحب قوت القلوب میں ابی طالب مکی نے نقل کی ہے۔

ابو طالب مکی نے زہد وعظ وارشاد کی چادر میں بہت سی منکرات اور احادیث بے بنیاد کو اپنی کتاب میں خود سے جعل کیا ہے یا درج کیا ہے انھوں نے امام حسن کیلئے دو سو پچاس یا تین سو زوجات نقل کی ہیں روایات کی اسناد بے سند ثابت کرنے کے بعد اسے لقد متن کے حوالے سے دیکھا جائے تو دو سو پچاس زوجات کو کنیز متعہ تو نہیں گردانا جاسکتا کیونکہ انھیں طلاق ہوتی تھی تو لہٰذا اتنی زوجات کے حق نفقہ، حق صداق کا حساب کریں گے تو ان کیلئے کتنی دولت چاہیے، اتنی زوجات بنی امیہ اور بنی عباس کے اقتدار کلی پر شرق و غرب پر حاکم ہارون رشید و مامون رشید کیلئے بھی نقل نہیں ہوئی ہیں لہٰذا واضح ہوا یہ فرقہ باطنیہ کے منحوس عزائم کا مولود ہے جو صرف اسلام کی اعلیٰ صفات کے حامل شخصیات کو مکروہ و مکدر و منفور پیش کرنے کے لئے ابی طالب مکی جیسے منافقانہ زہد و تقویٰ دکھانے والوں سے نقل کی گئی ہیں۔

چنانچہ علامہ محمد باقر قرشی نے حیاۃ امام حسن ج ۲ ص ۴۴۳ پر لکھتے ہیں یہ تمام حقد و کینہ سوء ظن کی بنیاد پر گھڑی گئی روایات میں سے ہیں روایت تین اور چار کو علامہ مجلسی اور ابن شہر آشوب نے قوت القلوب ابی طالب مکی متوفی ۳۸۰ سے نقل کیا ہے جہاں ابی طالب مکی نے لکھا ہے حسن بن علی نے ۲۵۰ یا ۳۰۰ تک تزویج کی ہے علی ان سے پریشان تھے اور ان ازواج کے اہل خانہ سے شرمندہ تھے اگر امام حسن کے لئے اتنی تعداد میں زوجات ہوتی تو ان کیلئے کتنی بہوئیں ہونی چاہیے تھیں؟ اور کتنی اولاد ہونا چاہیے تھی، اس سلسلہ میں مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے ۸ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، کل بارہ، بعض نے پندرہ، بعض نے سولہ، بعض نے انیس، بعض نے اس تعداد کو بائیس ذکر کیا ہے۔ اس سے زیادہ کسی نے اولادوں کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن آپ کی اولادوں میں سے عبدالرحمٰن بن امام حسن نے حالت احرام میں وفات پائی قاسمؑ ابوبکرؑ عبداللہ کربلا میں شہید ہوئے ہیں، زید یہ لاعقب گزرے ہیں پانچویں جن سے نسل پھیلی وہ حسن بن حسن ہیں جنھیں حسن مثنیٰ کہا جاتا ہے یہی امام حسن کے وصی اور یادگار تھے جو کربلا میں زخمی ہوئے، ان کے ماموں اسماء بنت خارجہ فزاری نے آکر ان کو لشکر سے چھڑایا اور ان کا علاج و معالجہ کیا یہی شوہر فاطمہ بنت حسین تھے انہی سے عبداللہ محض پیدا ہوئے اور ان سے محمد نفس زکیہ اور ابراہیم پیدا ہوئے ہیں اور دونوں نے بیک وقت دعویٰ امامت کیا ہے۔

یہاں سے نصیری اور غالی جو کہ امامت کو نظام منصوصیت کے تحت چلاتے ہیں ان کے لئے ہزار بار شرم و حیاء سے مرنے کا مقام ہے جہاں حسن مثنیٰ کی اولاد عبداللہ محض نے اپنے اور امام جعفر صادق کے ہوتے ہوئے اپنے دو بیٹوں کیلئے لوگوں سے بیعت لی اور اس پر عبداللہ محض سے امام جعفر صادق نے احتجاج نہیں کیا اور خود یہ دونوں بھی اپنے وقت کے زاہد و متقی و پرہیزگار انسان تھے، انھیں بھی اس کا خیال نہیں آیا۔ اس قسم کا خاندان اہل بیت سے دعویٰ اور حرج و مرج کے صفحات کے ہوتے ہوئے علماء اور مدعیان اجتہاد پھر بھی منصوصیت کو اپنے دین کے مسلمات میں شمار کرتے ہیں اور ان سب پر پردہ چڑھاتے ہیں اگر راقم منصوصیت کے منکر ہونے کی بنیاد پر مطعون و محصور قرار پانے کا حقدار رہتا ہے تو کیوں کر ان کے بارے میں منہ نہیں کھولتے ہیں جو نسل امام حسن اور امام حسین سے ایک واسطہ کے بعد وجود میں آئے ہیں۔

خلیفہ راشد ششم عمر بن عبدالعزیز:

شخصیت عمر بن عبدالعزیز اپنے وقت کی نابغہ ہونے کے ناطے موضوع بحث علماء و مورخین بنی ہے کیونکہ آپ کی شخصیت نے خاندان بنی امیہ میں ایک نئی تاریخ رقم طرازی کی ہے نیز آپ کی شخصیت میں خلافت ملتے ہی یک دم انقلاب آیا جو کہ ماضی سے بھی متصادم ومتضاد نظر آتا ہے، اس وجہ سے آپ کی شخصیت معمیٰ بنی ہے بعض علماء و مورخین کی تحقیق یہ ہے کہ خاندان بنی امیہ ایک خاندان فاسد اور شجرہ خبیثہ ہے، ان سے ایک اچھی شخصیت کا نکلنا محال ہے۔ بعض مورخین اس کلیہ کو نہیں مانتے کہ خاندان بنی امیہ شجرہ خبیثہ ہے خاندان فاسدہ سے شخصیت نابغہ کا نکلنا محال ہے، یہ بات قرآن اور تاریخ دونوں حوالے سے باطل اور غلط ہے یہ فکر غلات باطنیہ کی غلاظتوں میں سے ایک ہے کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے اللہ مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے کافر سے مسلمان، مسلمان سے کافر، فاسق سے عادل اور عادل سے فاسق پیدا کرتا ہے یہ تاریخ کے حوالے سے بھی باطل ہے کیونکہ ابوسفیان سے ام حبیبہ نکلی ہیں جو زوجہ رسول اللہ امہات المومنین میں سے ہیں، عاص استہزاء کنندہ رسول اللہ سے دوستدار رسول، مومن باسلام خالد بن ولید نکلے ہیں، اسی سے عمرو بن عبدالعزیز ہیں۔ نیک سے بد اور بد سے نیک پیدا ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ خرق قانون یا استثناء ہے یہ نظریات باطل ہیں لیکن علماء کا اصرار ہے۔

کہتے ہیں شخصیات نوابغ باغ وراثت کی پیداوار ہیں چنانچہ جہاں آپ نے شخصیت غیر عادی فرزند عزیز کی نبوغت کو قانون وراثت سے جوڑا ہے ان کی زوجہ محترمہ خاتون اوّل تھیں، ان کی بھی سیرت خود عمر بن عبدالعزیز کی طرح دیگر گوں نظر آتی ہے، اس کا بھی سبب تلاش کرنا ہوگا، عراق و شام و مصر کے معروف و نامور دانشور علی طنطاوی اور اس منطق اور استدلال میں فقیہ سرگودھا مقلد نظریہ وراثت کے ساتھ یہ ہر اس شخص کے ذہن کی پیداوار ہو سکتا ہے جو قرآن اور سنت نبیؐ سے اجنبیت رکھتا ہے، ان کے دین کا ماخذ صرف و نحو، اصول فقہ اور فلسفہ کے علاوہ رواج و رسومات معاشرہ ہیں چنانچہ علی طنطاوی بمعہ فقیہ سرگودھا کا بھی یہی نظریہ ہے۔

علماء و دانشوران نامحرمان از قرآن وسنت کی نظر ان آیات کریمہ پر نہیں پڑتی جن میں آیا ہے یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی، ان دین و دیانت کی بولی بولنے والوں کو یاد نہیں کہ دین و دیانت، شرافت و فضیلت اور علم و آگاہی ثمرات باغ وراثت نہیں ہیں۔ ان کو چاہیے کہ جس باغ وراثت کے شجرہ طیبہ کے تنے بننے کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد بنے اور ان کی زوجہ عفیفہ خاتون رشیدہ بنی ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کی زوجہ باوفاء نے بھی تاریخ خاتون اوّل میں رقم طرازی کی، ان کے بعد الی یومنا ھذ کنیزان زہراء و بتول کا دعویٰ کرنے والیوں کو ایسا کردار کیوں نصیب نہیں ہوا کہ وہ زیوارات کے بغیر شوہر کے گھر جائیں یا زیورات کو فروخت کر کے شعائر اسلام کو زندہ کریں۔ لیکن آج اٹھتے بیٹھتے بنی امیہ کو لعن کرنے والے بہت سے علماء و سادات کی کوئی بیٹی آپ کو نہیں ملے گی جو بغیر ہار، اور سونے کی چوڑیوں اور بالیوں کے بغیر شوہر کے گھر جائے۔ سوائے ان چند کے جن کو یہ چیزیں نصیب نہیں ہوتیں۔

عیش و ناز میں مثل عمر بن عبدالعزیز زندگی گزارنے والی عورت سے جب شوہر نے کہا ان زیورات میں ملبوس ہو کر رہنا ہے تو اپنے باپ کے گھر چلی جائیں اور اگر میرے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو ان زیورات کو بیت المال مسلمین میں جمع کرادیں کیونکہ یہ لوگوں سے لئے گئے مال سے بنے ہیں یا انہی کو واپس کرنا ہوں گے اس ظلم کا تدارک اور خاتمہ کرنا ہوگا کہتے ہیں نمی دانم وہ کتنے سیٹ تھے، کتنے وزن کے تھے اور وہ کس نوعیت کا سونا تھا، بہر حال سونے کے وہ جواہرات بیت المال مسلمین میں داخل کیئے گئے۔ عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے بھائی یزید بن عبدالملک جب خلیفہ بنے تو انہوں نے اپنی ہمشیرہ سے کہا کہ آپ اپنا ہار لے سکتی ہیں تو کہا نہیں، میں ان کے مرنے کے بعد ان سے خیانت نہیں کروں گی۔

یہ انقلاب اس خاتون میں کہاں سے آیا تھا علامہ طنطاوی اور فقیہ غلات سرگودھا کے معیار و موازین کے مطابق باغات وراثت سے تو نہیں آیا تھا اور نہ ہی وہ کسی صوفیہ کی شاگرد تھیں تو اچانک یہ انقلاب کیسے آیا ہے، وہ زیورات کو لے کر اپنے بھائیوں کے پاس بھی جا سکتی تھی اور بعد میں بھائی کے دور اقتدار میں واپس بھی لے سکتی تھی، یہ انقلاب کہاں سے آیا جواب ایک ہی ہے کہ وہ عالمہ و مفکرہ نہیں تھی لیکن وہ یہ بات جانتی تھی کہ مسلمان عورت کے لئے ایک دن شوہر باوفا کی رضایت خرید نا دنیا بھر کے زر و جواہر خریدنے کے برابر ہے، ایسے شوہر کو تنہا حیات میں نہیں موت کے بعد بھی خوش رکھنا چاہیے۔

لیکن فرقہ باطنیہ سے وابستہ نام نہاد فلاسفہ و دانشور اور جدید تحقیق کے کالم نگاروں کا اصرار ہے کہ حقائق سے چشم چرانے والوں پر مہر لگانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ عوامل کو حقائق اور عقل قرآنی سے جوڑنے کی بجائے وہمیات و خیالات اور مرویات و جعلیات سے جوڑیں تا کہ اہل فکر و دانش، روشن خیال جلد الحادی راستہ اختیار کریں لہٰذا انہوں نے تکامل انسانی کو باغ وراثت کے پھلوں کے ثمرات سے جوڑا ہے۔ چنانچہ اس باب میں وہ حقائق کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے اصل کو فرع اور فرع کو اصل دکھانے کیلئے، بہت سے لوگوں کو حرکت میں لائے ہیں چنانچہ انہوں نے اہل بیت کے نام پر ان کی محبت کے نام سے اسلام پر تیر مارا ہے، اسی لئے انہوں نے عظمت محمدؐ کو زہراء مرضیہ سے جوڑا ہے چنانچہ فقہ غلاۃ سرگودھا نے اپنی کتاب سعادات دارین میں حضرات حسنین اور نبی کریمؐ کے درمیان مناظرہ و مجادلہ تفاخرہ کے فرضی مذاکرہ میں حضرت زہراء کو اصل اور رسول اکرمؐ کو اس درخت کی شاخ بنایا ہے چنانچہ یہاں کے خطباء داد لینے کیلئے یہی فقرہ دہراتے ہیں چنانچہ صاحب ناشریات نصاب غلات تنظیم المکاتب کے سرپرست قبلہ رضی جعفر اسے زیادہ تکرار سے فرماتے ہیں۔ شاید یہ مفاخرہ حدیث کساء گھڑنے والوں کا شاخسانہ ہے چونکہ یہ منطق عام طور پر قابل قبول نہیں ہے لہٰذا اس کی سند ملنی چاہیے اگر حدیث کا متن مخدوش ہے تو اس سند کے درست ہونے کے بعد وہ اس کو نہ ماننے والوں کو منکر رسالت کے الزام سے ڈرا کر منوا سکتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم آپ کی ماں دختر ''عاصم بن عمر بن خطاب'' ہیں ۶۳ ہجری کو مصر ''حلوان'' میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد امیر تھے وہ نحیف جسم کے مالک حسین و جمیل اور صاحب ہیبت تھے وہ خاندان بنی امیہ میں سب سے زیادہ عاقل، خوش سلوک اور خوش اخلاق تھے۔ عمر بن عبدالعزیز کے سر پر زخم

تھا، کہتے ہیں جب عمر مصر میں تھے تو اس وقت ایک گدھے نے ان کو مارا تھا۔ اس لئے انہیں اشہب کہتے ہیں۔

آپ سلیمان بن عبد الملک کے بعد ان کی وصیت کے مطابق خلیفہ منتخب ہوئے، سلیمان بن عبد الملک نے اپنی موت سے پہلے اپنے مشیر ''رجاء بن حیوۃ'' سے اپنے بعد خلافت کے لئے پوچھا تو انہوں نے آپ کا نام پیش کیا، اس پر انھوں نے کہا بھائیوں سے ڈرتا ہوں، رجاء نے کہا کہ ایک کاغذ پر وصیت نامہ لکھیں اور مضمونِ وصیت پر لوگوں سے بیعت لے لیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بیعت تمام ہونے کے بعد ان کا نام لیا۔

[رجال الفکرہ الدعوۃ ج ا ص ۱۱۵] حکومت بنی امیہ، حکومت عیش و ترف، مترفین و مسرفین کی فضاء میں مستغرق، حریر و دیباج میں ملبوس جوان، اللہ، دین و شریعت اور آخرت سے غافل کاروان کے بیچ میں پیدا ہونے والا مروان بن حکم کا پوتا جو بیت ملوکیت میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی لیکن اقتدار میں آکر اس کی ہر چیز بدل گئی اور اس نے اپنے آباء و اجداد کو ظالم اور حقوق الناس خور قرار دیا اور تمام ظالمین کو ظلم سے جمع شدہ اموال بیت المال مسلمین میں جمع کروانے کا حکم دیا یہاں تک کہ اپنی بیوی کے زیورات تک کو جمع کیا۔ عمر ابن عبد العزیز خلیفہ دوّم عمر ابن خطاب کے نواسے اپنے بہنوئی اور چچا زاد ولید بن عبد الملک کی طرف سے والی مدینہ تھے وہ اپنے بنی اعمام کے ہم عمر و ہم سن نوجوانوں سے عیش و نوش میں چنداں فرق نہیں رکھتے تھے۔ تاریخ اسلامی ج ۲ ص ۲۱۹ پر لکھتے ہیں کہ عمر عبد العزیز جوانی میں عطر کے استعمال میں حد درجہ اسراف و تبذیر کرتے تھے، جب باہر نکلتے تو دور تک خوشبو جاتی اور ان کے گزرنے کے بعد بھی وہ جگہ کچھ عرصہ تک معطر رہتی تھی، لوگ اپنے لباس دھونے کیلئے انتظار میں رہتے تھے کہ پہلے عمر بن عبد العزیز کے لباس دھل جائیں، وہ مہنگے ترین لباس پہنتے تھے، شرف و اشراف میں وہ جوانان بنی امیہ میں پیش پیش ہوتے تھے اور اپنے نوکروں کے بیچ میں ہوتے تھے یہاں تک کہ لوگ تکبر اور غرور والی زندگی میں انہی کی مثال دیتے تھے۔ عیش و نوش میں مستغرق شخصیت کی زندگی میں اچانک ایسا انقلاب کیسے آیا اور یہ کون لایا، اس کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ اس شخصیت کے پیچھے دورِ امارت چھوڑنے تک کے نشیب و فراز پر نظر ڈالیں، کہتے ہیں۔

۱۔ عمر بن عبد العزیز کی بچپن میں مدینے میں اپنے اخوال و عواصم کی سرپرستی میں نشو و نما ہوئی، اس لیے وہ یہاں کے علماء و فقہاء سے قریب و مانوس رہے، اس وجہ سے ان کا شغف قرآن کریم اور احادیث نبی کریمؐ سے زیادہ رہا لہٰذا قرآن کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے، آیات وعدہ وعید کی تلاوت کے مواقع پر روتے تھے، عذاب قیامت سے ڈرتے تھے، اس لئے عدالت کے خواہاں اور ظلم و خیانت سے نفرت و بیزاری رکھتے تھے یہیں سے وہ عیش و نوش کے باوجود اقتدار و ریاست حاصل ہونے پر قیامت اور حشر و نشر کو یاد کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ جب عراق میں حجاج بن یوسف کے مظالم سنتے تھے تو ان سے تنگ آکر مدینہ میں پناہ لینے والوں کو تحفظ دیتے تھے، حجاج سے نفرت کرتے تھے چنانچہ ایک سال ولید بن عبد الملک نے حجاج کو امیر حج بنایا تو انہوں نے یہ کہہ کر استعفیٰ دیا کہ حجاج بن یوسف یہاں مدینہ سے گزریں گے تو میں ظالم انسان کا میزبان نہیں بنوں گا چنانچہ حجاج نے بھی عمر بن عبد العزیز کی شکایت کی کہ وہ عراقی فراریوں کو پناہ دیتے تھے، عمر نے مستعفی ہو کر دمشق میں اقامت کی۔ عمر بن عبد العزیز جس وقت مدینہ میں ولید بن عبد الملک کی طرف سے والی تھے اس وقت ایک دفعہ ولید نے حبیب بن عبد اللہ بن زبیر کو سخت تعذیب کا نشانہ بنانے کا حکم دیا تھا چنانچہ ولید کے حکم پر مسجد نبوی کے سامنے سردیوں کے موسم میں ان پر سرد پانی گرایا، بعد میں انہیں حبس کیا جہاں وہ وفات پا گئے، عمر بن عبد العزیز اس فعل کو اپنے لئے ناقابل بخشش جرم تصور کرتے تھے، اس کو یاد کر کے روتے تھے اگر کوئی ان سے کہتا اللہ بخش دیں گے تو کہتے اگر حبیب بخش دیں، شاید یہی پشیمانی ان کے انقلاب کا سبب بنی ہو۔

۲۔ حجاج اپنی امارت کو سلیمان بن عبد الملک کے دور میں خطرے میں دیکھتے تھے کیونکہ اس نے بھی حجاج مخالف شخص کو پناہ دے کر رکھا تھا لہٰذا حجاج نے ولید کو مشورہ دیا کہ وہ سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے، اس پر عمر بن عبد العزیز نے مخالفت کی کہ ہماری گردن میں پہلے ان کی بیعت ہے، میں خیانت نہیں کر سکتا ہوں جس پر ولید ان کے مخالف ہو گئے۔ عمر بن عبد العزیز امارت سے الگ ہو گئے۔ سلیمان بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز کو اپنا ولی عہد بنایا۔ جب سلیمان نے وفات پائی تو عمر بن عبد العزیز دس صفر ۹۹ھ کو منصب خلافت پر فائز ہوئے، ان کے لئے بیعت لی گئی۔

عمر بن عبد العزیز کا پہلا خطبہ:

عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے پہلے خطاب میں کہا ایھا الناس میں بغیر ارادہ و سوچ و فطور کے اس منصب کو لینے کی آزمائش میں پڑا ہوں۔

میں نے اس کی طلب و خواہش نہیں کی، کسی سے صلاح و مشورہ نہیں کیا تھا، اب خلیفہ بننے کے بعد میری اطاعت تمہاری گردن پر ہے، اس کو اٹھاتا ہوں، تم جانو تمہارا امیر جانے، تم چاہو تو اپنے لئے امیر انتخاب کرو تو سب نے چیخ و پکار بلند کی۔ ہم نے آپ کو امیر المومنین کے لئے انتخاب کیا ہے، ہم آپ پر راضی ہیں، بتاؤ، حکم کرو۔

جب انھیں یقین ہوا کہ وہ اس مسٔولیت سے سبکدوش نہیں ہوسکتے تو انھوں نے اپنی خلافت کے ایجنڈے اور اصلاحات کا اعلان کیا۔ اگر میں خلیفہ رہوں تو میں خلافت کو اس نہج پر چلاؤں گا کہا، ایھا الناس پیغمبرؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں ہے جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے وہ قیام قیامت تک حلال رہے گی، میں قاضی نہیں ہوں، میں حکم کو نافذ کرنے والا ہوں، میں مبتدع (چلانے والا) نہیں ہوں میں متبع (پیروی کرنے والا) ہوں، ہر وہ شخص جو اللہ کا عصیان کرتا ہے اس پر کسی کی اطاعت نہیں ہوتی ہے، میں تم سے بہتر نہیں ہوں، تم جیسا انسان ہوں لیکن فرق اتنا ہے میری ذمہ داری تم سے زیادہ بھاری ہے، ہر وہ شخص جو میرے ساتھ چلنا چاہتا ہے وہ پانچ خصلتوں میں میرا ساتھ دے، اگر نہیں دے سکتا تو ہمارے پاس نہ آئے، ہم سے نزدیک نہ ہو۔

۱۔ ایک ایسی حاجت ہماری طرف نہیں لاؤ کہ جسے میں اٹھا نہیں سکتا۔

۲۔ اپنی کوشش سے نیکیوں میں ہماری مدد کرو اور ہمیں نیکیوں کی طرف رہنمائی کرو۔

۳۔ میرے سامنے رعیت کی غیبت نہ کرو اور نہ غیر مقصود اور بے فائدہ اعتراض کرو۔

۴۔ اللہ سے ڈرو، اس کے تقویٰ کو ساتھ رکھو، اس کا کوئی بدل نہیں۔ آخرت کیلئے عمل کرو۔ جو آخرت کیلئے عمل کرتا ہے، اللہ اسے جزاء خیر دیتا ہے، اپنے اندر کی اصلاح کرو، اللہ تمہارے ظاہر کی اصلاح کرے گا، ذکر موت کو زیادہ یاد کرو اور مصیبتوں کے لئے ہمیشہ مستعد رہو۔

۵۔ امت نے کبھی بھی اللہ و رسولؐ کے بارے میں اختلاف نہیں کیا ہے، قرآن کے بارے میں اختلاف نہیں کیا ہے، لوگوں کا اختلاف صرف دینار و درھم میں ہے، میں کسی کو ناجائز کچھ نہیں دوں گا، نہ کسی کا حق روکوں گا، پھر آواز بلند کی، سب نے سنا کہا یہا الناس جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے، جو اللہ کا عصیان کرتا ہے، اس کی اطاعت نہیں ہوتی ہے، جب تک میں اللہ کا مطیع ہوں، میری اطاعت کرو، اگر میں نے اللہ کی عصیان و نافرمانی کی تو اس وقت تمہارے اوپر میری کوئی اطاعت نہیں۔

خلیفہ بننے کے بعد کے اقدامات:

۱۔ تمام ظالم و جابر اور متکبر و مغرور عمال کو برطرف کیا۔

۲۔ اس وقت خلیفہ کے لیے پیش کی جانے والی سواری اور قصر امتیازات سب کو بیت المال میں واپس کیا، اس طرح انھوں نے اعلان کیا کہ میرا رشتہ اموی خاندان کے خلفاء سے نہیں، میں ان کی پیروی نہیں کروں گا، میں اپنے نانا عمر ابن خطاب کی سیرت پر چلوں گا۔

۳۔ جتنے حواری، لونڈیاں اور کنیزیں تھیں، جہاں سے لائی گئی تھیں، ان سب کو واپس دیا۔

۴۔ جہاں جہاں لوگوں سے بے جا اور بغیر کسی جرم و خطاء کے ان کی املاک پر قبضہ کیا گیا تھا ان کو واپس کرنے کا اعلان کیا۔

۵۔ خلفاء کی مجالس و محافل نے بادشاہان کسریٰ و قیصر کی شکل اختیار کر لی تھی، ان سب کو ختم کیا۔ نشست اور مجلس میں اسلامی اخلاق و آداب کو بحال کیا۔

۶۔ مجلس میں آتے وقت لوگوں کو ان کے احترام میں کھڑے ہونے سے منع کیا، سلام کو رواج دیا، مسلمانوں کو بغیر اذن حاضر ہونے کی اجازت دی۔ اپنے تمام مال و باغات و اموال سب کو بیت المال میں داخل کیا۔ ہر قسم کی عیش و نوش والی زندگی کو مسترد کر کے ایک ایسے زہد کی مثال قائم کی جو بعد میں کوئی مقتدر ہستی نہ کر سکی، اپنی بیوی فاطمہ بنت عبد الملک خلیفہ کی بیٹی سے کہا، آج میں تمہیں دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کرنے کے لیے کہتا ہوں یا یہ زیورات اتار دو اور انہیں بیت المال مسلمین میں پھینک دو یا مجھ سے طلاق لے لو چنانچہ فاطمہ نے زیورات کو بیت المال مسلمین میں بھیجا۔

عمر بن عبد العزیز:

آپ نے سیرت خلفاء راشدین کو دوبارہ زندہ کیا، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد دار الخلافہ میں اس لئے نہیں گئے کیوں کہ وہاں سلیمان بن عبد الملک کے اہل خانہ موجود تھے تاکہ ان کے لئے مزاحم نہ ہوں۔ بعض جگہوں پر خوارج نے خروج کیا تو اپنے والی کو لکھا ان کو اپنے حال پر چھوڑیں، پھر ان سے گفتگو کی تو صلح

ہوئی، دور دراز علاقوں میں فقراء ومساکین کے لئے مسکن بنائے، بہت سے قرضے معاف کئے، لوگوں سے لیا ہوا مال ودولت ان کو واپس کیا، تمام مظالم کو رد کرنے کا حکم دیا، اس کا آغاز اپنے نفس سے کیا، جو کچھ بھی جمع کیا تھا سارا بیت المال مسلمین میں جمع کرایا، اس پر آپ کے وزیر نے کہا اپنی اولاد کیلئے کچھ نہیں رکھیں گے، کہا کہ ان کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔

خوارج عمر بن عبدالعزیز کے دور میں :[عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۵]

خوارج نے ولید اور سلیمان کے دور میں کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ کیونکہ یہ دو دور بنی امیہ کی طاقت وقدرت نمائی کے دور تھے اس دور میں امور دینی پر توجہ یا سختی کم کرتے تھے وہ دشمن سے سختی سے مقابلہ کرتے تھے لیکن جب سنا کہ اب ایک مرد شریف دیندار خلیفہ بنے ہیں تو موقع غنیمت سمجھ کر بغاوت وسرکشی شروع کی اور عراق میں خروج کیا، عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب کو لکھا کہ انھیں کتاب اللہ وسنت رسولؐ کی طرف دعوت دیں، اگر یہ قوم زمین میں فتنہ وفساد سے گریز کرے، کسی فرد مسلمان یا ذمی کو قتل نہ کرے، لوگوں کے راستے نہ روکیں تو انھیں آزاد چھوڑیں، اگر یہ جنگ وقتال چاہتے ہیں تو اللہ کی قسم وہ میرے چہیتے فرزند ہی کیوں نہ ہوں، میں ان کے قتل سے پیچھے نہیں ہٹوں گا اور اللہ سبحانہ کے بارے میں اجر وثواب کا طالب ہونگا۔ جب انھیں دعوت دی اور حجت تمام ہوئی تو عبدالحمید نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا جس نے خوارج کے سامنے شکست کھائی، جب یہ خبر عمر بن عبدالعزیز کو ملی تو ایک لشکر مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں عراق کی طرف بھیجا، عبدالحمید کو لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے لشکر نے خیانت کی ہے اور برا کردار ادا کیا ہے، میں نے مسلمہ بن عبدالملک کو تمہاری طرف بھیجا ہے تم وہاں سے ہٹ جاؤ، اہل شام کا لشکر ان پر غالب آئے گا تو مسلمہ ان سے ملے۔

عمر بن عبدالعزیز کے دور میں خوارج کی قیادت کرنے والے شخص کا نام شوذب تھا جو بسطام کے بنی یشکر سے تعلق رکھتا تھا، وہ ۸۰ سوار لے کر نکلا، یہ سب ربیعہ سے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید کو لکھا، ان کو کچھ نہ کہیں جب تک وہ خون نہ بہائیں اور فساد نہ پھیلائیں، ان کو اپنے حال پر چھوڑو، اگر انہوں نے ایسا کیا تو اور لشکر لڑنے کیلئے دے دو اور ایک شخص کو انتخاب کر کے ان کے ساتھ لشکر بھیجیں، عبدالحمید نے محمد بن جریر بن عبداللہ بجلی کو دو ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا اور انھیں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے آگاہ کیا، ان کو بتایا عمر نے ان لوگوں کو دعوت دی اور ان کو صلح کے لیے کہا، جب یہ خط ان کے پاس پہنچا تو محمد بن جریر ان کے پاس پہنچے تو اس خط میں تھا مجھے خبر ملی ہے کہ تم اللہ اور نبیؐ کی خاطر نکلے ہو، تم ہم سے زیادہ اس کے لئے اولیٰ نہیں، میں تم سے مناظرہ کروں گا، اگر حق ہمارے پاس ہے تو تم ہمارے اطاعت میں داخل ہو جاؤ، اگر حق تمہارے ہاتھ میں ہے تو ہم سوچیں گے، انہوں نے عمر کو لکھا آپ نے انصاف کیا ہے، میں دو آدمیوں کو آپ کی طرف بھیج رہا ہوں جو آپ سے مناظرہ کریں گے، یہ دو ابن شیبان اور عاصم نامی شخص ایک لشکر سے تھے، وہ عمر کے پاس آئے اور دونوں نے کہا کہ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا آپ اس منصب پر امت کی رضا ورغبت اور مشورے سے آئے ہیں تو عمر نے کہا میں نے کسی سے یہ منصب طلب کیا ہے اور نہ اس کے حصول کیلئے طاقت کا استعمال کیا ہے، نہ وصیت کی ہے ہم نے نہ اس کی خواہش کی ہے، جب میں نے قبول کیا تو کسی نے مخالفت نہیں کی سوائے آپ لوگوں کے، اگر ہم حق سے انحراف کریں تو ہمیں اس منصب سے ہٹائیں، اس وقت تمہارے اوپر میری اطاعت نہیں ہوگی دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اسلاف کی مخالفت کی اور ان کے اموال کو ظلم سے جمع شدہ مال قرار دیا ہے اگر وہ لوگ یہاں ہوتے تو آپ سے برات کا اعلان کرتے، اس وقت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ دنیا کے لئے نہیں نکلے ہو لیکن تمہارے اس خروج میں تم نے گمراہی کے راستے کو انتخاب کیا ہے کہا ہاں، راہ راست کو انتخاب کریں گے پھر عمر نے کہا تمہارے اسلاف حضرت ابو بکر اور عمر دونوں کو مانیں یا نہ مانیں، ابو بکر نے فدک سے نبی زادی کو ملنے والا مال غنیمت بھی لیکر اسے بیت المال مسلمین میں جمع کروایا۔ جبکہ حضرت عمر نے اپنے دور میں وہ واپس کر دیا۔ عرب پیغمبرؐ کے بعد مرتد ہوئے تو ابو بکر نے ان سے جنگ لڑی اور خون بہایا اور ان کے بچوں کو اسیر کیا، مال کو غنیمت میں لیا تو دونوں نے کہا، ہاں ایسا ہوا ہے، پھر عمر بن عبدالعزیز نے کہا تم جانتے ہو جب حضرت عمر خلیفہ بنے تو ان کے اسیروں اور عشیروں کو واپس کیا، اب آپ یہ بتاؤ کہ کیا ابو بکر نے عمر سے یا حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے برات کا اعلان کیا تو کہا نہیں، آیا تم ان دونوں میں سے کسی سے برات کا اعلان کرو گے، کہا نہیں۔

مجھے بتاؤ کیا تم نہروان میں قتل ہونے والے اپنے بزرگان سے محبت رکھتے ہو اور ان کی نجات پانے کے معتقد ہو تو کہا ہاں ہیں، آیا تم کو پتہ ہے کہ اہل کوفہ جب ان کی طرف نکلے تو انہوں نے ان پر کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں کی، کسی کو ڈرایا نہیں، کسی کا خون نہیں بہایا، کوئی مال غنیمت میں نہیں لیا تو انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی

ہوا ہے پھر کہا تمہیں پتہ ہے جب اہل بصرہ عبداللہ بن وہب راسبی کی قیادت میں کوفہ کے لئے نکلے تو انہوں نے کوفہ والوں کو قتل کیا، عبداللہ بن خباب پیغمبرؐ کے صحابی کو قتل کیا، ان کی زوجہ کو قتل کیا۔ ان دونوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا ہمیں یزید بن عبدالملک کے جانشین بننے کے بارے میں بتائیں کہ آپ نے اپنے بعد اس کو خلیفہ کیوں بنایا ہے تو عمر نے کہا میں نے ان کو نہیں بنایا، کسی اور نے بنایا ہے، ان دونوں نے کہا اگر آپ نے ایک غیر امین کے ہاتھوں اس خلافت کو پہنچایا تو کیا آپ نے امانت میں خیانت نہیں کی یہاں عمر بن عبدالعزیز خاموش ہوگئے، وہ جواب دینے سے قاصر رہے تو انہوں نے تین دن کی مہلت مانگی، یہ دونوں ان کے گھر سے نکلے اور بنو مروان ڈر گئے کہ اب یزید کو خلع کریں گے تو انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو زہر دلوا دیا۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو ان کے خادم کے ذریعے زہر دلوایا گیا، جب خادم سے پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا تو اس نے کہا ایک ہزار دینار نے، کہا وہ دینار لاؤ، خادم دینار لایا تو انہیں بیت المال میں جمع کروادیا اور خادم سے کہا جہاں جانا ہے چلے جاؤ' لیکن یہاں بھی شخصیت غیر عادی عمر بن عبدالعزیز کو تحلیل میں لانے کی ضرورت ہے کہ ایک طرف وہم و گمان میں ایک فرد کو نہیں بلکہ گروہ در گروہ کو قتل کرنے کی سنت و سیرت امویین و عباسیین کے علاوہ آج کل کے حکمرانوں، سیاست دانوں اور جاگیرداروں میں پائی جاتی ہے وہ ایک قتل یا سزائے موت کے انتقام میں نہ جانے کتنے لوگوں کو قتل کرنے سے نہیں ہچکچاتے لیکن دوسری طرف عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ جن کے خادم نے اعتراف کیا کہ مجھے آپ کو زہر دلانے کیلئے ایک ہزار دینار دیئے گئے ہیں، پوچھتے کہ کس نے یہ دینار دیئے ہیں ان سب کو ایک جیسی نظر میں گرفتار کر کے انتقام لے لیتے یہاں تک کہ خادم کو حبس میں رکھتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

عمر بن عبدالعزیز کے خلاف سازش:[تاریخ اسلامی ج۳ ص۲۲۴]

عمر بن عبدالعزیز کے دور میں حکومتی ضلعے اور صوبے سب پر سکون تھے، کہیں بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہیں آتا تھا، ان کی مملکت میں ایک اچھی اور نئی چیز یہ بھی تھی کہ انہوں نے ان حکمرانوں کو معزول کیا جو ان کی نظر میں لوگوں پر ظلم کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے امراء و حکام اور ان کے لئے مقرر وظائف کے بارے میں دقت کی اور ان سے کہا کہ جو وہ خلفاء سے لیتے تھے اور جو کچھ ان کے ہاتھوں میں لوگوں کے حقوق ہیں وہ واپس کریں، اس وجہ سے یہ سب لوگ ان کے مقابل میں متحد ہوئے اور انہوں نے ان کے اقرباء و اصحاب کو ان کے خلاف اکسایا یہاں تک کہ ان کی حمایت میں سوائے ان کے چچازاد بھائی مسلمۃ بن عبدالملک کے کوئی اور نہیں رہا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں وہاں کے گورنر ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم تھے، یہ سلیمان کے دور سے تھے، عمر بن عبدالعزیز نے ان کو وہیں باقی رکھا، مکہ میں عبدالعزیز بن عبداللہ بن خالد بن اسید کو معین کیا، عراق سے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو عزل کیا، خراسان سے مخلد بن یزید بن مہلب بن ابی صفرۃ کو عزل کیا، صالح بن عبدالرحمٰن کو بھی عزل کیا اور کوفہ میں عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب کو معین کیا۔

بصرہ میں عدی بن ارطاۃ الفزاری کو والی بنایا انھوں نے یزید بن مہلب کو گرفتار کیا اور انھیں دمشق کے زندان میں ڈالا یہاں تک کہ ان کے پاس جو مال تھا، وہ واپس لائے جس پر ان کا حق نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ انہیں کسی جزیرہ میں جلاوطن کریں لیکن انہوں نے انھیں مشورہ دیا کہ اسے زندان میں رہنے دیں، لیکن وہ زندان سے فرار ہوگئے۔

جب انھیں پتہ چلا کہ عمر بن عبدالعزیز بیمار ہوئے ہیں تو انہیں ڈر پیدا ہوا کیونکہ یزید بن عبدالملک کے پاس ام حجاج بنت محمد بن یوسف ثقفی ان کے عقد میں تھیں اور یزید بن مہلب نے آل حجاج کو اذیت پہنچائی تھی، جب یزید بن عبدالملک خلیفہ بنے تو ابن مہلب بصرہ میں مغلوب ہوئے، وہاں مسلمۃ بن عبدالملک کو بھیجا اور ان کو ۱۰۲ھ میں قتل کیا، عمر بن عبدالعزیز نے آل حجاج بن یوسف ثقفی کو یمن کی طرف جلاوطن کیا، جزیرہ پر عمر بن ھبیرۃ فزاری کو والی بنایا، خراسان میں مخلد بن یزید بن مہلب جو عبدالملک کی طرف سے والی تھے ان کو عزل کیا اور انھیں دمشق میں لائے لیکن مہلب تھوڑے دن بعد دمشق میں وفات پا گئے خراسان میں جارح بن عبداللہ حکمی کو والی بنایا، اسال ۵ مہینہ کے بعد ان کو عزل کیا کیونکہ وہ جزیہ جن کو دینا تھا، ان کو نہیں دیتے تھے، اہل مرجان کو عمر نے جرح سے طلب کیا کہ وہ دمشق آئیں اور خراسان والوں سے جنگ نہ کریں، انھوں نے ان سے کہا کہ خراسان میں جنگ کو عبدالرحمٰن بن نعیم غامدی کے لئے چھوڑیں اور خراج کو عبدالرحمٰن بن عبداللہ القشیری کے لئے، اسکے بعد عقبہ بن زرعۃ الطائی کو رکھا وہ یہاں رہے یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز وفات پا گئے مصر سے عبدالملک بن رفاعۃ کو عزل کیا، ان کی جگہ ایوب بن شرحبیل کو رکھا۔

افریقہ میں محمد بن یزید بن مسلم کو صدقات سے عزل کیا اور اسماعیل بن عبید اللہ بن ابی المھاجر کو افریقہ کا والی بنایا، جب وہاں کے قاضی عبد اللہ بن مغیرۃ بنے تو لوگ خوش ہوئے عمر نے اسماعیل کے ساتھ ۱۰ افقہا کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا تو اہل بربر اس سے خوش ہوئے، اس کے بعد افریقہ میں یزید بن ابی مسلم کو بھیجا۔ سمع بن مالک خولانی کو اندلس بھیجا، یہ دیندار اور متقی انسان تھے حر بن عبد الرحا ثقفی کو اندلس سے معزول کیا جو ۹۷ھ سے وہاں والی تھے اس طرح ان کے بھائی حارث بن عبد الرحمٰن ثقفی کو صدقات سے معزول کیا۔

دنیائے عمر بن عبد العزیز:

کتاب خلیفہ راشدون عمر بن عبد العزیز ص ۲۴۵ پر آیا ہے جب مہدی عباسی اپنے دور خلافت میں شام پہنچے، ان کے ساتھ ان کے کاتب ابو عبید اللہ اشعری تھے تو مہدی نے اپنے کاتب سے خطاب کیا، ابا عبید اللہ سبقنا بنی امیہ بثلاث تو کاتب نے کہا و ما ھن یا امیر المومنین قال ھذا المسجد کثرۃ موالی عمر بن عبد العزیز ہے۔ یعنی مسجد دمشق جیسی کوئی مسجد ہم نے نہیں بنائی ہے ہمارے پاس کوئی ایسا حاکم نہیں کہ جس کے چاہنے والے اتنے کثرت میں ہوں کہ جیسے عمر بن عبد العزیز کے چاہنے والے تھے ہمارے پاس عمر بن عبد العزیز جیسا دیندار و پاک باز انسان نہیں۔

منصور دوانیقی نے عبد الرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر سے کہا ہمیں کوئی موعظہ کریں تو عبد الرحمٰن نے پوچھا کس قسم کا موعظہ کریں سنا ہوا موعظہ یا اپنی آنکھ سے دیکھا ہوا، منصور نے کہا دیکھا ہوا موعظہ کریں، عبد الرحمٰن نے کہا عمر بن عبد العزیز نے وفات پائی، گیارہ فرزند چھوڑے لیکن ان کا کل ترکہ سترہ دینار تھا پانچ سے کفن خریدا دو دینار سے اپنے لئے قبر کی زمین خریدی، باقی کو اولادوں میں تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصے میں ۱۹ درہم آئے۔

عمر بن عبد العزیز کا آخری خطبہ: [دولت اموی ج ۲ ص ۳۷۴]

عمر بن عبد العزیز اس خطبہ کے بعد دوسرا خطبہ نہیں دے سکے، ان کا آخری خطبہ یہ ہے کہ ایھا الناس! تم لوگوں کو اللہ نے بے کار اور بے مقصد خلق نہیں کیا ہے، تمہیں آزاد نہیں چھوڑا ہے، تمہارے لئے معاد ہے جس میں اللہ اپنا حکم نازل کرے گا، اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ کرے گا وہ شخص خسارے میں ہے جو اللہ کی رحمت سے نکلا ہو گا وہ رحمت جو ہر چیز پر محیط ہے، اللہ کی رحمت سے نکلنے والے کے لئے جنت حرام ہے جس کا عرض آسمان سے زمین تک ہے جان لو قیامت کے دن امان صرف اس کیلئے ہے جو اللہ سے ڈرے وہ شخص جو اپنے بچے ہوئے مال کو اللہ کی رضا کے لیے فروخت کرے اور قلیل کو کثیر کیلئے دے دے۔

تم ان گزشتگان و ہلاک شدگان کے وارث ہو جو اس دنیا کو چھوڑ کر چلے گئے جو اب تمہاری پسندیدہ و محبوب ہے اور تم بھی آخر میں چلے جاؤ گے اور جس دنیا کے لئے دن رات مصروف رہتے ہو، اسے یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ آئے دن تم ایک جانے والے کی تشیع کرتے ہو جو اپنی عمر گزار چکا ہوتا ہے پھر اس کو ایسی جگہ پر چھوڑ کر آتے ہو جہاں اس کے لئے کوئی سرہانہ نہیں، کوئی فرش نہیں وہ عزیز و اقرباء سے دور و جدا ہوتا ہے، اسباب و وسائل اس سے کٹ جاتے ہیں مٹی اس کا مسکن ہوتی ہے اور اسے حساب کا سامنا ہوتا ہے جو مال و دولت وہ چھوڑ کر آتا ہے وہاں وہ اس کا نیازمند ہوتا ہے اور نہ وہاں وہ اس کے کام آتی ہے، موت آنے سے پہلے اللہ سے ڈرو، مجھے پتہ نہیں ہے کہ شاید یہی گناہ آپ میں سے مجھ سے زیادہ ہوں، مجھے اس کا پتہ نہیں ہے استغفار و توبہ کرو۔

اپنے غاسل سے وصیت: [تاریخ دولت اموی ج ۲ ص ۳۷۸]

رافع بن حفص مدنی نے کہا عمر نے رجاء سے کہا جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل و کفن دیں اور نماز پڑھیں، مجھے میری لحد میں رکھیں لحد میں رکھنے کے بعد جس اینٹ پر میرا سر رکھا ہے اس کو ہٹا دینا، اگر میرا رخ قبلہ کی طرف ہوا تو شکر کرو اور اللہ کی ثناء کرو، اگر قبلہ سے رخ موڑ کر دیکھا تو باہر آ جاؤ اور لوگوں سے میرے لئے مغفرت طلب کرو، اور اللہ سے دعا کرو کہتے ہیں عمر بن عبد العزیز ۲ سال ۴ مہینہ ۴ دن منصب خلافت پر رہنے اور ۲۰ دن مرض کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں جمعہ ۲۰ رجب ۱۰۱ھ کو دنیا سے گزر گئے۔

عمر بن عبد العزیز فراش موت پر: [تاریخ دولت اموی ج ۲ ص ۳۷۹]

جب یزید بن عبد الملک کی خیانت کاری و خیانت سے ان کے خادم کے توسط سے ان کو زہر پلایا گیا اور اس سے وہ حلیف فراش ہو گئے تو ان کے عزیز و

احباب خاص کر کے مسلمہ بن عبدالملک جوان کی بیوی فاطمہ کے بھائی تھے اور جنہیں ان سے بہت لگاؤ تھا، وہ آئے تو عمر بن عبدالعزیز نے مسلمہ بن عبدالملک سے خطاب کر کے کہا موت مجھ پر آپڑی حالانکہ میں نے اس کی تیاری نہیں کی تھی پھر کہا اللھم انک تعلم لم یسنح لی امران لک فی احداھا ارض و لی فی الاخر ھوی الا فتراق رضاک علی ھوای اے اللہ! تو جانتا ہے جب بھی میرے سامنے دو چیزیں اختیار کے لئے پیش ہوئیں، ایک میں تیری رضا تھی اور ایک میں میری خواہش تھی تو میں نے تیری رضا کو اپنی خواہش پر مقدم رکھا، اس کے علاوہ میرے سے کوئی غلطی ولغزش ہوئی ہے تو مجھے معاف کر دے، اس کے بعد مسلمہ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ میرے احتضار اور قبض روح کے موقعہ پر میرے پاس رہے، مرنے کے بعد مجھے آپ ہی غسل دیں، قبرستان میں میرے جنازے کے ساتھ چلیں اور مجھے میری لحد میں آپ ہی اتار نا، انہوں نے کہا یا امیر المومنین آپ نے اپنے بچوں کو اس مالِ دنیا سے محروم رکھا ہے، آپ نے ان کی زندگی کیلئے کچھ نہیں چھوڑا ہے، اگر آپ ان کو میرے یا ہم جیسے کسی اور کے سپرد کرتے، وہ ان کی دیکھ بال کرتے تو بہتر ہوتا، جب یہ بات سنی تو ان سے کہا مجھے اٹھاؤ، ان کو اٹھایا تو انہوں نے کہا مسلمہ میں نے آپ کی بات سنی جہاں تک آپ کی یہ بات کہ میں نے اپنی اولاد کو اس مال سے محروم رکھا، اس کے بارے میں عرض کرتا ہوں، اللہ کی قسم میں نے ان کو اس مال سے محروم رکھ کر ان پر ظلم نہیں کیا، جو ان کا حق تھا، میں نے وہ روکا نہیں لیکن دوسروں کا مال ان کو دینے کا مجھے حق بھی نہیں ہے۔

اما میں آپ کو وصیت کروں اور بچوں کو آپ کے یا کسی اور کے سپرد کروں، انہیں ان کی ولایت میں دے دوں، اس سلسلے میں آیت ملاحظہ ہو، ﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ ''اور اگر اہل قریہ ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کر لیتے تو ہم ان کے لئے زمین اور آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو ان کے اعمال کی گرفت میں لے لیا'' (اعراف ۹۶) میں اللہ فرماتا ہے کہ انسان کا ولی اللہ ہے، جس نے قرآن کو نازل کیا ہے وہی صالحین کا ولی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا میرے بیٹے دو طرح کے ہیں ایک صالح ہیں اللہ ان کو دیگران سے بے نیاز کریں گے، اگر غیر صالح ہیں تو میں ان کی مال سے اعانت نہیں کروں گا، اللہ کی معصیت کر کے ان کی میں مدد نہیں کروں گا پھر اولادوں کو بلایا، جب ان کو دیکھا تو آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور کہا میری جان میرے جوانوں کیلئے فدا میں نے ان کو فقیر چھوڑا ہے نہ دولت سے مالا مال کیا ہے پھر روئے پھر کہا میں نے تمہارے لئے خیر کثیر چھوڑا تم جس مسلمان کے پاس جاؤ گے یا جس محفل میں یا اہل ذمہ کے پاس جاؤ گے، وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے اور تمہارے حامی ہونگے۔

اے میری اولاد! دنیا میں دو چیزوں کے درمیان پڑا ہوں یا میں تم کو بے نیاز کر کے خود جہنم میں جاؤں یا تم کو فقیر رکھ کر میں جنت میں جاؤں تو میں نے دیکھا کہ تم کو فقیر رکھ کر میں جنت میں جاؤں، یہ میرے لئے بہتر ہے، یہ میرے لئے زیادہ پسندیدہ ہے، اٹھو اللہ تمہیں اپنے حفظ میں رکھے اور اپنے رزق سے نوازے۔

مسلمہ نے دوبارہ کہا کیا آپ وصیت نہیں کریں گے تو کہا میرے پاس کوئی مال نہیں جو میں وصیت کروں تو مسلمہ نے کہا یہ ایک لاکھ دینار ہیں آپ جہاں دینا چاہیں دے دیں، عمر پھر خاموش ہو گئے پھر کہا مسلمہ کیا آپ مجھ سے قبول کریں گے تو کہا کیوں نہیں، کہا جہاں سے یہ لئے ہیں وہاں تک پہنچا دیں، یہ کہہ کر ان پر غشی طاری ہو گئی۔[ص ۲۳۹ کتاب: خلیفہ راشدون]

عمر بن عبدالعزیز اور موت:

جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچی تو وہ موت کے استقبال میں تیاری کرنے لگے کیونکہ بنی امیہ قلیل العمر ہیں، وہ کہتے تھے اب انسان کے پاس گناہ کرنے کا کوئی عذر نہیں، اللہ کی حجت چالیس سالوں والوں پر تمام ہو چکی ہے چنانچہ آخری دو سال پانچ مہینے خلافت پر رہے گرچہ زہر ملنے کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی تھی لیکن جو خوف الٰہی ان پر طاری ہوا تھا، زہر نہ پلاتے، تب بھی شاید ان کو جلد ہی موت آجاتی۔

وفات عمر بن عبدالعزیز: [الدولۃ الامویہ ج ۱ ص ۳۲۴]

آپ کی وفات کے بارے میں دو قول نقل ہوئے ہیں کہ آپ کو زہر دیا گیا ہے یا آپ نے اپنی عادی موت سے وفات پائی ہے لیکن ترجیح اس بات کو دی گئی ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا۔ آپ نے ۵ رجب ۱۰۱ھ کو وفات پائی اور حمص میں دفن ہوئے۔

عمر بن عبدالعزیز کی زوجات:

عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ میں پرورش پائی۔ وہاں کے علماء سے اسلامی اخلاق وافکار ونظریات حاصل کئے۔ آپکا قریش کے بزرگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ جب باپ مرے تو عبدالملک نے اپنے پاس رکھا اور اپنی بیٹی فاطمہ کو ان کے عقد میں دیا، فاطمہ کے دادا خلیفہ باپ خلیفہ چار خلفاء ان کے بھائی اور انکے شوہر عمر بن عبدالعزیز خلیفہ تھے لیکن اتنے ناز و عیش پرور گھرانے میں پروردہ اس عورت جیسی کوئی اور عورت ابھی تک کسی گھرانے میں دیکھنے میں نہیں آئی کہ جس نے اتنی صاف زندگی گزاری ہو اور جو شوہر کی زندگی کے ساتھ چلی ہو۔

۲۔ان کی دوسری زوجہ لمیس بنت علی بنت حارث تھی ان کے بطن سے عبداللہ، بکر اور ام عمارہ پیدا ہوئے ۔ایک زوجہ عثان بن شعیب بن زیان تھیں، ان سے ابراہیم پیدا ہوئے۔

۳۔ان کی اولادوں میں سے عبدالملک، ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز زیان ام عبداللہ ہیں، یہ سب ایک کنیز سے پیدا ہوئے۔

اولاد عمر بن عبدالعزیز: [تاریخ دولت اموی ج ۲ص ۱۰۱]

ان کے چودہ بیٹے تھے جن کے نام عبدالملک، عبدالعزیز، عبداللہ، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، بکر، ولید، موسیٰ، عاصم، یزید، زبان اور عبداللہ تھے تین بیٹیاں تھیں، آمینہ، ام عمار، ام عبداللہ۔ بعض نے کہا ہے بارہ تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی تو اپنی اولاد کے لئے کوئی قابل قدر مال وراثت میں نہیں چھوڑا بلکہ بہت حقیر اور تھوڑا مال چھوڑا، ان کی اولادوں میں سے ہر ایک کو انیس درہم وراثت میں ملے جب کہ ہشام بن عبدالملک مرے تو ان کی اولادوں میں سے ہر ایک کو ایک ہزار ملین درہم ملے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک روز ایسا بھی دیکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے ایک بیٹے نے سو گھوڑوں پر مال لاد کر ایک دن میں انفاق فی سبیل اللہ کیا، وہ بھی ہشام بن عبدالملک کی اولادوں پر۔

خلفائے راشدین کا موازنہ:

خلفاء راشدین کے اقدامات وتصرفات کا موازنہ حضرت محمدؐ رحمت اللعالمین سے نہ کریں، ان کا موازنہ فارغ التحصیل نصاب وحی وقرآن سے نہ کریں، ان کا موازنہ حامل ضمانت رب العالمین سے نہ کریں، ان کا موازنہ جھوٹے صوفیوں کی کہانیوں کے خود ساختہ کرداروں سے نہ کریں ان کا مقابلہ ان ذوات سے بھی نہ کریں کہ جنہیں بعض لوگ حضرت محمدؐ کے برابر یا ان سے بھی اونچا دکھاتے ہیں۔ جس طرح ان کو اپنے غیض وغضب کا نشانہ نہ بنانے والوں سے دور رہنا چاہیے، ان کا موازنہ تمام خلفائے بنی امویہ، بنی عباس، فاطمین، آل بویہ، صفوی بادشاہان، سلاجقیہ اور تاریخ پاک وہند کے سلاطین محل ساز وگنبد ساز وقبر ساز وقلعہ ساز مغلوں سے اور کنونشن حال، اسمبلیاں، وزیراعظم ہاوس، وزیراعلیٰ ہاوس ساز مسلمان حکمرانوں سے کریں گے تو دیکھیں گے کہ تو یہ ذوات عدل وانصاف کے کس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ جب ہم قرآن کریم کے بلند کردہ اقدار وفضائل کو اٹھاتے ہیں تو آیات محکمات کی صورت میں یہ اعمال نظر آتے ہیں۔

۱۔اللہ کی راہ میں آشیانہ وشہر اور عزیز واقارب چھوڑ کر ہجرت کو ایک بڑا اور پسندیدہ عمل گنا گیا ہے ۔ان آیات پر شوق وذوق سے پہلے مرحلے میں عمل کرنے والے یہی خلفاء اسلام ہیں کہ جنہیں امتِ محمدؐ خلفائے راشدین کے نام سے یاد کرتی ہے۔

۲۔قرآن جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے۔ نبی کریمؐ کے پرچم اسلام کے سائے میں مشرکین وکافرین سے جہاد کا حکم ہے اس سلسلے میں یہ خلفاء ابتدائی جنگ سے آخری جنگ تک پیغمبرؐ کے ہم رکاب رہے ہیں۔

۳۔قرآن کریم نے انفاق فی سبیل اللہ کو فضیلت میں گنا ہے ان ذوات نے حضرت پیغمبرؐ کی حیات میں چندین دفعہ مال کثیر انفاق کیا ہے۔

۴۔اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ان خلفاء کرام نے تا دم حیات پیغمبرؐ کے ساتھ مشرکین سے لڑنے کی بیعت کی سورہ فتح میں اس بیعت کو بیعت رضوان کہا گیا ہے۔

۵۔یہ صوم وصلاۃ وزکوٰۃ کے پابند رہنے والے تھے ۔اس کے علاوہ یہ نبی کریمؐ کی خلوت وجلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔

۶۔نبی کریمؐ نے ان میں سے بعض کی بیٹیاں اپنے عقد میں لیں جہاں وہ امہات مومنین بنیں اور اپنی بیٹیاں بعض کے عقد میں دیں، نبی کریمؐ دنیا سے رخصت ہوئے لیکن ان کے بارے میں آپ کی طرف سے کوئی ایسا کلمہ شکوہ وشکایت یا ناراضگی کا کوئی جملہ فرمانا کسی مستند ومعتبر کتب روایات میں نظر نہیں آتا۔

۷۔انہوں نے اپنے اقتدار کے دور میں اپنے کسی بیٹے کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بیت المال مسلمین سے جتنا چاہے خرچ کرے اور جس کو چاہے کوئی منصب دے اور جس کو چاہے عزل کریں جیسا کہ آج کل وزیر اعظم کا بیٹا وزیر اعظم کے اختیارات استعمال کرتا ہے تھانیدار کا بیٹا تھانیدار رہا ہوتا ہے، انہوں نے اپنے کسی بیٹے کو کسی علاقے کا والی نہیں بنایا، لشکر جہاد میں قائد لشکر نہیں بنایا اور اپنا ولی عہد نہیں بنایا تا کہ وہ ان کی وفات کے بعد خلیفہ بنے ،انہوں نے اپنے نام پر مملکت اسلامیہ کے گوشہ وکنار میں باغات اور جائیدادیں نہیں بنائیں تاکہ ان کی وفات کے بعد ان کی اولادیں عیش وعشرت کی شاہانہ زندگی گزاریں اور نہ ہی سونے چاندی کے زیورات کیلئے اپنے گھر کے تہہ خانوں میں ذخیرہ خانے بنوائے۔

۸۔انہوں نے اپنی بیویوں کو خاتون اوّل نہیں بنایا اور اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو نوجوانانِ ملت کا چیئرمین یا چیئرپرسن نہیں بنایا۔

۹۔اپنی دولت کو غیر ملکوں میں منتقل کر کے وہاں ذخیرہ نہیں کیا۔

یہ تھا ان کی زندگی کا پہلا صفحہ۔

خلفاء کے دور اقتدار اور حاکمیت کی زندگی کے روشن صفحات:

ہم یہاں پر تاریخ اسلام میں خلفاء کرام کے روشن صفحات کو پیش کریں گے تاکہ قادیانیوں اور اسماعیلیوں اور ان کے بانیان غلات اور باطنیہ کی طرف سے ان کے چہرے کو مخدوش ومکروہ کرنے کی کوشش ناکام ہوں اور ان کی اکاذیب سے پاک ومنزہ سیرت وکردار کو پیش کیا جاسکے، اس طرح سے غلات باطنیہ کی دوغلی پالیسی جسکے تحت وہ ان کو برابر یا مافوق نبوت یا برسر نبوت پیش کر کے ختم نبوت پر بطلان کی مہر لگاتے ہیں، اُن کی یہ سازش نقش بر آب ہو جائے گی۔

۱۔یہ صفحات دعوت اسلام میں ان کی سبقت' جذبات' خدمات اور اخلاص نیات وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

۲۔وہ عام انسان تھے جو جہالت اور شرک وبت پرستی کے ماحول میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اسی ماحول میں نشوونما پائی۔ان پر اللہ نے وحی نازل نہیں کی ہے، یہ عام انسانوں کی طرح تھے جو چیزیں عام انسانوں کے لیے حوادث ونشیب وفراز لاتی ہیں، ان کو بھی درپیش تھیں، ایسے ہی حالات کا سامنا انہیں بھی ہوا، لہٰذا ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں بھی سرزد ہوئی ہیں تاہم ان تمام غلطیوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ دیگران کی بہ نسبت اور اپنی صف کے دیگر ساتھیوں کی بہ نسبت درجہ اولیٰ پر تھے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں مشترکہ حقائق:

۱۔چاروں خلفاء راشدین کے بارے میں پوری امت مسلمہ مندرجہ ذیل حقائق کو تسلیم کرتی ہے۔

۱)۔یہ چاروں خلفاء کرام پیغمبرؐ کے مکہ اور مدینے دونوں ادوار میں تمام نشیب وفراز، مشکلات ومصائب بزم ورزم میں برابر کے شریک تھے۔

۲)۔یہ درجات ومراتب کے حوالے سے ایک دوسرے سے محدود انداز میں فرق رکھتے تھے۔

۳)۔خلفاء راشدین کے بعد سوائے حضرت امام حسن جن کو موقع نہیں دیا گیا، ان سے بہتر کوئی خلیفہ آج تک نہیں آیا ہے۔

۲۔خلفاء راشدین کا دور تاریخ خلفاء وسلاطین میں اُس وقت سے لے کر عصر حاضر تک کے ادوار میں بہترین اور اعلیٰ دور ہے بہ نسبت دیگر ادوار کے۔خلفاء راشدین کی انمولیت اور بہتری کے اسباب یہ تھے۔

(۱)کسی خلیفہ نے خلافت کو اپنے خاندان میں محصور نہیں کیا بلکہ دوسرے خاندان میں منتقل کیا۔

(۲)خلفاء نے اپنی ذات کے حوالے سے ہر قسم کی عیش ونوش سے پرہیز کیا۔

(۳)پہلے، دوسرے اور چوتھے خلیفہ نے ہر قسم کی اقربا پروری سے گریز کیا۔

(۴)منسوب والیوں کا سختی سے احتساب کیا گیا۔

اس دور میں نبی کریمؐ کے بعد مہاجرین وانصار نے مختصر کشمکش کے بعد حضرت ابو بکر کو خلیفہ مسلمین منتخب کیا، اس سلسلے میں حضرت علی وبنی ہاشم ودیگر بطور شکوہ

ایک مدت قلیل تک خانہ نشین رہے، اس دور میں بھی علی جمعہ و جماعت میں خلفاء کے پیچھے رہے اور اس ناراضگی کا بعد میں خود اپنی طرف سے خاتمے کا اعلان کیا اور مرتدین سے جنگ لڑنے کے لیے علی ان کے ساتھ شریک ہوئے۔ انتخاب خلیفہ اول سے لیکر خود حضرت علی کے خلیفہ بننے تک کسی ایک مقرر کردہ اصول و ضابطے کے تحت خلافت وجود میں نہیں آئی۔ پچیس (۲۵) سال کے دورانیہ میں حضرت علی نے اپنی نیک تمنائیں، مشورے اور نصیحتیں ان خلفاء کے لئے وقف رکھیں۔

۱۔ خلیفہ اوّل و دوّم اور خلیفہ چہارم نے اس بڑے عظیم اور اعلیٰ اقتدار کے ہوتے ہوئے کسی قسم کی تملق و چاپلوسی اور مدح سرائی کرنے والوں میں سے کسی کو بھی موقع نہیں دیا کہ وہ اس کے ذریعے ان سے کوئی مالی یا دیگر فوائد حاصل کریں اور نہ ہی خود ان کی اپنی اولاد اور وابستگان نے کسی قسم کا مادی و معنوی امتیاز حاصل کیا۔ وہ لطف اندوزی اور عیش و عشرت سے دست خالی دنیا سے رخصت ہوئے اور دنیا میں ایک ایسی مثالی حکومت کا نمونہ چھوڑا جو افلاطون کے خواب و خیال سے بھی بہت بلند تھا۔

۲۔ اگر چہ حضرت عثمان کے عزیز و اقارب نے ان سے استنا د لطف اندوزی کیا لیکن خود انہوں نے اپنے لئے کوئی جگہ نہیں بنائی اور نہ ہی مال و دولت جمع کیا۔

۳۔ تاریخ اسلام و مسلمین میں معاویہ بن ابوسفیان کی خلافت سے لیکر ابھی تک دنیا میں دین کے نام سے حکمرانی و سلطانی کرنے والوں میں سے کوئی ایسا سلطان و حکمران بتائیں جسکا ان سے مقابلہ و موازنہ کیا جا سکتا ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سلاطین اسلام کے خلاف سازشوں کی آماجگاہ بنے رہے اور اسلام و مسلمین کے خلاف سازش کرنے والے ان کے ہمدردوں اور دوستوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ شہید الصدر فرماتے ہیں ان کا دور خلافت بہترین نمونہ حکومت تھا اب ان ذوات کو دشمنِ اسلام، دشمن رسولؐ اور فرعون و ہامان کہنا اور ان کے نام گرامی کو بدزبانی سے استعمال کرنا اور تاریخ میں آنے والے بُرے عزائم کے حامل سلاطین آل حمدان، آل بویہ اور صفویان کو بڑے القاب سے یاد کرنے کو عدل و انصاف کے کس ترازو سے تولا جائے، اس کی کیا تفسیر و توجیہ ہو سکتی ہے سوائے مجوس اور صلیبیوں کی اسلام سے انتقام جوئی کے، کیا اسے اسلام کی خدمت کہیں گے یا یہ اسلام دشمنی ہے؟۔

لیکن بعض لوگ اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے وہ ظاہری طور پر نبی کریمؐ پر ایمان لائے، نبیؐ کے ساتھ ہجرت کی لیکن یہ پہلے دن سے نبی کریمؐ کے بعد اپنے لیے اقتدار کے خواہاں تھے اور اندر سے مشرک تھے، بت پرستی کو چھپائے ہوئے تھے جو بعد میں ظاہر ہوئی یا کہا جاتا ہے ایمان مرتے دم کیلئے ہے لیکن یہ بعد میں منحرف ہوئے اور انہوں نے علی کو خلافت سے محروم کیا ہے۔

ان کیلئے جواب واضح ہے کہ جن خطرات و مشکلات میں یہ پیغمبرؐ پر ایمان لائے اور اس کی پاداش میں انہوں نے مشرکین سے سخت اذیتیں اٹھائیں، کیا اس طرح کے ان گنت حقائق کے باوجود بھی آپ یہی کہیں گے کہ ان کے اندر کفر چھپا ہوا تھا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ انہوں نے اندر سے کفر کو چھپا کر رکھا ہوا تھا؟ ایسا کہنے والے دراصل خود اپنے کفر کو چھپانے کیلئے ایسا کہتے ہیں۔ ایسی فکر رکھنے والے تمام لوگوں سے سوال ہے کہ ان خلفاء کے اندر جو کفر وحی سے تمسک رکھنے والے خاتم الانبیا حضرت محمدؐ کو نظر نہیں آیا، وہ آپ جیسے بے حیثیت لوگوں کو کیسے نظر آگیا گویا آپ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ رسول پاکؐ سے زیادہ علیم و خبیر ہیں اور آپؐ سے زیادہ عاقل و ہوشمند ہیں۔ آپ کی یہی بات اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ دراصل آپ کے اندر کفر و نفاق چھپا ہوا ہے نہ کہ ان تینوں خلفاء کے اندر، یاد رکھیں کہ جو پیغمبرؐ کے قریبی ساتھیوں میں ہوں یا جنہیں پیغمبر پاکؐ اپنا نمائندہ و سفیر یا جانشین بنائیں، ان میں ذرّہ برابر بھی کفر نہیں ہوتا۔ اگر آپ ان کے بارے میں یہ کہیں کہ انہوں نے اپنے کفر کو چھپا کر رکھا تھا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ آپ لوگ توہین رسالت کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ آپ کی اس فکر کا مطلب ہے کہ آپ وہ جان گئے جو پیغمبرؐ نہیں جان سکے۔ یہی بات آپ کے توہین رسالت کے مجرم ہونے کا ثبوت ہے۔

آئیں ہر ایک کے بارے میں ہم دونوں زاویوں سے بات کرتے ہیں:

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق:

۱۔ حضرت ابوبکر سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا ہے۔

۲۔ آپ ہی کے توسط سے چندین برجستہ مردان مجاہد شخصیات نے دعوت اسلام کو قبول کیا ہے۔

۳۔ نبی کریمؐ نے اپنی ہجرت کے سفر میں ساتھی کے لیے آپ کو انتخاب کیا جو کہ ایک بڑا اعزاز و افتخار ہے۔

۴۔ حضرت ابوبکر نے کئی دفعہ حضرت عمر ابن خطاب کی جذباتی نافرمانی و سرکشی کے موقعہ پر ان کا گریبان پکڑ کر ان کی ملامت کی ہے اور ان کو راہ راست پر لانے میں

بہت کردار ادا کیا ہے۔

۵۔تمام جنگوں میں نبی کریمؐ کے ساتھ رہے ہیں۔

۶۔چندین دفعہ آپ مدینے میں پیغمبرؐ کے غیاب میں پیغمبرؐ کے جانشین رہے ہیں۔

۷۔۹ھ کو نبی کریمؐ نے آپ کو امیر حجاج منتخب کر کے مکہ بھیجا ہے۔

۸۔حکومتی عطیات میں دیگر مسلمانوں کے برابر حصہ لیا اور وہ بھی اپنے انتقال سے پہلے بیت المال میں واپس جمع کروا دیا۔

۹۔کسی دور میں بھی ابوبکر سے کوئی غلطی و کوتاہی آپؐ کے حق میں ہوئی ہو، کسی بھی کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی ہے۔یہ ان کی دین اسلام میں سبقت اور خدمات ہیں۔

۲۔حضرت عمر ابن خطاب:

۱۔کہتے ہیں کہ وہ تند و تیز جذبات کے حامل انسان تھے آپ پینتالیسویں فرد تھے جنہوں نے دعوت اسلام کو قبول کیا، اس طرح آپ سابقین اسلام میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۔نبی کریمؐ کے فرمان کے مطابق آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

۳۔پیغمبرؐ کی جنگوں میں آپ برابر کے شریک رہے۔

۴۔اپنے بعد اپنی اولاد اور اعزا و اقرباء میں سے کسی کو بھی خلیفہ یا امیر المومنین نامزد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

۵۔بارہ سال بھرپور اقتدار میں رہنے کے باوجود اپنے لئے دولت و سرمایہ و جائیداد نہیں بنائی۔

۶۔قرآن کریم کو سب سے پہلے کتابی شکل میں محفوظ کرنے کی تحریک پیش کی۔

۷۔اسلامی تاریخ ہجری کا آغاز کیا۔

۳۔حضرت عثمان بن عفان:

۱۔آپ دعوت اسلام کو قبول کرنے والے سابقین میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۔آپ دو دفعہ اسلام کی راہ میں ہجرت کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۳۔جنگ تبوک کے موقعہ پر آپ نے اپنے مال کا آدھا حصہ اس لشکر کے لیے وقف کیا۔

۴۔حدیبیہ کے موقعہ پر پیغمبرؐ نے آپ کو اپنی طرف سے سفیر و نمائندہ منتخب کیا۔مکہ میں بنی امیہ کی طرف سے طواف بیت اللہ کرنے کی اجازت کے باوجود پیغمبرؐ سے پہلے طواف کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔

۵۔اقرباء پروازی کی شکایت کے باوجود حضرت عثمان نے اپنے لئے کوئی سرمایہ و جائیداد و دولت نہیں بنائی۔حضرت عثمان نے تمام لوگوں کو قرآن کریم کی قرأت واحدہ پر متحد کیا۔

۴۔حضرت علی بن ابو طالب:

۱۔حضرت علی نے بچپن ہی سے نبی کریمؐ کے زیر تربیت پرورش پائی۔

۲۔اندرون خانہ حضرت خدیجہ کے بعد دوسرا شخص جس نے دعوت اسلام کو قبول کیا، وہ آپ کی ذات ہے۔

۳۔ہجرت کے موقع پر پیغمبرؐ نے اپنے پاس رکھی ہوئی لوگوں کی امانتوں کو آپ کے سپرد کیا تا کہ یہ مالکان تک پہنچ جائیں یعنی آپ نبی کریمؐ کے امین بنے۔پیغمبرؐ نے اپنے اہل خانہ کو آپ کے سپرد کیا کہ آپ ان کو پیغمبرؐ کے بعد اپنے ہمراہ مدینہ میں لائیں۔

۴۔حضرت زہرا جو کہ پیغمبرؐ کی چہیتی بیٹی تھیں، انہیں پیغمبرؐ نے آپ کے عقد میں دیا۔

۵۔تمام جنگوں میں آپ صف اول میں رہے اور بعض جگہ آپ صاحب لواء منتخب ہوئے اور ان میں آپ نے مردانگی اور شہامت وشجاعت کا مظاہرہ کیا۔

۶۔۹ھ ق ایام حج میں سورہ برأت سنانے کے لیے اللہ نے آپ ہی کو منتخب کرنے کا حکم دیا چنانچہ امیر حج ابو بکر کے ہونے کے باوجود سورہ برات کا اعلان آپ سے کروایا گیا۔

۷۔جنگ تبوک کے موقعہ پر نبی کریمؐ نے آپ کو دوبارہ اپنے اہل خانہ پر امین اور مدینہ میں آپ کو اپنا جانشین قرار دیا۔

یہ ایسے اعزازات وافتخارات، فضائل ومناقب اور امتیازات ہیں جو دیگر برجستہ اصحاب کو حاصل نہیں ہوئے ہیں۔

خلفاء راشدین کے مواخذے:

خلیفہ اوّل اور دوّم کے کردار و موقف کے متعلق بعض لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ غم وغصہ پایا جاتا ہے کیونکہ ان کے بقول انہوں نے حضرت علی کو جو ہر حوالے سے اس منصب کے لئے لائق وسزاوار تھے اس حق سے محروم رکھا، مزید برآں کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ کی دختر گرامی حضرت زہراء نے ان سے ناراضگی کی حالت میں وفات پائی اور اس حوالے سے دیگر ناگوار واقعات بھی ہیں۔اس سلسلہ میں تاریخی نقولات تسلی بخش نہیں، کیونکہ خلفاء کے بعض مخالفین اس میں بہت کچھ آئے دن اضافہ کرتے رہے ہیں بلکہ انہوں نے اس کو خلفاء کے خلاف ایک مہلک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا نیز اس کی پاداش میں ان پر سبّ وشتم کو رواج دیا ہے ایک تو انہوں نے غیر مستند الزامات لگائے اور ساتھ ہی ان پر سبّ وشتم کو رواج دیا حالانکہ یہاں ان پر واجب تھا کہ وہ علی وحضرات حسنین اور بنی ہاشم کی سیرت پر چلتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اُمت کیلئے اس قسم کے مسائل میں الجھنے سے نہ تو انہیں کوئی دنیاوی یا اخروی فائدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کے مسائل حل ہونگے بلکہ مسلمانوں کیلئے مزید مصائب اور ان کے درمیان خلیج پیدا ہوگی، یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کہ بی بی ان سے ناراض چلی گئی ہیں کیونکہ علی سے زیادہ بی بی کی رضایت وخوشنودی کا پاس رکھنے والا کوئی نہیں ہوسکتا، اس بات میں کوئی وزن نہیں، یہ بات صرف جذبات سے کھیلنے کیلئے کہی جاتی ہے، یا یہ کہنا کہ علی اُس وقت مجبور تھے، ہم مجبور نہیں، شاید اس وجہ سے آپ یہ بات کہتے ہیں کہ آپ کے دوش پر اسلام کی کسی چیز کی پاسداری کرنے کی ذمہ داری نہیں، اس طرح آپ ان ذمہ داریوں سے فرار کرنا چاہتے ہیں جو حضرت علی کے دوش پر سنگینی اختیار کیے ہوئی تھیں جن کی فکر میں علی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔یہ ایک بے بنیاد اور باطل فکر ہے کہ ہم مجبور نہیں بلکہ آج ہم اُن سے زیادہ مجبور ہیں۔یہ بات سب کیلئے طے ہونی چاہیے کہ اس مسئلہ کی تحقیق کے بغیر کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا جب مولی علی اور بی بی زہراء دونوں نے اپنی مصیبتوں کو بالائے طاق رکھ کر اور اپنے غم وغصہ کو اسلام پر قربان کر کے اسلام کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے تو ان کے چاہنے والوں کا دین ومذہب کے نام سے مختلف حیلے بہانوں سے اور آئے دن مختلف شکل وصورت میں ان کے غم وغصہ کو اپنے مفادات کے پیش نظر تازہ دکھانا ان سے محبت کرنے کی نشانی نہیں بلکہ یہ ان کی سیرت سے انحراف اور اسلام سے لاتعلقی اور دشمنی کے مترادف ہے، کیوں کہ حضرت علی نے اور ان کے اصحاب نے حضرت ابو بکر کی بیعت سے انکار کرنے کے کچھ وقت گزرنے کے بعد حضرت ابو بکر کی بیعت کی اور نہ صرف ان کی بیعت کی بلکہ اپنے مشورے اور معاونت دینے سے بھی دریغ نہیں کیا حتیٰ کہ علی کے برجستہ ساتھی واصحاب حضرت عمر کے دور میں اسلامی مملکت کے مختلف مناصب پر رہے، یہ اصحاب حضرت علی کے ساتھ جنگوں میں جان فدا کرنے والوں میں سے تھے۔

خلیفہ دوّم نے اپنے دور میں بہت سی چیزیں اضافہ کی ہیں جن میں سے ایک ۱۴ہجری سے ''رمضان المبارک'' کی راتوں کو مستحب نماز ''تراویح'' کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی سنت ہے اس وقت علماء اہل سنت کے آئمہ جماعت کی بنیادی شرط تراویح پڑھنے کی صلاحیت واستعداد ہے۔

خلفاء کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے سلسلہ میں برادران اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع ایک دوسرے پر نقد وانتقاد کرتے ہیں ایک گروہ آئمہ کو غلطیوں سے پاک اور دوسرا اصحاب وخلفاء کو غلطیوں سے پاک گردانتا ہے، بعض نے بنی امیہ اور بعض نے فاطمیوں کو غلطیوں سے پاک اور بعض دیگر نے فقہاء مجتہدین کو معصوم از خطاء گردان کر انہی کو قرآن اور سنت محمدؐ سے متضاد ومتصادم اور اہل مغرب اور غیر مسلموں کی سوچ وفکر سے موافق وہم آہنگ فتاوٰی صادر کرنے کے مواقع فراہم کیئے ہیں۔انہوں نے ان پر نقد وانتقاد کرنے والوں سے بیزاری کے اظہار کے ساتھ بے دردی سے انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا اور بعض نے ان کی غلطیوں کو تسلیم کرنے کے بعد انہیں مواخذے سے مستثنٰی گردانا ہے، یہ سلسلہ مسلسل ابھی تک وسیع پیمانے پر جاری ہے۔سیاسی میدان میں پہلے صدر مملکت اور وزیر اعظم اور پھر ہر وزیر کو حق استثنٰی دیا گیا۔قیادتِ عسکری اور عورتیں اور بچے پہلے سے مستثنٰی ہیں، عدالت کے لئے تو ناممکن ہے کہ وہ غلطی کرے بلکہ انہیں غلطی کا مرتکب ٹھہرانے والوں کے لیے توہین

عدالت کے زمرے میں سزا ہے۔ یہاں ہر جگہ قیادت مواخذے سے آزاد ہوتی ہے چنانچہ اجتماعی میدان اور ہر گلی کوچے سے اٹھنے والی ہر چھوٹی بڑی قیادت کو معصوم کے طور پر متعارف کروایا جاتا ہے ان کے بعد فقہاءِ مجتہدین کو دیکھیں تو ان کی غلطیوں پر تنقید تو دور کی بات ہے ان کی غلطیوں کیلئے تو اجر بھی معین کیا گیا ہے لیکن یہاں یہ لوگ مواخذے سے متعلق نبی کریمؐ کا یہ فرمان بھول جاتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ میری بیٹی بھی اگر چوری کرے تو سزا پائے گی، اس بات کی تصدیق میں سورۂ احزاب کی آیت ۳۰ ملاحظہ فرمائیں "اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کی مرتکب ہوگی تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے" اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی مواخذے سے بری نہیں ہے۔ یہ حقائق جو تاریخ میں ثابت شدہ ہیں، ان کا ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خلفاء کی غلطیوں کا مواخذہ نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ بنی امیہ کے بعض علماء نے اپنے دور کے خلیفہ کو مطمئن کیا تھا کہ آپ حضرات سے حساب نہیں ہوگا اس صورت میں خلفاء کا مقام پیغمبرؐ سے بالاتر ہونا لازم آئے گا، اگر کہیں کہ غلطیاں ہوتی ہیں لیکن ان سے ان کی غلطیوں کی باز پرس نہیں ہوگی اس کا مطلب دو میں سے ایک ہوگا۔

۱۔ ان پر کوئی شرعی تکلیف یا شرعی فریضہ عائد نہیں ہوتا۔

۲۔ ان پر بھی قرآن وسنت نے فرائض عائد کیے ہیں لیکن ان کی مخالفت یا ان پر عمل نہ کرنے سے یا غلطی کرنے پر ان سے حساب نہیں ہوگا۔ گویا کہ انہیں استثنیٰ حاصل ہے، یہ باتیں قرآن وسنت کے صریح خلاف ہیں۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ مواخذہ جو کیا گیا ہے واقعاً ان پر عائد ہوتا ہے یا نہیں مثلاً اہل مدینہ نے حضرت عثمان کا مواخذہ کیا ہے کہ انہوں نے خلیفہ اوّل اور دوّم کی سیرت سے تجاوز وانحراف کیا ہے، یہ مواخذہ درست نہیں کیونکہ خلیفہ بننے کے موقعہ پر یہ جو شرط عبدالرحمٰن بن عوف نے ان پر لگائی تھی اور حضرت عثمان نے اسے قبول کیا تھا، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، چنانچہ یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

طغیان وبغاوت کیوں کوفہ ومصر سے نکلی:

حضرت عثمان کے خلاف آوازیں تو مدینہ سے اٹھیں کیونکہ مدینہ والے حضرت عثمان کے دور سے پہلے تین ادوار کے شاہد تھے دور رسالت حضرت محمدؐ اور دور خلافت ابوبکر وعمر لیکن انہوں نے عثمان کے دور میں خلیفہ سے وابستہ افراد کی عیش ونوش اور تکبر وغرور کے علاوہ بعض احکام شرعیہ میں تساہل کو دیکھا اور بعض اصحاب کی عیش وعشرت دیکھی انھیں سب سے زیادہ ناگواری اس بات پر تھی کہ حضرت عثمان نے اقرباء پروری کی ہے یعنی اپنے عزیزوں کو مناصب دیئے ہیں لیکن اس پر ان کا کوئی مواخذہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی کوئی منطق نہیں بنتی کہ کسی اہل رشتہ دار کو عہدہ نہ دیا جائے چنانچہ حضرت علی نے یمن میں عبیداللہ بن عباس اور مدینہ میں اپنے بھائی عقیل کو والی بنایا تھا لیکن حضرت عثمان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مجرمین کو مناصب دیئے، حضرت عثمان کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن سرح جیسے خائن اسلام، ولید بن عقبہ ومروان کو والی بنایا ہے۔ بعض نے حضرت عمر بن خطاب کے کچھ فیصلوں کو قابل مواخذہ بتایا ہے جو انہوں نے اپنی مصلحت اور اپنی صوابدید کے تحت کیے تھے لیکن جب آپ یہ حق اپنے دور کے مجتہد کو دیتے ہیں تو کیوں عمر بن خطاب کو اس سے محروم کرتے ہیں، بات کریں، ایک بات کریں کہ تبدیل شریعت محمدؐ کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں چاہے کوئی صحابی ہو، آل رسولؐ ہو یا مجتہد ہو، دیکھنا یہ ہے کہ یہ حق کس نے اور کہاں سے دلایا ہے۔ اس کی وجہ دو وجوہات تھیں ایک یہاں قادسیہ اور فارس کے لشکروں کی قیام گاہ تھی انہیں ان جنگوں میں حاصل غنائم جنگی سے ان کی زندگی میں کچھ تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔

دوسری یہاں فارس میں ہزیمت خوردہ عیش ونوش کرنے والے اعیان کے فرزند تھے انہوں نے اسلام کو سمجھ کر نہیں بلکہ جان بچانے کی خاطر اسلام قبول کیا تھا یہ لوگ اسلام کے خلاف باتیں بنا کر پھیلاتے تھے۔ نیز مجاہدین اسلام اب رفتہ رفتہ مجاہدین غنائم خور بن چکے تھے۔

فضائل ومعیار فضیلت صدر اسلام کی جگہ معاشرے نے جاہلیت، کثرت مال ودولت، عیش ونوش اور اسراف وتبذیر کو اپنایا ہوا تھا نیز وہ پناہ گاہ معارضین ومرافقین بھی بنے ہوئے تھے۔ گرچہ وضاعان وساختگان روایات، کوفہ کے فضائل ومناقب کو مافوق کعبۂ مکہ یا ان کے برابر تک لے گئے چنانچہ کتاب تاریخ کوفہ تالیف سید حسین براقی میں ملاحظہ کرسکتے کہ جو فضائل ومناقب کوفہ کے مولف کتاب نے کوفہ کے بارے میں لکھے ہیں وہ سب کتاب اخبار مکہ ازرقی مکی نے کعبۂ مکہ کے لئے نقل کیے ہیں جنہیں مولف نے کعبۂ مکہ کی جگہ کوفہ ومسجد کے نام سے بدلا ہے لیکن علماء ومحققین نے ان فضائل کو کوفہ کیلئے تسلیم نہیں کیا بلکہ مسترد کیا ہے لیکن یہ ان کا پیشہ وہنر وکسب

ہے کہ وہ زیر کو زبر اور زبر کو زیر یا زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیتے ہیں جس کی وجہ سے خلق اللہ گمراہ ہوتی ہے لیکن حقائق و معاشرہ اور قرآن و تاریخ نہیں بدل سکتے ہیں، کوفہ ہمیشہ مرکز فساد و فجور منافقین رہا ہے۔

کیا یہ کوفہ ہی نہیں ہے جہاں کتنے سال زیاد بن ابیہ خونخوار جلاد اور اسکے فرزند عبید اللہ، اسی طرح حجاج بن یوسف سفاک اور مختار ثقفی فاسد العقیدہ نے حکمرانی کی ہے کیا یہاں اس شہر کے دروازے پر حسین بن علی قتل نہیں ہوئے۔ان کوفیوں نے بہت سے عباد الصالحین کو دھوکہ دیا ہے جن میں سرفہرست علی بن ابی طالب ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب:

حضرت علی کے دور خلافت کے مؤرخین نے بھی مواخذے کی یادداشتیں رقم کی ہیں لیکن یہ یادداشتیں چند پہاڑوں سے ٹکراتی ہیں:

۱۔فضائل و مناقب غیر متنازع علی جن میں دیگر خلفاء شامل و شریک نہیں تھے مثلاً شب ہجرت وہ رسول اللہ کی روانگی کے بعد امانتوں کے امین تھے۔جنگ خیبر میں رسول اللہ کے فرمان کے مطابق اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو جھنڈا دیا گیا تھا۔

نو ہجری کو حضرت ابو بکر کے امیر حجاج ہونے کے باوجود اعلان برائت مشرکین کیلئے علی کا انتخاب ہونا، عہد و پیمان رسول اللہ کا اعلان، پھر تبوک کے موقع پر رسول اللہ کے اہل خانہ کے لئے امین انتخاب ہونا، داماد رسول اللہ ﷺ وہ بھی زہراء جیسی ہستی کا شوہر ہونا امتیازات علی میں سے ہیں جن میں کوئی اور شریک نہیں اور نہ کوئی ان کے برابر صفات کا حامل تھا اور نہ ہی کسی دوسرے نے ایسا دعویٰ کیا۔

۲۔لیکن لشکر ابرہہ غلات نے تاریخ میں قلم عدالت چلانے کے خواہشمندوں اور بے حیثیت لوگوں کے لیے آپ کا منصوص من اللہ ہونا یا بقول دیگر معصوم ہونے جیسے بلند پہاڑ کھڑے کئے ہیں جو متلاشیان حق کے لئے مانع ہیں ورنہ علی بھی انسان تھے۔علی مذکورہ بالا صفات میں ممتاز کیوں نہ ہوں وہ خطاء اور لغزشوں سے پاک اور مبراء نہیں ہو سکتے ہیں چنانچہ ان کے چچا حضرت عباس نے حضرت عمر کی انتخاب کردہ شوریٰ میں ان کے شریک ہونے کو غلط ٹھہرایا تھا، اسی طرح قتل عثمان کے بعد خلافت قبول کرنے کو ان کے فرزند امام حسن اور ابن عباس نے اشتباہ قرار دیا تھا۔شریف رضی نے علی کو بعض افراد سے چندین بار دھوکہ ہونے کا ذکر کیا ہے چنانچہ آپ کو قیس بن سعد کو مصر کی ولایت سے ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو والی بنانا پڑا۔مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی پر اعتماد کیا لیکن وہ فرار ہو کر معاویہ کے پاس چلا گیا وغیرہ وغیرہ۔

فضائل و مناقب علی:

کتاب محمد رضا صفحہ ۲۳ پر آیا ہے کہ جنگ بدر اور دیگر جنگوں میں جہاں کہیں دیگران کے لئے خطرہ محسوس کیا، وہاں پیغمبر اسلام ﷺ علی کو بھیجتے تھے۔نبی کریم نے حضرت علی سے فرمایا ولید بن عتبہ سے مبارزہ کریں چنانچہ آپ اس کے مقابل میں گئے، مبارزہ کیا اور اسے قتل کیا۔جنگ احد میں طلحہ بن عثمان سامنے آیا اور کہا اے معشر اصحاب محمد تمہارا گمان ہے کہ تمہاری تلواریں ہمیں جہنم بھیج دیں گی اور ہماری تلواریں تمہیں جنت بھیج دیں گی، آیا تم میں سے کوئی ہماری تلوار سے جنت جانا چاہتا ہے تو اس وقت علی اس کے مقابلے اور مبارزہ کے لئے نکلے اور فرمایا کہ میں تمہیں جلد از جلد جہنم بھیج دوں گا یا خود کو تمہاری تلوار کے ذریعے جنت لے جاؤں گا، اتنی بات کہنے کے بعد علی اس کے اوپر ٹوٹ پڑے اور ان کو گرایا یہاں تک کہ اس کی عورت مکشوف ہوئی تو اس نے فوراً علی سے رحم کی درخواست کی تو علی اس کو چھوڑ کے آگے آئے، علی نے اس جنگ میں ان کے تین پرچمداروں کو واصل جہنم کیا، رسول اللہ جہاں کہیں قریش کا کوئی ٹولہ دیکھتے تھے، علی سے فرماتے تھے، ان پر حملہ کریں چنانچہ علی نے قریش کے بڑے بڑے شجاع اور پرچم دار افراد کو واصل جہنم کیا۔

اسی طرح جنگ احزاب میں جب صنادید قریش نے خندق پار کر کے مبارزہ کے لئے آواز بلند کی تو اس وقت مسلمانوں پر ایک دہشت و وحشت طاری ہوگئی تو ایک گروہ اصحاب علی کی معیت میں نکلا اور پہلے ان کے خندق سے عبور کرنے کے راستے کو کاٹا اور پھر ان سے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے، ان کے مقابل میں آنے والا مغرور و مشہور کافر عمرو بن عبدود تھا جو کہ جنگ بدر میں زخمی ہونے کی وجہ سے احد میں نہیں آیا تھا وہ اس عیب و عار کو دھونے کے زعم میں آیا تھا، وہ مبارزہ و مقابلہ کے لئے للکار رہا تھا تو علی نے اس سے کہا تم اپنے مبارز کو ہمیشہ دو چیزوں میں سے ایک چیز کے انتخاب کا حق دیتے تھے، میں بھی دو میں سے ایک کے انتخاب کا حق دیتا ہوں، پہلے تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو عمرو بن عبدود نے کہا مجھے تمہارے اسلام کی حاجت نہیں لیکن میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا ہوں تو علی نے کہا

کیوں، کہا میرا دل نہیں مانتا کہ تم کو قتل کروں تو علی نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ تم کو قتل کروں، یہ سننا تھا کہ عمر بن عبدود نے اپنے گھوڑے کے پاؤں کو کاٹا یا اس کو مار کر دور کیا اور علی کے مقابلے میں آیا علی اور عمرو بن عبدود میں ضربت میں تبادلہ ہوا تھوڑے مقابلے کے بعد اس کو گرایا اور قتل کیا جس کی وجہ سے قریش پر شکست چھا گئی، اسی طرح جنگ خیبر میں بعض اصحاب کی مسلسل ناکامی کے بعد حضرت محمدؐ نے فرمایا کل میں اس کو پرچم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہو اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہوں تو دوسرے دن پرچم کو علی کے ہاتھ میں دیا۔

فضائل امام علی میں سے ایک یہ مشہور کیا گیا ہے کہ آپ علم غیب کے حامل ہیں ۱۴۳۴ھ کو مسجد جامع امام صادق میں ملک کے مایہ ناز عالم محترم نجفی صاحب نے امیر المومنین کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا آپ کے فضائل میں سے ایک آپ کی کتاب امام علی ہے جس کے مندرجات یا تفسیر میں آپ نے فرمایا ہے اس میں علم اولین وآخرین ہے یہ جامع کل حوادث وواقعات الی یوم القیامہ ہے۔ آپ ذوات کو جب کبھی کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آتا تھا یا پیچیدہ سوال تو آپ اس کتاب میں دیکھتے اور جواب دیتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کتنے من چمڑے پر لکھی ہوئی تھی کیونکہ عالم محدود کے حامل صاحب بن عباد کی کتابوں کے وزن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ کوئی چالیس سے زیادہ اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں یہاں تو غیر محدود علم کی بات ہو رہی ہے اس کیلئے تو سینکڑوں نہیں ہزاروں اونٹ چاہیے تھے آپ وہ کہاں رکھتے تھے، ہمیں ان کے اندر موجود علم کے بارے میں سوال تو چھوڑیں ہمیں اس وقت اتنے علم کی حامل کتاب کا کتنا وزن ہوگا اور وہ کتنے وزن کے چمڑے پر لکھی گئی ہوگی یہ سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے، پھر عالم محترم کا فرمان ہے کہ آپ کے نہ سمجھنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے کیا اس وقت کے لوگ بھی نہیں سمجھتے تھے، عرض ہے اس زمانے کے لوگوں نے تو یہ کتاب دیکھی ہوگی ان میں سے کس کس برجستہ صحابی نے اس کتاب کی گواہی دی ہے میری گزارش ہے کہ وہ لوگ تو سمجھتے تھے ورنہ نہ سمجھنے والے کی باتوں کی مزاحمت نہ کرتے، آپ بھی یہ باتیں سمجھتے ہیں لیکن یہ قاری نہیں سمجھ رہے، لیکن یہ علماء سمجھ نہ آنے والی باتوں کو دہرانے پر بھی نہیں شرماتے۔ یہ علماء کتنے ذہین وفطین ہیں کہ تحقیق اور دانشوری میں جو لوگ بہت منفرد وممتاز نظر آتے ہیں یہ اپنی باتوں سے انہیں بھی بے وقوف بناتے ہیں حالانکہ عام لوگ بھی ان کی اس طرح کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہیں۔

خلفاء کے فضائل ومناقب اور مطاعن روایات اور تاریخ کی روشنی میں:

خلفاء اسلام کے بارے میں وارد روایات کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت ہے قارئین جلدی جذبات میں بھی نہ آئیں تاکہ آپ اصل حقائق کو درک کر سکیں۔ ان خلفاء کے بارے میں وارد روایات کے دو حصے بہت سے اشکالات واعتراضات کی زد میں ہیں آیئے پہلے روایات کی تقسیم بندی کرتے ہیں۔

۱۔ وہ روایات ہیں جن کی ابتدا انکی دعوت اسلام کو قبول کرنے سے شروع ہوتے ہوئے ان کی وفات پر ختم ہوتی ہے۔

انہوں نے وہی کیا ہے جو دیگر مہاجرین وانصار نے کیا ہے، وہی کہا ہے جو دیگران نے کہا ہے لیکن کچھ فرق کے ساتھ، بعض نے سبقت کی ہے اور بعض نے تاخیر سے اسلام قبول کیا لیکن زیادہ تر نے کھلے دل اور کھلے چہرے کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے جو دیگران کے لئے بھی نمونہ وسبب ہدایت تھا، وہ بھی عام لوگوں کی طرح حوادث زمانہ کی زد میں تھے بعض سستی دکھانے کی وجہ سے بہہ گئے اور بعض نے استقامت دکھائی۔

۲۔ وہ فضائل ومناقب جو ان کی شان میں نقل ہوئے ہیں جیسے کتاب عشرہ مبشرون اور صاحب مدینۃ المعاجز اور بحار الانوار سے نقل کیا گیا ہے

۱) فضائل ومناقب علی میں بیان ہوا ہے ”میں اور تم نور واحد سے ہیں“ علی کی نماز کیلئے سورج کو پلٹایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ، ان احادیث میں حضرت عمر یا علی کو نبوت کے برابر یا نبوت کا شریک گردانا گیا ہے، ان روایات میں فرقہ باطنیہ کو ثابت کیا گیا ہے۔

۲) کرامات اور معجزات دونوں مترادف الفاظ ہیں دونوں کی حقیقت ایک ہے یہ خارق عادت اعمال ہیں، انہیں عام عادی انسان انجام نہیں دے سکتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے عنایت ہے لہٰذا معجزہ کے بارے میں کہتے ہیں دوسروں کو اس جیسا عمل لانے کی بطور تحدی دعوت دی گئی ہے، اگر یہ فعل کسی مدعی نبوت سے صادر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اگر ولی سے صادر ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں لیکن دونوں کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ دونوں خارق عادت اور خارج از قانون طبیعت ہیں یہ دونوں وضاحتیں اکثر وبیشتر علماء ومحققین کی طرف سے بیان ہوتی ہیں لیکن بہت سے علماء کو کرامت اور معجزے کے درمیان فرق پر اعتراض ہے ان کا کہنا ہے طبیعت مخلوق یہ

ہے کہ اس میں تغیر یا تبدیلی بلاسبب ناممکن ہے ہر طبیعت کی ایک خاصیت ہوتی ہے جیسے آگ کی طبیعت احتراق اور جلانا ہے اس کے احتراق کو اس سے سلب نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح پانی کی طبیعت سیلان ہے اس کی سیلانیت کو کوئی نہیں روک سکتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے چندین آیات میں اس تغیر یا تبدیلی کو ناپذیر بتایا ہے اس میں تغیر یا دگر کوئی کسی کے لئے ممکن نہیں سوائے اس ذات کے۔ یہاں اس طرح کا فرق رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ یہ اجازت یا قدرت اللہ نے بعض خاص بندوں کو عنایت کی ہے، وہ ایسا کرسکتے ہیں ہمارا سوال یہ ہے کہ جب قانون تغیر وتبدل کو ناپذیر بتایا گیا ہے تو اس میں استثنا یا ترمیم کیوں اور کس منطق کے تحت ہوئی ہے اور اس کی کیا ضرورت پیش آئی، یہ اجازت کسی اور کو بھی دیں جو کہ انبیا کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ناگزیر تھی۔

کیونکہ انبیاء نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اس اعزاز میں شرکت بہت سوں کی خواہش وتمنا یا مقابلہ میں تو ہو سکتی ہے لہٰذا صادق و کاذب میں تمیز کرنے کے لئے ایک نشانی جو دیگران پیش نہ کرسکیں انبیاؑ کے پاس اللہ کی طرف سے معجزے کی شکل میں ایسی کسی نشانی کا ہونا ضروری تھا لہٰذا انبیاؑ کے علاوہ جو بھی ہو چاہے ولی ہو، صوفی، قادری، ہجویری، قلندر یا بڑا امام ہو یا رسول پاکؐ کے جانثار حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان یا حضرت علی یا امام حاضر ہو یا غائب، زندہ ہو یا عالم ارواح میں، ان کے لئے یہ قدرت حاصل ہونے کی کوئی منطق عقلی وشرعی نہیں بنتی، یہ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے انکا اپنا گھڑا ہوا ہے اور یہ سب تصور نبوت کو عمومیت دینے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ گویا کہ انکے نزدیک نبوت ایک ایسا منصب ہے جو چند روز کی ریاضت سے اور تہجد یا چلہ کاٹنے اور روزے رکھ کر حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق ایک ان پڑھ کربلائی بھی ایک رات میں حافظ قرآن بن سکتا ہے چنانچہ ان چند سالوں میں ایرانی شیعوں نے چند دنوں کی شب بیداری کرنے کے بعد قرآن الہام ہونے کا دعویٰ کرنے کا ڈرامہ رچایا ہے۔ یہ تمام روایتیں صوفیوں کی شطحیات اور ان کی خود ساختہ ہیں اور انہیں خیانت کاروں نے حدیث قدسی سے باندھا ہے جبکہ ان کی سند کو سب نے مسترد کیا ہے۔

۳۔ ایک قسم کی روایات وہ ہیں جن میں خلفاء کے مطاعن آئے ہیں جن میں سے بعض کو ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں بیان کیا ہے بعض کتاب بحارالانوار مجلسی میں آئے ہیں بعض مطاعن کے مضامین کچھ اس طرح سے ہیں کہ یہ لوگ ظالم وغاصب فرعون ونمرود اور شداد سے بھی بدتر ہیں چنانچہ یہاں ۹ ربیع الاوّل کو عید زہراء کے نام سے ہر قسم کے بیہودہ گناہ کرتے ہیں عید زہراء سے ان کی مراد حضرت زہرا کی ابن خطاب کے بارے میں نفرین قبول ہونے کا دن ہے۔

۲۔ ۲۰ جمادی الثانی کو حضرت ابوبکر کی وفات کا دن ہے اس میں دسترخوان امام کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۳۔ ۲۲ رجب کو معاویہ کی وفات کا دن ہے اس میں امام صادق کی نیاز کے نام سے کونڈے کرتے ہیں اس کے لیے یہ لوگ ہزاروں اقسام کے جھوٹ بولتے ہیں پھر بھی داعیان اتحاد ان کی چھتری میں رہتے ہیں۔

اگر ہم ان دونوں روایات مناقب ومطاعن کو فرقہ کے جنجال سے نکال کر علم وتحقیق اور اہل دانش کے محضر میں لیجائیں اور ان سے التماس کریں کہ ان دونوں اقسام کی روایات میں موجود تضاد کا حل نکالیں تو اس سلسلے میں ہمارے پاس دو گروہ علماء ہیں ایک میدان تحقیق جداگانہ میں بعض سیاست شناس ہیں دوسرے شریعت شناس فقہاء ہیں۔ دونوں کے پاس حقیقت شناسی کے لئے کوئی ثابت اصول نہیں ہیں، دونوں گروہ نظریہ سوفسطائیزم اور مارکس ازم پر چلتے ہیں ان کا کہنا ہے دنیا میں کوئی حقیقت نامہ نہیں، سب متغیر ہے، سیاست دانوں کا کہنا ہے سیاست میں کوئی چیز حرف آخر نہیں ہے جبکہ علماء اعلام کا کہنا ہے کہ وقت وحالات کے تحت فقہاء کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شریعت میں تغیر وتبدیلی وترمیم کریں، ان کے نزدیک دونوں صحیح ہیں مطاعن بھی صحیح ہیں اور مناقب بھی اور مناقب ومداح والی روایات کے تحت آپ ان کو خلیفہ مسلمین کہہ سکتے ہیں اور مطاعن والی روایات کے تحت ان کو سبّ وشتم کے تیر کا نشانہ بنا سکتے ہیں۔ کتاب الامام علی رابع الخلفاء الراشدون تالیف محمد رضا ص ۱۶۴ پر آیا ہے حضرت علی کو خبر دی گئی کہ بعض لوگ معاویہ اور اہل شام کو لعن کرتے ہیں تو آپ نے کہا ان کو اس عمل سے منع کرو تو انھوں نے حضرت علی سے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں تو حضرت نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! ہم حق پر ہیں لیکن میں تمہارے لیے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو۔ اگر تم ان کے کرتوت اور ان کے صحیح حالات کو پیش کرو تو یہ ایک ٹھکانے کی بات ہوگی اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریقہ کار بھی ہوگا۔ تم گالی گلوچ کی بجائے یہ کہو کہ بارالٰہی ہمارا خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی، اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تاکہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی وسرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔ (خطبہ۔ ۲۰۴) لعن وسب وشتم کے بارے میں علی کا یہ کردار تھا، اب آتے ہیں لعن اور سبّ کے بارے میں معاویہ کا مذہب کیا ہے۔

معاویہ اور سبّ علی:

سبّ معاویہ بہ علی کتاب شرح نہج البلاغہ ابن الحدید ج ۴ ص ۵۶ پر آیا ہے خطبہ ۵۷ میں فرمایا ہے ’’الا وانہ سیائمر کم بسبی والبرائۃ منی ‘‘معاویہ نے منابر اسلام سے سبّ علی کی سنت قائم کی یہاں تک کہ بعض بنی امیہ نے معاویہ سے کہا آپ کی سلطنت وحکومت مستحکم ہو چکی ہے اب اس شخص کو لعن وسبّ وشتم کرنا چھوڑ دو تو معاویہ نے کہا نہیں، جب تک چھوٹے جوان اور جوان بوڑھے نہ ہو جائیں اور ان کے نام لیوا ختم نہ ہو جائیں، یہ بند نہیں ہوگا۔ معاویہ اسے قربت کیلئے ایک وسیلہ و ذریعہ سمجھتا تھا چنانچہ خالد قسری جب عراق میں والی تھا تو حضرت علی کو اس طرح سے لعن کیا اللھم العن علی ابن ابی طالب داماد رسول للہ والد حسن وحسین، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کیا ہم نے لعن میں کنیت کو استعمال تو نہیں کیا، یہ سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا یہاں تک کہ عمر بن عبد العزیز نے اس سے منع کیا۔ یہ تھا علی سے معاویہ کے بغض وعناد کا ایک مظہر۔

۱۔ اصحاب نے جب غلطیاں کیں تو فتنہ برپا ہو گیا اور خلافت رشدیت سے نکل کر ملوکیت میں گئی تو انہیں اصحاب کو ان سے در جہا بدتر کے سامنے خاضع ہونا اور انہیں امیر المومنین کہنا پڑا۔ جب علماء نے ان کی غلطیوں کو چھپا کر سب کے نام پر رضی اللہ عنہ کا تاج رکھا تو دین فسطائیت میں ڈھل گیا اور آج علماء کو ندامت کا تاج پہننا پڑا۔

۲۔ اگر علماء ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہیں جوڑتے اور نہ ان پر لعن وسبّ وشتم کرتے اور ان کی تاریخ کو جوں کی توں صفحاتِ کتب میں بحث وتحقیق کے لئے کھلا رکھتے تو شاید ان سے منصوب بہت سی غلطیاں اور موبقات غلط ثابت ہوتیں اگر فرض کریں کہ ان پر لگائے گئے بعض الزامات صحیح بھی ثابت ہو جاتے تو اس سے دین کا کوئی ستون نہ بگڑتا تھا نہ گرتا تھا۔ انہوں نے تنہا اصحاب کی غلطیوں کے دروازے کو بند نہیں کیا بلکہ بعد میں آنے والے علماء پر بھی نقد واعتراض کو جرم قرار دیا ہے اس وجہ سے فسطائیزم نے رواج پایا ہے چنانچہ ان کے نزدیک کعبہ کے احترام میں مکہ سے باہر نکلنے والے حسین بن علی بھی رضی اللہ عنہ اور کعبہ پر منجنیق سے گولے برسانے والے بھی اور آپ کو قتل کرنے والوں کو بھی رضی اللہ عنہ کہنا سنت قرار پایا ہے۔

۳۔ وہ آیات ہیں جن میں ان خلفاء کے ایمان وہجرت، جہاد، انفاق، اور اذیت ومشقت پر صبر وتحمل کا ذکر ہے، بتائیں کیا یہ سب جھوٹ ہے یا اس میدان میں ان سے پیش پیش دوسرے افراد تھے آیا پوری امت میں صرف ان خصوصیت کی حامل واحد شخصیت حضرت علی کی ذات تھی، کیا وہی اوّل وہی آخر تھے یہ کیسا اغفال واغماء چشم چرائی اور چشم بندی جیسا ساحرانہ کردار ہے۔

سیاستمداران صدر اول اسلام:

ان سے مراد ہماری ان شخصیات کا تعارف کروانا ہے جنھوں نے نبی کریمؐ کی وفات کے بعد امت اسلام کی قیادت ورہبری کی ذمہ داری سنبھالی، جن میں سے بعض خلیفہ بنے ہیں اور بعض نے خلیفہ بنانے میں کردار ادا کیا ہے یا کسی علاقے کے والی یا قاضی یا سربراہ جیش بنے ہیں، ان میں سے چار خلفاء کا ذکر ہم نے کیا ہے جو باقی ماندہ ہیں ان کا بھی ذکر ضروری ہے پہلے ہم ان اصحاب کے بارے میں وارد تناقضات وتضادات مناقب ومطاعن کا جائزہ لیں گے جن کی وجہ سے آج مسلمان بہت سے مسلمہ دشمنان اسلام سے لڑنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں اب وہ امت جو ایک زمانے میں کسریٰ وقیصر کے ایوانوں میں پرچم اسلام لہرانے والی تھی، اب اس امت کے ایوانوں میں انہی کے پرچم لہرانے لگے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی متناقض ومتضاد مناقب ومطاعن بنے ہیں، دیکھتے ہیں، ان شخصیات کا ذکر کریں گے جنھیں اُس وقت امت نے منصب خلافت ودیگر عہدوں کیلئے لائق وسزاوار قرار دیا تھا، احادیث مرویات میں انہیں اصحاب کہا گیا ہے اور قرآن نے انہیں مہاجرین وانصار کہا ہے۔

دین اسلام میں انصار ومہاجرین کے امتزاج وآمیزش اور شیر وشکر کی مانند اختلاط کو اصطلاح اسلامی میں اصحاب کہا جاتا ہے، وہ جنھوں نے اپنی بلوغت سنی و عقلی رشد میں نبی کریمؐ کی زیارت کی ہو انہیں اصحاب کہا جاتا ہے یقیناً ہجرت یا نبی کریمؐ کی معاونت ومیزبانی کرنے والے قابل قدر ہیں، صاحب فضیلت ہیں، امت پر برتری رکھتے ہیں لیکن قرآن کریم اور نبی کریمؐ نے ان اصحاب کو جن کی تعداد نبی کریمؐ کی وفات کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زائد گنی جاتی ہے، ان سب کو یکساں وہم مرتبہ نہیں گردانا ہے اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ ایک قسم کا اصحاب کے بارے میں غلو ہے اور جہاں غلو ہوگا، وہاں اسلام وقرآن وسنت سے انحراف ہوگا، غلو سے

قرآن نے سختی سے منع کیا ہے، قرآن اور پیغمبرؐ نے تمام اصحاب کو یکساں نہیں گردانا ہے بلکہ اصحاب کی بھی طبقہ بندیاں کی ہیں، ایک طبقہ رتبے میں دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ اصحاب کے کیا مراتب و درجات ہیں۔

دعوت وفروغ واشاعت اسلام میں اصحاب کرام کا کیا مقام ومنزلت رہی ہے، یہ اہم ترین اسلامی ابحاث میں سے ہے یا یہ تاریخ اسلام کا ایک ستون ہے لیکن نبی کریمؐ کے بعد سے الی یومنا ھذا مسلمان اصحاب کے نام سے افراط وتفریط کا شکار ہوئے ہیں، بعض نے اصحاب کو فرعون و ہامان، کوربا چوف سے تشبیہ ونسبت دی ہے اوران کی خدمات وفدا کاری کو نظر انداز کیا ہے، اس کے بالمقابل میں بعض نے اصحاب پرستی واصحاب گرائی یہاں تک کہ اصحاب کو حجت اللہ اور برابر نبوت گردانا ہے اور بعض نے تمام اصحاب کو من حیث اصحاب رتبے میں سب کو یکساں برابر گردانا ہے جو کہ ایک ناانصافی ہے کیونکہ علماء اعلام نے اصحاب کے طبقات بتائے ہیں، وہ ان میں امتیاز کے قائل ہیں۔ اصحاب کے حق میں غلو یا بغض یا سب کو یکساں وبرابر کہنا یہ تینوں نظریات مسلمانوں کو جادۂ انحراف پر لگانے میں معاون ومددگار ثابت ہوئے ہیں چنانچہ اس بارے میں کتاب [منہج نقد فی علم الحدیث تالیف دکتور نورالدین عتر ص ۱۱۶] پر اصحاب کی تعریف میں حافظ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں۔

﴿الصحاب من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمناً به،ومات على الاسلام﴾

''ہر ایسا شخص جو پیغمبرؐ پر ایمان لایا اور آپ سے ملاقات کی اور اسلام پر رہتے ہوئے اسلام پر مرا'' وہ صحابی کہلائے گا۔

ہم اصحاب پرست ہیں اور نہ ہی لعنت پرستی کے قائل ہیں، ہم انہیں معصوم از خطا نہیں گردانتے ہیں ان کی اقتدار طلبی میں رسہ کشی، ذرطلبی اور واقعہ جمل و صفین ونہروان سے رونما ہونے والی غلطیاں تاریخی صفحات میں خط درشت میں موجود ہیں لیکن ان کی وجہ سے یہ ذوات مستحق القابات کافر وفرعون ونمرود و کوربا چوف اور نہرو و گاندھی جیسی نہیں ہوجاتی ہیں۔ اگر ہر گناہگار پر لعن وشتم کرنا ہی مذہب ہے تو باپ نافرمان وطاغی وباغی اولاد پر اور حقوق والدین ادا نہ کرنے والوں پر لعن کرے، اگر یہ طریقہ صحیح ہے تو آپ نام لے کر ملک میں جاری فحاشی وعریانی میں ملوث خواتین وحضرات اوران کی پشت پناہی کرنے والوں، گانوں، غزلوں فلموں، ڈراموں اور موسیقی کے پروگراموں کے ذریعے بے دینی وبے غیرتی اور بے حیائی کو عام کرنے والوں اور سود ورشوت جیسے گناہان کبیرہ اور کرپشن کرنے والوں پر بھی لعن کریں، بتائیں کہ تاریخ میں کونسا ایسا انسان ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو، اگر ہم لعن ہی کو دین سمجھیں گے تو یہ دین قرآن اور سنت محمدؐ سے ماخوذ نہیں ہوگا بلکہ یہ مذہب خوارج بن جائے گا۔ ہم مخصوص تعداد میں خاص اصحاب کیلئے جنت کی بشارت کے بھی قائل نہیں ہیں کیونکہ حدیث بشارت میں بھی وہی کلمات ہیں جو غالی کہتے ہیں غالیوں کے کہنے کے مطابق اب جنت دینا اللہ کے ہاتھ میں نہیں ہے کیونکہ اللہ نے شب ہجرت جنت علی کو فروخت کردی تھی، اسی طرح مبشرون جنت والے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے جنت دس بیس اصحاب کو فروخت کی ہے اس طرح نبی کریمؐ کے جانثار اور باوفا اطاعت گزار مہاجرین وانصار اصحاب میں سے صرف یہ دس افراد ہی مستحق جنت قرار پاتے ہیں، باقی کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ مبشرون جنت کی روایات آیات قرآن کے بھی خلاف ہیں۔ آیات قرآن کے تحت بعض صفات کے حامل تمام افراد جنت کے مستحق قرار پائے ہیں اور قرآن نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے، ان میں عرب اور غیر عرب گذشتہ وحاضر سب شامل ہیں، آیات ملاحظہ کریں۔

﴿لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ (آل عمران ۱۵) ''جو لوگ تقوی اختیار کرنے والے ہیں ان کے لئے پروردگار کے یہاں وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے''۔

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (نساء ۱۳) ''یہ سب الٰہی حدود ہیں اور جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور درحقیقت یہی سب سے بڑی کامیابی ہے''۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ﴾ (لقمان ۸) ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے نعمتوں سے بھری ہوئی جنت ہے''۔

﴿أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سجدہ ۱۹) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں ان کے لئے آرام کرنے کی جنتیں ہیں جو ان کے اعمال کی جزا ہیں''۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ (شوریٰ ۲۲) ''اور جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہیں وہ جنت کے باغات میں رہیں گے اور ان کے لئے پروردگار کی بارگاہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جن کے وہ خواہشمند ہوں گے اور یہ ایک بہت بڑا فضل پروردگار ہے''۔

﴿فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ ''پس تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ زندگانی دنیا کا چین ہے اور بس اور جو کچھ اللہ کی بارگاہ میں ہے وہ خیر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے گناہوں اور فحش باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کی بات کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں اور ہمارے رزق میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں''۔ (شوریٰ ۳۶ تا ۳۸)

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (محمد ۱۲) ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے اللہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی''۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ (بروج ۱۱) ''بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے''۔

قرآن کریم کے تحت نبی کریمؐ نے ہر اس انسان کو جنت کی بشارت دی ہے جو ایمان لائے تقویٰ اختیار کرے اور نیک اعمال انجام دے، ان آیات میں جن لوگوں کو جنت کی بشارت دی جارہی ہے ان کی تعداد محدود نہیں ہے اسی لئے پیغمبر اکرمؐ کو قرآن نے بشیر کہا ہے کیونکہ آپؐ قرآن و سنت پر عمل کرنے والے ہر انسان کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔

جنت کی بشارت ان آیات کثیرہ کے بھی خلاف ہے، جن میں نبی کریمؐ سے نفی علم غیب کی بات کی گئی ہے علم غیب اللہ کے لئے مختص ہے اور حسب آیات قرآن یہ مختصات الٰہی میں سے ہے اور اس میں نبی کریمؐ کا کوئی حصہ نہیں آلعمران ۱۷۹ انعام ۵۹ اعراف ۱۸۸ یونس ۲۰ ھود ۱۳ نحل ۷۷۔

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾ (احقاف ۹) ''آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نئے قسم کا رسول نہیں ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا میں تو صرف وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں اور صرف واضح طور پر عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہوں''۔

یہ خبر حکم قرآنی کے بھی خلاف ہے کیونکہ اصحاب بدر کو دیگر جنگوں میں شریک ہونے والوں پر برتری حاصل ہے بدر و احد، احزاب اور حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں اور فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لانے والوں کے درمیان ایک دیوار قائم ہوگئی ہے۔ آغاز دعوت کے موقع پر جان ہتھیلی پر رکھ کر سینہ سپر ہونے والوں کو قرآن میں سابقین کہا گیا ہے اور فتح فتوح مکہ کے بعد قوت و طاقت دیکھ کر تسلیم ہونے والوں کو مولفۃ القلوب کہا ہے، ان سب میں فرق نہ رکھنا بھی ظلم اور عدالت سے انحراف ہے۔

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص ۲۸) ''کیا ہم ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں جیسا قرار دیدیں یا صاحبانِ تقویٰ کو فاسق و فاجر افراد جیسا قرار دیدیں''۔

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾ (قلم ۳۵) ''کیا ہم اطاعت گزاروں کو مجرموں جیسا بنا دیں''۔

۱۔یہ ذوات نبوت سے اوپر ہیں یا شریک در نبوت ہیں، کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اصحاب سے اوپر جانے کی ضرورت نہیں،اس سلسلہ میں قرآن اور سنت قطعیہ سے متصادم احادیث اور اقوال علماء کے انبار لگائے گئے ہیں۔

۲۔یہ لوگ عام عادی افراد تھے دیگر اصحاب اور ان میں کوئی فرق نہیں،ایسا نہیں ہے،یہ فرق نہ کرنا بھی ظلم ہے۔

۳۔یہ لوگ مجرمین ہیں وقت کے فرعون وہامان بلکہ یہ ان سے بھی بدتر لوگ تھے،اسلام کو جتنا انہوں نے نقصان پہنچایا ہے وہ ہم بھگت رہے ہیں۔اس طرح کی باتیں بھی اسلام دشمن سازشوں کا حصہ ہیں۔

علما حدیث کی نظر میں اصحاب کے ۱۲ درجات:

علمائے علم الحدیث نے اصحاب کی بحث کو وسیع پیانے پر کھولا ہے لیکن ہم یہاں پر قارئین کرام کی خدمت میں اصحاب کے درجات اور مقام کو بیان کرتے ہیں،علماء حدیث نے اصحاب کے ۱۲ درجات بیان کئے ہیں:

۱۔وہ افراد جنھوں نے پیغمبرؐ کی ابتدائی دعوت کو قبول کیا،یہ سب سے مقدم ذوات ہیں اور یہ صحابہ کہلوانے کا استحقاق رکھتے ہیں،یہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مشکل حالات میں پیغمبرؐ پر اسلام لائے جیسے علی، زید ابن حارث، ابو بکر، عثمان، عمر، سعد ابن ابی وقاص وغیرہ۔

۲۔وہ اصحاب جو پیغمبرؐ کی مجلس ومحفل و درس میں شرکت کرتے تھے اور جن افراد کا تاریخ میں نام آیا ہے۔

۳۔وہ افراد جنھوں نے ایمان لانے کے بعد حبش کی طرف ہجرت کی ہے۔

۴۔وہ افراد جنھوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں پیغمبرؐ کی بیعت کی ہے۔

۵۔وہ افراد جنھوں نے بیعت عقبہ دوم میں پیغمبرؐ کی بیعت کی ہے۔

ان دونوں میں بیعت کرنے والے تمام کے تمام انصار سے تعلق رکھتے ہیں۔

۶۔وہ مہاجر جو رسول اللہ ﷺ کے مدینہ جانے سے پہلے مسجد قبا میں ملے ہیں۔

۷۔وہ افراد جو جنگ بدر میں شریک رہے۔

۸۔وہ مہاجرین جو بدر اور حدیبیہ کے درمیان پیغمبرؐ پر ایمان لائے ہیں۔

۹۔جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر پیغمبرؐ کے ہاتھ پر جہاد حتیٰ الموت کے لیے بیعت کی ہے، جن کے حق میں اللہ نے آیت نازل کی ہے۔

۱۰۔حدیبیہ سے فتح مکہ تک کے درمیان ایمان لانے والے اصحاب ہیں۔جیسے خالد بن ولید، عمرو عاص، ابو ہریرہ

۱۱۔جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے جنھیں مؤلفۃ القلوب کہتے ہیں۔

۱۲۔وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر دیکھا،وہ اصحاب میں شامل ہیں یا نہیں،اس میں اختلاف ہے۔

اب ہم ان شخصیات کی حیات و کردار کو سامنے لاتے ہیں جن کا ذکر تاریخ اسلام میں مکرر آیا ہے۔

خلفاء راشدین صفِ اوّل کے انہی اصحاب میں سے منتخب ہوئے ہیں جو نبی کریمؐ کی حیات میں آپ کے ہم رکاب تھے اور آپؐ کے بعد یکے بعد دیگر انھوں نے زمام اقتدار مسلمین سنبھالا ہے۔اس وقت خلفاء راشدین کے بارے میں فرقے متضاد نظریات پیش کرتے ہیں،بعض کا کہنا ہے کہ نزول قرآن نبیؐ کی خواہش پر نہیں بلکہ ان کی خواہش پر نازل ہوتا تھا،ایک نے تو اسلام قبول کر کے اسلام کو عزت بخشی جبکہ دوسرے نے امامت قبول کر کے اسلام کی بقاء کی ضمانت دی ہے،ایک زمین پر اللہ کی تجلی ہے،دوسرا مبغوض اللہ ہے،ان فرقوں نے جتنے مناقب حضرت علی کے لئے نقل کئے گئے ہیں،وہ نبی کریمؐ کے لئے باعث رشک ہوں گے اور جتنا بغض ونفرت خلیفہ دوّم کیلئے ہے ابو بکر وعثمان کیلئے نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرقوں کی کتابوں میں اتنا بغض وعداوت وقت کے ظالم و کافر بلکہ مشرکین وملحدین سے نہیں جتنا حضرت عمر کے لئے ہے،آخر ایسا کیوں ہوا،اس میں قرآن وسنت کا کردار ہے یا دشمنان اسلام کا۔

ہم سب وشتم ولعن کو عبادت نہیں گردانتے ہیں کیونکہ کسی مسلمان کو سبّ وشتم کا نشانہ بنانے کا رواج خوارج سے شروع ہوا ہے چہ جائیکہ اصحاب و یاران محمدؐ پر

سب کو عبادت گردانیں اور نہ ہم تمام اصحاب کو قرۃ العین کہتے ہیں کیونکہ قرآن اور نبی کریمؐ نے ان میں فرق قائم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے فرمایا انی اکرہ ان تکون سبا بیین.

اگر دین اسلام کا مصدر قرآن و سنت محمدؐ ہے تو مناقب و مطاعن دونوں کو اس ترازو کے دو پیمانوں سے ناپیں گے، اگر سب و شتم سیرت اہل بیت علی اور حضرات حسنین ہے تو ان کی سیرت پیش کرنا ہوگی۔ اگر قرآن اور سنت نامی کوئی چیز نہیں اور دین صرف غالیوں اور خوارج کے مذہب کی شناخت ہے تو محمدؐ کا نام کیوں لیتے ہیں؟ ذیل میں ہم ترتیب و تناسب اور ہر ایک کی خوبیاں اور کوتاہیاں دونوں بیان کریں گے اس پر اتفاق کریں گے۔

۱۔ سعد بن عبادہ:

نبی کریمؐ کی وفات کے موقع پر تمام انصار خزرج و اوس سعد بن عبادہ کے باغ میں واقع چھت کے نیچے جمع ہوئے تاکہ سعد بن عبادہ کو مقام شاخ رسول اللہؐ کی جگہ جاگزین کریں، یہ سعد کون تھے؟ ان کی کیا حیثیت تھی کہ وہ مقام رسول عظیمؐ کی جگہ آپؐ کے جانشین بنائے جائیں ان کا اسلام میں کون سا سابقہ کردار قابل ذکر و تدلیس رہا ہے ہاں سعد اسلام آنے سے پہلے سرزمین مدینہ میں سب سے بڑے خاندان خزرج کے سربراہ تھے جود و سخاوت اور شجاعت و جوان مردی میں ضرب المثل تھے سعد ان افراد میں سے تھے جنہوں نے عقبہ اولیٰ میں نبی کریمؐ کو مدینہ آنے کی دعوت دی اور مدینہ سے ۷۲ سے زائد شخصیات نے ان کے کہنے پر آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپؐ کے حکم پر اپنی ہر چیز قربان کرنے اور آپ سے دفاع کرنے کا عزم و ارادہ اور وعدہ دیا، اس کے علاوہ سعد کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ جب مشرکین کو یہ خبر ملی تو وہ ان سب کو گرفتار کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے باقی جا چکے تھے اس لیے وہ سعد کو راستے سے پکڑ کر واپس مکہ لے آئے انہیں طرح طرح کی اذیت و آزار پہنچایا آخر میں انہیں جبیر بن مطعم کی کفالت و حمایت میں نجات ملی۔ یہ نبی کریمؐ کی جنگوں میں رئیس لشکر انصار تھے۔ وہ اپنی تمام ملکیت کو نبیؐ پر نچھاور و فدا کرنے کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے ان کے جود و سخا اور شجاعت و جواں مردی میں بے مثال ہونے کی بنیاد پر ان کے گھر میں ہونے والے انصار کے اجلاس میں ان کو جانشین بنانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ گرچہ عمر کے تقاضے کے تحت اس منصب کے لئے مناسب نہیں تھے انصار نے صرف ان کی بزرگی کو معیار بنایا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے انہیں قانع کیا کہ اس منصب پر جب تک قریش میں سے کوئی نہیں ہوگا تو عرب آپ کو قبول نہیں کریں گے انصار نے اس رائے سے اتفاق کیا اس طرح یہ مسئلہ ختم ہو گیا سعد نے ۱۰ ہجری کو شام میں وفات پائی۔

۲۔ خالد بن سعید بن العاص: [کتاب رجال حول الرسول۔ خالد بن خالد۔ ص ۴۹۷]

خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد الشمس تاریخ اسلام کے درخشندہ چہروں میں سے ایک تابناک چہرہ ہے تاریخ خلفائے راشدین کی شخصیات میں ان کا ذکر دو جہت سے کیا گیا ہے ایک یہ کہ جس وقت بنی ہاشم سقیفہ کے فیصلے کے خلاف امیر المومنین علی کے گھر میں بطور نارضایت یا اجتماع و مشاورت کیلئے جمع ہوئے تو اس مقصد کے لیے اکٹھا ہونے والی شخصیات میں خالد بھی تھے لہٰذا ان کا ذکر یہاں بے مناسب نہیں ہوگا دوسری یہ کہ یہاں جو علی ابن ابی طالب کے شیعہ ہونے کے دعویدار ہیں اور جن کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے گویا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہو اور وہ انصاف و عدالت کے موقعہ و محل پر ظلم و جنایت کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنے وہم و خیال و زعم میں بہترین عمل بلکہ کلید حاجات کے طور پر جو زیارت عاشورا پڑھتے ہیں، میں یہاں انہیں اس کا ایک فقرہ یاد دلانا چاہتا ہوں، زیارت عاشورا میں آیا ہے لعن اللہ علی بنی امیہ حالانکہ یہ خالد بن سعید اسی خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس پر شیعہ لعنت بھیجتے ہیں، آیا وہ بھی ۸ ہجری کو فتح مکہ کے موقعہ پر قریش کے زعماء، خاندان بنی امیہ اور رقائد قریش ابوسفیان کے ساتھ بادل ناخواستہ ایمان لائے تھے یا وہ ابتداء دور رسالت میں ایمان لائے تھے۔ کتب تاریخ و سیرت سے خالد بن خالد نامور مصری ادیب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں خالد بن سعید مکہ میں ایک عیش و نوش والے خاندان کے چشم و چراغ تھے جب سرزمین مکہ کے جبل نور میں محمد بن عبد اللہ پر وحی نازل ہوئی ہے اور وہ اللہ کی طرف سے بشریت کے لیے پیغام نور لائے تو اس خبر کو لوگ اپنی محافل میں بطور ھمس سری انداز میں طنزیہ ذکر کرتے تھے۔ لیکن خالد بن سعید دقت و غور سے سنتے تھے دل کے اندر ہونے والی خوشی کو چہرہ پر نمایاں ہونے سے گریز کرتے تھے ہر جگہ اس خبر کے بارے میں کچھ سننا چاہتے تھے لیکن کچھ بولتے نہیں تھے، اس طرح کرب و اضطراب و بے چینی ان پر طاری ہو گئی تھی ایک رات انہوں نے خواب میں اپنے آپ کو جہنم کے دہانے پر پایا، پیچھے سے ان کا باپ سعید ان کو جہنم میں دھکیل رہا تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ جہنم میں جائیں لیکن حضرت محمدؐ ان کو پکڑ کر دور لیجاتے تھے

جب بیدار ہوگئے تو پریشان ہوکر ابو بکر کے پاس گئے، ان سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو ابوبکر نے کہا تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، یہ محمدؐ ہیں ان کی پیروری کریں دین محمدؐ تم کو جہنم سے بچائے گا، نبی کریمؐ سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا اللہ پر اور اس بات پر ایمان لاؤ کہ اس کے لئے کوئی شریک نہیں اور میری نبوت پر ایمان لاؤ میں اللہ کا نبی ہوں۔ خالد بن سعید نبی کریم کی طرف سے والی یمن بنے، نبی کریمؐ کی وفات کے موقع پر مدینہ پہنچے۔ ان کے خیال میں نبی کریمؐ کا جانشین آپؐ کے خاندان سے ہونا چاہیے اور عباس یا علی میں سے کسی کو انتخاب کرنا چاہیے لہٰذا انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی جبکہ ابوبکر آپ کے پہلے استاد تھے لیکن کچھ غور وخوص کے بعد خود گئے اور ابوبکر کی بیعت کی، خالد نے ۵۹ ہجری میں شام میں وفات پائی۔

۳۔ بشیر بن سعد:۔[معجم الاوائل ص ۲۱]

بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن الانصاری خزرجی آپ عقبہ اور بدر میں شریک ہوئے، نبی کریمؐ نے عمرۂ قضاء کے موقع پر آپکو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا، دور جاہلیت میں آپ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، آپ ۱۲ھ میں خالد بن ولید کے ساتھ یمامہ سے واپسی پر عین التمر جگہ پر قتل ہوئے، آپ سقیفہ کے دن سب سے پہلے ابوبکر کی بیعت کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

۴۔ نعمان بن بشیر بن سعد الانصاری:

نعمان صحابی، ان کے والد بشیر صحابی اور والدہ بھی صحابیہ رسولؐ ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ بشیر بن سعد عقبہ ثانیہ پر رسول اللہ کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے بدر واحد اور دیگر جنگوں میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے۔ بارہ ہجری کو عین التمر میں راہ اللہ میں جان کی بازی لگائی ان کی ماں عمرۃ الرواحۃ نے بھی بیعت عقبہ ثانیہ میں رسولؐ اللہ کی بیعت کی ہے جو کہ عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھی۔ نعمان دوسری ہجری کو نبی کریمؐ کی ہجرت کے بعد انصار میں پہلے فرزند ہیں نعمان جب پیدا ہوئے تو ان کی ماں نے ان کو رسولؐ اللہ کے دست مبارک میں دیا، آپ نے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھی۔ انہوں نے عیش وراحت کی زندگی گزاری لیکن گذشت زمان کے بعد نعمان سے یہ سارے افتخار وعزت سلب ہوگئے وہ قمیص عثمان اور رنائلہ کی کٹی ہوئی انگلی کو لے کر شام میں معاویہ کے پاس گئے یوں وہ معاویہ کے نزدیک محترم ہوگئے، وہ ان کی معیت میں جنگ صفین میں گئے، وہاں انصار تمام کے تمام علی کی طرف موجود تھے جبکہ معاویہ کے پاس شاید نعمان کے علاوہ ایک یا دو انصار ہونگے، صفین کے بعد معاویہ نے ان کو حلب میں والی بنایا، اس کے بعد کوفہ میں والی بنایا، جس وقت مسلم بن عقیل سفیر امام حسین بن کر کوفہ تشریف لائے تو نعمان وہاں والی تھے وہ یزید کی طرف سے بھی والی بنے، اتنی شرف وعزت کے بعد مسلمانوں اور خاص کر انصار کی نظروں سے گر گئے کیونکہ معاویہ اور انصار کے درمیان کشیدگی رہتی تھی، انہیں خود اس کا شدید احساس رہتا تھا چنانچہ وہ کہتے تھے انسان کیلئے ہلاکت کلی یا ہلاکت در ہلاکت ہوتی ہے کہ جب وہ اوقات آزمائش وامتحان میں گناہ کا ارتکاب کرتا ہے آخر میں عبداللہ زبیر کی بیعت کی اور پھر شام کے کسی گاؤں میں ۶۲۔۶۵ھ میں کسی نے ان کو قتل کر کے ان کے سر کو ان کی زوجہ کے دامن میں رکھا، یہ بھی ایک تاریخ ہے، انسان کا ایک دن یا چند سال متقی ودیندار رہنا کافی نہیں ہوتا اسے ہر لمحے دین پر رہنا چاہئے، اس کا خاتمہ ایمان پر ہونا چاہئے مسلمان کو ہر لحہ حدود اللہ میں رہنا ہوتا ہے نہیں معلوم کس لحہ اُس کی زندگی کا خاتمہ ہوجائے۔

۵۔ ابوعبیدہ بن جراح:۔[صفوۃ الصفاج ۱ص ۱۹۲][معارف تالیف ابن قتیبہ ص ۱۴۴]

ان کا نام عامر ہے یہ بنی حارث بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ سے تعلق رکھتے ہیں، قریش سے ان کا تعلق فہر سے ہے ان کی ماں بنی حارث بن فہر ہیں ماں اور ان کی زوج اور ابوعبیدہ ابتدائی دنوں میں اسلام لائے ابوعبیدہ (عامر) اصحاب رسول کی برجستہ شخصیات میں سے تھے، پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ ابوعبیدہ اس امت کے امین ہیں، عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال ان کا سلسلہ نسب نھر بن کنانہ کو پہنچتا ہے، وہ عثمان مضعون کے ساتھ اسلام لائے حبش میں دوسری دفعہ ہجرت کی، بدر اور دیگر جنگوں میں شریک رہے، احد میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہے۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں ابوعبیدہ نے ۱۸ ہجری میں شام کے شہر اردن میں مرض طاعون میں وفات پائی، اُس وقت اُن کی عمر ۵۸ سال تھی، ان کی نماز جنازہ معاذ بن جبل نے پڑھائی۔ ابوعبیدہ وہ شخص ہیں جنہوں نے ابوبکر اور عمر کے ساتھ سقیفہ میں شرکت کی، ان کے بارے میں حضرت ابوبکر نے انصار سے کہا کہ تم عمر یا عبیدہ میں سے ایک پہ راضی ہوجاؤ۔

۶۔اسید بن حضیر:[مفردات الحضارۃ اسلامی ص ۱۳۵]

اسید کے باپ حضیر بن سماک قبیلہ اوس کے قائد لشکر تھے جب اوس یوم بعاث میں خزرج سے لڑ رہے تھے،اس دن انہوں نے وفات پائی اور اپنے بیٹے کو اپنا جانشین معین کیا،اسید صاحب مناقب کثیرہ ہیں،بہت سی لیاقت وصلاحیت کے حامل ہیں،وہ مصعب بن عمیر کے ہاتھوں سعد بن معاذ کے ساتھ مسلمان ہوئے،انہوں نے مصعب بن عمیر کی زبان سے آیات الٰہی کو سنا تھا۔اسید پیغمبرؐ کی تمام جنگوں میں سوائے بدر کے شریک رہے،اسید یمامہ میں پیغمبرؐ کی طرف سے والی رہے کتب حدیث میں ان سے اٹھارہ روایات نقل ہیں انہوں نے ۲۰ ہجری کو مدینہ میں وفات پائی ۔اسید ان شخصیات میں سے ہیں جو سقیفہ میں انتخاب خلیفہ میں کردار رکھتے تھے۔

۷۔اسامہ بن زید:[انساب ج۲...ص۱۱۴]

اسامہ بن زید فرزند متبنٰی رسولؐ اللہ کے فرزند تھے،اسامہ کی ماں کا نام برکہ تھا،کنیت ام ایمن کتاب انساب الاشراف جلد ۲ ص ۱۱۷ میں آیا ہے کہ برکہ کنیز عبداللہ بن عبدالمطلب تھی،رسولؐ اللہ کو ورثے میں ملے تھے بعض نے کہا ہے کہ ان کی ماں ام وہب کی کنیز تھی،اس حوالے سے بھی آپ کو ورثے میں ملے تھے پھر آپ نے انہیں آزاد کیا تھا،زید بن حارثہ نے چند عورتوں سے نکاح کیا،ان میں سے ایک کا نام برکہ تھا برکہ عبید بن عروس خزرجی کے عقد میں تھی،ان سے ایمن پیدا ہوئی،اس کے بعد سے ان کی کنیت ام ایمن ہوئی،ایمن جنگ حنین میں قتل ہوئی،ادھر عبید نے بھی وفات پائی تو رسول اللہ نے ام ایمن کو جو کہ آپ کی خادمہ تھی،آپ کی پرورش کرتی تھی،خدمت کرتی تھی آپ نے انہیں زید بن حارثہ کے عقد میں دیا،ان سے اسامہ پیدا ہوئے،اسامہ خود اپنے باپ زید کی طرح نبی کریمؐ کے نزدیک عزیز ومحبوب تھے اور آپؐ اسے اپنی سواری کے پیچھے سوار کرتے تھے،اسی لیے انہیں ردیف یا حبیب رسول اللہ کہتے تھے حجتہ وداع کے بعد موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی سے جنگ کے لیے روانہ کیا،ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ لوگوں نے ان کی قیادت پر انگلی اٹھائی کہ اسامہ لشکر کی قیادت کے لیے اہلیت نہیں رکھتے ہیں کیونکہ لشکر میں بڑے بڑے عمائدین ابوبکر وعمر وابوعبیدہ جیسی شخصیات ہیں تو رسولؐ اللہ غصے میں ممبر پر تشریف لے گئے،آپؐ نے فرمایا جو لوگ آج ان کی قیادت پر اعتراضات کر رہے ہیں،وہی لوگ پہلے ان کے والد کی قیادت پر اعتراضات کرتے تھے،آپؐ نے فرمایا جیش اسامہ کو جلدی روانہ کریں اسی دوران نبی کریمؐ علیل ہوئے اور چند دن کے بعد وفات پا گئے۔نبی کریمؐ کی تجہیز وتکفین ہونے کے بعد حضرت ابوبکر نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد جیش اسامہ کو موتہ روانہ کریں تو یہاں سے پھر مخالفت شروع ہوئی کہ جیش اسامہ کو روانہ نہ کیا جائے،اس کو ملتوی کریں،یہاں بھی ابوبکر کا اصرار تھا لشکر اسامہ کو روانہ کریں،یہاں حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ہلایا اور کہا تمہاری ماں تم پر روئے جس لشکر کو رسولؐ اللہ نے بھیجا ہو،اسے ہم کیسے روک سکتے ہیں۔اسامہ بن زید ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی چنانچہ جب حضرت علی نے اسامہ کو جنگ جمل میں شرکت کی دعوت دی تو اسامہ نے کہا میں آپ سے محبت کرتا ہوں قارئین کرام اسامہ کسی گروہ یا پارٹی میں نہیں تھے اور نہ ان کے اندر کوئی مذموم صفت تھی علی سے خود انہوں نے کہا مجھے آپ سے محبت ہے لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ میں کسی مسلمان کو قتل کروں۔یہاں دو نکات غور طلب ہیں یہ پہلی بار ایسا ہوا کہ مسلمان مسلمان سے نبرد آزما ہو رہے تھے دوسرا اسامہ حضرت علی کو معصوم نہیں سمجھتے تھے جب حبیب رسول اللہ کو علم نہیں کہ علی معصوم ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ عصمت کسی باطل گروہ کی اختراق ہے۔

۸۔طلحہ بن عبیداللہ:[انساب اشراف ج۔۱۰ص۱۱۵]

طلحہ بن عبیداللہ بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کنیت ابا محمد ہے۔ان کی ماں الصعبۃ بنت عبداللہ بن عماد الحضرمی،ان کی نانی عاتکہ بنت وھب بن عبد قصیٰ ہے۔ایک دن طلحہ نے ابوبکر سے پوچھا کہ آپ اس شخص کے دین میں داخل ہو گئے ہیں،ابوبکر نے کہا ہاں وہ حق کی بات کرتے ہیں اور حق کی دعوت دیتے ہیں پھر دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طلحہ مسلمان ہو گئے،اس پر پیغمبرؐ خوش ہوئے،ان کو طلحہ خیر اور طلحہ فیاض بھی کہتے ہیں،جب پیغمبرؐ کے پاس کچھ گروہ آئے اور طلحہ نے ان کی معاونت کی،ان کی ضروریات کو پورا کیا اور انہیں بہترین ضیافت سے نوازا،اس پر پیغمبرؐ خوش ہوئے،اسی وجہ سے ان کو فیاض کا لقب ملا ہے انساب الاشراف ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید کو شام سے آنے والے راستے کی طرف بھیجا تا کہ یہ پتہ کریں کہ ابوسفیان کا قافلہ کہاں پہنچا ہے،اس وجہ سے یہ دونوں جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے چنانچہ نبی کریمؐ نے طلحہ اور سعید وعثمان تینوں کا غنائم سے حصہ نکالا تھا۔طلحہ جنگ احد

میں شریک ہوئے تھے ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو احد کے میدان جنگ میں ثابت قدم رہے چنانچہ انہوں نے اس وقت بھی استقامت دکھائی تھی جس وقت مسلمان فرار ہو رہے تھے طلحہ نے پیغمبرؐ کا اس طرح ساتھ دیا جسطرح ساتھ دینے کا عہد کیا تھا، مالک بن زہیر نے نبی کریمؐ کو ایک تیر مارا، طلحہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے روکا جس کی وجہ سے ان کی انگلی شل ہو گئی تھی، جب تیر لگا تو انہوں نے حس کی تو پیغمبرؐ نے فرمایا اگر تم بسم اللہ کہتے تو جنت میں داخل ہوتے، جس نے ان کو تیر مارا وہ مالک بن زھیر الجشمی تھا، اس کے سر پر بھی زخم لگا جس سے خون نکلا۔ طلحہ خندق اور دیگر جنگوں میں بھی شریک رہے۔ طلحہ بن عبید اللہ حضرت ابو بکر کی طرف سے حضرت عمر کی نامزدگی کے خلاف تھے صرف اس وجہ سے کہ وہ تند مزاج ہیں طلحہ حضرت عثمان بن عفان کے تحت خلاف ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے قتل کے بعد وہ خون عثمان کے انتقام کے لئے اٹھنے والوں میں شریک ہو کر جنگ جمل میں شریک ہو گئے، طلحہ یہ بھی کہتے تھے کہ عثمان کی مخالفت کرنے میں مجھے دھوکہ ہوا، آج اس سے بہتر کچھ نظر نہیں آتا کہ میں خود کو خون عثمان کے انتقام لینے کے لئے وقف کردوں، اے اللہ تو مجھے وہ چیزیں کرنے کی توفیق دے جس سے روح عثمان خوش ہو جائے۔ کہتے ہیں جنگ جمل میں مروان اور طلحہ ساتھ ساتھ جنگ لڑ رہے تھے طلحہ باربار کہتے تھے یا اللہ عثمان کو ہم سے راضی کرنا۔

جب نبی کریمؐ نے انصار و مہاجرین کے درمیان عقد اخوت باندھا تو طلحہ اور سعید بن زید بن عمرو نفیل کے درمیان عقد اخوت باندھا تھا ھشام بن کلبی نے عوانہ بن حکم سے نقل کیا عمر بن محمد بن سعد کہتے ہیں کہ مروان نے دیکھا کہ طلحہ ذرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں تو اس نے ایک تیر طلحہ کو مارا اسی سے وہ مر گئے۔ عوانہ بن حکم نے عبدالملک بن مروان سے کہا کہ اگر مروان نے خبر دی ہوتی کہ طلحہ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوئے تو میں طلحہ کی اولاد میں سے کسی کو نہ چھوڑتا، عثمان کے بدلے میں سب کو قتل کرتا کیونکہ طلحہ عثمان کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ مروان نے جب دیکھا کہ ہم لوگ شکست کھا رہے ہیں تو کہا کیوں نہ ہم عثمان کے خون کا انتقام لے لیں، آج کے بعد پھر یہ موقع مہیا نہ ہوگا۔

۲۰ جمادی الثانی ۳۶ھ کو ۶۴ سال یا ۶۲ سال کی عمر میں وہ بصرہ میں مروان بن حکم کے تیر سے قتل ہوئے اور محلّہ قنطرہ عرب میں دفنایا گیا۔ ۳۰ سال بعد ان کی قبر کو پانی لگ گیا تو اس کو وہاں سے نکال کر ھجر تیں میں دفنایا، ان کی قبر وہاں ہے۔ طلحہ کی اولاد میں محمد، سجاد، عمران، موسیٰ بن طلحہ، یعقوب، عیسیٰ اور یحیٰ ہیں۔

۹۔ زبیر بن عوام:۔[کتاب انساب اشراف ج۹ص۴۲۰]

عبدالعزیٰ بن قصی سے اسد بن عبدالعزی پیدا ہوئے، ان سے خویلد اور نوفل پیدا ہوئے۔ نوفل بن خویلد جنگ بدر میں کفر پر قتل ہوئے خویلد سے عوام اور خدیجۃ الکبریٰ پیدا ہوئے اور عوام سے زبیر پیدا ہوئے۔ ان کی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم ہیں' خدیجۃ الکبریٰ ان کی پھوپی ہیں اسماء بنت ابی بکر ان کی زوجہ ہیں سابقین اسلام میں چوتھے یا پانچویں اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ زبیر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کس چیز کی دعوت دے رہے ہیں۔ تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کی وحدانیت اور محمد کے رسول ہونے کی دعوت دے رہا ہوں تو زبیر نے کہا کہ میں اللہ کی وحدانیت اور محمدؐ کو اللہ کا رسول مانتا ہوں اور اسلام قبول کرتا ہوں، زبیر نے کہا ہمارا دین حق ہے اور باقی سب باطل ہے، ان کو ختم ہونا چاہیے تو پیغمبرؐ نے فرمایا جنگ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک دن راستے میں زبیر ابو البختری بن عاص بن ہاشم بن حارث بن اسد بن عبدی العزی سے ملے تو ابو بختری نے کہا کہ اے فرزند عوام تم نے یہ کیا کارنامہ انجام دیا ہے کہ اسلام قبول کرلیا ہے، ہم تمہیں نہیں چھوڑینگے کہ تم ہمارے بتوں کو چھوڑیں اور ان کی اہانت و جسارت کرو تو زبیر نے کہا تم جو کرنا چاہتے ہو کرو، یہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ یہ کوئی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تو ابو البختری نے کہا، ہم ان کی اس لئے پوجا کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کرتے ہیں تو زبیر نے کہا اللہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ جنگ احزاب کے موقع پر نبی کریمؐ نے فرمایا کہ کون ہے جو مجھے قوم کی خبر لا دے تو زبیر نے خبر دی جس پر نبی کریمؐ نے فرمایا ہر نبی کے لئے ایک حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے پیغمبرؐ کی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہیں رہے' زبیر حضرت عمر بن خطاب کی چھ رکنی شوریٰ میں شامل تھے، زبیر خود علی کے حق میں دست بردار ہو گئے تھے زبیر کو علی سے کاٹنے والے ان کے بیٹے عبداللہ ہیں، زبیر آخری دور عثمان میں ان سے ناراض ہو گئے تھے نیز انہوں نے کوفہ میں اپنا گروہ بنایا تھا چنانچہ قتل عثمان کے موقع پر کوفہ سے تعلق رکھنے والے محاصرین نے نئے خلیفہ کے لیے زبیر کا نام دیا تھا، زبیر نے پہلے علی کی بیعت کی اور بعد میں طلحہ بن عبید اللہ سے مل کر بصرہ جا کر علی سے بغاوت کی چنانچہ جنگ جمل کے دن حضرت علی نے زبیر سے کہا آپ یہاں آئیں تو امن میں ہونگے۔ ایک روز زبیر

نکل کر آئے تو حضرت نے فرمایا کیا تم نے نبی کریمؐ سے یہ نہیں سنا کہ تم علی سے لڑو گے، اس پر زبیر میدان جنگ سے باہر نکلے راستے میں ابن جرموز سے ملے، اس نے زبیر کو قتل کیا، ان کا سر حضرت علی کے پاس لایا گیا تو حضرت علی نے فرمایا قاتلِ زبیر جہنمی ہے۔ زبیر نے ۲۹ سال کی عمر میں جنگ بدر میں حصہ لیا، حواری رسولؐ کا لقب لینے والے ۶۴ سال کی عمر میں بصرہ میں قتل ہوئے۔

۱۰۔ عبدالرحمٰن ابن عوف: [معارف تالیف ابن قتیبہ ص ۱۳۷]

عبدالرحمٰن ابن عوف، عبدعوف بن عبدالحارث ابن زُھرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن نذر بن کنانہ۔ واقدی نے لکھا ہے عبدالرحمٰن بن عوف عام الفیل کے ۱۰ سال بعد پیدا ہوئے، ان کا نام جاہلیت میں عبدالحارث تھا بعض نے عبدالعمر کہا ہے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریمؐ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا، ان کے باپ عوف کو دور جاہلیت میں غمیصا میں قبیلہ جزیمہ نے قتل کیا تھا، ان کی ماں کا نام شفاء ہے، بعض نے کہا ہے زھرہ ہے۔ بعض نے کہا ہے عبدالرحمٰن کے بھائی کا نام عبداللہ بن عوف ہے، یہ قریش کے سرمایہ دار اور صاحب ثروت تھے۔ ایک بھائی کا نام اسود بن عوف تھا عمر ابن خطاب نے ان کو مکہ میں شراب پیتے دیکھا تو ان پر حد جاری کی۔ عبدالرحمٰن کی کنیت ابا محمد ہے، وہ چھ آدمیوں میں سے ایک ہیں جن کو حضرت عمر نے شوریٰ کے لیے نامزد کیا تھا۔ اختلاف ہونے کی صورت میں آخری فیصلہ عبدالرحمٰن بن عوف پر چھوڑا تھا، عبدالرحمٰن نے آخر تک یہ کوشش کی کہ ان پر کوئی حرف و ذمہ داری آئے بغیر مسئلہ حل ہو جائے لیکن جب نہیں ہوا تو انہوں نے قرآن و سنت رسول اللہؐ کے علاوہ سیرت شیخین پر چلنے کی شرط لگائی جس کو علی نے قبول نہیں کیا لیکن عثمان نے اس کو خوشی سے قبول کیا اس طرح سے مسئلہ بغیر کسی تنازعہ و اختلاف شدید کے حل ہو گیا لیکن حضرت عثمان کا آخری انجام اس آخری شرط پر نہ چلنے کی وجہ سے ہوا، اہل مدینہ کو یہی شکایت تھی کہ عثمان نے شیخین کی سیرت سے انحراف کیا ہے گر چہ عبدالرحمٰن کی یہ شرط منطقی طور پر صحیح نہیں تھی چونکہ رہتی دنیا تک کیلئے اسلام کا مصدر و مآخذ قرآن اور سنت محمدؐ ہیں۔ خود ابو بکر اور عمر قرآن و سنت پر چلے تھے لہٰذا یہ شرط ہمیشہ کیلئے عبدالرحمٰن کے گلے پر رہے گی، انہوں نے ۳۲ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ابو یعظان نے کہا ہے کہ انہوں نے عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی، ان کی میراث و جائیداد ۱۶ حصوں میں تقسیم ہوئی، ہر ایک کے حصے میں ۸۰ ہزار درھم آئے، آپ نے ایک دن میں ۳۰ لوگ آزاد کیے ہیں انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ عثمان بن عفان پڑھائیں۔

عبدالرحمٰن کی اولادیں:

محمد۔ ابراہیم۔ حمید۔ زید۔ ان چاروں کی ماں ام کلثوم بن عتبہ بن ابی معید ہیں۔

ابا سلمہ ان کی ماں غماز بنت اصبغ کلبیہ ہے۔

سہیل، مصعب کی ماں یمانیہ ہے۔

۱۱۔ سعد ابن ابی وقاص: [معارف تالیف ابن قتیبہ ص ۱۴۰]

سعد ابن ابی وقاص بن احیب بن عبدالمناف بن زھرہ بن کلاب بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نذر بن کنانہ۔ ان کی کنیت ابا اسحاق ہے ان کی ماں حمنہ دختر ابو سفیان بن امیہ بن عبدالشمس ہے۔ ان کے ایک بھائی عمر ابن ابی الوقاص جنگ بدر میں قتل ہوئے۔

سعد ابن ابی وقاص چھ رکنی شوریٰ کے رکن تھے، وہ تیر اندازی میں ماہر تھے، پیغمبرؐ نے ان کے حق میں دعا کی کہ اللہ ان کے تیر کو محکم کرے، ان کے والدین کو سالم رکھے، انہوں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں عمر ابن خطاب نے انہیں کوفہ کا والی بنایا، یہ جنگ قادسیہ کے قائد تھے، ان کے جسم پر زخم تھا لہٰذا جنگ میں شرکت نہیں کر سکتے تھے، ان کے ذریعے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اہل کوفہ نے ان کی شکایت کی تو ان کو عزل کیا عمر نے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو والی بنایا، سعد نے ولید سے کہا آپ ہم سے زیادہ عاقل ہیں، آپ ہمارے بعد دوسرے احمق ہیں تو ولید نے کہا نہ ہم عاقل ہوئے ہیں نہ احمق لیکن کیا کریں، قوم نے ہمیں انتخاب کیا ہے۔ سعد مدینہ میں ۱۰ میل کے فاصلے پر اپنے قصر میں مرے، ان کے جنازے کو لوگ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر مدینہ لائے۔ اس پر مروان ابن حکم نے نماز پڑھی جو معاویہ کی طرف سے اس وقت والی مدینہ تھے۔ وہ مرتے وقت ۸۰ سال سے زائد عمر کے تھے بعض نے ان کی عمر ۷۰ سال سے کچھ اوپر بیان کی ہے، یہ خود کہتے تھے کہ ہم نے ۱۹ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا ہے۔

سعد کی بقیہ اولاد کے نام یہ ہیں:

۲۔محمد ابن سعد ۳۔عامر ابن سعد ۴۔موسیٰ ابن سعد ۵۔مصعب ابن سعد ۶۔عائشہ بنت سعد۔

۷۔عمر بن سعد

سعد بن وقاص کا بیٹا عمر بن سعد، یہ وہی عمر سعد ہے جسے عبیداللہ بن زیاد نے قتل امام حسینؑ پر مامور کیا تھا عبیداللہ بن زیاد نے اس کے باپ کی شخصیت کے تناظر ہی میں اسے لشکر کی قیادت سونپی تھی۔جب مختار ابن عبیدہ ثقفی نے اپنے اقتدار کی خاطر امام حسینؑ کے قاتلین سے انتقام لینے کا شوشا چھوڑا تھا،اس وقت مختار نے اسے قتل کیا اور اس کا سر کوفہ میں لٹکایا۔

۱۲۔عمار یاسر:

یاسر بن عامر اپنے وطن یمن سے اپنے بھائی کی تلاش کیلئے نکلے تو وہ مکہ مکرمہ پہنچے تو یہ جگہ انہیں پسند آئی تو انہوں نے وہاں قیام کرنے کی نیت کی تو ابوحذیفہ بن مغیرہ کی پناہ اختیار کی،ان کے موالی بنے تو ابوحذیفہ نے اپنی ایک کنیز جس کا نام سمیہ بنت خیاط تھا،ان کے عقد میں دی اس زواج میمون و مبارک سے انہیں ایک فرزند عنایت ہوا،اس کا نام عمار رکھا گیا۔جب نبی کریمؐ مبعوث بنبوت ہوئے اور انہوں نے اپنے جاننے پہچاننے والوں کو دعوت دینا شروع کیا تو اس دعوت کو قبول کرنے والے اگر خاندان قریش میں سے ہوتے تو یہ لوگ ہر طرف سے ان کو گھیر لیتے تھے انہیں دھمکیاں دیتے اور ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑا ہے جو تم سے بہتر تھے ہم تمہاری عقل کو سفید اور شرف کو ضعیف کہیں گے اور تمہارے کاروبار میں خلل ڈالیں گے،اس طرح وہ ان کے خلاف ایک سرد جنگ اور منفی پروپیگنڈہ مہم شروع کرتے تھے اور اگر ایمان لانے والے عبید و موالی ہوتے تو وہ ان پر جام غضب گراتے تھے اور ان کو طرح طرح کا عذاب و اذیت دیتے تھے عمار اور ان کے والدین یاسر و سمیہ موالی تھے اور وہ یہاں کے کسی خاندان سے نہیں تھے ان کو تعذیب کا نشانہ بنانے کی ذمہ داری بنی مخزوم کو دی گئی تھی،وہ ہر صبح کو ان تینوں کو گھر سے نکال کر باہر ریت اور پتھروں پر سلاتے اور ان کو طرح طرح کی اذیت و آزار پہنچاتے تھے عمار اور یاسر سے زیادہ عمار کی ماں سمیہ کو عذاب کا نشانہ بنایا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ مومنہ سب سے پہلے راہ اسلام میں جان فدا کرنے والی شہیدہ تھی نبی کریمؐ ہر صبح کو گھر سے نکلتے تو ان پر ڈھائے جانے والے عذاب کے لخراش مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے لیکن طاقت و قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے ان کا دفاع نہیں کرسکتے تھے آپ اندازہ لگائیں کہ یہ بات رؤف و شفیق اور مصیبت زدہ مسلمانوں کے ہمدرد و غم خوار نبی کریمؐ پر کتنی گراں گزری ہوگی کہ ایک طرف چاہتے ہوئے بھی نبی کریمؐ ان کی مدد نہیں کرسکتے تھے اور دوسری طرف یاسر و عمار پیغمبر اکرمؐ سے یہ کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ اذیت و آزار و عذاب ہمارے اوپر اپنی انتہاء کو پہنچا ہے لیکن پیغمبر اکرمؐ انہیں دشمنان اسلام کی مار سے بچانے کے لیے کچھ نہیں کرسکتے تھے نبی کریمؐ یاسر و عمار سے اتنی محبت و شفقت فرماتے تھے کہ اصحاب کے سامنے ان کے بارے میں مباہات کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایمان ان کی ہڈیوں سے گزر کر ان کے مغز تک پہنچ چکا ہے پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا من عادا عمارا فقد عادی اللہ و من ابغض عمارا فقد ابغضہ اللہ،عمار میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔جب نبی کریمؐ نے ہجرت کا حکم دیا تو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی،آپ کی تمام جنگوں میں شریک ہوئے،جب نبی کریمؐ لقاء اللہ سے وصل ہوئے تو عمار نے خلفاء کی قیادت میں جنگ روم و فارس میں شرکت کی،جب کسی جگہ کوئی ذمہ داری دینا ہوتی تو خلیفہ کی آنکھ عمار پر پڑتی تھی،جنگ قادسیہ کے بعد کوفہ میں یہ مرد مجاہد امیر کوفہ بنے۔

[کتاب امام علی تالیف محمد رضا ص ۱۴۲]

عمار بن یاسر قائد کے فرمان کے مطابق جنگ کے لیے صفین میں اپنی صف سے نکلے اور درگاہ الہی میں فقرات دعا بلند کیئے کہ اے اللہ اگر میں یہ جانتا کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں اپنے آپ کو اس دریا میں پھینک دوں تو میں خود کو پھینک دیتا،اگر میں یہ جانتا کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں اپنے اس نیزہ کو اپنے سینے میں گھساؤں پھر جھک جاؤں تا کہ نیزہ میری پشت سے نکلے تو میں یہ کرتا لیکن آج میں یہ جانتا ہوں کہ تیری رضا اس میں ہے کہ ان فاسقوں سے جہاد کروں اگر میں اس سے بہتر کوئی عمل جانتا تو میں وہ عمل انجام دیتا،عمار لشکر معاویہ کو فاسق سمجھتے تھے حبۃ بن جوین قرنی کہتے ہیں کہ میں اور ابومسعود صفین آنے سے پہلے مدائن میں حذیفہ سے ملنے گئے تو انہوں نے کھلے چہرے سے ہمارا استقبال کیا پھر ابومسعود نے حذیفہ سے پوچھا کہ اس فتنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو تو انہوں نے کہا تم اس گروہ میں شامل ہو جاؤ جس میں فرزند سمیہ یعنی عمار ہے کیونکہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا چنانچہ ہم نے صفین میں ایک دن عمار کو یہ

کہتے ہوئے سنا کہ میرے لیے میرا آخری رزق دنیا لائیں تو ان کیلئے ایک کاسہ میں دودھ لایا گیا زید بن وہب جہنی کہتے ہیں کہ اس دن عمار نے کہا کون ہے جو آج میرے ساتھ رضائے الٰہی چاہنے والا ہو اور جس کو مال دنیا کی خواہش ہو نہ اولاد کی تو وہ لوگ آگے آ جائیں اور ہم سے ملیں اور ان لوگوں سے جہاد کریں جو خون عثمان کے بدلے کا بہانہ بنائے ہوئے ہیں اور جن کا کہنا ہے کہ وہ مظلوم قتل ہوئے ہیں۔ وہ خون عثمان کے انتقام کے لیے نہیں بلکہ اپنی دنیا کی خاطر نکلے ہیں وہ یہ کہہ کر آگے بڑھے یہاں تک کہ خیمہ عمرو بن عاص سے نزدیک ہو گئے اور عمرو عاص سے مخاطب ہو کر کہا اللہ تمہیں ہلاک کرے تم نے ہمیشہ اسلام کے خلاف اپنی بقاء کی جنگ لڑی ہے پھر عبیداللہ بن عمر بن خطاب سے مخاطب ہو کر کہا اللہ تمہیں ہلاک کرے تم نے اپنے دین کو دشمنانِ اسلام کیلئے فروخت کیا تم اپنے فعل سے رضا الٰہی نہیں چاہتے ہو تم آج یا کل یہیں مر جاؤ گے، عمار نے ہاشم بن مرقال سے خطاب کر کے کہا ہاشم آگے بڑھو جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے اس وقت عبداللہ بن عمرو عاص کی نظر عمار یاسر پر پڑی تو فوراً اٹھا اور اپنے والد عمرو بن عاص سے کہا آج یا کل آپ لوگ عمار کو قتل کریں گے جب کہ ہم نے مسجد بناتے وقت دیکھا ہے کہ سب لوگ ایک پتھر لا رہے تھے جبکہ عمار دو دو پتھر لا رہے تھے تو نبی کریمؐ نے جب یہ دیکھا تو ان کی پیشانی کو چوما اور فرمایا اس دن کیا ہو گا جب ایک باغی گروہ تم کو قتل کریں گے۔

جب جہاد کرتے کرتے عمار یاسر زمین پر گرے تو زمین پر گرنے کے بعد لشکر معاویہ میں ایک سکتہ آیا گویا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے اور ہم ہی گروہ باغی ہیں تو معاویہ نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ جو عمار کو اس میدان میں لایا ہے وہ باغیہ ہے تو حضرت علی ان کے سرہانے پر پہنچے اور سر اٹھا کر دنیا سے خطاب کیا، اے دنیا گویا کوئی تم کو علی کے دوستوں کی نشاندہی کر رہا ہے کہ تم چُن چُن کر ان کو قتل کرو، تم نے مجھ سے میرے دوست کو اٹھایا۔ عمار کے قتل کے بعد علی بے چین ہو گئے، خود حملہ کر کے معاویہ کے خیمہ تک پہنچے اور معاویہ سے خطاب کر کے کہا کیوں لوگوں کو مار رہے ہو، خیمہ سے باہر نکلو مجھ سے مقابلہ کرو تم نے عمار کو اس لیے مارا تا کہ تم چین سے حکومت کرو جب یہ جملہ عمرو عاص نے سنا تو اس نے کہا علی نے انصاف کی بات کی ہے، درست کہا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص عمر بھر کہتے تھے کاش ہم دس بیس سال پہلے مر چکے ہوتے اس نے بعد میں امام حسن سے کہا واللہ میں نے کوئی تلوار نیزہ دو تیر نہیں مارا ہے کسی کو قتل نہیں کیا ہے، وہ ہمیشہ پشیمان رہتے تھے۔

۱۳۔ ابوذر غفاری:

مکہ سے مدینہ جانے کے راستے میں واقع ربذہ مقام کے قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے ہیں قبیلہ غفار اپنے وقت کے شب خون مارنے والے اور لوگوں کو لوٹنے والے قبیلہ میں شمار ہوتا تھا ابوذر از خود بتوں اور بت پرستوں کے خلاف تھے۔ وہ کسی نئے دین کی تلاش میں تھے انہوں نے مکہ میں محمد نامی کسی شخص کے دعوائے نبوت کرنے کی خبر سنی تو وہ ان سے ملنے کے لئے نکلے لیکن مکہ میں ان کے لیے آسانی سے ان کی تلاش ممکن نہ تھی وہ طواف بیت اللہ اور بت دکھا کر حرم میں داخل ہوئے، وہ حرم میں لوگوں کے حلقوں پر نظر رکھتے تھے چنانچہ جب محمدؐ آگے نماز پڑھنے کے لئے گئے تو پتہ چلا کہ وہ یہی شخص ہے آہستگی سے ان کے گھر کا بھی معلوم کیا کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔ حضرت محمدؐ سے ملنے کے بعد ان سے کہا انعمت صباحا نبی کریمؐ نے جواب دیا وعلیک اسلام یا اخاہ، ابوذر نے کہا انشد فی ماتقول تو نبیؐ نے فرمایا لیس ہو شعر ہو بشر، یہ شعر نہیں کہ ارشاد کریں، یہ قرآن ہے تو ابوذر نے کہا اقراء نبی کریمؐ نے چند آیات تلاوت کیں ابوذر نے غور سے سنیں آخر میں کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسول اللہ تو نبیؐ نے سوال کیا من امن، تم کہاں سے اور کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو، جواب دیا غفاری سے تو نبی کریمؐ کو تعجب میں بے اختیار ہنسی آئی کہ بنی غفار سے لوگوں کو لوٹنے اور ڈاکہ ڈالنے والے مجھ پر ایمان لے آئے تو ابوذر کو بھی ہنسی آئی تو نبی کریمؐ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشاء، تعجب اس بات پر ہوا کہ ابھی دعوت نبیؐ اتنی پنہاں، رازداری میں اور خفیہ تھی، اس لوٹنے والے قبیلہ کو کیسے پتہ چلا فرمایا اللہ یھدی من یشاء اس طرح ابوذر پانچویں یا چھٹے آدمی تھے جو آپؐ پر ایمان لائے۔ کتاب تاریخ اسلام 'صحابی عثمان بن عفان' محمد رضا رشید میں آیا ہے کہ ذالحجہ ۲۵ ہجری کو صحابی رسول ابوذر غفاری نے قریہ ربذہ میں وفات پائی، ان کی تدفین مکہ سے آنے والے کاروان میں سے ابن مسعود مالک اشتر نے کی۔ ان کی تدفین کے بعد ان کی بیٹی کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ چلے گئے۔

۱۴۔ محمد بن ابی بکر:

محمد کی ماں اسماء بنت عمیس تھی اسماء خواہر میمونہ زوجہ رسول اللہؐ و خواہر لبابہ زوجہ عباس تھیں۔ وہ عقد جعفر ابن ابی طالب میں تھی اسماء جعفر کے ساتھ ہجرت کر کے حبش گئی، جب جعفر جنگ موتہ میں قتل ہوئے تو اسماء ابوبکر کے عقد میں آئی، نبی کریمؐ کے حجۃ الوداع کو تشریف لے جاتے وقت محمد بن ابی بکر ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تو ام المومنین عائشہ نے ان کا نام محمد رکھا، ابوبکر کی وفات کے بعد اسماء حضرت علی کے عقد میں آئی تو اس وقت محمد چھوٹا تھا لہٰذا وہ اپنی ماں کے ساتھ حضرت علی کی

کفالت وتربیت میں آیا۔جس وقت عثمان مصری باغیوں کے حصار میں آئے اس وقت محمد مصرین کے لشکر کے ساتھ تھے،ایک دفعہ محمد ان کے نمائندوں کے ساتھ عثمان کے محضر میں حاضر ہوئے تو عثمان نے کہا کہ اگر تمہارا باپ تمہیں اس حالت میں دیکھتا تو تمہیں پسند نہ کرتا، جب عثمان کے قاتل عثمان کو قتل کرنے کے لئے ان کے گھر میں داخل ہوئے تو اس وقت وہ ان کے ساتھ تھے۔جب علی امیر المومنین بنے تو مصر میں قیس بن سعد کو والی بنایا، قیس اپنی جود وسخاوت اور سیاست کے رموز سے آگاہی کے علاوہ جنگی مہارت بھی رکھتے تھے۔چنانچہ اس کی تفصیل قیس بن سعد کے بارے میں عبارات میں ملاحظہ کریں قیس کا مصر کا والی ہونا معاویہ اور عمرو بن عاص دونوں کے لئے ناگوار تھا۔اس نے بہت کوشش کی کہ ان کو مصر سے ہٹایا جائے انھوں نے اپنے کارندوں کے ذریعے ان کے خلاف چغلیاں بھی کیں لیکن علی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتے تھے خود معاویہ نے علی کے بعض دوستوں کے ذریعے علی پر دباؤ ڈالا چنانچہ علی نے ان کے دباؤ میں آکر قیس کو وہاں سے بلایا اور ان کی جگہ پر محمد کو والی بنایا۔چونکہ منافقین ومخالفین اور معاویہ اور عمرو عاص جیسے سیاستمداروں کی نظر طمع وہاں لگی ہوئی تھی اور معاویہ نے اس کی ولایت عمرو عاص کو دی تھی ان کے لیے ایک دن کا انتظار بھی سال کے برابر تھا چنانچہ انہوں نے وہاں شورش اور فتنہ وفساد برپا کیا علی کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے مالک اشتر کو وہاں کے لئے بھیجا لیکن قضاء وتقدیر نہیں تھی مالک مصر پہنچنے سے پہلے معاویہ وعمرو عاص کی طرف سے زہر ملنے کی وجہ سے راستے میں وفات پا گئے ،تو علی نے محمد کو یہ خط لکھا کتب ۱۳۷ اس کے مضمون اور کتب ۳۸ سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد مصر کے لئے مناسب نہیں تھے چنانچہ جب آپ نے محمد کے قتل ہونے کی خبر سنی تو آپ نے اپنے اصحاب سے شکایت کی کہ اگر میں آپ حضرات کی باتوں کو نہ مانتا اور قیس بن سعد کو مصر سے نہ بلاتا تو آج محمد قتل نہ ہوتے محمد گرچہ ہمارا پروردہ تھے لیکن ان میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ مصر کو سنبھالتے قیس بن سعد کو مصر سے عزل کرنے اور محمد کو نصب کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر المومنین ایسے لوگوں کے دباؤ اور روزگار سے گزر رہے تھے وہ لوگ امیر المومنین پر بہت سی آرائیں ٹھونستے تھے۔یہاں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ علی کے پاس علم غیب ہے ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو نہ علی اپنے ساتھیوں کے دباؤ میں آتے اور نہ مصر سے قیس کو عزل کر کے محمد کو وہاں کا والی بناتے مگر علی ابتداء میں اپنے دوستوں کے دباؤ میں نہیں تھے بعض نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ معاویہ اور عمال عثمان کو برقرار رکھیں تو آپ نے ان کے مشورے کو قبول نہیں کیا اور کہا میں ایسا نہیں کروں گا جبکہ آپ کے بعد کے موقف میں بہت فرق آیا ہے۔

۱۵۔ مالک اشتر النخعی:

کتاب العہذیب ج ۱۰ ص ۱۰ پر آیا ہے مالک بن الحارث بن عبد یغوث بن مسلمہ بن ربیعہ بن حارث النخعی الکوفی المعروف بن اشتر مالک نے دور جاہلیت کو درک کیا ہے اس نے عمر، علی، خالد بن ولید، ابو ذر غفاری، ام ذر سے روایات نقل کی ہیں، ابن سعد نے ان کو طبقہ اولی تابعین میں گنا ہے وہ اصحاب امیر المومنین میں سے تھے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں ان کی نقل کے مطابق وہ عمر رسیدہ تھے اپنے وقت کے عالم ودانا اور فاضل انسان تھے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے کتنے اصحاب سے سنا ہے اور کتنوں نے ان سے روایات لی ہیں نیز وہ مرد شجاع، دلیری اور مردانگی والے انسان تھے اس کا اندازہ امیر المومنین کے اس جملہ سے ہوتا ہے جہاں آپ نے اہل مصر کے نام لکھے گئے خط میں آپ کے بارے میں یہ جملہ کہا کہ مالک اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے یہ جملہ مردان شجاع اسلام میں خالد بن ولید کا لقب بنا ہے اس اختلاف کے ساتھ کہ یہ نبی کریمؐ نے آپ کے حق میں فرمایا یا حضرت ابو بکر نے آپ کے حق میں فرمایا ہے۔وہ امیر المومنین کے پاس کیا مقام ومنزلت رکھتے تھے اس کا اندازہ بھی اس کتاب کے جملات سے ملتا ہے جہاں آپ نے فرمایا ہم نے انہیں آپ کی طرف اپنی ذات پر ایثار کر کے بھیجا ہے ورنہ ان کا میرے پاس ہونا ضروری تھا نیز وہ میرے لئے صحیح ناصح دوست تھے صاحب تہذیب والعہذیب (ابن حجر) اور صاحب سقاط ابن حیان (ابن حیان) نے آپ سے منقولہ روایت کو معرفہ کہا ہے ان تمام صفات کے باوجود آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو ان کے گھر میں محصور کیا اور اس سے پہلے کوفہ میں ان کے والی کے خلاف مہم چلائی قارئین کرام حضرت عثمان کا محاصرہ اور آخر میں ان کا قتل تاریخ اسلام میں نا قابل حل معمہ ہے کیونکہ ایک طرف عثمان کی حمایت میں رہنے والے امیر المومنین ، ان کی حفاظت کرنے والوں فرزندان امیر المومنین اور بعض دیگر اصحاب وتابعین تھے اس کے بالمقابل میں ان کے خلاف میں بھی کچھ ایسے افراد آتے ہیں جو امیر المومنین کے چاہنے والے عزیز دوست تھے جیسے ابو ذر غفاری، مالک اشتر نخعی اور محمد بن ابو بکر ان کے خلاف تھے لہذا نہ عثمان کو معیار باطل مثال استبداد گردانا جا سکتا ہے نہ مظلوم قابل دادرسی گردانا جاتا ہے لیکن اس زمانے سے الی یومنا ھذا ایک گروہ ان کی قمیص کو اٹھا کر اسلام کو دبانے اور مسلمانوں کو تتر بتر کرنے پر تلے رہتے ہیں اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جن میں بعض خلفاء راشدین میں سے دو کو اور بعض تین کو مستحق لعن ونفرین قرار دیتے ہیں سمجھ لیں کہ جو صحیح مسلمان ہیں وہ ان

دو سے الگ ہیں۔

۱۶۔معاویہ ابن ابوسفیان:

امیر معاویہ کی مدح و مذمت کے بارے میں نبی کریمؐ سے منسوب احادیث اور ان کی تفاسیر ضد و نقیض پر مبنی ہیں بعض بعض معاویہ میں انصاف و عدالت سے انحراف پر مبنی ہیں۔جس طرح ان کی مدح سرائی میں اصول قرآن و سنت سے انحراف کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں معاویہ کی اپنی ایک تاریخ ہے۔اس کے چند ادوار ہیں۔

۱۔دور مزاحمت با اسلام: اس دور میں معاویہ اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ ان کے جرائم و موبقات میں شریک تھے اور کسی شرف و فضیلت کے حامل نہیں تھے کیونکہ وہ اسلام کے مقابل محاذ جنگ پر تھے۔

۲۔دور قبول اسلام: ان کے اسلام قبول کرنے کے تاریخی پس منظر پر یہ آیت صدق آتی ہے ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَ لَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ إِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئاً إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (یہ بدو عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں کہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا کہ وہ بڑا غفور اور رحیم ہے) وہ اپنے والدین و خاندان کے ساتھ طاقت و قدرت اسلام کے سامنے فتح مکہ کے موقعہ پر تسلیم ہوئے انہیں اس حوالے سے وہی فضیلت حاصل ہے جو ان کی ماں اور باپ ابوسفیان کو حاصل ہے۔وہ کاتب وحی بنے لیکن ان کی اتنی فضیلت نہیں جتنی کہ دیگر کاتبان وحی کو حاصل تھی۔

۳۔دور امارت: اس حوالے سے امیر معاویہ عرصہ ۲۰ سال تک بغیر کسی معارض و مزاحمت و مقابلہ کے مقتدر اور مطلق العنان حکمران تھے۔اس دور میں وہ اس امارت سے اچھے خاصے لطف اندوز ہو رہے تھے جہاں حضرت عمر کی تند و تیز نگرانی و احتیاط بھی کارآمد ثابت نہ ہوئی۔

۴۔حصول خلافت کے لئے ان کی تگ و دو تاریخ کے صفحات کا حصہ ہے اور تاریخ کے طالب علم کے لئے اچھے نمبر لینے والا موضوع ہے اس دور کو سمجھنے والے کو اچھا طالب علم کہہ سکتے ہیں۔

۵۔معاویہ سے حضرت عثمان نے چچازاد بھائی ہونے اور اپنی طرف سے شام میں والی ہونے کی وجہ سے باغیوں کے خلاف مدد طلب کی لیکن معاویہ عثمان کی فریاد کو نہیں پہنچے تا کہ اپنے خلیفہ بننے کی تمہید باندھیں، وہ عثمان کی مدد کیلئے اس لیے نہیں آئے کہ انہوں نے دیکھا کہ عثمان مخالف طاقت و قدرت میں ہیں اور افرادی تعداد کے علاوہ بڑے بڑے اصحاب امثال طلحہ و زبیر بھی عثمان کے خلاف ہیں اور عثمان کا انجام واضح نہیں ہے اگر عثمان کے ساتھ کچھ ہوا تو ان کے ساتھ تعاون کے جرم میں ان کی امارات بھی جائے گی۔

معاویہ اس وقت مشہور و معروف سیاسی نوابغ میں سے تھے وہ امور کو وقت و باریک بینی سے دیکھ رہے تھے اور ہر چیز کا حساب رکھ رہے تھے۔

۱) حضرت عمر کے دور سے لے کر خلافت عثمان تک لوگ ان کے تصرفات اور اسرافات و تبذیرات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے ان کے خلاف شکایات چل رہی تھیں۔

۲) وہ اپنی امارت کو خطرے میں دیکھ رہے تھے کہ کہیں یہ ہاتھ سے نکل نہ جائے اس لئے عثمان کے استغاثہ کے باوجود انہوں نے اُن کی کوئی مدد نہ کی۔

۳) وہ علی کی بجائے کسی اور شخص کے خلیفہ بننے کے خواہش مند تھے چنانچہ انہوں نے طلحہ و زبیر کو پیغام بھیجا کہ آپ دونوں میں سے جو بھی خلیفہ بنے، ہم اطاعت کے لئے تیار ہیں۔

۴) معاویہ کو یہ بھی پتہ تھا کہ علی وہ ہیں جنہوں نے ان کی امارت کے دوران تصرفات و اسراف پر عثمان کے پاس شکایات کی تھیں لہٰذا وہ علی سے کسی قسم کی امید نہیں رکھتے تھے۔

ہم معاویہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لگانے کے خلاف ہیں اس لئے خلاف نہیں کہ اگر معاویہ سے اللہ راضی ہو جائے تو ہمارے دین میں کچھ خلل و نقص آ جائے گا یا یہ میری دنیا و آخرت کیلئے باعث نقصان ہوگا۔ایسا نہیں ہے بلکہ ہم اس کے اس لئے خلاف ہیں کیونکہ یہ بدعت بعد کی ایجاد کردہ رسم ہے جس پر نہ کوئی

آیت ہے نہ حدیث پیغمبر اکرمؐ ہے نہ سیرت اصحاب سے ثابت ہے نیز ہم ان کو لعن و سبّ و شتم کرنے کے بھی خلاف ہیں کیونکہ کسی انسان پر اللہ کی لعنت اور قہر و غضب خود انسان کے برے اعمال اور اللہ کی ناراضگی و مشیت کے تحت ہوتی ہے نہ کہ کسی کی درخواست و التماس سے نیز یہ سیرت طیبہ علی امیر المومنین کے بھی خلاف ہے چنانچہ امیر المومنین کو یہ خبر دی گئی کہ آپ کے بعض خاص اصحاب معاویہ کو سب و شتم کا نشانہ بنا رہے ہیں تو حضرت غصے میں آگئے اور فرمایا لاتبوھم، انہیں سبّ نہ کیا کرو۔ اس سب و شتم اور بے جا رضی اللہ عنہ نے اقدار اسلامی کو پس پشت ڈالا ہے اور افراد کی شناخت کو مشکل بنایا ہے اس کی وجہ سے اسلام سے زیادہ ہم ضدیت اور شخصیت پرستی میں ڈوب گئے ہیں۔

۶۔ معاویہ خلیفہ مسلمین کی طرف سے شام میں امیر تھے امیر المومنین عثمان بن عفان کا جب محاصرہ ہوا تو انہوں نے معاویہ سے فریاد رسی کے لئے کہا تو انھوں نے ان کا جواب بھی نہیں دیا۔

۱) ایسا شخص خون عثمان کا انتقام و قصاص لینے کے لئے ولی کیسے بن سکتا ہے چنانچہ علی نے معاویہ کی اس حرکت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲) جس علی نے اپنے بیٹوں سمیت عثمان کا تحفظ کیا اور انھیں صالح مشوروں سے نوازا اور انہیں ہر قسم کی مدد کا کہا، اس علی کو انھوں نے اس خون کا ضامن قرار دیا، بھلا وہ کس منطق کے تحت خون عثمان کے ولی بنے۔

۳) معاویہ نے جب علی سے قاتلین عثمان سپرد کرنے کیلئے کہا تو علی نے دو جواب دیئے۔

(۱)۔ میری حکومت اس وقت متزلزل ہے، میرے پاس طاقت و قدرت نہیں، اس وقت طاقت و قدرت عوام کے ہاتھوں میں ہے انقلابیوں کے ہاتھوں میں ہے، مجھے مہلت دے دو، حکومت مستقر ہونے دو، میں اس کام کو پہلی فرصت میں انجام دوں گا۔

(۲)۔ اگر آپ کو اصرار ہے کہ پہلے قاتل کو پکڑیں تو میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ خود ہی ان کو پکڑ کر لے جائیں۔

۴) معاویہ کو آخر کار اسی بہانہ سے خلافت مل گئی، جیسے ہی خلافت ملی، وہ سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے، پھر وہ خون عثمان بھول گئے پھر انہوں نے اس بارے میں منہ ہی نہیں کھولا تو گویا معاویہ نے اپنی خلافت و اقتدار کی خاطر قمیض عثمان کے نام سے قتلِ عثمان کو بطور بہانہ استعمال کیا تھا۔

اس دور میں انہوں نے ایک خلیفہ کو اپنی حمایت سے محروم رکھا اور دوسرے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی اور تمام حیلہ و مکر و فریب سے اسے شکست سے دوچار کر کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا۔

۷۔ **دورِ زعامتِ ریاست:** دور زعامت ریاست مسلمین، ان کا یہ دور قطع نظر از تطبیق اسلام و شریعت، عدالت اسلامی، کامیاب ترین دور ہے۔ اس میں تمام مزاحمتیں کچل دی گئیں۔ ہر دوست و دشمن اور ہر خاص و عام کا ان کے پاس آنا جانا رہتا تھا یہاں تک کہ بنی ہاشم بھی سوائے امام حسین کے باقی تمام رقیب و حریف خلافت ان کے پاس آتے تھے اور ان سے عفو و درگزر کیا جاتا تھا ان کے بارے میں تفصیل ادوار تاریخ ضالہ میں رجوع کریں۔

۸۔ **دور رخصت از دنیا:** اس دور میں امیر معاویہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ یہ حکومت و ریاست و زعامت مسلمین ان کے گھر کے کسی فرد ہی کے پاس جائے۔ یہ جو ریاست و زعامت مسلمین جس کو انہوں نے انتہائی مکر و فریب اور ربز و رطاقت حاصل کیا اور بحیثیت حکمران پر امن طور پر چلایا اور مقبولیت حاصل کی لیکن صرف یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر کے اہل حل و عقد کی مخالفت کے باوجود اسلامی و شرعی و اخلاقی تمام اصولوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا اور تاریخ میں ایک کامیاب حاکم اسلامی کے نام سے متعارف نہیں ہو سکے بلکہ وہ ایک بادشاہ اور امور مملکت کو بطور ملوکیت چلانے والے کے نام سے متعارف ہوئے ہیں۔

۹۔ معاویہ پہلا شخص ہے کہ جس نے اپنے بعد ولی عہد کا اعلان کیا اور اپنی طاقت و قدرت، دھمکی اور خوف و ہراس سے یزید کے لئے بیعت لی اور اس نے سیرت رسولؐ اور سیرت خلفاء راشدین کو نظر انداز کر کے اپنے بیٹے کو خلیفہ بنایا تھا۔

۱۰۔ معاویہ کو اس وقت کی برجستہ شخصیات اور اصحاب پیغمبرؐ عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عمر، عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور امام حسین سب نے مشورہ دیا تھا کہ اگر آپ نے کسی کو نامزد کرنا ہی ہے تو یا سیرت رسول اللہ پر چلیں، یا سیرت ابا بکر پر چلیں یا عمر کی سیرت پر چلیں لیکن انہوں نے تینوں تجاویز کو مسترد کر کے یزید کی ولی عہدی کا اعلان کر کے اسلام میں ولی عہدی کی بنیاد ڈالی، یہ ان کی سیاہ ترین تاریخ میں شمار ہوتا ہے، یہ سوچ معاویہ کے ذہن میں پروان چڑھ رہی تھی لیکن وہ اس کو عملی

جامہ پہنانے کے لئے طور وطریقہ اور بہانے تلاش کر رہے تھے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے لیے کونسا طریقہ مؤثر رہے گا لیکن معاویہ کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا طریقہ مغیرہ بن شعبہ نے بتایا ہے۔

۱۱۔معاویہ نے زیاد کو اپنے باپ سے منسوب کیا، پھر معاویہ نے بصرہ و کوفہ میں زیاد کو والی بنایا، معاویہ اور اس کے والی منابر پر علی کو سبّ کرتے تھے، صحابی رسول حجر بن عدی کو یہ برداشت نہیں ہوتا تھا، آپ مزاحمت کرتے تھے، اس پر زیاد نے حجر بن عدی کو معاویہ کے پاس بھیجا، انہوں نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قریہ عذرا میں قتل کیا جو مسلمانوں پر بہت گراں گزرا چنانچہ سلطان عماد الدین نے شافعی سے نقل کیا کہ شافعی نے ربیع سے کہا کہ چار صحابہ کی گواہی قبول نہیں، ان میں معاویہ، عمرو بن عاص مغیرہ اور ابن زیاد ہیں۔

۱۲۔۴۵ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید، معاویہ کے زہر سے قتل ہوا۔۴۹ھ میں سید الشباب الجنۃ امام حسن معاویہ کے زہر سے شہید ہوئے۔۵۹ھ میں معاویہ نے یزید کی خلافت کے لیے بیعت لی، اس بیعت میں امام حسین ابن علی، عبداللہ ابن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر نے انکار کیا تھا۔۶۰ھ کو ۷۵ سال کی عمر میں معاویہ نے وفات پائی۔معاویہ کی صفات میں سے تھا کہ اس کے ظلم پر اس کا حلم حاوی تھا، وہ عربوں میں سب سے زیادہ حیلہ گر اور ملکی سیاست میں ماہر تھے، ان کے دور میں علی کے چاہنے والے ان کے پاس آئے اور سخت طنز و اشارہ میں ان کی مذمت پر مبنی گفتگو کی، اس کے باوجود معاویہ نے انھیں اپنے احسانات سے نوازا۔

۱۳۔معاویہ وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنے بیٹے کیلئے بیعت لی اور جس نے مسجد میں نماز کیلئے اپنے لئے ایک خاص کمرہ بنایا۔

۱۷۔عمرو بن عاص:

عمرو بن عاص جیسا کہ انساب اشراف ج ۱۰ ص ۱۷۵ پر آیا ہے کہ ان کے والد عاص بن وائل قریش کے ایک خاندان سے تھے ان کی ماں دور جاہلیت کی نابغہ فاحشہ عورت تھی، اس حوالے سے وہ احساس حقارت رکھتے تھے لیکن وہ اسے چھپاتے نہیں تھے بلکہ وہ اس حوالے سے تذلیل کرنے والوں کے سامنے اعتراف بھی کرتے تھے کتاب قصص العرب ابراہیم شمس الدین ج ا ص ۱۰۱ پر آیا ہے عمرو بن عاص کو ان کی تیز سواری پر مغرورانداز میں آتے ہوئے چند افراد نے دیکھا تو کسی نے کہا ہم میں سے کون یہ جرات کرے گا کہ ان سے ان کی ماں کے بارے میں پوچھے، جو بھی یہ جرات کرے گا اس کو دس ہزار درہم انعام دیں گے تو کسی نے کہا کہ ہم پوچھیں گے وہ آگے بڑھے اور سلام کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ کے والد کو ہم سب جانتے ہیں لیکن یہ بتائیں کہ آپ کی ماں کس خاندان سے ہے تو اس نے کہا میری ماں نابغہ بنت حرملہ بن عزہ ہے، کسی نے اس کو اسیر کیا اور بازار عکاظ میں فروخت کیا، عبداللہ بن جدعان نے خریدا، اس نے عاص بن وائل کو دیا، اس سے ہم پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ ان کے سلسلہ نسب ابولہب امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب عاص بن وائل میں اختلاف ہوا تو نابغہ نے عاص کے حق میں فیصلہ کیا۔

وہ سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے عداوت رکھتے تھے اور پیغمبرؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔جب حضور اکرمؐ کے فرزند قاسم کی وفات ہوئی تو اس نے کہا کہ اب نسل محمدؐ ختم ہے اور یہ ابتر ہے اس کی بنا پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔عاص کے دو فرزند مسلمان ہوئے۔عمرو بن عاص اور ہشام بن عاص۔ہشام جنگ یرموک میں قتل ہوئے، ان کی نسل نہیں۔

عمرو بن عاص اپنے باپ عاص کی طرح نبی کریمؐ سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا چنانچہ مسلمان کفار قریش کی اذیت و آزار سے تنگ آ کر حبش ہجرت کر کے گئے تو قریش نے ایک وفد عمرو بن عاص کی سرگردگی میں بمعہ تحائف وہدایا حبش میں نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ انہیں واپس مکہ لانے کی کوشش کرے اور نجاشی کو کچھ پیش کش بھی کی اور کچھ شرائط بھی رکھیں لیکن نجاشی نے انکی شرائط مسترد کر دیں چنانچہ دوسری دفعہ بھی وہ تحائف وہدیا لے کر نجاشی کے پاس گیا تو نجاشی نے مشرکین کے اس وفد کو پیغمبرؐ کی صداقت کی خبر دی۔واقدی نے (غلام عمرو بن سہم) سے نقل کیا ہے چنانچہ خود عمرو عاص نے کہا کہ میں نجاشی کے کہنے پر مسلمان ہوا اور اسکے ہاتھ پر بیعت کی عمرو بن عاص اور خالد بن ولید ایک ساتھ پیغمبرؐ کے پاس آئے اس وقت مشرکین اور پیغمبرؐ کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔واقدی نے لکھا ہے کہ عمرو عاص پیغمبرؐ کے پاس آٹھویں ہجری صفر کے مہینے میں فتح مکہ سے چند مہینے پہلے یا رمضان کے مہینے میں مسلمان ہوئے۔عمرو بن عاص کا کہنا ہے کہ جب پیغمبرؐ خیبر سے واپس آئے تو میں انکی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں اپنے اسلام لانے اور ہجرت کی خبر سنائی۔پیغمبرؐ نے انھیں اسی سال سلاسل میں ایک سریے میں بھیجا۔اس میں عمرو عاص کے ساتھ ابو بکر، عمر اور ابوعبیدہ جراح بھی تھے۔عمرو کا کہنا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرا کردار دیکھیں۔پیغمبرؐ نے مجھے جیفر اور عبدالداد فرزندان جندی کے نام خط دیا۔اس نے کہا اس بارے میں سوچوں گا تو عمرو عاص نے اس سے کہا انسان کیلئے جھوٹ میں بدترین شرمندگی ہے۔ہمارے

دین میں جھوٹ جائز نہیں، یہ کلام سن کر وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور ہمیں صدقات و جزیہ جمع کرنے کی اجازت دی، وہاں بنی قضاعہ عملہ لخم جزام سب جمع تھے۔ان سے جنگ لڑی، انہیں منتشر کیا، بہت سوں کو قتل کیا، وہاں سے واپسی پر پیغمبرؐ نے انھیں جندی کے پاس بھیجا، دونوں مسلمان ہوئے، عمرو عاص کے ساتھ زید انصاری تھا، لوگوں سے اسلام قبول کرایا اور ابو زید نے انہیں قرآن سکھایا۔عمرو عاص جس وقت عمان میں تھا، اس وقت رسول اللہؐ نے وفات پائی۔عمرو بن عاص وہی شخص ہے کہ جس نے خلیفہ دوم کے زمانے میں مصر او راطراف مصر کو فتح کیا ہے۔

عمرو بن عاص کی ہوس اقتدار کی کہانیاں:

حضرت عثمان نے انہیں مصر سے معزول کیا، جب عمرو عاص معزول ہو کر مدینہ آیا تو حضرت عثمان نے عمرو عاص سے کہا اے عمرو تمہارے واپس آنے کے بعد اونٹیوں نے بہت دودھ دینا شروع کیا یعنی جذیہ زیادہ آیا، تو عمرو نے کہا کہ آپ لوگوں نے بچوں پر ظلم کیا ہوگا۔عمرو عاص کی عثمان اور معاویہ کے ساتھ بہت سے قصے کہانیاں ہیں۔

کتاب العرب ج ۲ ص ۵۵۱ پر آیا ہے جب حضرت علی جمل سے فارغ ہو کر کوفہ پہنچے تو آپ نے ایک خط جریر بن عبداللہ بجلی کے ذریعے معاویہ کو بھیجا، عبد اللہ بجلی شام پہنچے، خط کے مضمون کو معاویہ کو سنایا تو وہ ہوس باختہ ہو گیا کہ کیا جواب دے، جریر جواب طلب کرتے رہے، وہ ٹالتے رہے، اہل شام سے مشورہ کیا نیز اپنے بھائی عتبہ ابی سفیان سے مشورہ کیا تو عتبہ نے ان کو عمرو بن عاص سے مشورہ کرنے کا مشورہ دیا کہ وہ صاحب فکر و فراست ہے لیکن تم جانتے ہو کہ وہ عثمان کے مسائل میں غیر جانب دار رہے، آپ کے ساتھ تو غیر جانب دار نہیں ہو نگے مگر یہ کہ اس کے دین کو خریدنے کے لیے کوئی کافی مقدار میں قیمت ادا کرے، چنانچہ معاویہ نے ان کو اس وقت کی صورت حال سے آگاہ کیا کہ طلحہ و زبیر کے ساتھ کیا ہوا، مروان اور اس کے خاندان کی شام میں پناہ لینے کی بات کی نیز علی کی طرف سے دعوت بیعت کے لئے جریر کے خط کا ذکر کرنے کے بعد مشورہ طلب کیا، عبداللہ نے معاویہ سے ملنے سے منع کیا لیکن محمد نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے کا مشورہ دیا، عمرو بن عاص نے عبداللہ سے کہا تم نے میرے دین کی بات کی جبکہ محمد نے میری دنیا کی بات کی ہے میں خود سوچوں گا کہ کیا کرنا ہے۔عمرو عاص نے اپنے غلام وردوان کو بلایا اور اپنی پریشانی اور اضطراب داخلی کے بارے میں بتایا تو وردوان نے ان کو مشورہ دیا کہ اپنے دین کو دنیا کے لئے فروخت نہ کریں۔لیکن عمرو عاص نے اس کی بات کو بھی نہیں مانا، حکم دیا آمادۂ سفر ہو جائیں، شام پہنچا، معاویہ نے اپنی پریشانی سے آگاہ کیا، ایک طرف سے مصر میں محمد بن حذیفہ نے زندان کو توڑ کر خروج کیا، دوسری طرف بادشاہ روم نے دھمکی دی، تیسری طرف سے علی نے دعوت دی کہ میری بیعت کرو، معاویہ نے کہا مجھے اس وقت آپ کے تعاون کی ضرورت ہے تو عمرو عاص نے کہا حذیفہ کو تو کسی کو بھیج کر قتل کروایا جاسکتا ہے بادشاہ روم کو تحفہ و تحائف سے روکا جاسکتا ہے لیکن علی کو روکنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا کیونکہ آپ کا علی سے کوئی موازنہ و مقابلہ نہیں، اس نے کہا میری مدد کریں، اس نے کہا مجھے اس کی قیمت دینا پڑے گی پوچھا کیا چاہتے ہو تو کہا مصر کی حکومت بدون خراج، کہا یہ بہت زیادہ ہے، یہ تمہارے لیے بھی بدنامی کا باعث بنے گے کہ عمرو عاص نے رشوت لے کر ساتھ دیا تو عمرو عاص نے کہا میں کسی کے دھوکہ میں نہیں آتا ہوں تو معاویہ نے کہا آپ میرے نزدیک آجاؤ میں آپ کو ایک راز بتاؤں گا، جب عمرو عاص نزدیک آگیا تو اس نے اپنے دندان سے اس کے کان کو کاٹا اور کہا کہ اب بتاؤ کہ تم دھوکے میں آتے ہو یا نہیں۔

ہمیں اپنے قول و فعل میں دوست و دشمن سب کے ساتھ عدالت کرنی چاہیے، اگر عدالت کے تناظر میں عمرو عاص کے حق میں رائے قائم کریں تو وہ شجاع، جری، دلیر سیاست مدار اور حاضر جواب انسان تھے اس لئے انھیں عرب سیاست مدار میں شمار کرتے ہیں، ہم مسلمانوں کی خاص خرابی یہ ہے کہ جب کسی کے اندر کوئی فضیلت دیکھتے ہیں تو ان فضائل کو بھی ان کی طرف نسبت دیتے ہیں جو ان میں نہیں بلکہ وہ ان کی الٹ یا ضد صفت کا حامل ہوتا ہے عمرو بن عاص بھی ان شخصیات میں سے ہیں بقول خلیفہ دوم گویا یہ صرف امارت و ریاست کیلئے خلق ہوا ہے اور دیگر صفات حمیدہ سے وہ عاری و خالی تھا اہل مصر ان کے اخلاق حمیدہ و کردار با صفاء دیکھ کر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ قبطی رومیوں کے ظلم سے تنگ آ کر مسلمان ہوئے تھے۔

کسی نے عمرو بن عاص سے پوچھا کہ تم افضل ہو یا ہشام تو اس نے کہا کہ میں کیسے افضل ہو سکتا ہوں کیوں کہ اس کی ماں ام حرملۃ بنت ہشام بن المغیرۃ ہے جو عمر بن خطاب کی خالہ تھیں میری ماں نابغہ ہے وہ ہم سے زیادہ افضل ہے، وہ ہم سے پہلے مسلمان ہوئے، ہم سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی اور یرموک میں

شہید ہوئے اور میں باقی رہا۔

عمر و عاص جب حالت موت و سکرات سے نزدیک ہوا تو اس نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ کاش میرے مرنے کے موقع پر ایک عاقل انسان مجھے بتاتا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، بیٹے نے کہا میں آپ کی حالت موت نزدیک دیکھ رہا ہوں، میں آپکے سامنے ہوں، آپکی عقل بھی ابھی سالم ہے ابھی آپ کیا پاتے ہیں، مجھے بتادیں تو عمرو بن عاص نے کہا میری پسلی ایک تشت میں ہے گویا میں ایک سوئی کے سراخ سے سانس لے رہا ہوں۔ ایک کانٹے کی شاخ میرے قدم میں گھسی ہے جو میرے سر تک پہنچی ہے اور مجھے کھینچ رہی ہے۔ پھر اس نے امیہ بن سلط ثقفی کا شعر پڑھنا شروع کیا اس نے کہا کاش خون ماہواری کے ساتھ پھینک دیا جاتا۔ پھر کہا ایک رسی لاؤ، اس سے میرے ہاتھوں کو گردن سے باندھو، پھر چہرہ آسمان کی طرف کیا اور کہا اے اللہ تو نے مجھے حکم دیا تھا، میں نے تیری نافرمانی کی، تو نے مجھے روکا تھا، میں نے منکرات کا ارتکاب کیا، میں حق نہیں رکھتا ہوں کہ تجھ سے مدد طلب کروں، نہ میں بری ہوں تا کہ تجھ سے عذر خواہی کروں لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ تو واحد لاشریک ہے اور محمدؐ تیرے بندے اور رسول ہیں پھر بیٹے سے کہا اگر میں مرجاؤں تو میرا خط زمین پر رکھو میرے اوپر مٹی ڈالو پھر اپنی انگلی اپنے منہ میں کسی مفکر کی طرح رکھی۔ ایسی حالت میں اس نے ۹۳ سال کی عمر میں وفات پائی، اس پر اس کے بیٹے نے نماز جنازہ پڑھی۔

عمرو بن عاص جنگِ صفین میں: [کتاب امام علی۔ رضا رشید ص ۱۵۱]

۱۔ عمر و عاص میدان میں اترے، علی کو مبارزہ کی دعوت دی تو علی نکلے علی پر حملہ کیا، علی جب حملہ آور ہوئے تو اس نے خود کو گھوڑے سے گرایا اور پاؤں کو اونچا کیا اپنی شرمگاہ کو ننگا کیا تو علی کو شرم آئی، منہ موڑا تو وہ واپس چلے گئے۔

۲۔ عمرو بن عاص ہی کا حیلہ تھا کہ قرآن کو نیزوں پر اٹھاؤ۔ کتاب رضا رشید ص ۱۵۵۔ جب معاویہ اور عمرو بن عاص نے آثار ہزیمت کو بطور نمایاں دیکھا تو ایک دوسرے سے انجام جنگ کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے تو عمرو بن عاص نے تجویز دی کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کیا جائے اور اعلان کریں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان حکم قرآن نافذ ہوگا، یہ حیلہ اپنی جگہ دو میں سے ایک نتیجے کا حامل ہوگا اگر علی اس کو رد کریں تو ان کے لشکر میں اختلاف ہوگا، اگر قبول کریں تو ہمیں جنگ ٹالنے کا موقعہ ملے گا چنانچہ یہی حیلہ کارگر ثابت ہوا۔

۳۔ جنگ صفین میں عمار یاسر عمرو بن عاص سے نزدیک ہوئے تو عمار نے کہا "یا عمرو بعت دینک بمصر" اے عمرو تم نے اپنے دین کو مصر کی حکومت کیلئے فروخت کیا تم ہمیشہ اسلام کے خلاف باغی رہے۔

۱۸۔ مغیرہ بن شعبہ: [جلد ۱۳ ص ۳۴۲]

ابوعبداللہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود ثقفی ان کی ماں امامہ بنت افقم بن ابی عامر اپنے دور میں ذہین و عاقل خاتون تھیں۔ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ بنی سقیف کے ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام گیا تو ایک دن اس نے قافلے والوں کو سوتے ہوئے پایا تو اس نے سب پر چھری سے وار کردیا اور ان کے مال کو مال غنیمت کے طور پر قبضے میں لے لیا۔ پھر یہ شخص پیغمبرؐ اسلام کے پاس آیا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور ساتھ ہی پیغمبر اکرمؐ کو ساتھیوں پر چھری سے وار کرنے کے متعلق بتایا تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارا اسلام قبول کرتے ہیں لیکن جو مال تم نے غنیمت سمجھ کر لیا، وہ ہم قبول نہیں کریں گے۔

یہ ایک واضح و روشن مثال ہے کہ دین اسلام میں کافرین سے دھوکہ و اغفال کر کے لوٹنا صحیح نہیں ہے شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے مردان مفکر و ذہین عرب میں چار آدمی ہیں، معاویہ ابن ابی سفیان، عمرو ابن عاص، مغیرہ ابن شعبہ و زیاد، معاویہ حلم و بردباری میں مشہور تھا عمرو ابن عاص مشکلات سے نمٹنے کے لیے مشہور تھا، مغیرہ مکر و فریب میں مشہور تھا، زیاد جھوٹ بولنے میں مہارت رکھتا تھا مغیرہ کو مغیرہ رائے کہتے تھے قیصرا ابن جابر نے کہا ہے کہ میں مغیرہ کے ساتھ رہا ہوں، اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ہر ایک سے نکلنا مشکل ہو لیکن مغیرہ ان تمام دروازوں سے آسانی سے نکلے گا مغیرہ کسی ایسی مشکل میں نہیں پھنسا ہے جہاں سے وہ آسانی سے نہ نکلا ہو۔ مغیرہ نے جنگ خندق کے موقع پر اسلام قبول کیا، وہ حدیبیہ میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھا۔ مغیرہ نے پیغمبرؐ سے ۱۳۶ احادیث نقل کی ہیں، سعد ابن وقاص نے مغیرہ کو نمائندہ بنا کر رستم کے پاس بھیجا تھا، حضرت عمر نے ان کو بصرہ میں والی بنایا تھا، پھر ان کو کوفہ میں والی بنایا یہاں تک کہ حضرت عمر کے قتل کے بعد حضرت عثمان نے انہیں وہیں رکھا مغیرہ جنگ یمامہ اور فتح شام میں ساتھ رہے۔

جنگ یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوئی، قادسیہ فتح نہاوند اور حمدان میں ساتھ رہے، انہوں نے بہت سی فتوحات کیں۔ معاویہ نے بھی انہیں کوفہ کا والی بنایا۔ یہ ۵۰ھ میں مرض طاعون سے وفات پا گیا۔ مغیرہ، جریر اور عش بن نفیس تینوں ایک دن ایک اعرابی سے ملے تو اس نے کہا کہ وہ ایک آنکھ سے اندھا ہے اور برا انسان ہے مغیرہ اپنی زندگی میں بہترین زندگی گزارنے والوں میں سے تھے۔ مغیرہ نے کہا چار قسم کے مرد اور چار قسم کی عورتیں ہوتیں ہیں۔ ایک مرد مذکر اور ایک عورت مونث ہے تو مرد عورت پر حاکم ہے، مرد مونث اور عورت مذکر ہے تو عورت ہی مرد پر حاکم ہے۔ تیسرا یہ کہ مرد مذکر ہے اور عورت بھی مذکر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے تناؤ میں رہتے ہیں۔ مرد مونث اور عورت بھی مونث ہے اس طرح ان دونوں سے نہ کوئی خیر نکلے گی اور نہ ہی یہ لوگ فلاح کی زندگی پائیں گے۔

مغیرہ نے حضرت علی کو خلافت سنبھالنے کے بعد عثمان کے تمام والیوں کو اپنے علاقوں میں برقرار رکھنے کا مشورہ دیا اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو معاویہ اور عمرو بن عاص کو نہ چھیڑنے کا مشورہ دیا تھا جسے علی نے مسترد کیا تھا مغیرہ صفین کی جنگوں میں غیر جانب دار رہے، مغیرہ صلح امام حسن کے بعد کوفہ میں معاویہ کی طرف سے والی رہے، مغیرہ ہی نے زیاد ابن ابیہ کو معاویہ سے ملایا تھا اور مغیرہ ہی نے معاویہ کو یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا تھا۔

۱۹۔ احنف بن قیس:- [مفردات من الحضارۃ الاسلامیہ ص ۱۱۶]

احنف بن قیس بن حصین المری التمیمی، احنف ان کا لقب ہے چونکہ ان کے پاؤں میں تھوڑی کجی تھی، ان کا نام ضحاک یا صخر ہے، حلم میں مشہور تھے بنی تمیم کے مشہور سیاستمدار تھے جو بصرہ میں پیدا ہوئے فصیح و بلیغ تھے، وہ بصرہ میں ہی قیام کرتے تھے، دور رسالت نبیؐ میں پیدا ہوئے لیکن پیغمبر اکرم کو دیکھا نہیں، عمر بن خطاب نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا احنف کو اپنے رفقاء میں شامل کریں اور ان کے مشورے پر عمل کریں، ان کو اپنے ساتھ رکھیں چنانچہ خراسان قاشان، اصفہان، خراساں اور سمرقند میں ان کے ساتھ رہے، جنگ جمل میں بصرہ میں ہوتے ہوئے دونوں طرف سے دور رہے، صفین میں علی کے لشکر میں رہے تحکیم میں ابوموسیٰ اشعری کے تعین کے خلاف تھے لیکن جب امام حسن کے بعد خلافت معاویہ کو ملی تو معاویہ نے انہیں صفین میں علی کا ساتھ دینے پر ملامت و سرزنش کی تو سختی سے ان کی بات کو مسترد کیا اور کہا جن دلوں میں تمہارے لیے غم و غصہ تھا ان دلوں میں وہ اسی طرح اب بھی موجود ہے، جن تلواروں سے تم سے جنگ لڑی تھی وہ ہمارے پاس ہیں انہوں نے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی لیکن امام حسین کی دعوت کو قبول نہیں کیا، ۷۲ ہجری میں وفات پائی۔

۲۰۔ عثمان ابن طلحہ بن ابی طلحہ:

اس شخص کے پاس کعبہ کی چابی تھی پیغمبرؐ نے چابی لی۔ (سورہ نساء۔ ۵۸) واقدی نے لکھا ہے کہ عثمان بن طلحہ فتح مکہ سے چند ماہ قبل پیغمبرؐ کے پاس آئے، ساتھ خالد بن ولید اور عمرو ابن عاص بھی تھے، یہ تینوں اسلام لائے، جب کعبہ کی چابی پیغمبرؐ کو دینا چاہی تو آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے پاس رہے گی مگر کوئی ظالم آ جائے۔ عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ مدینہ میں رہے یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد واپس مکہ آئے اور ایام حکومت معاویہ میں وفات پائی۔

۲۱۔ عبداللہ بن زبیر:- [ص۔ ۴۴۸]

عبداللہ بن زبیر کی کنیت ابا بکر ہے۔ یہ دل و زبان دونوں میں قدرت مند تھے۔ عبداللہ مدینے میں مہاجرین میں سب سے پہلے مولود تھے، ان کی ولادت پر مسلمانوں نے خوشی منائی۔ کہتے ہیں عبداللہ بن زبیر بہت بخیل انسان تھے۔ ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ عبداللہ کی اولادوں میں حمزہ، خبیب، ثابت اور عباد ہیں انہوں نے کعبہ کے دو دروازے بنائے، دعویٰ خلافت کیا، حجاز و عراق، یمن اور مصر میں ان کی حکومت قائم ہوئی، عبداللہ کی حکومت ۹ سال قائم رہی، اس کے بعد حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کر کے انہیں ۷۳ سال کی عمر میں قتل کیا۔ ان کے بارے میں تفصیل دو رضالہ میں دیکھیں۔

۲۲۔ مروان بن حکم:

خلفائے راشدین کے چہرے پر داغ بننے والی شخصیت، ان کا ماجرا بیان کرنے اور نسب خاندانی بیان کرنے سے پہلے ایک مثال پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ وکیل جنگلات نے اپنے وقت کی عدالت عالیہ میں ایک استغاثہ دائر کیا کہ آپ کی حکومت میں یا سایہ عدالت میں ہمارا استحصال ہو رہا ہے، اس کا تدارک چاہتا ہوں تو عدالت نے اس سے استفسار کیا کہ آپ اس کی وضاحت کریں کہ کیسے ہماری رعایا آپ کے علاقے میں آ کر آپ کا استحصال کرتی ہے، یہ ناممکن

ہے تو وکیل نے پھر سے تکرار واصرار کیا حضور عالی آپ یقین کریں کہ آپ کے لوگ ہی کرتے ہیں تو عدالت نے پوچھا وہ کیسے استحصال کرتے ہیں تو اس نے کہا کلہاڑی سے کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق لوہاروں سے ہیں کیونکہ کلہاڑی لوہار ہی بناتے ہیں تو لوہاروں کو بلایا گیا، ان سے جواب طلبی کی تو انہوں نے بھی انکار کیا کہ حضور یہ ہو نہیں سکتا کہ ہماری کلہاڑی خود کچھ کر سکے، اس کیلئے کوئی دستہ چاہیے دستہ خود جنگلات والوں نے فراہم کیا ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ مقدمہ خارج از سماعت ہو گیا۔ محاصرہ عثمان اور آخر میں قتل عثمان کرنے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مصر اور کوفہ سے آئے تھے انہوں نے ہی اس جرم کا ارتکاب کیا ہے تو سوال ہوا کہ آخر انہوں نے یہ خیانت و جسارت کیوں کی تو انہوں نے جواب دیا کیونکہ دار الخلافہ سے مسلسل ناروا اور ناانصافی پر مبنی سلوک و رویہ تکرار سے مشاہدے میں آتا رہا تو ہم بے قرار ہو کر یہاں آئے ہیں تو سوال ہوا یہ کیسے ممکن ہے کہ خلیفہ سوم جو اپنی ایمان لانے کی ابتدائی زندگی سے لے کر اس وقت تک اسلام و مسلمین کیلئے گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے ہوں کیا وہ وہ ناانصافی کریں تو جواب ملا کہ عثمان کی طرف سے مسئول کل مروان بن حکم عثمان کے نام سے ناانصافی کرتے ہیں، یہ بات درست ہے کہ اگر پاکستان میں افغانستان یا عراق و مصر میں امریکا مداخلت کرتا ہے تو امریکی بذات خود یہاں آکر مداخلت نہیں کرتے بلکہ ان کو اس کام کے لیے وسیلہ چاہیے، ان کیلئے دشمنی کا راستے دکھانے والے اس ملک کے خائین و خیانت کار لوگ ہوتے ہیں، اس طرح عثمان کو بدنام کرنے میں مروان کا کردار ہے مروان کون ہے مروان جیسا کہ دولت امویہ تالیف صلابی ج ا ص ۵۷۴ میں آیا ہے مروان فرزند حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف ان کے بارے میں تفصیل دور الضالہ مروانیہ میں ملاحظہ کریں۔

۲۳۔ قیس بن سعد الانصاری:

تاریخ اسلام دور الرسالت و دور رشادت کے ایمان و اخلاص کے پیکر اپنے دور کے شجاعت و شہامت و سخاوت و فراست و ذہانت کے نابغہ، فتح مکہ و صفین و مدائن میں قائد لشکر بننے والے قیس کا سلسلہ نسب افتخار و اعزاز دور جاہلیت کو پس پشت چھوڑنے کے بعد عقبہ اولیٰ میں نبی کریمؐ کی بیعت کرنے اور نبی کریم کو مدینہ میں دعوت دینے والے اور رسول اللہؐ کی طرف سے مشرف نقیب بننے والے اور ثقیفہ میں اوس وخزرج کے اجتماع کی بزرگ شخصیت سعد بن عبادہ سے ملتا ہے جب قیس جوان ہوا تو باپ نے نبی کریمؐ کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ یہ آپ کا خادم ہے قیس کا گھر شجاعت بمعہ سخاوت کا حامل و وارث تھا وہ سخاوت میں یکتا تھے خلیفہ دوم نے کہا اگر ہم قیس کو جود و سخا سے نہیں روکیں گے تو سید مفلسی کا شکار ہوگا، وہ جامع جود و سخا تھے، ایسا نہیں کہ شجاعت ان کے دائیں ہاتھ میں ہو اور سخاوت بائیں ہاتھ میں بلکہ جود و سخاوت و شجاعت دونوں ان کے دائیں ہاتھ کے تھے شجاعت و سخاوت کے علاوہ فراست و ذہانت سیاست اور جنگی میں وہ مہارت رکھنے اپنے دور کے نابغہ و نامور تھے ذہانت و سیاست میں اس وقت معاویہ مشہور تھے لیکن قیس کہتے تھے اگر دین و ایمان و تقویٰ مانع نہ ہوتا تو معاویہ کبھی بھی ہم پر غالب نہیں آسکتا ہے۔

ادیب نامور خالد بن خالد اپنی کتاب رجال حول الرسول ص ۳۹۱ پر قیس سے نقل کرتے ہیں **لولا الاسلام لمکرت مکرا لا تستطیع العرب ردھا** ہم ایسا مکر کر سکتے ہیں کہ پورے عرب کچھ نہیں کر سکیں گے یہ قیس حضرت علی کے خلیفہ منتخب ہوتے ہی ان کی طرف سے والی مصر منتخب ہوئے امیر المومنین نے آپ سے خطاب میں کہا اللہ پر توکل کر کے مصر جائیں، اپنے ساتھ جتنے لشکر لے جانا چاہیں لے کے جائیں تا کہ آپ کا دشمن مرعوب و خوف زدہ ہو کر رہے تو آپ نے امیر المومنین سے کہا آپ کی تمام نصیحتوں پر عمل کرونگا لیکن جہاں تک لشکر لے کر جانے کی بات ہے، وہ ہم سے زیادہ آپ کیلئے ضروری ہے، آپ اپنے پاس رکھیں یا جہاں ضرورت پڑے بھیجیں، میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ جاؤں گا وہ مصر پہنچے تو معاویہ اور عمرو بن عاص کیلئے یہ ناگوار گزرا دونوں نے تہدید آمیز خطوط و مرسلات بھیجنا شروع کیئے یہاں تک کہ ان کے خلاف علی کو لکھنے کا بھی فائدہ نہیں ہوا تو انہوں نے علی کے دوستوں کے ذریعے قیس کو ہٹانے کی سازش کی اور ان کے خلاف علی کے کان بھرے چنانچہ کوفہ میں لوگوں نے اصرار کیا کہ قیس کو واپس بلائیں اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو بھیجیں، آخر میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے لشکر نے محمد بن ابی بکر کو قتل کیا، مصر پر قبضہ کیا تو حضرت نے فرمایا اگر میں قیس کو نہ ہٹاتا تو آج مصر پر ان کا قبضہ نہ ہوتا، قیس جنگ جمل و صفین میں علی کے ساتھ تھے اور آپ کے بعد قائد لشکر امام حسن بنے، عبید اللہ بن عباس آپ کے چچازاد بھائی آپ سے خیانت کر کے معاویہ سے جا ملے لیکن قیس نے اعلان کیا میرے اور معاویہ کے درمیان ملاقات میں تلوار ہوگی۔

۲۴۔عبدالرحمٰن بن عوف:-[مفردات الصحابہ ص ۳۱۰]

ان کا نام جاہلیت میں عبد عمرو تھا نبی کریمؐ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا، قارئین کرام نبی کریمؐ نے اپنے آغاز دعوت میں جس چیز کو اول درجہ کی اہمیت دی ہے وہ ثقافت اسلام ہے ثقافت اسلام کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں روزہ مرہ استعمال ہونے والے کلمات میں شرک کی بو نہ آنے کے آثار نظر نہیں آنے چاہئیں اسی تناظر میں آپ کو صدر اسلام میں مسلمان ہونے والوں میں سے اکثر و بیشتر کے نام ملیں گے جن کا نام جاہلیت میں عبدالدار، عبدالکعبہ، عبدالعزیٰ یعنی غیر اللہ کی بندگی سے انتساب ہیں جبکہ فی زمانہ ہمارے ہاں اکثر نام شرک پر مبنی ہیں مثال کے طور پر عبدالرسول عبدالعلی، غلام حسین، غلام رسول یا کلب علی، مدد علی وغیرہ ایسے بہت سے نام ہے جو کہ دین و شریعت کے خلاف ہیں غرض عبدالرحمٰن بن عوف آٹھویں سابقین اسلام میں سے ہیں، آپ نے تین دفعہ ہجرت کی ہے دو دفعہ حبش کی طرف اور تیسری دفعہ مدینہ کی طرف، آپ کاروبار میں حد سے زیادہ مہارت اور تجربہ رکھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف شورئ شش نفری خلیفہ دوم میں سے صاحب امتیاز شخصیت ہیں کہ جن کے بارے میں حضرت عمر نے کہا کہ انتخاب خلیفہ کے وقت اختلاف کی صورت میں آخری فیصلہ ابن عوف کا ہوگا، وہ جس کو خلافت دیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ عبدالرحمٰن نے آخری دم تک کوشش کی کہ بالکل غیر جانب داری سے خلیفہ منتخب ہو جائے، جب یہ صورت ناممکن نظر آئی تو انہوں نے یہ شرط عائد کی کہ اس شخص کو خلیفہ منتخب کیا جائے گا جو قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ سیرت شیخین (گذشتہ دو خلفاء کرام) کی سیرت پر بھی چلے گا۔ جب یہ شرط حضرت علی کے سامنے رکھی تو انھوں نے اسے یہ فرما کر مسترد کیا کہ قرآن وسنت تو مشعل راہ رہے گی اور وہ اس کے تابع بھی رہیں گی لیکن جہاں تک سیرت شیخین کا تعلق ہے اس پر وہ اپنے اجتہاد اور صوابدید پر عمل کریں گے، حضرت علی کی اس شرط کو مسترد کرنے کے بعد ابن عوف نے خلافت کو اسی شرط کے ساتھ حضرت عثمان کے لے پیش کیا تو انھوں نے کھلے دل سے اس شرط کو قبول کیا اور وہ مسند خلافت پر فائز ہو گئے۔ یہاں ابن عوف کے بارے میں یہ بات بھی زیر بحث آتی ہے کہ انھوں نے انتخاب خلیفہ میں ایک شرط کا اضافہ کیوں کیا جس کی سند نہ قرآن سے ملتی ہے اور نہ سنت رسولؐ سے اور نہ اس پر گذشتہ زمانے میں حضرت عمر نے عمل کیا ہے، حضرت عمر بہت سی جگہوں پر حضرت ابو بکر کی سیرت کے خلاف عمل کرتے رہے ہیں، اور بعد میں حضرت عثمان نے بھی ابن عوف کی اس شرط سے انحراف کیا، بات یہ ہے کہ یہ جو شوریٰ یا پارلیمنٹ میں کثرت رائے کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی بہت قدر و قیمت ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات ایک شخصیت یا فرد واحد کی طاقت پوری شوریٰ کے فیصلوں کو ناکام و ناکارہ اور بے بس بنا دیتی ہے اور ایک بااثر شخصیت ان پر اپنا ذاتی نظریہ ٹھونسنے کا باعث بنتی ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو کہاں تک معافی ملے گی، ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ اگر خلافت حضرت علی کو پہلے ملتی اور حضرت عثمان کو بعد میں ملتی تو دنیا کی تقدیر بدل جاتی اور دنیا جیسی آج ہے ویسی نہ ہوتی، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

۲۵۔خالد بن ولید:

خالد بن ولید خاندان قریش کے سپہ سالار جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کرنے میں کردار رکھنے والے اور حدیبیہ میں لشکر اسلام کو روکنے والے اپنے پاؤں سے چار سو کلومیٹر طے کر کے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہیں نبی اسلامؐ ان کو مرحبا کہتے ہیں۔ جنگ موتہ کے ایک سپاہی کہتے ہیں نبی کریمؐ نے ان کو سیف الاسلام کہا اگر فرض کریں کہ نبی کریمؐ نے نہیں فرمایا تو کیا ان کے ہاتھ میں اسلام کی تلوار نہیں تھی، ان کے ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ اسلام کے لئے استعمال ہوئی اور اب تم ان کو سیف الاسلام کہنا گوارا اور برداشت نہیں کرتے حالانکہ انہوں نے علی سے خلافت چھینی ہے نہ زہراء سے فدک چھینا ہے لیکن ان کو خالد کا نام برداشت نہیں۔

اتحادیہ قریش کے مسئول جنگ حدیبیہ کے موقع پر رسول اکرمؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے آنے والے مقدمہ الجیش کے سربراہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہؐ سے شرم وحیاء کی وجہ سے مکہ سے باہر چھپ گئے نبی کریمؐ نے ان کے بھائی سے ان کے نہ نظر آنے کی شکایت کی تو بھائی نے ان کو پیغام بھیجا کہ مجھے تعجب ہوا کہ تم جیسا عاقل وسمجھدار اس موقع پر کیوں منظر عام سے غائب ہو گیا رسول اللہؐ نے تمہارے بارے میں مجھ سے سوال کیا تھا، ان وجوہات سے تذبذب وتردد میں اضافہ ہو گیا تو آخر میں عثمان بن طلحہ کے ساتھ فیصلہ کیا کہ جا کر رسول اللہؐ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہوں مدینہ میں آئے اور شرم ساری سے اپنے گناہوں کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہؐ نے فرمایا اسلام گذشتہ گناہوں کو بخشتا ہے ہمیشہ صاحب پرچم رہنے والے کو روم سے لڑنے کیلئے بھیجا لشکر میں ایک سپاہی کی حیثیت

سے گئے، تقدیرِ الٰہی سے میدانِ موتہ میں تین پرچم دارِ اسلام لقاء اللہ سے پیوستہ ہو جاتے ہیں، لشکرِ اسلام بغیر قائد و سرپرست سرگردان و حیران رہتا ہے، خالد لشکر سے کہتے ہیں حیران و سرگرداں رہنا مسئلے کا حل نہیں، اپنوں میں سے کسی کو قائد بنائیں، لشکرِ بلا قائد کو ایک قائد تجربہ کار ملتا ہے، قائد نے شکستہ خوردہ لشکر کو ایک تازہ دم لشکر کی صورت میں منظم کر کے ایک طرف لشکرِ روم کو سرگرداں کرتے ہیں دوسری طرف سے لشکر کو میدانِ جنگ جلد از جلد چھوڑنے کا کہتے ہیں۔

اس طرح یہ تجربہ کار قائد جنگی حکمتِ عملی سے لشکر کو مزید جانیں دینے سے بچا کر واپس مدینہ میں لایا، گرچہ اہلِ مدینہ نے شکست خوردہ ہونے کی وجہ سے ان کا استقبال صحیح طریقے سے نہیں کیا، فتح مکہ کے موقعہ پر دائیں طرف کے لشکر کے قائد تھے جوش و جذبہ شجاعت دکھاتے ہوئے نبی کریمؐ کی ہدایت کے باوجود چند اہلِ مکہ کو قتل کرتے ہیں، ایک کو سریہ میں تسلیم ہونے کے باوجود ان کو قتل کرتے ہیں، مسلسل جنگ و نبرد آزمائی میں رہنے والے اس قائد کو نبی کریمؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر مرتدین و مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کیلئے بھیجتے وقت کہتے ہیں یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے رسولؐ اللہ نے دشمنانِ اسلام کو مارنے کے لئے استعمال کیا تھا، یہ کہہ کر ان کو مرتدین سے جنگ لڑنے کے لئے بھیجا وہاں کچھ کو قتل کیا اور باقیوں کو اسیر کرتے ہیں لیکن نویرہ کے قتل کے بعد اس کی بیوی کو اپنے عقد میں لینے کی وجہ سے عمر بن خطاب ان کے خلاف ہو گئے آج بعض افراد کیلئے ان کو سیف اللہ کہنا گوارا نہیں کیونکہ انہوں نے مالک نویرہ کو قتل کر کے ان کی بیوی کو اپنی زوجہ بنایا ہے لیکن حقیقت میں ان کا غصہ اس حوالے سے نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ معاشرے میں فاحشی و عریانی بڑھانے والے حکمرانوں کی حمایت نہ کرتے بلکہ انہیں غصہ یہ ہے کہ انہوں نے کیوں مرتدین کو گھیرا ہے ورنہ انہیں سیف اللہ کہنا کوئی زیادہ غصّے میں آنے والی بات نہیں تھی حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر ان کو قیادت لشکر سے عزل کر کے ایک سپاہی کی حیثیت سے جنگوں سریوں میں بھیجتے رہے، ان کے جسم کی کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں انہیں کوئی زخم نہیں لگا ہو مشرکین و مسلمین کی جنگوں کے سپہ سالار آخر میں بسترِ مرگ پر مرتے ہیں یہ مشیتِ الٰہی ہے۔

۲۶۔ رجاء بن حیوۃ: [وفیات الاعیان ج۲ ص۳۰۱]

رجاء بن حیوۃ بن جرول کندی اپنے دور کے بڑے نامور عالم تھے، وہ عمر بن عبد العزیز کے ساتھ مجالست رکھتے تھے' ایک رات ان کے ساتھ گزاری تو چاہا چراغ کو صحیح کریں، اٹھنے لگے تو عمر نے قسم کھائی نہیں آپ بیٹھیں، خود اٹھے اور چراغ کو صحیح کیا، میں نے ان سے کہا امیر المومنین آپ کیوں اٹھے تو عمر نے جواب دیا میں عمر بن عبد العزیز ہوں، جس نے آخرت کی طرف برگشت کرنی ہے۔ رجاء نے کہا عمر بن عبد العزیز نے مجھے حکم دیا، ان کے لئے چھ درہم کا کپڑا خرید دوں، جب میں وہ کپڑا خرید کر لایا تو انہوں نے اس کپڑے کو دیکھ کر کہا، یہ وہی کپڑا ہے جو مجھے چاہیے تھا لیکن یہ بہت نرم ہے رجاء کہتے ہیں میں رویا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کیوں روتے ہیں، کہا میں ایک دن آپ کے پاس آیا، اس دن آپ امیر نہ تھے، اس وقت آپ نے ۶۰۰ درہم کا کپڑا پہنا ہوا تھا۔ آج آپ کے پاس آیا ہوں جس وقت آپ امیر المومنین ہیں، میں چھ درہم کا کپڑا لایا، آپ نے اس کو دیکھ کر کہا، یہ وہی کپڑا ہے جو میں چاہتا ہوں لیکن یہ نرم ہے تو کہا رجاء میرا ابھی ایک نفس ہے، نفس نے چاہا کہ فاطمہ بنت عبد الملک کو ازدواج میں لاؤں، میری یہ خواہش پوری ہوئی، نفس نے چاہا میں امیر بنوں، میں امیر بن گیا' نفس نے خلافت کیلئے چاہا تو خلیفہ بن گیا، آج میں چاہتا ہوں جنت کو حاصل کروں۔ رجاء نے کہا، میں نے ان کے لباس کو درست کیا، جس وقت وہ خطبہ دے رہے تھے اس وقت انکا لباس بارہ درہم کا تھا جو قبا' عمامہ' قمیض' ردا' جوتے اور ٹوپی پر مشتمل تھا۔

وہ ایک دن عبد الملک بن مروان کے پاس تھے، وہاں ایک شخص کی برائی کا ذکر ہوا تو عبد الملک نے کہا، اگر اللہ مجھے قدرت دیدے تو میں اس کے ساتھ یہ کروں گا، جب اللہ نے اسے اس فعل کے ارتکاب کی قدرت دی تو رجاء بن حیوۃ اٹھے، ان سے کہا یا امیر المومنین اللہ نے آپ کے ساتھ جو آپ نے چاہا کیا ہے اب آپ کو چاہیے اللہ جو چاہتا ہے آپ وہ کریں یعنی عفو و درگزر کریں تو انہوں نے اس کو عفو کیا اور اس کے ساتھ نیکی کی۔ جب ایوب بن سلیمان بن عبد الملک نے وفات پائی، اس وقت وہ وہاں کے ولی عہد تھے تو اس وقت رجاء ان کے پاس حاضر ہوئے جس وقت ان کا احتضار ہو رہا تھا، ان کے ساتھ عمر بن عبد العزیز، سعید بن عقبہ اور رجاء بن حیوۃ تھے، سلیمان ان کے چہرہ کو دیکھتے رہے، ان کے آنسو بہہ نکلے، انسان کے قابو میں نہیں رہتا ہے کہ مصیبت کے موقعہ پر وجد آتا ہے، اس وقت بعض لوگ اللہ کو یاد کر کے صبر سے کام لیتے ہیں جبکہ بعض صبر نہیں کر سکتے وہ انسان ضعیف ہوتے ہیں۔

میں اپنے نفس میں مصیبت محسوس کر رہا ہوں، اگر میں اس کو ٹھنڈا نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ میرا جگر پاش پاش ہو جائے تو عمر نے کہا یا امیر المومنین آپ کیلئے

صبر بہتر ہے تا کہ آپ کا اجر ضائع نہ ہو، سعید بن عقبہ نے میری طرف دیکھا اور رجاء بن حیوۃ سے رونے میں مدد طلب کی لیکن میں نے کراہت کی کہ ان کو رونے کا حکم دے دوں یا رونے سے منع کروں لیکن رجاء نے کہا امیر المومنین میرے خیال میں رونے میں کوئی اشکال نہیں جب تک رونا افراط میں نہ ہو، مجھے خبر ملی ہے کہ جب پیغمبرؐ کے فرزند ابراہیم نے وفات پائی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو آئے چنانچہ سلیمان بہت رویا۔ ان کے رونے میں اضافہ ہوا گویا ان کے دل کی رگ ٹوٹ رہی ہو تو عمر بن عبدالعزیز نے رجاء سے کہا آپ نے امیر المومنین کے ساتھ اچھا نہیں کیا تو اس نے کہا ابا حفص رونے سے حاجت روا ہو جاتی ہے، اگر وہ روئیں گے نہیں تو یہ غم ان کے دل میں رہنے سے ان کا دل بند ہو سکتا ہے، رونا بند نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد سلیمان نے رونا بند کیا، پھر پانی طلب کیا، چہرے کو دھویا، بیٹے کے جنازے کو تیار کیا، جنازے کے آگے چلے۔ جب دفن کیا تو دیکھتے رہے پھر غلام سے کہا میری سواری کو سامنے لاؤ، سوار ہوئے۔

کلماتِ اختتامیہ:

کلماتِ اختتامیہ میں عام طور پر مؤلف کی کوتاہیوں، تقصیرات اور گزشتہ ابحاث میں تشریح طلب موضوعات کی توضیح پیش کی جاتی ہے، ہم بھی یہاں اس سنت جاریہ وساریہ سے استفادہ کرتے ہوئے قارئین کرام کو چند حقائق کے بارے میں وضاحت پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

یہاں میں علماء، اساتید، نقاد و ناقدین ادب کے ماہرین کے حضور میں اس حقیقت ناصعہ سے کشف نقاب کرتا ہوں کہ کتاب حاضر ادب سے بے بہرہ اور مظلوم ومقہور وپریشان حال کا اثر ہے۔ اس سے کسی قسم کی ادبیت کی توقع رکھنا ایسا ہوگا جیسے کہ کسی آشوب چشم کے مریض سے کسی کتاب کی املاء یا تصحیح کرانا یا کسی لنگڑے انسان سے مسابقات کی دوڑ میں حصہ لینے کا تقاضا کرنا ہے لیکن میں اس حقیقت پر ایمان کامل رکھتا ہوں کہ ادب بھی باطنیوں کی اختراع ہے، اس کی اختراع اس لئے کی گئی ہے تاکہ حقائق کو ادب کے تابوت میں قبرستان پہنچا سکیں تاکہ یہ (حقائق) اکاذیب وخرافات فروشوں کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ چنانچہ تمام دانشوران اپنے مدعیٰ کی دلیل میں شعر پیش کرتے ہیں تاکہ اس کے اندرونی عزائم پر نظر نہ پڑے۔ حق کو تلاش کرنے والے انسان یہ نہیں دیکھتے کہ معانی وحقائق الفاظ پر حاوی ہیں یا الفاظ معانی پر حاوی ہیں بلکہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کلمات اپنے مقصود ومطلوب مؤلف پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں۔

یا پوری کتاب ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسا کہ بعض حضرات کو ہماری کتاب امام وامت میں یہ سمجھ نہیں آیا کہ میں اس میں کیا کہنا چاہتا ہوں لیکن کمپوزنگ کی غلطیوں کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ یہ کتاب ان کے لئے اپنی جگہ معلومات کا ذخیرہ ہے۔ باطنیوں نے ادب کے نام سے جو خرافات ثقافت اسلامی میں پھینکی ہیں ان کی کڑواہٹ معمولی سا درد اسلام رکھنے والا بھی درک کرسکتا ہے، انھوں نے خانہ اسلام میں جو کوڑا کرکٹ پھینکا ہے، اسے دھونے کیلئے سینکڑوں عمامہ وعباء کی ضرورت ہے کیونکہ باطنیہ کے اتحادی روشن خیال دانشوروں، این جی اوز اور ان کے اتحادیوں کی چھوڑی گئی خرافات مثل دیوار چین ہیں۔ یہاں بھی ''ان یکن عشرون صابرون یغلب ماتین'' کا تناسب ہوگا کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے۔ وجود مبارک انبیاءؑ اور ان کے باوفا یاران کے بعد دنیا کو گلشن عدالت بنا چاہیے تھا لیکن نہیں بن سکی کیونکہ طاقت حق وباطل میں ولو کم ہی کیوں نہ ہو، ان میں تناسب ضروری ہے اسی اصول قطعیہ کے پیش نظر ایوان مغرور ومتکبران میں الفاظ کی سجاوٹ وقافیہ سازی جاری رہتی ہے لیکن دین ودیانت سے خالی ادب کی یہ داستان دربار عباسی کے دین فروش علماء کی متاع بنی ہے۔ میں اب بھی شیعہ ہوں گرچہ میں شیعہ فرقہ کے عقائد اور رسومات پر عمل نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے غلط عقائد ورسومات کا حامی ہوں، میں شیعہ خطابی، دیصانی وقداحی بھی نہیں ہوں لیکن شیعہ کے معنی اتباع و پیروی کرنے والے یا پیروکار کے ہیں تو میں ان معنوں میں پیغمبر اکرمؐ کے بعد علی وحضرات حسنین اور دیگر ذوات اطہار کا شیعہ ہوں کیونکہ یہ تمام ذوات قرآن وسنت پر عمل پیرا تھیں اور میں بھی اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں اپنے لیے شیعہ کا لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں کرسکتا کہ جہاں شیعہ کے معنی اسلام کے مقابل آنے والوں کے ہوں اور جہاں انہیں قرآن اور محمدؐ سے چڑ ہو۔ اسی طرح میں اب بھی سنی نہیں ہوں گرچہ وہ قرآن ومحمدؐ اور کعبہ سے چڑ نہیں رکھتے لیکن سنی بھی خرافاتوں، بدعتوں، قبور پرستی، درگاہ پرستی اور کفر والحاد گرائی اور قرآن وسنت نبی کریمؐ کے مقابلے میں سیکولرازم کو فروغ دینے اور اس کی حمایت میں شیعوں سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہیں ہیں۔

میرے مخاطب اس ملک میں برسر اقتدار حکمران نہیں کیونکہ لیاقت وصلاحیت سے عاری انسان کا طاقت وقدرت کے حامل انسانوں کو امر ونہی کرنا آیت ولا تلقوا بایدکم کے مصداق بننے کا خطرہ رہتا ہے یہی گروہ ہے جو دین وملت ووطن کو متاع عکاظ بنانے والے ہیں میرے مخاطب مدارس وحوزات کے وہ سرمایہ دار سرپرست ہیں جو مدارس وحوزات میں قرآن وسنت محمدؐ اور تاریخ اسلام کا نصاب نہ رکھنے پر مصر ہیں، میرا مقابلہ دینی کاروبار چلانے والے سرمایہ داروں سے ہے، ان کا وسیلہ مال ودولت ہے اور میرا وسیلہ صداقت وحقانیت ہے۔ ان کا نشانہ علماء اور ان کے عزیزوں کو یرغمال بنانا ہے اور میرا کام خیانتوں سے پردہ ہٹانا ہے وہ محاذ اسماعیلی وقادیانی سے وسائل عیش ونوش پہنچاتے ہیں اور وہاں سے جنگ لڑتے ہیں جبکہ ہم محاذ قرآن وسنت محمدؐ کے توسط سے جنگ لڑتے ہیں، ان کا طریقہ واردات علماء کے گھروں پر وسائل پہنچانا ہے جبکہ ہم الحمد اللہ، اللہ کے فضل وعنایت سے کسی بھی وقت حتیٰ تنگدستی کے دوران میں بھی سرمایہ داروں سے نفرت کرتے تھے اور انکے مکارانہ انداز نظر اور انداز گفتگو سے محتاط اور بیزار رہتے تھے البتہ ان سے دھوکہ بھی ہوا ہے، ہم نے کبھی بھی حق زہراء، حق سادات اور حق رسول اللہ ﷺ کے حصول کی خاطر مراجع عظام کے اجازنامے کسی سرمایہ دار کو نہیں دکھائے تاہم کچھ وقت تک ان کے مکارانہ انداز سے دیئے جانے والے لفافے ہم نے وصول کئے

ہیں اس کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ کی درگاہ سے غفران و مغفرت کا طالب ہوں۔ ان کا طریقہ ارادت ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ یہ آپ کی ایک امانت تھی۔

۲۔ ہمارے عوام کو علماء کی قدر نہیں۔

۳۔ آپ کے طہارت خانہ حمام میں ٹائلیں لگی ہیں یا نہیں۔

۴۔ آپ کیلئے خطرہ ہے، آپ کو بلٹ پروف گاڑی چاہیے، آپ کیلئے ایک محافظ چاہیے، آپ کیلئے ایک چوکیدار چاہیے، آپ کیلئے ایک ڈرائیور چاہیے۔

۵۔ آپ کی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہونا چاہیے، پھر سی ڈیوں میں مفت تقسیم ہونا چاہیے، عام لوگ آپ کو نہیں جانتے ہیں اس لیے آپ کا تعارف ہونا چاہیے۔

۶۔ جب تک علماء معاشی طور پر خودکفیل نہیں ہوتے، وہ دین کی خدمت نہیں کرسکتے ہیں۔

۷۔ یہ ان کی اولادوں پر بہت مہربانی دکھاتے ہیں یہاں سے دیصانی و خطابی شیعوں نے امام جعفر صادق کے فرزند اسماعیل کو یرغمال بنایا تھا، یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

۸۔ آپ کی اپنی مسجد ہونی چاہیے۔ آپ کا اپنا حسینیہ یا امام بارگاہ ہونی چاہیے۔

۹۔ لیکن ابھی تک کسی سرمایہ دار نے پلٹ کر کسی مسجد یا مدرسے کی انتظامیہ سے اتنا پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اس عظیم درس گاہ میں درس تفسیر قرآن، درس سیرت رسول اللہ، درس تاریخ اسلام، درس جہاد، درس تبلیغ اسلام اور درس تحمل مشقات ہوتا ہے یا نہیں۔ اس وقت کسی بھی دینی مدرسے کے امتحانی نصاب میں قرآن نہیں۔ طلاب علوم دینی جنہیں دوران درس یہ رغبت دلائی جاتی ہے کہ آپ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد وارث انبیاء بن جائیں گے، انہیں وارث انبیاء بنانے کے لئے جو تربیت درکار ہوتی ہے، انہیں وہ تعلیم و تربیت دینے کی بجائے کہا جاتا ہے کہ آپ کو یہاں تمام تر وسائل زندگی کے علاوہ ہوائی سفر کی سہولتیں مہیا کی جائیں گی، آپ دنیا میں جہاں اور جیسے چاہیں ٹیلی فون کرسکتے ہیں، بغیر پوچھے آپ کے موبائل میں رقم آجائے گی اس کے اخراجات ہم برداشت کریں گے چنانچہ رضوی صاحب صاف یہ کہتے ہیں کہ ہم سیرت رسولؐ پر نہیں چل سکتے ہیں جبکہ موسوی صاحب کہتے ہیں کہ اخراجات بڑھ گئے ہیں اور ہم اپنے محسن سرمایہ دار سے کٹ کر نہیں رہ سکتے ہیں۔

۱۰۔ آپ کی اپنی درسگاہ ہونی چاہیے اس پر اگر کوئی مولانا یہ کہیں کہ درسگاہوں کی تعداد میں اتنا اضافہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا الٹا لوگ کہیں گے ڈیڑھ انچ کی الگ مسجد اور درسگاہ بنائی ہے تو جواب ملتا ہے کہ ہماری درسگاہ اور دوسروں کی درسگاہوں میں بہت فرق ہوگا، یہاں عمارت عالیشان ہوگی اور یہاں برائے نام اسلام ہوگا یہاں تکفیریون کے مقابل میں سنیوں کا لشکر تربیت پائے گا لیکن مروجہ تعلیم اعلیٰ سطح کی ہوگی۔

میرا خطاب ان علماء اعلام سے بھی نہیں جنہوں نے عوام الناس کو دین اسلام کے اصول و فروع سے آشناء کرنے اور نسل جدید کو قرآن و محمدؐ سے نزدیک کرنے کے غلط وعدے دینے کے بعد ان سب کو طاق نسیان میں پھینک دیا اور خود مروجہ علوم کے داعی بن کر اپنی درسگاہ کو درسگاہ لسانیات غرب بنادیا اور دین کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے اپنی درسگاہ کو مروجہ درسگاہوں میں حصول تعلیم کا شوق رکھنے والوں کے لیے قیام گاہ بنایا ہے۔ میرا خطاب ان جوان مردان سے بھی نہیں جو اسلام و قرآن و سنت کے مقابل میں لادینی طاقتوں کے آلہ کار بنے میرا خطاب ان علماء سے بھی نہیں جو حجۃ الاسلام بن کر عوام الناس کے لیے عقائد فاسدہ اور ادیان باطلہ کی کھچڑی پیش کرتے ہیں اور دلیل و برہان کی طلب سے چڑتے ہیں بلکہ میرا خطاب صرف اور صرف ان اصحاب مال و دولت سے ہے جنھوں نے جہاں کہیں کسی دینی کام کو دیکھا تو اس پر اپنا قبضہ کیا اور لوگوں کو دین سے ہٹا کر انحرافی راستوں پر لگایا اور قرآن کی آیات اسراف و تبذیر کو نظر انداز کر کے لوگوں کو اسکی مخالف سمت میں چلایا جس کی بہترین مثال اجتماعی شادیاں، جہیز اور مسجد ضرار کی تعمیرات میں حصہ لینا ہے ان کا قبضہ دین، سیاست، اقتصادیات اور اجتماعات پر ہے جس کے نتیجے میں امت اس بربادی و ویرانی تک پہنچی ہے اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے۔ ﴿اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے بڑے لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم تمہارے پیغام کا انکار کرنے والے ہیں﴾ (سباء ۳۴) ﴿اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس بستی کے خوشحال لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے ہیں﴾ (زخرف ۲۳) ﴿یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے بہت

آرام کی زندگی گزار رہے تھے ﴾(واقعہ ۴۵)﴿ اور ہم نے جب بھی کسی قریہ کو ہلاک کرنا چاہا تو اس کے ثروت مندوں پر احکام نافذ کر دیئے اور انہوں نے ان کی نافرمانی کی تو ہماری بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے مکمل طور پر تباہ کر دیا ﴾(اسراء ۱۶)﴿ بیشک قیامت آنے والی ہے اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس بات پر ایمان نہیں رکھتی ہے ﴾(مومنون ۵۹)۔ ان آیات اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات سے واضح ہے کہ ہمیشہ ہی سرمایہ داروں نے دعوت انبیاءؑ کو ماننے سے انکار کیا اور اس کے مقابلے پر اتر آئے۔ آباؤ اجداد کی سیرت پر چلنے والے انہی آرام پسندوں اور دولت مندوں کی وجہ سے بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر تباہ و برباد ہوتے رہے ہیں۔

آج اس ملک میں بسنے والے مسلمان ہر آئے دن اسلام سے دور اور یہودیت و صلیبیت و مجوسیت سے قریب ہوتے جا رہے ہیں تو اس کا سہرا حکمرانوں کے سر باندھنا جائے یا سرمایہ داروں کے سر یہ فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ آج اگر یہ ملک فرقہ واریت کی زد میں آکر جل رہا ہے تو اس آگ کو جلانے کا ایندھن دینے والے ملک کے سرمایہ دار ہی ہیں کیونکہ این جی اوز کی رقم انہی کے توسط سے تقسیم ہوتی ہے، روشن خیال انہی کے عیال ہیں علماء انہی کے نمک خوار ہیں ملک میں اسراف وتبذیر اور عریانی و عیاشی کی تدریس یہی لوگ کرتے ہیں حکمران اور سرمایہ داران کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ یہاں ہم اصحاب کی طبیعت بشری کے تحت مرتکب محسنات وسیات کو پیش کریں گے، بشر اپنی طبیعت بشری کے حوالے سے تین گروہوں میں منقسم ہوتا ہے۔ خلفاء کرام اپنی طبع بشری کے تحت محسنات سیئات دونوں کے حامل ہیں کیونکہ یہ لوگ بشر تھے، بشر ہیں تو مصدر محسنات وسیئات خیر وشر دونوں سے قریب ہو سکتے ہیں اسی بنیاد پر ثواب وعقاب قائم ہے، ان کی سرشت دوسروں کی سرشت سے مختلف نہیں، ان کے اندر الگ سے کوئی سیل نہیں رکھا گیا ہے اگر انبیاء معصوم ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ غلطی کر ہی نہیں سکتے بلکہ یہ جو پیغام وحی ان کی طرف آتا ہے، اس میں وہ از خود کمی بیشی نہیں کریں گے، اگر کریں گے تو فرمایا کہ ہم ان کو اپنی گرفت میں لیں گے یعنی اللہ ہر وقت ان کی نگرانی کرتا ہے، نبی کو متنبہ کرتا ہے، آپ نے ایسا کیوں کیا۔ یہ ذوات بشر ہیں چنانچہ معارضین دعوت انبیاء نے بھی ان کو بشر ہی کہا کہ تم ہم جیسے بشر ہو، دوسری طرف اللہ نے بھی زبان انبیاء سے کہلوایا، میں تم جیسا بشر ہوں لیکن انبیاء اور دوسرے انسانوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ انکے تصرفات میں جہاں کہیں اشتباہ یا لغزش ہوئی تو فوراً اللہ نے انہیں متنبہ کیا اور ان کی غلطی کی اصلاح کی چنانچہ اس بارے میں آیات قرآنی شاہد و گواہ ہیں۔

دوسرا گروہ اصحاب و یاران باوفا نقباء، اسباط بنی اسرائیل، حوارین عیسیٰؑ اور انصار و مہاجرین رسول اللہؐ ہیں چنانچہ سعد بن عبادہ، بشیر حضرمی اور زبیر بن عوام نبی کے نقباء اور حوارین میں سے تھے، یہ اپنے تصرفات میں محسنات وسیات کے مرتکب ہوئے ہیں چنانچہ اس سے پہلے بھی نقباء و حوارین واسباط انبیاء نے حسنات کے ساتھ سیئات کا ارتکاب کیا۔ گرچہ دین اسلام جو اس وقت ہم تک پہنچا ہے ان کی مساعی اور محسنات سے پہنچا ہے۔ تاہم بعض اصحاب نے ایسے اقدامات کیئے جن کا کوئی بھی مدافع دفاع نہیں کر سکتا مثلاً طلحہ و زبیر از خود بیعت کرنے کے بعد بیعت توڑ کر مسلمانوں کی طرف سے منتخب خلیفہ علی کے خلاف کھڑے ہو گئے تھے۔ جب کہ آپ جانتے تھے کہ بیعت توڑنا کتنا جرم ہے، طلحہ کو مروان بن حکم نے قتل کیا، ابوذر غفاری جیسے سابقین اسلام اور زاہد و پارسا صحابی کو حضرت عثمان نے ربذہ کی طرف شہر بدر کیا عمرو بن عاص نے عثمان کے خلاف فتنہ کی آگ کو روشن کیا، خود حضرت عثمان نے ایسے بہت سے تصرفات کیئے جو کسی اصول و ضابطے میں نہیں آتے ممکن نہیں کہ ان سے دفاع کیا جائے لہٰذا بہت سے عمائدین و علماء نے اس باب کو بند رکھنے کی سفارش کی ہے۔

گروہ تابعین، علماء و فقہاء و مجتہدین اور بعد کے سلف صالحین جنہوں نے پیغمبر اکرمؐ کو بھی نہیں دیکھا، وہ خطاء و غلطی سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں جب اصحاب نبی کریمؐ جو کہ شاہد و ناظر نزول وحی اور سیرت معطرۂ رسول اللہ تھے، وہ اشتباہات ولغزشات سے محفوظ نہیں تو سلف صالحین اور مولفین کتب تفسیر و حدیث اور ان کے بعد آنے والے علماء جب کہ خود کہتے ہیں اور امت کا بھی اتفاق ہے کہ وہ اپنے فہم و ادراک و اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں اور انہوں نے غلطیاں کی ہیں تو پھر کیا امت اسلامی کو گردن مروڑ کر ان کی تقلید کی رسی کا پھندا باندھنا استبدادیت واستحصال وجبر و اکراہ نہیں ہوگا اس استبداد و جبر تقلید کے ساتھ اس پر آشوب زمین و فضاء سے مغربی افکار و نظریات کی بندش میں کیسے فریضہ دین کو انجام دیا جا سکتا ہے اور کیسے اسلام و مسلمین کو سربلندی عطا کی جا سکتی ہے۔ اس وقت ہماری ثقافت، تبلیغات، ذرائع اور ابلاغ درسگاہوں سب پر انصار و اعوان شیاطین کا قبضہ ہے، ان میدانوں میں ان کا بول بالا ہے۔ مسلمانوں کے پاس صرف طاقت و قدرت دلیل ہے

ہصرف یہی انکا سہارا و امید کی کرن ہے لیکن افسوس کہ بعضوں نے اس پر بھی پابندی لاگو کر رکھی ہے اور کہتے ہیں کہ ہر چیز کی دلیل نہیں ہوتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر معاشرے میں دلیل کا راج ہوتا تو مسلمانوں کا دنیا بھر میں غلبہ ہو جاتا لیکن انصار شیاطین دلیل و منطق کو آنے ہی نہیں دیتے ہیں۔ یہاں سے ہم دو متضاد راستوں پر کھڑے ہیں، ایک گروہ کل دین کی تقدیس اصحاب کو گرداناہے اور وہ ان کی لغزشوں کے ذکر کو اہانت و جسارت اور اسلام کے خلاف سازش گردانتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ اسی طرح ائمہ اہل بیت کو کل دین گردانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اہل بیت کے بغیر دین ادھورا ہے حتیٰ سنا ہے کہ بلتستان جیسا علاقہ جسے علماء کا علاقہ کہتے ہیں وہاں بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ یا علی مدد کے بغیر دین میں کچھ رہتا ہی نہیں ہے۔

اس کے بالمقابل میں ایک گروہ کل دین کو سب و شتم صحابہ میں انحصار کئے ہوئے ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمام اصحاب کے کردار کو سامنے لائیں گے تو پھر ہمیں یہ بتانا پڑے گا کہ اصحاب نے فلاں موقعہ پر اور فلاں جگہ پر اصحاب سے جنگ کی اور ان جنگوں میں صحابہ کرام کے ہاتھوں اتنے صحابہ کرام قتل ہوئے۔ پھر یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کس نے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا اور ان میں کون سے مشہور صحابی صحابہ کرام کے ہاتھوں قتل ہوئے تو اس طرح ہماری تاریخ سیاہ تاریخ ہوگی اور اس کے ذکر سے یہ تاریخ کسی قسم کی ترویج و اشاعت اسلام کے قابل نہیں ہوگی اور ہمارے سر نیچے ہونگے یہاں سوال یہ ہے کہ کیا تابعین و صالحین و مجتہدین سب کی سیرت و کردار کے صفحات درخشاں اور غلطیوں کی آلودگیوں سے پاک ہیں اصحاب اور ائمہ جو بھی ہوں، وہ ماضی کا قصہ ہیں، حسب آیت ہر ذات نے گزر جانا ہے اور یہ اللہ کا دین ہے کہ جس نے ہر برگذیدہ ہستی کے گزر جانے کے بعد بھی باقی رہنا ہے۔ کچھ افراد کا کہنا ہے کہ ہمیں زندگی کو زمانہ حال سے بنانا ہوگا، ماضی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ و مثل نہیں ہے، یہ ایک کھلی غلط فکر ہے جو مسلمانوں کو غلط راستے پر لگانے کی سازش ہے اس سوچ کے حامل افراد یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی روشن و تابناک اور رزشدہ و سبق آموز تاریخ سے ناواقف و نا آشنا رہیں تا کہ وہ اس سے سبق و عبرت لیکر اپنی غلطیوں کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں اور تاریخ اسلامی سے سبق سیکھتے ہوئے ہماری غلامی سے آزاد ہونے کی کوشش نہ کرنے لگیں اسی طرح یہ کہنا کہ ہم اصحاب کرام اور خلفاء عظام کی سیرت پر چل کر نجات و سعادت حاصل کر سکتے ہیں یا تعلیمات آل محمد یا اہل بیت اور آئمہ کی سیرت پر چل کر نجات پا سکتے ہیں یہ بھی ایک سنگین غلطی ہوگی اور یہ قرآن کریم کی نص کے خلاف ہوگا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ ''مسلمانو! تم میں سے اس کے لئے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے جو شخص بھی اللہ اور آخرت سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے'' (احزاب ۲۱)

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ ''تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے بیزار ہیں۔ ہم نے تمہارا انکار کر دیا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان بغض اور عداوت بالکل واضح ہے یہاں تک کہ تم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ علاوہ ابراہیم کے اس قول کے جو انہوں نے اپنے مربی باپ سے کہہ دیا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا لیکن میں پروردگار کی طرف سے کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوں، اے اللہ میں نے تیرے اوپر بھروسہ کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور تیری ہی طرف بازگشت بھی ہے۔ اللہ مجھے کفار کے لئے فتنہ و بلا نہ قرار دینا اور مجھے بخش دینا کہ تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔ بیشک تمہارے لئے ان لوگوں میں بہترین نمونہ عمل ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور روز آخرت کا امیدوار ہے اور جو انحراف کرے گا اللہ اس سے بے نیاز اور قابل حمد و ثنا ہے'' (ممتحنہ ۴۔۶) سورہ نساء آیت ۱۶۵ کے تحت رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی حجت کی ضرورت نہیں۔ آپؐ ہی آخری حجت ہیں لہٰذا نجات کے لئے قرآن اور سنت رسول کافی ہیں۔

چنانچہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں قرآن و سنت کی شق رکھنے پر فرقوں میں اختلاف رونما ہوا اور کہا گیا کہ کس فرقے کے قرآن و سنت کو رکھیں گے جبکہ ہر ایک کی جداگانہ تفسیر ہے گویا ان کے پاس قرآن و سنت حجت نہیں بلکہ فرقوں کی تفسیر حجت ہے چنانچہ سابقہ سالوں میں جب یہاں شریعت بل کی تحریک چلی تھی تو دوسرے

فرقے نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ہم اسے نافذ نہیں ہونے دیں گے، ہمیں پتہ نہیں اس کے محرکین کن عزائم کے انسان تھے، کس سے سازباز کئے ہوئے تھے لیکن وہ جو بھی ہوں، ان کا عزم تھا کہ وہ شریعت اسلام نافذ نہیں ہونے دیں گے رسالت جس کی نبی کریمؐ نے نگرانی کی ہے یا جس معاملے میں بھی نبی کریمؐ کا حوالہ دیں تو کہا جاتا ہے کہ وہ نبی تھے ہم نبی نہیں ہیں، ہم سب کو رضی اللہ عنہ لگائیں گے، سب ٹھیک ہیں علی بھی ٹھیک ہیں، معاویہ بھی، عمرو عاص بھی، زیاد بن ابیہ بھی ٹھیک ہے، اشعث بن قیس بھی، عثمان بھی ٹھیک ہیں اور ابو ذر غفاری بھی ٹھیک ہیں۔

حضرت عثمان کے تصرفات سے دفاع:

فرقوں کے اسلام کا تصور حقیقی اور واقعی نہیں ہے جبکہ اسلام وہ دین ہے جو صلاحیت و اہلیت کے حقیقی اصول متعارف کراتا ہے فرقوں کا بنایا ہوا اسلام منطقی اور فلسفی ہے منطقیوں اور فلسفیوں کا اسلام فرقے کے اضافے سے مرکب ہے فرقے کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جبکہ اسلام ایک حقیقت ہے یعنی ان کا اسلام بمعہ اضافہ فرقہ ہے جبکہ جو اسلام اللہ نے پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے ہمیں دیا، قرآن کے تحت اس میں پیغمبر بھی اضافہ یا کمی نہیں کرسکتے۔﴿ اور اگر ان کا اعراض و انحراف آپ پر گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کے بس میں ہے کہ زمین میں سرنگ بنا دیں یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی نشانی لے آئیں تو لے آئیں .... بیشک اگر خدا چاہتا تو جبراً سب کو ہدایت پر جمع ہی کردیتا لہذا آپ اپنا شمار ناواقف لوگوں میں نہ ہونے دیں﴾ (انعام ۔۳۵)﴿ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر وہ انہیں ان کے اعمال کے بارے میں باخبر کرے گا﴾ (انعام ۔۱۵۹)

ایک گروہ اصحاب کو غلطیوں سے مبراء ثابت کرنے کے لئے ان کا دفاع کرتا ہے وہ اس کے لیے جواز و دفعات بناتے ہیں دوسرا گروہ ان کو قصور ٹھرانے کی دفعات بناتا ہے چنانچہ یہ لوگ حضرت عثمان کو بچانے کے لئے کہتے ہیں کہ صلہ رحمی کرنا بھی حکم قرآن و سنت ہے اگر انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو دیا ہے تو یہ اقرباء پروری نہیں ہے جبکہ دوسرا اسے اقرباء پروری کہتا ہے، لیکن یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں کیونکہ حضرت عثمان دولت و ثروت مند تھے درست ہے کہ صلہ رحمی حکم قرآن و سنت ہے لیکن کسی ہستی کا سربراہ و سرور و آقاء مسلمین اور قائد مسلمین بننے کے بعد بیت المال مسلمین سے اب اس کی صلہ رحمی کا دائرہ پوری امت تک پھیل جاتا ہے لہذا اب انہیں اپنا ذاتی مال دینے میں بھی رعایت برتنے کی ضرورت ہے یہ کس نے کہا ہے کہ ایک صاحب ثروت اپنے عزیز و اقارب کو جتنا بھی دیں یہ بے حرج ہے اس کا بھی اصول ہونا چاہیے جہاں تک اقرباء کو مناصب دینے کی بات ہے تو اس سلسلے میں اس نکتے پر غور کرنا ہوگا کہ کیا اقرباء کو مناصب دینا حرام یا ناجائز ہے، اگر ایسا کرنا ناجائز ہوتا تو علی، ابن عباس، عبید اللہ بن عباس اور اپنے بھائی عقیل کو والی نہیں بناتے، کوئی عہدہ یا مناصب جس کو بھی دیں، وہ اس منصب کے لئے لائق و سزاوار ہونا چاہیے وہ سزا یافتہ اور بدنام نہ ہو اور بعض اوقات حرام کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو چنانچہ آج کل کے حکمران ملک کے اعلیٰ مناصب اپنی زیبائش و آرائش سے آراستہ بیٹیوں کو دیتے ہیں اور یہ تقسیم مال و دولت کے وقت بھی انہیں کو مقدم رکھتے ہیں اور پھر ان کے گرد جوانوں کا ہجوم ہوتا ہے اسی طرح یہ اپنے نا اہل اقرباء کو بڑے بڑے عہدوں اور مال و دولت سے نوازتے رہتے ہیں اس طرح کی ناجائز اقرباء پروری کرنے والے حکمرانوں کی طرح حضرت عثمان بھی اس حوالے سے امت اسلام کے سامنے جواب دہ تھے۔

غلوانہ سبّ:

ہم خلفاء یا غیر خلفاء کی شان میں غلو نہیں کرتے ہیں جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا تھا جہاں اللہ نے اس فعل شنیع سے نصاریٰ کو منع کیا تھا، سورہ نساء آیت ۱۷۱، کیونکہ غلو بندے کو بندہ ہونے سے نکال کر الوہیت تک پہنچاتا ہے چنانچہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اللہ یا ابن اللہ یا ثالث کہا تھا غلو کفر و انکار محمود کے برابر ہے، ہم خلفاء، اصحاب اور اولیاء کی شان میں کسی قسم کا غلو نہیں کرتے کیونکہ یہ کفر کا بھائی ہے اور نہ ہم خلفاء کو سبّ کرتے ہیں یہ بھی عداوت و حقد و دشمنی کی حد سے تجاوز ہے کیونکہ سبّ و شتم عداوت مردان الٰہی کا شیوہ نہیں ۔یہ صیہونیت ہے، ہم دین نصاریٰ پر نہیں تاکہ ان ذوات کے بارے میں غلو کریں اور نہ ہم یہود ہیں تاکہ ہم ان سے عداوت و نفرت کریں۔

خلفاء نبی کریمؐ کی بعثت سے لے کر آپؐ کی وفات تک آپ کی خلوت و جلوت اور سفر و حضر کے ساتھی ہیں نیز انہوں نے اپنی جان و مال سے اسلام کی سربلندی کی راہ ہموار کی ہے لیکن ہم خلفاء کو غلطیوں اور اشتبہات سے پاک بھی نہیں سمجھتے یہ رسول اللہ نہیں کہ ان سے غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد نہ ہوتی ہوں چنانچہ

سچ بتائیں کہ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عثمان سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے، ہر انسان سے غلطی ہوتی ہے، وہ بھی انسان تھے ان کی غلطیاں ان کے لئے چھوڑتے ہیں یہ غلطیاں اللہ سے پوشیدہ نہیں ہیں البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ذوات آج کل کے ارباب اقتدار سے کئی گنا اور بدرجہا پاک صاف کردار کی حامل تھیں۔ یہ ہستیاں اسلام کے ساتھ مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کی دوست اور ہمدرد نہ تھیں۔

اسلام بغیر فرقے:

جب ایک مسلمان اہل فکر و دانش جو زندہ ضمیر زندہ وجدان کا حامل ہے وہ اپنے گرد و پیش کے حالات پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے ہر جگہ مسلمان ہی ظلم و بربریت اور قتل و کشتار کا نشانہ بنے ہوئے نظر آتے ہیں، انکے مال و املاک پر غارت گری ہو رہی ہے انکے اہل و عیال ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اخبار و جرائد و مجلّات کی شہ سرخیاں مسلمانوں کے قتل و کشتار اور ان کی زمینوں پر اغیار کی لشکر کشی کا منظر پیش کرتی ہیں گویا مسلمان اپنے ہی گھر و وطن میں مظلومیت اور غربت و بے کسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں مسلمان ہی مظلوم و مقہور ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اپنی اس حالت مظلومیت پر قانع ہیں، آخر ایسا کیوں ہے، کس وجہ سے ہے، کیا مسلمان انسان نہیں ہیں، اگر وہ انسان ہیں تو حقوق انسانی کے وہ علمبردار کہاں ہیں جو حقوق انسانی کی پامالی پر شور مچاتے اور ظالمین کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اگر انھیں حیوانی دائرے میں گنا جاتا ہے تو تحفظ حیوانات کے علمبردار کہاں ہیں، وہ کم سے کم انہیں حقوق حیوانی دلوانے کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے، اگر مسلمان درخت و جنگلات ہیں تو ادارہ تحفظ جنگلات کہاں ہے، وہ ان کی حالت زار پر پرسان حال کیوں نہیں بنتے۔ یہاں ہم جواب سے پہلے جواب سمجھنے کیلئے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

یہاں بھی وکیل جنگلات کی مثال کے مطابق محکمہ جنگلات کے لوگوں میں سے کچھ لوگ بیرونی دشمنوں کے مددگار بنے تھے چنانچہ تحلیل گروں کا کہنا ہے مسلمانوں کو تکہ کباب بنانے والے انکے اپنے ہی فرقے ہیں تاریخ فرق گواہ ہے کہ اگر کہیں امریکا یا یورپی اسلحہ بردار نظر آئے تو یہ فرقوں اور فرقہ پرستوں ہی کے کہنے پر اور انکی درخواست پر بھیڑیے بن کر آئے ہیں، انہیں عراق میں عراقیوں نے بلایا اور افغانستان میں افغانیوں نے بلایا اور پاکستان میں اپنے بنائے ہوئے طالبان نے اپنے ملک کے چین و سکون کو چھینا ہے۔

آج دیکھا یہ مہمان کس کی جان و مال کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں اور جنھوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھ کر اپنے ملک میں دعوت دی، وہ کس گرداب میں پھنس گئے، بارش سے فرار ہو کر میزاب میں ڈوب گئے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فرقہ اپنی ہی مظلومیت کی مجلس پڑھتا ہے وہ صرف اپنے مقتولین کے جنازے کو لے کر دھرنا دیتے ہیں گویا اس ملک میں صرف ان کے لوگ مر رہے ہیں اور مظالم صرف انہی پر ڈھائے جا رہے ہیں بطور مثال یہ فرقہ پرست لوگ آل بویہ کی طرف سے سنیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ذکر نہیں کرتے لیکن سلاجقہ کی طرف سے شیعوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ذکر کرتے ہیں اور حال ہی کے شیعہ مظلومین کے مرثیے کے مقابل میں لاہور کے جامعہ اور کراچی کے نشتر پارک کو پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ فرقے خود ایک دوسرے پر ظلم ڈھا رہے ہیں اور یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے لہٰذا عدالت میں وکیل استغاثہ جنگلات کا جواب درست تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا دروازہ ہاتھ تھامنے والے اور معاون و مددگار فرقے ہی ہیں یہ چیز آج بھی یہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ جن کو خود انھوں نے اسلحہ بردار بنایا تھا، آج انہیں کے ہاتھوں یہ ہلاک ہو رہے ہیں، نہ سنی محفوظ رہے، نہ شیعہ، نہ حکمران اور نہ سیاستمدار۔ سیاستدانوں نے اپنے اقتدار کی خاطر جو تفرقہ ڈلوایا اور حکومت کرنے کے جس نسخے پر عمل کیا تھا، اُسی نسخے پر آج وہ خود عقیقہ بنے ہوئے ہیں اور یہ نسخہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا ہے۔ یہ مغرب والوں سے کہتے ہیں کہ ہم نے زیادہ قربانیاں دی ہیں سوال یہ ہے کہ کس کے لئے قربانیاں دی ہیں، جواب یہ ہے کہ مغرب کے لئے دی ہیں اپنے وطن کے لئے اور اپنے دین کے لئے نہیں دیں۔

اس وقت اکثر و بیشتر تجزیہ و تحلیل گر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ امت اسلامیہ کو جو مرض طاعون و وبا لاحق ہوئی ہے اس مرض و وبا کا نام فرقہ ہے آج ہر کوئی اپنی جگہ یقین قاطع رکھتا ہے امت کی مصیبت کی ڈوری فرقے کو جاتی ہے اس سے کیسے نجات حاصل کریں اور کس طرح امت مسلمہ کو پہنچنے والے اس ناقابل تلافی نقصان سے رہائی دلوائی جائے جو اسے فرقوں کے وجود سے پہنچے ہیں چنانچہ مصر میں ایک کتاب بنام ''اسلام بلا مذہب'' تالیف ہوئی جس کے مولف دکتور مصطفیٰ الشکعہ ہیں، اسے عالم عرب میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور مختصر سے عرصے میں اس کی نو بار تجدید طباعت ہوئی، انہی چند سالوں میں جب فرقوں کی قتل و کشتار ایک واضح

صورت میں پیش آئی یہاں تک کہ شناختی کارڈ دیکھ کر بہت سوں کو قتل کیا گیا تو اخبار و مجلّات کے تجزیہ نگاروں نے ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اس کا ذمہ دار فرقوں کے وجود کو گردانا، اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے ہمارے ملک کی درسگاہوں میں سکالرشپ پر پڑھنے اور بعد میں ملازمت کا وعدہ لینے والوں نے فرقوں کے بجائے یکسر دین ہی کے خاتمے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔

فرقوں کا وجود بلا جواز ہے، اس کے لئے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اسلام دین فطرت ہے یعنی اسلام انسانی فطرت وطبیعت سے ملائمت کلی رکھتا ہے، اسلام دین بشریت ہے یعنی یہ دنیا میں رہنے والے ہر بشر کے لئے ہے۔ یہ شعر سرائی وقافیہ بافی نہیں بلکہ عمق وسرشت وخمیر اسلام اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ ہر زمان ومکان اور ہر رنگ ونسل کے لئے سازگار ہے، اس میں حقوق کے لحاظ سے تمام انسان مساوی وبلا تفریق ہیں۔ اسلام ظلمت سے نور کی طرف اور ہرج ومرج سے نظم وانضباط کی طرف ہدایت ہے۔

۲۔ اسلام ایک دین کامل وجامع ہے جس میں کسی قسم کا نقص وعیب نہیں، یہ محتاج ترمیم وتبدیلی نہیں۔

۳۔ اسلام کے عقائد وفروعات نصرانیت جیسے نہیں بلکہ قرآن اور سنت قطعیہ کے ذریعہ واضح وروشن اور بلا ابہام واجمال ہیں، ان کی وضاحت کسی آنے والے مفکر وشارح پر نہیں چھوڑی گئی یہاں سے بعض علماء ومفکرین کی جو فرقہ کے دفاع میں پیش کی جانے والی وجوہات بلا جواز ثابت ہوتی ہیں۔ تمام فرقے ستون ثلاثہ منحوسہ پر قائم ہیں۔ فرقے اس دن وجود میں آئے جس دن مسلمانوں نے قرآن کریم اور سنت محمدؐ کو چھوڑ کر مفتیوں کے فتاوی اور صوفیاء اور پیروں کی بات کو اللہ کی آخری حجت ماننا شروع کیا اس تقلید نے مسلمانوں کے دین ودنیا دونوں کو برباد وویران کیا ہوا ہے آج انہیں علماء کو برجستہ، زندہ دل اور جرت مند گردانا جاتا ہے جنہیں فرقہ واریت کی آگ کو زیادہ بھڑکانا آتا ہے۔:

فرقوں سے رہائی وآزادی کی بجائے اتحاد کا نعرہ:

بہت سے علماء ودانشوران نے اپنے لئے یہ اعزاز وافتخار حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم اتحاد کے علمبردار ہیں، ہمارے منشور میں اتحاد ملت سرفہرست ہے، ہمارا شعار اتحاد مسلمین ہے۔ ہمیں انکی وحدت واتحاد کے مواقع بھی دیکھنا ہوں گے۔

۱۔ وحدت سے مراد یہ نہیں کہ تمام فرقے اپنے اپنے فرقے سے دستبردار ہو کر کسی دوسرے فرقے میں ضم ہو جائیں۔

۲۔ وحدت سے مراد یہ بھی نہیں کہ تمام فرقوں کو مشترکات کو ملا کر ایک نیا مذہب وجود میں لائیں۔

۳۔ وحدت اسلامی سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ فرقوں کی نفی کر کے فرقے بغیر اسلام کا اعلان کریں۔

۴۔ وحدت اسلامی سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ موجودہ فرقوں میں سے کسی ایک فرقے پر اتفاق کیا جائے۔

۵۔ وحدت سے یہ بھی مراد نہیں کہ وحدت کی خاطر اپنے اپنے مذہبی اصولوں کو چھوڑ کر دوسروں کے قریب ہو جائے۔

۶۔ وحدت سے مراد یہ بھی نہیں کہ اپنے معتقدات دوسروں پر ٹھونسیں اور انہیں اپنے مذہب کا زبردستی پیرو بنائیں۔ اس اتحاد کے محاورے کے تحت کہ فرقہ کو ختم کیا جائے گا اور کوئی نیا فرقہ نہیں بنایا جائے گا، کے تحت موجودہ فرقوں کی تعداد اور مشخصات کا تعین ہونا چاہیے تا کہ کوئی نیا فرقہ یا نئی مسلمات نہ بنائی جا سکیں۔

۷۔ ہر فرقے کی جو مسلمات ہیں ان کی تعداد واضح ہونی چاہیے ورنہ کل اس کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

۸۔ چونکہ ایک فرقہ کی مسلمات دوسرے فرقے کے نزدیک بدعت ہیں تو بتائیں بدعتوں کے پیروکاروں اور مسلمات کے حامیوں کے درمیان کیسے اتحاد ہو گا۔ چنانچہ ایک فرقہ کے نزدیک یزید ملعون ہے تو دوسرے کے نزدیک رضی اللہ عنہ ہے ایک کے نزدیک عزاداری اصول وعقائد مسلمات میں سے ہے تو دوسرے کے نزدیک بدعت ہے۔ اس کے علاوہ کیا واجب ہے اور کیا مستحب یا جائز وناجائز ہے یا کیا حلال اور حرام ہے، اسے بھی واضح ہونا چاہیے

۹۔ ہر ایک فرقے سے مسلمات کو لے لیں اور اختلافی مسائل کو چھوڑ دیں اگر وہی مسلمات آپس میں اختلافات کا باعث ہوں، وہی آتش سوزی وخودکشی کا سبب بنیں جیسے ایک کے پاس یزید پر لعنت جزء مذہب ہے اور دوسرے کے پاس اس کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ جزء مذہب ہے یا ایک کے پاس علی مظہر الوہیت اللہ ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے وہی اللہ ہے وہی اول وہی آخر ہے وہ فرزند اللہ ہے اور دوسرے کے پاس وہ کچھ نہیں کر سکتا ہے وہ علم غیب نہیں جانتا ہے تو

کیا ایسی صورت حال میں کیا کریں گے گویا ایسا اتحاد توحید وشرک کا اتحاد ہوگا نہ کہ اتحاد بین المسلمین۔
ایسے اتحاد کی مشرکین نے پیغمبرؐ کو پیش کی تھی مگر اللہ نے اسے سورۃ کافرون میں رد کیا، اسی طرح، سورۃ یونس آیت ۴۱، سورۃ شعراء ۱۶۸،۱۵ میں بھی اسے رد کیا گیا ہے۔
۱۰۔ فرقوں کے مسلمات ومقدسات کی تعداد واضح نہیں ہے تا کہ ان کا احترام ملحوظ رکھا جا سکے آپ کے مقدسات کیا کیا ہیں آپ کو پہلے ان کی فہرست دینا ہوگی۔ بعض خلیفہ کی وفات کے موقعہ پر کسی امام سے منسوب متنوع ومرغن مشروبات اور غذاؤں کا دسترخواں بچھاتے ہیں جس میں کونڈے سرفہرست ہیں، دسترخوان امام حسن ہے اور نہ جانے اور کتنے دسترخوان ہیں اور سال میں کتنی عزاداری ہے کتنی موالید ہے نہ جانے سال میں کتنے ہفتوں اور کتنے مہینوں کی عزاداری اور ایک ایک ولادت پہ ہر شہر میں نہ جانے کتنی بار میلاد منائی جاتی ہے۔ آپ کے پاس تمام اختراعات مقدس ہیں۔ آپ کسی خلیفہ کی وفات کے دن کسی امام کی تاج پوشی کرتے ہیں، امام حسین کے نام سے جاری عزاداری کے سلسلے میں اب ہر جاہل وعالم، خاص وعام، مومن وفاسق اور سماجی وسیاسی شخصیت کے جنازے کے پیچھے سیاہ پرچم، سینہ زنی کرتے ہیں یہ بھی آپ کے مقدسات میں سے ہے۔ اسی طرح میلاد امام کے نام سے نہ جانے کتنی بیواؤں یتیموں اور دین سے لاتعلق رہنے والے سیکولر سیاستدانوں کی برسی بھی آپ کی موالید میں شامل ہے۔
آل بویہ کی بدعات آپ کے مقدسات ہیں جن میں مقدسات اسلام کو پامال کر کے بے حجاب خواتین جلوس نکالتی تھیں، آج بھی ایسا ہورہا ہے۔
وحدت اسلامی سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمان چاہے وہ کسی بھی فرقے کے پیروکار ہوں، وہ مشترک اصولوں اور باہمی دلچسپی کے مسائل میں آپس میں ایک ہوکر اختلافی مسائل کو اپنے خاص حلقہ تک محدود رکھیں، مشترکہ دشمن کے خلاف صف آرا ہوجائیں، اس اتحاد کی دھجیاں عراق وافغانستان میں اڑائی گئی ہیں جہاں ایک گروہ نصرانیت کے اتحاد میں چلا گیا اور اسی فرقے کے باقی لوگ اس کے خلاف نفرت وبیزاری کا اظہار کرتے یا فتوائے کفر ہاتھ میں اٹھا کر نکلے۔ کیا آپ نے اس اتحاد کی برملا مذمت کی تھی اور جس نے جہاں غلطی کی تھی اسے وہاں غلط کہا تھا۔ ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں، آپس میں محبت اور الفت بڑھائیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں۔
۱۱۔ اس اتحاد کے داعی اپنی دعوت اتحاد میں اتنی وسعت وفراغ دلی اور کشادہ سینہ رکھتے ہیں کہ اب وہ کہتے ہیں کہ فرقوں کے مقدسات کا احترام کریں۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا فرقے کا بھی کوئی تقدس ہے۔ جب فرقہ مقدس نہیں ہے تو فرقوں کے مقدسات کہاں سے آگئے کہ ان کا احترام کیا جائے۔ اس منطق والوں کو آپ کیا جواب دیں گے کہ جو کہتے ہیں کہ فرقے کا وجود اسلام کے خلاف ہے اور فرقہ خود بدعت ہے۔ آپ فرقے کو مذہب کے طور پر متعارف کروانے کی قرآن وسنت سے کوئی سند بتائیں۔
۱۲۔ آپ کو کس نے کہا اسلام میں اتحاد ہے۔ اسلام قابل تقسیم نہیں، ایک ہی ہے، دو نہیں کہ ان میں اتحاد ہو سکے۔ اسلام قرآن وسنت کے علاوہ کچھ نہیں، ایسا نہیں کہ قرآن میں اللہ پاک کوئی اور بات کہہ رہے ہوں اور سنت رسولؐ کے طور پر ہمیں جو باتیں ملیں وہ اللہ کی بات سے اختلاف رکھتی ہوں، ایسا ہوتا تو اسلام میں اتحاد کی بات ہوتی لیکن چونکہ قرآن وسنت میں کوئی اختلاف نہیں اور اسلام ایک ہے، اس کی چند اقسام نہیں، اس لیے اسلام میں اتحاد کی بات غلط ہے۔ آپ اسلام کے نام پر جس اتحاد کی بات کر رہے ہیں وہ دراصل سماجیات وسیاسیات اور دنیاوی معاملات میں اتحاد ہے نہ کہ دین میں۔
دین وحدت علماء یا فرقوں کے اتحاد سے نہیں چلتا، یہ دین اللہ کا ہے اور یہ اللہ کے احکامات وتعلیمات پر عمل سے قائم رہتا اور چلتا ہے، اللہ کے احکامات و تعلیمات، دنیا کے ہر کونے میں ایک جیسے ہیں ان میں اختلاف او رٹکراؤ ناممکن ہے۔ لہٰذا یہاں اتحاد کی بات غلط ہے۔ مسلمان صرف اسلام پر اتحاد واتفاق کر سکتے ہیں نہ کہ فرقوں کی بدعات وخرافات اور خود ساختہ مسلمات پر۔

شیعہ سنی بھائی بھائی تیسری قوم کہاں سے آئی:

شیعہ سنی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں پھر ان میں اتحاد کہاں سے آیا، جس دن سے باطنیہ نے فرقہ گرائی کا بیج بویا، اسی دن سے اس نے آپس میں اختلاف وانتشار اور اتحاد ناپذیر جیسے فرزندان کو جنم دیا ہے اگر کسی جگہ ایسے اتحاد کے داعیوں نے جنم لیا ہے تو وہ فرقہ باطنیہ کے فرزند صلبی ہونگے چنانچہ وہ خود ہمیشہ

منظوم حوالوں اور شعروں میں اپنی فکر وعقیدہ کو نہ ماننے والوں کو ولد حرام کہتے ہیں لہٰذا اس نفرت وعداوت وغلاظت کی ہزاروں نہیں لاکھوں ٹن خون سے آبیاری ہوتے ہوئے آئی ہے اور ہوتی رہے گی یہ نفرت وعداوت بیہودہ وبے معنی اور منافقانہ نعروں سے ڈھل نہیں سکتی ہے اگر کہیں گلابی چہرے والے باریش علماء اس نعرے کو بلند کرتے نظر آئیں تو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے اگر کسی اجتماع یا کانفرنس میں شیعہ سنی دونوں کے علماء ایک دوسرے کو مسکرا کر خوش اخلاقی سے ملتے نظر آئیں یقین کریں کہ دونوں کو پرورش کرنے والے اور دونوں کو خاص اہداف اور خاص مواقع پر متحرک کرنے والے باطنیہ کے حکم پر یہ اہتمام ہوا ہے آج کل کی اصطلاح میں ان کو دائیں بائیں بازو والے کہتے ہیں۔ان دونوں کا اسلام سے دور کا واسطہ نہیں ہے بلکہ یہ اسلام سے تنگ سیکولرازم کے داعی ہیں لیکن نرمی وتشدد میں ان میں تھوڑا سا فرق پایا جاتا ہے یہ اسلام ومسلمین کی خاطر نہیں بلکہ باطنیوں کے مفاد کی خاطر اسی طرح ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جیسے پی پی اور نون لیگ آپس میں متحد ہوں تو سمجھ لیں یہ دھوکہ ہے۔یہ دونوں مسلمانوں یا ملک پاکستان کے لئے متحد نہیں ہوئے یہ اس اتحاد میں مخلص نہیں ہیں چنانچہ اگر سنی شیعہ علماء اتحاد میں مخلص ہیں تو وہ لباس ناسور فرقہ کو اتار کر اتحاد کا اعلان کریں۔

اس اتحاد میں ہر قسم کی کفرائیزم' الحادیزم' سیکولرازم، منافق ازم اور بت بغل ازم کی گنجائش پائی جاتی ہے یہ اس اتحاد کی خوبی ہے جو اس وقت بین الاقوامی گلوبلائیزیشن سے تعارض وتصادم نہیں رکھتا ہے اگر اس میں کوئی نقص وعیب وخرابی پائی جاتی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ اتحاد قرآن اور سنت محمدؐ سے متصادم ہے کیونکہ قرآن و سنت دونوں ہی انسان مسلمان کو سیکولر لادینی یا منافقوں والے اتحاد کی اجازت نہیں دیتے ہیں جیسا کہ گزشتہ آیات میں آیا ہے۔

آج ہم نبی کریمؐ اور آپ کے اہل بیت حضرت علی حضرت زہراء اور حضرات حسنین کے نام سے گمنام وبدنام لوگوں کے مذموم عزائم کو جامہ عملی پہنانے کی خاطر امت مسلمہ کو پاش پاش کرکے دشمنان اسلام کو خوش وخرم کررہے ہیں فرقوں نے مسلمانوں کو اموات سے وابستہ کیا ہے' ان کی میتوں کو اٹھا کر دفنانے کے بجائے دھرنے دیئے جاتے ہیں اور قبرستان تک پہنچانے کی بجائے میتوں کو روڈ پر رکھ دیا جاتا ہے تاکہ ان کی بے حرمتی اور بے توقیری سے دشمنان اللہ خوش ہوں اور لاشوں پر سیاست چمکاتے ہوئے اپنی قیمت بڑھائی جاتی ہے۔عمر بھر ختم نہ ہونے والی برسی وسالگرہ، عرس، ماتم سینہ کوبی اور گریہ وزاری کے ذریعے ملک وملت اور دین وشریعت کو سرمایہ دار ویران کررہے ہیں۔

اگر اتحاد ایمان باللہ ورسولؐ پر مبنی ہے تو اتحاد کرنے والوں کیلئے حکم ہے ان لا تعبدو الا اللہ ولا شرک بہ احدا اگر دنیا میں سکون، آخرت میں نجات اور اللہ کی رضا چاہیے تو تمام مصادیق شرک کو چھوڑیں، اگر نقطہ اتحاد قرآن ہے تو قرآن نے جنہیں الذین امنو کہا ہے انہیں کافر و طاغوت مت کہو، اگر اتحاد کے سچے داعی ہو تو خلفاء پر سبّ وشتم کو ختم کرو، کیونکہ یہ سبّ وشتم قرآن اور سنت محمدؐ کے علاوہ جن اہل بیت کے آپ پیرو کار و شیعہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں' حضرت علی سے لے کر امام حسن عسکری تک کے کسی امام کی گفتار وکردار میں نہیں ملے گا اگر اس سبّ وشتم کی کوئی اور سنت وسیرت ملتی ہے تو آل بویہ، فاطمی اور صفوی بادشاہان اور ان کے دسترخوان کے نمک خواران سے ملے گی ہم اتباع وتاسی میں قرآن ومحمدؐ سے نیچے تنزل کے خلاف ہیں۔یہ نہ کہو کہ ہم تو سبّ وشتم نہیں کرتے، یہ کھلا جھوٹ ہے ہم نہیں کرتے، یہ کہنے سے بات نہیں بنے گی بلکہ خلفاء پر سبّ وشتم کرنے والوں کو منع کرو، اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے تعلقات منقطع کرو اور معاشرے میں ان کے خلاف بائیکاٹ کی مہم چلاؤ یہی سبّ وشتم شعلہ فساد ہے، یہی قتل وکشتار کی گولی وبارود ہے، یہی امت مسلمہ کے لئے نا زہر ودہ ہے اور یہی مسلمانوں کے اتحاد کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

سبّ وشتم جس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ لعن قرآن وسنت میں آیا ہے، اس لئے ہم لعن کرتے ہیں لیکن تمام اصحاب پر نہیں بلکہ ان اصحاب پر جو قرآن وسنت نبیؐ میں لعن کے مستحق ہیں لیکن ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ جرم وجنایت کے مرتکبین کو سبّ وشتم کرتے ہیں یا لعن کرتے وقت حضرت ابوبکر وعمر کو نشانہ بناتے ہیں، اس کی کیا منطق مبنی ہے۔اگر آپ اس لعن کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ لوگ حضرت ابکر وعمر کو لعن کا نشانہ نہیں بناتے تو پہلے ابتدائی مرحلے میں اپنی زیارت عاشورا کو پڑھیں، یہاں کتاب خانوں میں کثیر الفروخت وظائف الابرار کو دیکھیں، اپنے ہاں ایام فاطمیہ کے دنوں میں مجالس سننے والے مطاعن سنیں، فقیہان عالیقدر تبریزی، وحید خراسانی اور جعفر عاملی کو سنیں۔سندھ پنجاب اور گلگت بلتستان وغیرہ کے گھروں اور بازاروں میں دیکھیں کہ شوہر اپنی بیوی کو ڈانٹتے وقت کس کا نام لے کے ڈانٹتے ہیں پھر ایام عزاء میں مجالس میں سنیں تو آپ پر حقیقت واضح ہوجائے گی۔

اگر آپ فرقوں کو کچھ کہے بغیر اتفاق کرنا چاہتے ہیں تو فرقوں سے بننے والی کھچڑی کو بھی قبول کرنے میں کیا حرج ہے۔ فرقے بغیر والوں کو بھی قبول کریں وہ بھی اپنی جگہ مسلمات رکھتے ہیں۔ یقین کریں آپ اپنا سر اوپر آسمان سے ماریں یا زمین میں سوراخ کر کے تحت سراء تک جائیں یا بچوں جیسی من مانی کریں، آپ کو اس وقت تک ہدایت نہیں ملے گی جب تک دین کی ہر چیز میں قرآن و سنت کو اولیت نہیں دیں گے۔

قرآن اور قول رسولؐ کے علاوہ بعض صحابہ کرام کے اقوال اور امیر المومنین و ائمہ طاہرین کے اقوال کا ذکر ہے یہ بات یاد رکھنا ہوگی کہ جنہوں نے خلاف قرآن اور خلاف سنت رسول اللہ ﷺ کاموں کا ارتکاب کیا ہے، انہیں قابل مذمت قرار دیا گیا ہے، ان میں عبداللہ بن ابی سلول مسجد ضرار بنانے والے قہرمان، ولید بن عقبہ و ابوسفیان وغیرہ کا ذکر ہے جنھوں نے جنگ تبوک میں شرکت کرنے سے گریز کیا، وہ سب قابل مذمت ہیں لیکن ان پر نام لے کر لعن کرو آپ نے یہ کہاں سے اقتباس و استنباط کیا ہے۔ آپ جب لعن کرتے ہیں تو کیا عبداللہ بن ابی سلول اور عبداللہ بن ابی سرا، ولید بن عقبہ پر لعنت کرتے ہیں یا حضرت ابوبکر و عمر و عثمان پر لعنت کرتے ہیں؟ اس ملک و ملت کو جہنم کے دہانے پر لے جا کر پھینکنے کے بعد اوپر سے چھڑکنے والا پڑول یہ سبّ صحابہ یا صحابہ کرام پر سبّ و شتم ہے جبکہ یہ اصحاب اولین مہاجرین اور صادق و باوفا دوستدار ان پیغمبرؐ تھے ان کے بعد کوئی بچا ہے تو ان کی فہرست پیش کریں۔

یہاں اس حقیقت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ اتحاد کیلئے جبہ مخالف و مقابل کا تعین ضروری ہے۔ چنانچہ مشرکین نے جب اتحاد و احزاب منظم کیا تو ان کے جبہ مقابل مسلمین تھے، اسی طرح حال ہی میں امریکا نے اتحادی منظم کئے تو ان کے جبہ مقابل مسلمین ہی تھے؛ چنانچہ حال ہی میں ٹونی بلیر نے روس اور چین کو یورپ والوں سے اتحاد کرنے کی دعوت دی تھی تا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑیں لیکن جس اتحاد کے آپ علمبردار ہیں وہ بے بنیاد اور انوکھا لگتا ہے کیونکہ آپ ملحدین اور سیکولروں سے متحد ہو کر اسلام کا راستہ روکنے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ اسلام و مسلمین سے دشمنی کا کوئی موقعہ ضائع نہیں ہونے دیتے گویا آپ کا اصل ہدف بھی اسلام کا راستہ روکنا ہے گرچہ آپ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں چنانچہ آپ کے بقول آپ کے اتحاد میں پہلے بحالی جمہوریت ہے۔

کہتے ہیں ہمارے پاس موارد اتحاد و اتفاق بہت ہیں جن میں سرفہرست قرآن کریم اور سنت محمدؐ ہے لیکن آپ ان پر اتفاق نہیں کرتے، اگر آپ قرآن پر اتفاق کرتے تو ''قرآن سمجھ نہیں آتا'' کے نظریے پر اتفاق نہ کرتے اور آپ اسمبلی میں یہ بات نہ کرتے کہ ہر ایک فرقے کی اپنی تفسیر ہے۔ لہٰذا آپ کے پاس فرقوں کی تفسیر ہے آپ کے پاس قرآن نہیں۔

اسی طرح آپ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سنت محمدؐ ہے جبکہ آپ کہتے ہیں کہ ہم سنت محمدؐ پر عمل نہیں کرتے ہیں کیونکہ سنت حافظ اصحاب سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے اور آپ کا کہنا ہے کہ ان میں سے بعض فاسق تھے چنانچہ آپ کہتے ہیں کہ ہم نبیؐ کے ان اصحاب سے روایات نہیں لے سکتے ہیں جو فاسق تھے لیکن آپ کی نظر میں آئمہ کے فاسق اصحاب بھی صحیح ہیں کیونکہ آپ ان سے روایات بھی لیتے ہیں اور ان پر عمل کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر آپکا قرآن اور سنت محمدؐ پر اتفاق ہوتا تو آپ قرآن و سنت محمدؐ کے خلاف فتاویٰ صادر نہیں کرتے۔ آپ اپنے فرقے پر اتفاق کرتے ہیں آپ جاہلیت کے اس مقولے پر کاربند ہیں جہاں اُن کا کہنا تھا اپنے ظالم و مظلوم بھائی دونوں کا ساتھ دینا چاہیے اپنوں کے صحیح و غلط اقدامات دونوں صحیح ہیں، آپ بھی یہی کہتے ہیں۔

اس کے عزائم و منویات کا ہر آئے دن مظاہرہ ہو رہا ہے جو آپ کو شرمندہ کر رہا ہے لیکن آپ شرمانے والے نہیں۔

سوتیلا اتحاد:

اس اتحاد کے داعی ہمیں غصے بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہمیں قرآن و سنت محمدؐ سے جو عقائد و نظریات ملے ہیں، ہم ان میں کسی قسم کے رد و بدل کو برداشت نہیں کرتے اور تبدیل شدہ اور خود ساختہ عقائد کو خلاف اسلام گردانتے ہیں جبکہ ان کا کہنا ہے کہ اس اتحاد میں شمولیت کے باوجود ہر ایک کے مذہب میں موجود تمام فرسودگیاں اور بیہودگیاں جوں کی توں رہیں گی ان کو چھیڑ چھاڑ کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے کافر و ملحد ہونے والوں کو روشن خیال اور مغز و متفکر جیسے القاب سے نوازا اور انہیں اختراعات و خرافات کی اجازت بھی دی۔ اس اتحاد والوں کے نزدیک کسی کو اپنا مذہب از خود چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ مذہب میں تحقیق کی اجازت نہیں ہوگی لیکن کفر و الحاد و شرک میں جانے کی کھلی آزادی ہوگی، یہ اسلام کو کنارے پر لگانے کی تدبیر ابلیسی ہے ایسے اتحاد کی حکومت سیاست دان اور بین الاقوامی و انسراے اور اسے باہر سے کنٹرول کرنے والے ہر سطح پر حوصلہ افزائی کرتے ہیں واحد چارہ یہ ہے کہ ہر ایک چپ چاپ سے اندرون خانہ خود اپنے

دین و مذہب کی حقانیت کے بارے میں غیر جانبدارانہ اور غیر متعصّبانہ تحقیق کرے اور فرقے کی محبت، اندھی تقلید یا اور فرقہ پرستی کو اس کام میں رکاوٹ نہ بننے دیں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آپ کے عقائد یا دین کی جڑیں کس حد تک تہہ میں ہیں یا ہوا و خیال و اوہام میں اگر آپ ایمانداری سے اور یہ سوچ کر تحقیق کریں کہ آپ نے ایک نہ ایک دن اپنے عمل کا اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے تو تمام فرقوں کی جڑیں خانہ ابلیس باطنیہ میں دیکھیں گے تو انشاء اللہ ہمیں وحدت اپنے ایمان و عمل میں کرنے کی ضرورت باقی رہے گی اور فرقوں کی ضرورت خود بخود ختم ہو جائے گی، تحقیق کرنے کا طریقہ و ذریعہ چنداں مشکل نہیں تمام فرق و مذاہب اگر غور سے دیکھیں گے تو اسلام ہوگا کہ ان کے درمیان خلافت و امامت وضو غسل و مسح میں اختلاف نہیں بلکہ اختلاف صرف اور صرف اس میں ہے کہ کائنات میں خالق و مدبر اور علیم و قادر صرف اللہ ہے یا آئمہ اولیاء پیر و مرشد اور وہ نام نہاد علماء و عرفا ہیں کہ جنہوں نے سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ ان کی دعائیں فوراً قبول ہو جاتی ہیں اور پھر اس وجہ سے لوگ انہیں مال و دولت اور قیمتی نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو اختلاف ہے وہ دینار و درہم اور عہدہ و منصب کا ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ ہمیں حصہ کم ملا ہے انہیں زیادہ ملا ہے۔

مسلمانوں نے جس دن سے قرآن سے روگردانی کر کے صرف حدیث پر انحصار کیا اور اس میں بھی یہ دیکھنے اور سوچنے کی زحمت نہ کی کہ کیا زیر مطالعہ یا زیر بحث روایت واقعی فرمان پیغمبرؐ ہے یا نہیں اور پھر محمدؐ کو چھوڑ کر اہل بیت یا اصحاب اور پھر اصحاب و آئمہ کو چھوڑ کر سلفیین و متقدمین کا شعار بلند کر کے قرآن اور سنت محمدؐ کی طرف جانے' کا راستہ روک دیا، گویا جس دن سے فرقے وجود میں آئے اس دن سے مسلمان اپنے مشترکہ دشمن کو چھوڑ کر آپس میں دست و گریبان ہونے لگے اور یوں قرآن و سنت محمدؐ سے دوری و نا آشنائی کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلت اور رسوائی اور اغیار کی غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ اگر آپ واقعی حقیقی معنوں میں اتحاد کے داعی ہوتے تو وہ کتابیں نہ چھپاتے جو آئے دن مسلمانوں میں نفرت و کینہ اور فتنہ اور فساد کا باعث بنتی ہیں۔

بحالی جمہوریت کیلئے قائم اتحاد:

بحالی جمہوریت کی خاطر وجود میں آنے والے اتحاد کو اسلامی کہنا ایک بڑا ظلم ہے یہ اتحاد قرآن و سنت محمدؐ کے منافی ہے کیونکہ رسول اکرمؐ نے اسلام کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں میں غیر مسلمین کو شرکت کی دعوت نہیں دی۔

اگر آپ اتحاد اسلامی کے داعی ہوتے تو مرحوم فضل اللہ جن کے قلم و بیان دونوں اس بارے میں وقف تھے ان کو خانہ نشین کر کے حکومت اسلام کے مخالفین کو آزادی نہ دیتے کہ وہ اُن کے خلاف جلوس نکالتے۔

اگر آپ اس بارے میں مخلص ہوتے تو اس حقیر کو اپنے گھر میں محصور نہ کرتے اور ایک دوست کا چہرہ بنا کر میرے عزیزوں کو ہم سے نہ چھینتے۔ آپ کو صرف اپنی نمائندگی میں صادر منشورات میا نوالی صحیح نظر آتے ہیں۔ جو صریح آیات محکمات کے علاوہ عقلِ عقلاء عالم کے نزدیک خرافات و فرسودات کا مجموعہ ہیں۔ چنانچہ اس ملک میں اسلام و مسلمین کی امید و آسرا دینی جماعتوں کا وطیرہ و سنت اس سلسلہ میں یہی رہا ہے جو وہ کہتے تھے کہ پہلے بحالی جمہوریت ہونی چاہیے۔ ان میں سے کسی نے بھی کسی بھی وقت یہ واضح کرنے کی کوشش نہیں کی ہے کہ دنیائے کفر و شرک سے اتحاد نہیں ہو سکتا ہے آپ نے ثابت کیا ہے کہ یہ اتحاد ہو سکتا ہے اور آپ نے کر کے دکھایا ہے لہذا یہ دینی جماعتیں ہر آئے دن اسلام کی دی ہوئی عزت سے محروم ہوتی گئیں، انہیں اپنے فرقے کے علاوہ دوسرے فرقوں کے لوگ کفار سے بھی بدتر نظر آتے ہیں چنانچہ انہیں دوسرے فرقے کے لوگ اور سرعام دین اسلام کا مذاق اڑانے والوں میں چنداں فرق نظر نہیں آتا ہے۔ آپ ہمیشہ الحادیوں کے ساتھ مسلک رہے ہیں کیونکہ کوئی الحادی، اسماعیلوم، الحادیزم، کمیونزم اور سوشلزم اور منافقزم کا داعی نہیں بچا جس کے دروازے پر آپ نے دستک نہ دی ہو۔ جب کفر و الحادوالوں سے آپ اتحاد کرتے ہیں تو یقیناً آپ کے جبہ مقابل مسلمین ہی ہوں گے، یہی قرین قیاس بھی ہے چنانچہ یہاں ہر آئے دن اسلامی نظام کے آنے کے امکانات کے نمبر گرتے جا رہے ہیں۔

یورپ کے سات ملک سیکولروں نام نہاد جماعتوں اور منافقانہ شعار خلیفہ باطن و خلیفہ ظاہر والوں اور اللہ کو اٹھانے لباس علی میں پیش کرنے اور ایک دفعہ علی کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور ایک دفعہ جل جلالہ لگانے والوں کو بلا دکفر و شرک سے کنٹرول کرتے ہیں یہ دوسری شہریت اور دوہرے مذہب رکھنے والوں سے اتحاد کرتے ہیں لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ آپ کے جبہ مقابل مسلمین ہی ہیں۔ لہذا جس دن سے آپ نے اتحاد کی بات کی ہے آپ نے فضولیات و خرافات وا کا زیب اور

تبراء چھوڑنے کی دعوت دینے والوں کو اپنے مطاعن کا نشانہ بناتے ہوئے اُن کے لقمہ حیات کو کاٹا اور انھیں اندرون خانہ محصور کیا ہوا ہے۔

یہاں پرانی منشورات کثیرہ میں سے چند کے بارے میں ملاحظات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں؛

۱۔التقیہ	۲۔نظریہ عدالت صحابہ	۳۔افضلیہ امام علی	۴۔مفہوم لعن وسب
۵۔عدد تکبیرات فی صلاۃ المیت	۶۔مہدویہ	۷۔القبض فی صلاۃ والتکف	۸۔الامامہ والعص
۹۔قرآن	۱۰۔حی علی خیر العمل فی الاذان	۱۱۔البداء	۱۲۔صلاۃ التراویح
۱۳۔صلاۃ خیر من النوم	۱۴۔عبداللہ بن سباء	۱۵۔الاحتفال بہ ذکر مولد نبی	۱۶۔سطور تحریف القرآن
۱۷۔الامام المہدی۔	۱۸۔حکم البناء علی القبور	۱۹۔فی ضوء	۲۰۔الغلو
۲۱۔زیارت القبور۔	۲۲۔دیگر فرق و مذاہب کے عمائدین۔	۲۳۔تیجانی کی کتابیں اور خیموں میں زیارت عاشوراء کیا ایام حج میں امام خمینی اور رہبر کے فتویٰ کے باوجود نماز پنجگانہ کے اجتماعات میں شرکت کی مخالفت اور رہائش گاہوں میں اقامہ جماعت اتحاد کا مظاہرہ ہے؟۔	

یہ کتب چھاپ کر نشر کی گئیں اور کہا گیا یہ کتابیں کوئی نئے موضوعات پر نہیں بلکہ ان کتابوں میں موجود موضوعات پہلی کتب میں موجود تھے۔اس طرح آپ مردہ ہڈیوں کو قبرستانوں سے تلاش کر کے لائے آپ کے یہ اعمال انا وجدنا آبائنا کی تائید کرتے ہیں۔

اس وقت وحدت مسلمین کے لئے بلند کئے جانے والے شعار حقائق وواقع خارجی سے متصادم ہیں اور وہ اندر سے کھوکھلے ہیں اور درحقیقت سابق زمانے کے طوائف الملوک کی صورت حال کے مناظر سوء کو چھپانے کیلئے انھیں اٹھایا جا رہا ہے جس کی ایک مختصر مثال یہ ہے کہ شدید مرض میں مبتلا انسان کو ہسپتال میں انتہائی نگہداشت میں رکھتے ہیں تاکہ اسے چند دن یا چند گھنٹے تک زندہ رکھا جا سکے تاکہ اس بیچارہ مصیبت زدہ انسان کی جیب سے محبت کی زبان سے جتنا کھینچ سکیں، کھینچیں۔چنانچہ وحدت مسلمین کے شعار میں یہ جو کہتے ہیں کہ اللہ واحد ہے، یہ باتیں ان کے خصوصی اجتماعات میں کہی جانے والی ہدایات سے متصادم ہیں جہاں یہ لوگ کہتے ہیں کہ آئمہ طاہرین علم وقدرت میں اللہ کے مثل ہیں اسی طرح صوفی حضرات کہتے ہیں کہ ان کے مرشد علم وقدرت میں اللہ کے مثل ہیں یا کہتے ہیں کہ اصحاب وآئمہ نبوت کا تسلسل ہیں یا انہیں مثل نبی ثابت کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ اہل بیت کا دیا ہوا ہے، کوئی اسے عبدالقادر جیلانی، علی ہجویری عرف گنج بخش، خوجہ اجمیری یا پیغمبرؐ و علی کی مدد کا نتیجہ گردانتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں اس قسم کے غیر عقلی و غیر منطقی اور غیر قرآنی و غیر شرعی عقائد و نظریات ہوں گے اور جہاں علماء کرام ایسے عقائد ونظریات کے حامل افراد کی اصلاح کی بجائے ان کے عقائد کی تائید کریں گے یا چپ کا روزہ رکھنے اور ان لوگوں سے برادرانہ تعلقات کو اہمیت دیں گے، وہاں ان لوگوں کے پاس نہ دین اسلام ہوگا اور نہ اللہ اور نہ رسولؐ ہوں گے۔

پاکستان میں اتحاد اسلامی کے داعیان میں سرفہرست مرحوم آغا عارف حسین تھے وہ امام خمینی کے اتحاد شیعہ وسنی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے داعی اتحاد بنے تھے اس سلسلہ میں وہ اپنی ذاتی کاوش اور روپے کا اچھے انداز میں مخلصانہ اظہار کرتے رہے لیکن آپ جس علاقہ سے تعلق رکھتے تھے وہ لوگ یہاں سے لکھنو تبراء تحریک میں شرکت کیلئے گئے تھے وہ اتحاد مسلمین کو کیسے گوارا کر سکتے تھے۔اس کے علاوہ جس تنظیم نے آپ کو سربراہ بنایا تھا ان کی مثال ان لوگوں کی تھی جنہوں نے علی کو خلیفہ بننے پر اصرار کیا تھا چنانچہ آپ کو اس سلسلہ میں تنظیم کی طرف سے مثبت اقدامات کرنے کی اجازت نہیں ملی بلکہ وہ ہر آئے دن مسائل پیدا کرتے رہے اور شعار نفرت بلند ہوتے رہے، جہاں تک آغا ساجد کی بات ہے تو وہ تو مشعل فرقہ واریت تھے جب اس گروہ نے آپ کو رخصت کیا تو آپ نے لبرل ازم قاضی میں پناہ لی تو آپ وحدت کے علمبردار بنے اس لئے آغا راجہ ناصر کی نئی تنظیم بنانے کے لئے راہ ہموار ہو گئی تھی، وحدت مسلمین کے قائد آغا راجہ ناصر کس قسم کا اتحاد مسلمین چاہتے ہیں، یہ سب کو

معلوم ہے پاکستان میں صوفیوں کی پشت پناہی میں الحادیوں کے اتحادی احزاب کی طرف سے وقتاً فوقتاً اعلان ہو رہا ہے کہ شیعہ تنظیم وحدت مسلمین ان کے ساتھ ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ محترم راجہ ناصر اور محترم امین شہیدی وغیرہ اسلام آباد میں پارلیمنٹ کے سامنے دو پارٹیوں کے نہ صرف دن رات کے مخلوط اجتماع بلکہ ناچ گانے میں بھی ان کے کنٹینر پر قیادت کرتے نظر آتے ہیں، لیکن لمحہ فکریہ ہے کہ علماء اعلام جن کا دعویٰ ہے کہ ہم مذہب اہل بیت پر ہیں آج وہ قائدین قوم کو مختلف کشتیوں میں سوار کر کے ساحل الحاد عمران خان بلاول بھٹو، الطاف حسین، اور طاہر القادری کی طرف لے جا رہے ہیں اہل بیت کی سنت وسیرت اس طرح سے نہیں تھی بلکہ اس کے برعکس تھی آپ کے بقول تو علی مخالف خلفاء کے ساتھ رہے خاندان امام صلح امام حسن و معاویہ امام سجاد کے بعد بھی مروانی حکومت کے خلاف کسی اتحادی گروہ میں نہیں گئے تھے۔

خلفاء راشدین کا مثالی کردار:

خلفاء راشدین پرست اور آئمہ کو معصوم گردانتے والے ان کی بہت سے خامیوں اور کوتاہیوں کے تحلیل کرنے اور ان پر وارد اعتراضات کا صرف جواب دینے ہی سے قاصر و عاجز نہیں بلکہ مبہوت رہتے ہیں کیونکہ یہ کوتاہیاں صفحات تاریخ میں ثبت ہو چکی ہیں۔ ان کو کسی اصول ومعیار صحیح وسالم سے رد نہیں کر سکتے ہیں سوائے غصہ کے اور یہ کہنے کے کہ ہم نہیں مانتے ہیں یہ ہمارے دشمنوں نے لکھا ہے بطور مثال حضرت علی حضرت عمر کی چھ رکنی کمیٹی میں شمولیت پر ابن عباس کو اعتراض تھا حضرت عثمان کے قتل کے بعد قبول خلافت پر امام حسن کو اعتراض تھا امام حسن کی معاویہ کے ساتھ صلح پر آپ کے برجستہ ساتھیوں اور بعض اصحاب کو اعتراض تھا اسی طرح حضرت عثمان کے اوپر تو اعتراضات کا دفتر رہا ہے۔

یہاں سے متعصب حضرات ان اعتراضات کے جوابات میں مبہوت رہنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ بہتر یہ ہے کہ اس باب کو بند کیا جائے ممکن ہے کہ دینا کے بہت سے دروازے بند ہو جائیں لیکن اعتراضات اور سوالات کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں ہو گا ایسا کریں کے گے تو فوراً یہ اعتراض اٹھے گا کہ آخر سوال و اعتراض کو روکنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے شاید پنڈورا بکس کھلنے سے ڈرتے ہونگے اگر مذہب کی بنیاد بوسیدہ ہو جائے تو اس کو چھپا کر نہیں رکھ سکتے ہیں فرض کریں کہ اس موضوع پر بات کرنے پر پابندی لگادیں اور بات کرنے والوں کو حج کے دنوں میں حرمین جانے نہ دیں اگر گئے تو اوقات نماز میں جانے نہ دیں پھر بھی وہ لوگوں سے مل جل سکتے ہیں سوال جواب ہو سکتا ہے اس طرح عام مسلمانوں سے ملاقات پر پابندی اور آنکھ کان بلکہ تمام حواس خمسہ پر پابندی لگا کر کب تک رکھیں گے، لیکن خلفاء راشدین جو مثالی کردار تاریخ میں ثبت کر گئے ہیں اس کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جہاں یہ حقیر راقم قوم کا بدنام اور ہر قسم کی صلاحیت و اہلیت سے عاری اور خاص کر علم تاریخ کا نصاب اول بھی نہ پڑھنے والا بھی دعوت مبارزہ دیتا اگر سچے ہو تو عالمی سطح پر یا اپنے ملک کے حکمرانوں میں سے ان چودہ صدیوں کے طویل دور میں خلفاء راشدین جیسی کوئی ایک مثال ہی پیش کر دو، چراغ لے کے ڈھونڈو گے تو بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملے گی اس حقیر و نالائق کی دعوت مبارزہ کا جواب نہ دے سکنے کے بعد آپ بڑے بڑے عالم و دانا صاحبان علم کا جواب کیا دیں گے۔

۱۔قدیم ادوار سے عصر حاضر تک حکمرانوں کا عام شہریوں سے مختلف رویہ رہا ہے اپنے اس وطن عزیز میں ضیاء الحق نے اقتدار کی ہوس میں مارشل لاء لگایا تو ان کے مارشل لاء کے خلاف مزاحمت میں کھڑے ہونے والے ذوالفقار علی بھٹو کو پہلے جیل میں ڈالا بعد میں اپنی جان کے لئے خطرہ سمجھ کر ان کو قتل کیا، اسے عدالتی قتل کہا جاتا ہے، الحادی پارٹیاں اس کو جرم کہتی ہیں اور دینی جماعتیں اسے ان کے الحاد و کفریات کی سزا گردانتی ہیں، راقم گرچہ بھٹو کے مقابل میں ضیاء کو زیادہ بہتر مسلمان سمجھتے ہیں لیکن ان کے کفریزم والحادیزم کے باوجود ان کے قتل کو قصاص قبل الجنایت تصور کرتے ہیں۔

۲۔پرویز مشرف نے اپنے الحادیزم و کفریزم کی مزاحمت کرنے والوں کو گلی کوچوں میں قتل کیا ہے اور خود بلا کر لائی جانے والی بے نظیر کو پہلے کراچی میں مارنے کے لئے بہت سی جانوں کو قتل کیا لیکن وہ بچ گئی اور پھر ان کو راولپنڈی میں قتل کیا اور ابھی تک اس سلسلے میں عدالت نہیں ہو سکی ہے۔

۳۔اس نے نواز شریف کا اس کو عہدے سے ہٹانے کے غصہ میں تخت الٹ دیا پھر پورے خاندان کو جیل میں بھیجا پھر ان کے لئے سزائے موت کی وعید سنائی اور پھر سفارشات کی وجہ سے جلاوطن کیا اب آتے ہیں خلفاء راشدین کے موقف سے آگاہی کی طرف۔

۴۔حضرت علی اور ان کے اصحاب کو یقین کامل تھا کہ خوارج علی کی جان کے درپے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو گرفتار کیا نہ انکی مسجد میں آتے وقت تلاشی لی اور نہ اپنے

ساتھ محافظ رکھے۔آج اس ملک میں مسجد کے امام بھی اپنے ذاتی محافظ اور سرکاری محافظ دونوں کو ساتھ رکھتے ہیں ملک میں اپنے مریدوں کے ہجوم کے ذریعے کرسی چھننے کی خواہش رکھنے والے اپنوں ہی کے درمیان ڈرے رہتے ہیں اور بلٹ پروف کنٹینرز ہی سے خطاب کرتے ہیں لیکن جب علی کو نماز کی حالت میں قتل کیا گیا تو فرمایا اگر میں اس سے نہیں بچوں تو قاتل کو ایک ضربت ماریں اور اس قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں مارنا۔

۵۔حضرت عمر کو ابولولو نے راستے میں دھمکی دی لیکن انہوں نے اس کو گرفتار نہیں کیا اور بعد میں جب ان کے بیٹے عبیداللہ نے ہرمزان کو قتل کیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری وفات کے بعد ان سے قصاص لیں۔دین میں پنڈورا بکس کھلنے کے خوف سے کہا جاتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس کو چھیڑا نہ جائے۔لوگوں کو زیادہ کتابیں نہ پڑھنے دیں۔دینی حقائق پر مبنی کتب کو بازار اور گھر سے دور رکھیں ورنہ کسی دن ان پر نظر پڑ سکتی ہے اور یوں پنڈورا بکس کھل جائے گا۔

آخر میں اپنے اختتامیہ کلمات کی تزئین ان دعائیہ کلمات سے کرتا ہوں جو امام حسین نے صبح عاشورا فرمائے۔کتاب ادب الحسین حماسہ تالیف احمد صابری ص ۱۵۷ پر نقل کیا ہے **اللھم انت ثقتی فی کل کرب، و رجائی فی کل شدۃ و انت لی فی کل امر نزل ثقۃ وعدۃ کم من ھم یضعف فیه الفواد و تقل فیه الحیلة و یخذل فیه الصدیق و یشمت فیه العدو،انزلته بک،و شکوته الیک رغبة منی الیک عمن سواک،ففرجته و کشفته.فانت ولی کل نعمة و صاحب کل حسنة و منتھی کل رغبته** اپنے رب غفور سرور رحیم کی درگاہ کبریائی میں عرض گزار ہوں کہ میں نے اپنے گزشتہ صفحات اور حاضر صفحات کو سیاہ کیا ہے وہ نہ علم نمائی کیلئے تھے نہ شہرت نمائی کے لئے چونکہ میں عزائم شریا خواب اقتدار کا متمنی نہیں ہوں نہ ایک ایسی دولت کا جو پست زندگی کے لئے حاصل کرتے ہیں اس کی مثال ایک مردے کی قبر پر اگنے والی سبزی کی طرح ہے جیسا کہ امام حسین نے فرمایا ہے میں یہ سطور کسی کے ایماء پر نہیں لکھ رہا ہوں جیسا کہ عمائدین علماء و دانشوران کہتے ہیں بلکہ یہ بات خود ان کی شکست و ہزیمت، ان کے عقائد کی بوسیدگی اور دشمن کی بزرگی وقدرتمندی کی دلیل ہے کہ آپ کے دین کو للکارنے کیلئے کوئی ہم جیسے بے قدو قامت اور بیان و تحریر کے نااہل سے صفحات لکھوا کر آپ کو پیش کرے گویا وہ یہ کہہ رہا ہو کہ ہم چاہیں تو آپ کے خلاف نااہلوں سے بھی لکھوا سکتے ہیں، آپ ان کا بھی جواب نہیں دے سکیں گے بلکہ میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے اس فرمان کی تاسی واقتداء کرتے ہوئے لکھتا ہوں۔

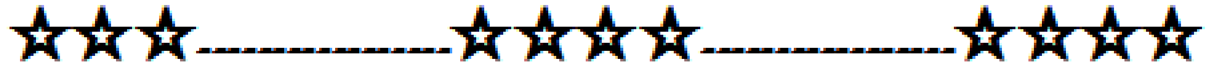
اللھم انک تعلم انه لم یکن الذی کان منا منافسة فی سلطان ولا التماس شیء من فضول احطام و لکم لنرد المعالم من دینک و نظھر الاصلاح فی بلادک فیامن المظلومون من عبادک و تقام المعطللة من حدودک. خطبہ ۱۳۱۔

جب یہاں بنام عزیز محمدؐ و علی و زہراء مرضیہ اور حسین بن علی سے منسوب کر کے اکاذیب والاحادیث پر مبنی منشورات نشر ہوئیں، حسین بن علی قہرمان کربلاء کے نام گرامی کو پس پشت ڈال کر مشرکین کی سیرت پر چل کر اونٹ، گھوڑے وجھولے، انجیل ام لیلیٰ وام بنین و فاطمہ صغراء، طفلان مسلم بن عقیل کے قصے بلند ہوئے تو ان کی اصلاح کیلئے یہ صفحات لکھے۔اے رب روف ومہربان اے غافر ذنب قابل التوب اگر میرے صفحات حق وحقیقت سے مطابقت رکھتے ہیں اور یہ تیری رضا کی خاطر ہیں تو انھیں میرا ذخیرہ معاد اور وسیلہ نجات قرار دے۔اگر میری نیت میں تیری ذات کے علاوہ کوئی اور چیز تھی یا میں نے بغیر تحقیق اشتباہ ولغزش کی تو اے رب تو تواب و رحیم ہے، گناہوں کو بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو بخشنا تیرا وعدہ ہے، میری کوتاہیوں کو بھی معاف فرما۔میں یہاں ان دعائی فقرات کو پڑھتا ہوں جو نبی کریم نے طائف سے واپسی پر اپنی بے بسی اور تنہائی اور مدافعین نہ ہونے کی شکایت میں فرمائے۔

''اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یاارحم الراحمین،انت رب المستضعفین وانت ربی،الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدوٍّ ملکته امری؟ان لم یکن بک علی غضب فلاابالی،ولکن عافیتک ھی اوسع لی،اعوذبنورِ وجھک الذی اشرقت له الظلمات و صلح علیه امر الدنیاوالاخرۃمن ان تنزل بی غضبک اویحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی،ولاحول ولاقوۃالابک''

''بارالہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے

کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروانہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''



مصادر و مآخذ دور رشد و رشادت تاریخ اسلام

معجم المفهرس لالفاظِ القرآن الکریم	محمد فؤاد عبدالباقي
معجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم	محسن بیدارفر
معجم لالفاظ القرآن الکریم	مجتمع اللغة العربية
معجم الميسر لالفاظ القرآن الکریم	شيخ ابراهيم رمضان
المعجم المفهرس للقرآن الکریم	موسسة الانصاريان
كشاف الموضوعي القرآن الكريم	سيد آصف هاشمي ،السيد سليمان موسوى
معجم المفهرس نهج البلاغه	محمد دشتي
معجم الفهرس بحار الانوار	كاظم مراد خاني

مصادر استخراج معانی لغات و اصطلاحات اردو، فارسی، عربی

معجم المفهرس لالفاظِ القرآن الکریم	محمد فؤاد عبدالباقي
معجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم	محسن بیدارفر
معجم لالفاظ القرآن الکریم	مجتمع اللغة العربية
معجم الميسر لالفاظ القرآن الکریم	شيخ ابراهيم رمضان
المعجم المفهرس للقرآن الکریم	موسسة الانصاريان
كشاف الموضوعي القرآن الكريم	سيد آصف هاشمي ،السيد سليمان موسوى
معجم المفهرس نهج البلاغه	محمد دشتي
معجم الفهرس بحار الانوار	كاظم مراد خاني
معجم المفهرس لالفاظِ القرآن الکریم	محمد فؤاد عبدالباقي
معجم المفهرس لالفاظ القرآن الکریم	محسن بیدارفر
معجم لالفاظ القرآن الکریم	مجتمع اللغة العربية
معجم الميسر لالفاظ القرآن الکریم	شيخ ابراهيم رمضان
المعجم المفهرس للقرآن الکریم	موسسة الانصاريان
كشاف الموضوعي القرآن الكريم	سيد آصف هاشمي ،السيد سليمان موسوى
معجم المفهرس نهج البلاغه	محمد دشتي
معجم الفهرس بحار الانوار	كاظم مراد خاني

مصادر استخراج معانی لغات و اصطلاحات اردو، فارسی، عربی

نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر

فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین
فیروز اللغات	مقبول بیگ
احسن اللغات اردو جامع	اورینٹل بک سوسائٹی لاہور
شرح الفاظ القرآن	عبد الرشید گجراتی
قاموس مترادفات	وارث سر ہندی
لغات کشوری	سید تصدق حسین رضوی
آئینہ اردو لغت	خالد بک ڈپو لاہور
اعجاز اللغات جدید	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
پاپولر جدید لغات	اورینٹل بک سوسائٹی لاہور
اظہر لغات جامع	محمد امین بھٹی
فرہنگ آصفیہ	مولوی سید احمد دہلوی
اردو لغت(تاریخی اصولوں پر)	اردو لغت بورڈ کراچی
اردو لغت	مرزا مقبول بیگ بدخشانی
جامع الغات	خواجہ عبد المجید
فرہنگ اصطلاحات	اشفاق احمد۔محمد اکرم چغتائی
لغت نامہ	علی اکبر دھخدا
فرہنگ سخن	ڈاکٹر حسن نوری
فرہنگ فارسی	ڈاکٹر محمد معین
فرہنگ فارسی عمید	حسن عمید
فرہنگ فارسی پیام	ڈاکٹر سید محمود اختریان
جہان معاصر	انتشارات جاویدان
قاموس اللغات	
اصطلاحات عمومی	عبد الحسین سعیدیان
فرہنگ تلفظ	شان الحق الحقی
قائد اللغات	ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری
جدید نسیم اردو	مرتضیٰ حسین
فرہنگ کاروان	فضل الٰہی عارف
فرہنگ اصطلاحات معاصر	نجفی میرزائی
فرہنگ علوم فلسفی و کلامی	ڈاکٹر جعفر سجادی

المنجد	دار الاشاعت
مصباح اللغات	مولانا عبد الحفیظ بلیاروی
لسان العرب	للعلامة ابن منظور
اقرب الموارد	سعیدالخوری الشرتونی اللبنانی
تاج العروس	محمدمرتضٰی الحسینی الزبیدی
المنجد	دار المشرق
القاموس الوحید	مولانا وحید الزمان القاسمی کیرانوی
المشوف المعلم	عبد اللہ بن الحسین البکری الحنبلی
المعجم الوسیط	مکتبہ رحمانیہ
معجم قوامیس اللغہ	**ابی الحسین احمد بن فارس بن ذکریا الرازی**
بیان اللسان	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی
معجم الوجیز	مجمع اللغة العربیہ ایران ۔ قم
لسان للسان تھذیب لسان العرب	ابی الفل جمال الدین محمد بن مکرم
المعجم المجمعی	عبد الحسین محمد علی البقائی
معجم ما استعجم	عبد اللہ بن عبد العزیز البکری الاندلسی
المعجم فلسفی	ڈاکٹر جمیل صلیبا
المعجم اغلاط اللغویہ معاصر	محمد عدنانی
محیط المحیط	المعلم پطرس البستانی
قاموس المحیط	الفیروز آبادی
المعجم علمی مصور	مکتبہ الثقافة بالمدینہ
الموسوعة العلمیہ	محمد عدنان رفاعی
الاروس	ڈاکٹر خلیل الجز
المعجم الکبیر	حمدی عبد المجید السلفی
معجم الطلاب	د۔ یوسف شکری فرحات
المورد الوسیط	ڈاکٹر روحی البعلبکی ۔ منیر البعلبکی
فقہ اللغہ دارا رقم بن ابی ارقم	ابی منصوربن اسماعیل الثعالبی النیشا بو ر ی
نور اللغات	مولوی نور الحسن نیر
فیروز اللغات	مولوی فیروز الدین

فیروز اللغات	مقبول بیگ
احسن اللغات اردو جامع	اورینٹل بک سوسائٹی لاهور
شرح الفاظ القرآن	عبد الرشید گجراتی
قاموس مترادفات	وارث سر هندی
لغات کشوری	سید تصدق حسین رضوی
آئینه اردو لغت	خالد بک ڈپو لاهور
اعجاز اللغات جدید	سنگ میل پبلی کیشنز لاهور
پاپولر جدید لغات	اورینٹل بک سوسائٹی لاهور
اظهر لغات جامع	محمد امین بهٹی
فرهنگ آصفیه	مولوی سید احمد دهلوی
اردو لغت(تاریخی اصولوں پر)	اردو لغت بورڈ کراچی
اردو لغت	مرزا مقبول بیگ بدخشانی
جامع الغات	خواجه عبد المجید
فرهنگ اصطلاحات	اشفاق احمد۔محمد اکرم چغتائی
لغت نامه	علی اکبر دهخدا
فرهنگ سخن	ڈاکٹر حسن نوری
فرهنگ فارسی	ڈاکٹر محمد معین
فرهنگ فارسی عمید	حسن عمید
فرهنگ فارسی پیام	ڈاکٹرسید محمود اختریان
جهان معاصر	انتشارات جاویدان

قاموس اللغات

اصطلاحات عمومی	عبد الحسین سعیدیان
فرهنگ تلفظ	شان الحق الحقی
قائد اللغات	ابو نعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندهری
جدید نسیم اردو	مرتضیٰ حسین
فرهنگ کاروان	فضل الهٰی عارف
فرهنگ اصطلاحات معاصر	نجفی میرزائی
فرهنگ علوم فلسفی و کلامی	ڈاکٹر جعفر سجادی
المنجد	دار الاشاعت

مصباح اللغات	مولانا عبد الحفیظ بلیاروی
لسان العرب	للعلامۃ ابن منظور
اقرب الموارد	سعیدالخوری الشرتونی اللبنانی
تاج العروس	محمدمرتضٰی الحسینی الزبیدی
المنجد	دار المشرق
القاموس الوحید	مولانا وحید الزمان القاسمی کیرانوی
المشوف المعلم	عبد اللہ بن الحسین البکری الحنبلی
المعجم الوسیط	مکتبہ رحمانیہ
معجم قوامیس اللغہ	ا بی الحسین احمد بن فارس بن ذکریا الرازی
بیان اللسان	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی
معجم الوجیز	مجمع اللغۃ العربیہ ایران ۔ قم
لسان للسان تھذیب لسان العرب	ابی الفل جمال الدین محمد بن مکرم
المعجم المجمعی	عبد الحسین محمد علی البقائی
معجم ما استعجم	عبد اللہ بن عبد العزیز البکری الاند لسی
المعجم فلسفی	ڈاکٹر جمیل صلیبا
المعجم اغلاط اللغویہ معاصر	محمد عدنانی
محیط المحیط	المعلم پطرس البستانی
قاموس المحیط	الفیروز آبادی
المعجم علمی مصور	مکتبہ الثقافۃ بالمدینہ
الموسوعۃ العلمیہ	محمد عدنان رفاعی
الاروس	ڈاکٹر خلیل الجز
المعجم الکبیر	حمدی عبد المجید السلفی
معجم الطلاب	د۔ یوسف شکری فرحات
المورد الوسیط	ڈاکٹر روحی البعلبکی ۔ منیر البعلبکی
فقہ اللغہ دارا رقم بن ابی ارقم	ابی منصوربن اسماعیل الثعالبی النیشا بو ر ی

لغات قرآن

معجم القرآن	عبد الرؤف المصری
قاموس قرآن	سید علی اکبر قرشی

فرهنگ نامه قرآنی	استان قدس رضوی
قاموس الفاظ اصطلاحات قرآنی	امین حسین اصلاحی
مترادفات القرآن	عبد الرحمٰن کیلانی
لغات القرآن	محمد عبد الرشید نعمانی
الفاظ مترادفه کے درمیان فرق	محمد نور حسین قاسمی
معجم مفردات الفاظ قرآن	راغب اصفهانی
جولة التاریخیه فی عصر خلفاء الراشدین	محمد سید الوکیل
سیرة امیرالمومنین عثمان بن عفان شخصیته و عصره	علی محمد صلابی
التاریخ السلامی خلفاء الراشدون و العهد الاموی ج۳.۴	محمود شاکر
تراجم خلفاء الراشدین ابوبکر صدیق اول الخلفاء الراشدین	محمد رضا
موسوعه السیر خلیفه الاول ابوبکر صدیق شخصیته و عصره	علی محمد صلابی
تاریخ خلیفه خیاط	ابی عمرو خلیفه بن خیاط مروج الذهب ج ا
ابی الح	
سن علی بن الحسین بن علی المسعودی	
اخبار الدول و آثار الاول فی التاریخ	احمد بن یوسف القرمانی
تاریخ یعقوبی	دار صادر
الخلفاء الراشدون	عبد الوهاب نجار
الخوارج تاریخهم‘فرقهم‘وعقائدهم	دکتور احمد عوض ابو الشباب
تاریخ اسلامی	حسن ابراهیم حسن
تراجم الخلفاء راشدین ذوالنورین عثمان بن عفان	محمد رضا
علی طنطاوی ابو بکر صدیق	دار المنار
علی طنطاوی عمر بن خطاب	دار المنار
صفة الصفوة	الامام جمال الدین ابیی ،الفرج ابن جوزی
تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمن بن خلدون
شذرات الذهب ج ا	بن عماد حنبلی
موسوعه عشرة المبشرون مناقب عمر بن خطاب	د.شیخ احمد عزو عنایة
د.علی محمد مصطفیٰ	
سهره امیرالمومنین علی بن ابی طالب شخصیته و عصره	علی محمد صلابی

تاريخ الكوفه	سيد احمد برقي نجفي
تراجم الخلفاء راشدين عمر بن خطاب	محمد رضا
تجارب امم ص ١٦٣	د.ابو علي مسكوئ راضي
معاويه ابن ابي سفيان	علي محمد صلابي
تاريخ طبرى	
الامام الحسن القائد و التاريخ	فواد الاحمد
فضائل الامام علي	محمد جوادمغنيه
علي و نظام الحكم في الاسلام	محمد باقر الناصرى
الامام علي من المهد الیٰ الحد	السيد محمد كاظم القرونى
علي سيد العرب والعجم	شخ عبد الجبار ربيعي
صلح امام حسن	شيخ راضي آل يسين
حياة امام حسن	باقر شريف قرشي
عمر بن خطاب	علي محمد صلابي
سيره اميرالمومنين خامس خلفاء الراشدين حسن بن علي بن ابي طالب	علي محمد صلابي
سيره الائمه اثناعشر ج ا	هاشم معروف حسنى
حياة خليفه عمر بن خطاب	عبد الرحمن احمد بكرى
موسوعه العشرة المبشروب بالجنة مناقب عثمان	د.شيخ احمد عزو عناية
د.علي محمد مصطفیٰ	
تاريخ اسلامي ووفيات المشاهير والاعلام	مكتب توفيقيه
موسوعه سيرر عمر بن عبد العزيز شخصيته و عصره	علي محمد صلابي
امامان شيعه	علامه محمد تقي مدرسي
تحليلي از زندگاني سياسي امام حسن مجتبیٰ	سيد جعفر مرتضي عاملي
نقش صلح امام حسن	محمد مقيمي
علي و فرزندانش	دكتر طه حسين
صلح امام حسن	شيخ رضي آل يسين
امامت	استاد حسن زاده آملي
زندگاني امام حسن مجتبیٰ	سيد هاشم رسولي محلاتي
حلومت عدالت خواهي علي بن ابي طالب	سيد اسماعيل رسولزاده
پيشوايان هدايت حضرت عليؑ	مجمع جهاني اهل بيت

پیشوایان هدایت حضرت امام حسنؑ	مجمع جهانی اهل بیت
سیمای کارگزاران علی بن ابی طالب جلددوم	علی اکبر زاکری
درمکتب اهل بیت	دار التوحید
علی	شهید دکتر علی شریعتی
امیرالمومنین اسوه وحدت	محمد جواد شری
پیرامون زندگانی چهارده معصومقربانیان عدالت	دکتر محمد رضا صالحی
زندگانی امام حسن مجتبیٰ	سید هاشم رسول محلاتی
نگاهی بر زندگی امام حسن	محمد محمدی اشتهاردی
سی ساله خلافت راشده	الحاج معراج الدین نقشبندی
حیات فکری و سیاسی امامان شیعه	رسول جعفریان
منتهی الاعمال جلد دوم	شیخ عباس قمی
اقضیه الخلفاء الراشدین	د.ارکی نور مهمد بن ارکی
جمهرة الخطیب العرب ج اول	احمد زکی صفوت
صلح امام حسن اسباب و نتائجه	محمد جواد فضل الله
المرتضی	ابوالحسن علی الحسنی الندوی
الائمة اثنا عشر	عادل الادیب
الامام علی من المهد الی الحد	سید محمد کاظم القروینی
علی سید العربی والعجم	شیخ عبدالجبار ربیعی
فضائل امیرالمومنین	شیخ محمد حسن المظفر
ترجمه علی بن ابی طالب	باقر محمودی
ائمتنا	علی محمد علی دخیل
الامام علی بن ابی طالب	محمد ری شهری
علی المرتضی	حسین شاکری
علی	جعفر سبحانی
حکومت عدالت خواهی علی بن ابی طالب	سید اسماعیل رسول زاده
امیرالمومنین اسوه وحدت	محمد جواد شری
مرد نا متناهی علی بن ابی طالب	حسن صدر
سیاسی کارگزاران علی بن ابی طالب	علی اکبر ذاکری
بیست و پنج سال حکومت علی	فواد فاروقی

علی آئینه عرفان	سید اصغر ناظم زاده قمی
فی رحاب ائمه اهل بیت	محمد باقر بحر العلوم
فی رحاب الائمة	آیت الله فضل الله
الائمة اثنا عشر	شمس المین محمد بن طولون
خصائص الائمة علیه السلام	شریف الرضی
معالم المدرستین	العلامة سید مرتضی عسکری
موجفر سیرة رسول و اهل بیت	موسسه البلاغ
تاریخ اهل بیت	تحقیقی سید محمد رضا حسینی
الامامة فی ضوء الکتاب و السنة	شیخ مهدی السماوی
الامامة الا ثنا عشره علیه السلام	عادل ادیب
سیرت ائمه اثنا عشر	استاد عادل ادیب
اهل بیت و مصلحته الاسلام	شیخ فواد کاظم المقدادی
فی رحاب اهل بیت	آیت الله فضل الله
حیات فکری و سیاسی امامان شیعه	رسول جعفریان
الائمة الاثنا عشر	شمس المین محمد بن طولون
علی نبراس دمتراس	سلیمانی کتانی
علی امام المتقین	شرقادی
علی بن ابی طالب	محمد رضا صدر
فضائل علی بن ابی طالب	محمد حسین مظفر
امام علی	عبد الحمید مهاجری
فروغ ولایت	جعفر سبحانی
علی	دکتر علی شریعتی
اسرار ولایت مطلقه	شیخ محمد علی بهمنی
علی و فرزندانش	دکتر طه حسین
تجلی امامت در نهج البلاغه	علائم الدین حجازی
اسرار غدیر	محمد باقر انصاری
امیرالمومنین اسوه وحدت	محمد جواد شری
عبقریة الامام علی	عباس محمود العقار
علی سید العرب والعجم	شیخ عبد الجبار الربیعی

فضائل امیرالمومنین و امامه دلائل الصدق	شیخ محمدحسن ظفر
تبصرة الولی	البحرانی
الحیاة سیاسة للامام حسن	جعفر مرتضیٰ عاملی
الامام حسن العقائد و التاریخ	فواد الاحمد



تألیفات مؤلفِ دار الثقافته اسلامیة

تفسیر قیام امام حسین

انتخاب مصائب

اسرار قیام امام حسین

دار الثقافتہ اسلامیہ سے عروۃ الوثقیٰ

معجم مولفین قیام امام حسین

قرآنیات

قرآن سے پوچھو

قرآن اور مکتب تشیع

اٹھو قرآن سے دفاع کرو

اہل ذکر سے پوچھو کے جوابات

قرآن میں شعر و شعراء

قرآن میں مذکر و مونث

انبیاء قرآن حضرت محمد ﷺ

انبیاء قرآن نوح و ابراہیم

فصل جواب

انبیاء قرآن موسیٰ و عیسیٰ

انبیاء قرآن ھود صالح لوط یعقوب و یوسف

تاریخ

۱۔ مدخل الدرستہ الاسلامی

۲۔ دور رشد و رشادت

۳۔ دور ضالہ

۴۔ دور لحادہ

کائنات کا خالق

حج

معجم حج و حجاج

متفرقات

شیعہ اہل بیت

باطنیہ و بناتھا

متنوعہ

دفاعیات

فصلنامہ عدالت

تحفہ منورین

جواب سے لا جواب

جوابات صارخہ

صرخہ حق

مکتوبات شرف الدین

افق گفتگو

حوزات و مدارس پر نگارشات

ہماری سیاست و ثقافت

جواب شکوہ

شکوں کے جواب

عقائد و رسومات

علم اور دین

مجلّہ اعتقاد

ائمہ کے خلاف ائمہ کی جدو جہد

ترجمات

حضرات حسنین

تفسیر شہید الصدر

http://www.sibghtulislam.com



دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان